مرآۃ المناجیح

اردو ترجمہ و شرح

مشکوٰۃ المصابیح

مصنف

جلد (چہارم)

حکیم الامت مولانا مفتی احمد یار خان نعیمی بدایونی

نعیمی کتب خانہ گجرات

مرآت جلد چہارم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب ما یقول عند الصباح و المساء و المنام

باب صبح شام اور سوتے وقت کیا کہے۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ صبح شام سے مراد دن کے دونوں کنارے ہیں،یعنی نماز فجر سے پہلے اور بعد تا طلوع آفتاب اور مغرب کی نماز کے بعد سے تا غروب شفق۔منام مصدر میمی بھی ہوسکتا ہے اور ظرف بھی یعنی سونے پر یا سونے کے وقت کیا پڑھے۔ظاہر یہ ہے کہ یہاں سونے سے مراد رات کا سونا ہے نہ کہ دوپہر کا قیلولہ وآرام کیونکہ اس باب میں رات کے سونے ہی کی دعائیں بیان ہونگی۔رات میں اصل آرام ہے،دنیاوی کاروبار اس کے تابع ہے اور دن میں اصل کاروبار ہے،سونا اس کے تابع،رب فرماتا ہے:"وَّ جَعَلْنَا الَّیۡلَ لِبَاسًا وَّ جَعَلْنَا النَّہَارَ مَعَاشًا" لہذا حقیقتًا سونے کا وقت رات ہی ہے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ بن مسعود سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب شام پاتے تو فرماتے ہم نے شام پائی اور اللہ کے ملک نے شام پائی سب تعریفیں اللہ کو ہیں ۱؎ اس اکیلے کے سواء کوئی معبود نہیں اس کا کوئی شریک نہیں اس کا ملک ہے،اس کی حمد ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے ۲؎ الٰہی میں تجھ سے اس رات کی اور جو اس رات میں ہے اس کی بھلائی مانگتا ہوں اور اس رات کی اور جو اس میں ہے اس کی شر سے تیری پناہ لیتا ہوں ۳؎ خدایا میں سستی،بڑھاپے اور زیادتی عمر کی برائیوں سے ۴؎ اور دنیا کے فتنوں سے اور قبر کے عذاب سے تیری پناہ لیتا ہوں ۵؎ اور جب سویرا پاتے تو ساتھ یہ بھی کہتے ہم نے سویرا پایا اور اللہ کے ملک نے سویرا پایا ۶؎ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ یارب میں آگ میں عذاب اور قبر میں عذاب سے تیری پناہ لیتا ہوں ۷؎(مسلم)	

۱؎ یعنی خدا کا شکر ہے کہ ہم نے بخیریت دن گزار لیا اور شام پالی،ہمارے ساتھ رب تعالٰی کے ملک نے بھی شام پالی،یہ دونوں چیزیں اللہ کی نعمتیں ہیں،اگر ملک تباہ ہوجاتا صرف ہم ہی رہ جاتے تب بھی مصیبت تھی۔یہاں ملک سے مراد عالم اجسام سفلی ہے جہاں دن رات ہوتے ہیں۔عالم

انوار، عالم امر، جنت دوزخ وغیرہ میں نہ دن ہو نہ رات وہاں تو رب کی تجلی ہے نہ کہ سورج کی جیسے قیامت میں ہوگا، رب تعالیٰ فرماتا ہے: "وَ اَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا"۔

۲؎ یعنی ان دن رات کے آنے جانے صبح وشام کی تبدیلیوں سے پتہ چلتا ہے کہ ان کو گردش دینے والا اکیلا معبود ہے جس کا کوئی ساتھی نہیں اور ہر چیز پر قادر ہے۔ سبحان اللہ! کیسا پیارا استدلال ہے کہ گھومنے والی چیزوں سے گھمانے والے کی قدرت کا پتہ لگاؤ۔

۳؎ ہر وقت اپنے ساتھ خیر یا شر لاتا ہے، کسی وقت میں خطرناک حادثے ہو جاتے یا ہم سے برے اعمال سرزد ہو جاتے ہیں اور کسی وقت میں اچھے واقعات رونما ہوتے ہیں یا ہم کو اچھے اعمال کی توفیق ملتی ہے۔ اس دعا میں عرض کیا گیا ہے کہ خدایا اس وقت کے حادثات، برے اعمال سے تیری پناہ اور اس وقت کے اچھے واقعات اور نیک اعمال کی توفیق کی تجھ سے طلب ہے۔ معلوم ہوا کہ اوقات کو حادثات واعمال میں دخل ہے۔

۴؎ کسل کے معنی ہیں طبیعت کا بوجھ جس سے عبادات بخوبی ادا نہ ہو سکیں اگرچہ جسم میں طاقت ہو۔ ہرم وہ بڑھاپا جس سے زندگی کا اصل مقصود فوت ہو جائے یعنی علم و عمل جاتے رہیں، رب تعالیٰ فرماتا ہے: "لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا" اور بڑھاپے کی برائی سے مراد سٹھ جانا ہے کہ مت کٹ جائے اور انسان دوسروں پر بوجھ بن جائے کہ اپنے عزیز اس کی موت کی تمنا کرنے لگیں۔ معلوم ہوا کہ شیخوختہ، ہرم اور کبر اگرچہ تینوں کے معنی بڑھاپا ہی ہیں مگر ان تینوں کا آپس میں بڑا فرق ہے، یہ بھی معلوم ہوا کہ یہاں ھرم و سوء کبر میں تکرار نہیں بلکہ ان کے معنی جدا جدا ہیں۔

۵؎ دنیا کے فتنے، محبت دنیا اور غفلت عیش ہیں، یہ دونوں چیزیں تمام گناہوں کی خبر ہیں۔ عذاب قبر سے مراد یا تو خود وہاں کا عذاب ہے یا اس عذاب کے اسباب جیسے چغل خوری یا پیشاب کی چھینٹوں سے پرہیز نہ کرنا وغیرہ بہرحال یہ دعا بہت نفیس ہے۔

۶؎ باقی تمام وہ الفاظ کہتے جو شام کے وقت کی دعا میں گزر گئے اور ان کی وہ ہی تفسیر ہے جو ابھی عرض کردی گئی۔

۷؎ خیال رہے کہ دوزخ کا عذاب آگ میں عذاب ہے کہ بندہ آگ میں داخل ہو کر عذاب پائے گا اور قبر میں عذاب آگ کا عذاب ہے کہ قبر میں دوزخ نہیں آجاتی بلکہ دوزخ کی کھڑکی کھل جاتی ہے جس سے وہاں کی لپٹ، گرمی، دھواں، بدبو وغیرہ آتی رہتی ہے، رب تعالیٰ دونوں سے بچائے۔

روایت ہے حضرت حذیفہ سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب رات میں اپنا بستر لیتے تو اپنا ہاتھ رخسار کے نیچے رکھتے ۱؎ پھر کہتے الٰہی میں تیرے نام پر مروں گا اور جیوں گا ۲؎ اور جب بیدار ہوتے تو کہتے شکر ہے اس اللہ کا جس نے ہمیں مر جانے کے بعد زندہ کیا اسی کی طرف اٹھنا ہے ۳؎ (بخاری) اور مسلم نے حضرت براء سے۔	

۱؎ آپ کا بستر شریف قبر کے رُخ بچھایا جاتا ہے کہ قبلہ کے داہنے سر مبارک ہوتا اور قبلہ کے بائیں پاؤں شریف حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سیدھی کروٹ پر لیٹتے، داہنا ہاتھ داہنے رخسارہ کے نیچے رکھتے تھے۔ قبر میں میت کی ہیئت بھی یہ ہی ہوتی ہے، چونکہ نیند موت کا نمونہ ہے اسی لیے حضور علیہ السلام کا بستر قبر کے نمونہ کا ہوتا تھا تاکہ لیٹنے کے وقت موت یاد آئے کہ کبھی قبر میں بھی لیٹنا ہے۔

۲؎ یہاں موت وزندگی سے مراد سونا جاگنا ہے، رب تعالیٰ کا نام شریف **ممیت** بھی ہے اور **محیی** بھی یعنی **ممیت** کے نام پر مروں گا اور **محیی** کے نام پر جیوں گا یعنی بیدار ہوں گا کہ میرے یہ دو حال تیرے ان دو ناموں کا مظہر ہیں۔ (مرقات)

۳؎ یعنی یہ جاگنا یہ کل قیامت میں اٹھنے کی دلیل ہے۔نشور نشر سے بنا بمعنی متفرق ہونا،پھیل جانا،اسی سے انتشار اور منتشر بنا،جاگنے کو نشور اسی لیے کہتے ہیں کہ بندے جاگ کر طلب رزق وغیرہ کے لیے پھیل جاتے ہیں اور بکھر جاتے ہیں۔خیال رہے کہ عربی میں نیند،سکون،بے عقلی،جہالت،بھیک مانگنے،گناہ،بڑھاپے،ناگوار حالت جیسے ذلت،فقر وغیرہ کو موت کہہ دیتے ہیں اور ان کے مقابل کو حیات یعنی زندگی،یہاں موت بمعنی نیند ہے اور احیاء بمعنی بیداری،رب تعالٰی فرماتا ہے:"اَوَ مَنۡ کَانَ مَیۡتًا فَاَحۡیَیۡنٰهُ"اور فرماتا ہے:"اِنَّكَ لَا تُسۡمِعُ الۡمَوۡتٰی"ان دونوں آیتوں میں موت سے مراد جہالت ہے اور میت سے مراد جاہل وکافر۔(مرقات ولمعات)

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم میں سے کوئی اپنے بستر پر جائے تو اپنے تہبند کے داخلی پلو سے بستر جھاڑ دے ۱؎ اسے کیا خبر کہ بستر پر کیا چیز پڑی ہے ۲؎ پھر کہے یارب میں تیرے نام پر اپنا پہلو رکھ رہا ہوں ۳؎ اور تیرے نام پر ہی اٹھاؤں گا ۴؎ اگر آج میری جان تو قبض کرے تو اس پر رحم فرمانا ۵؎ اور اگر واپس بھیجے تو اس کی اس ہی سے حفاظت فرمانا جس سے اپنے نیک بندوں کی حفاظت فرماتا ہے ۶؎ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ پھر اپنے داہنی کروٹ پر لیٹ جائے پھر کہے بِاسۡمِكَ،الخ (مسلم،بخاری) ۷؎ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ پھر اپنے کپڑے کے پلو سے بستر تین بار جھاڑے ۸؎ اور یوں کہے کہ اگر تو میری جان قبض فرمالے تو اسے بخش دیجیو۔	

۱؎ عرب شریف میں دن ورات بستر بچھے ہی رہتے تھے،ہمارے ملک کی طرح صبح کو سمیٹے نہ جاتے تھے،اور اس زمانہ میں تہبند ہی پہنے جاتے تھے اس لیے فرمایا جارہا ہے کہ جب سونے کے لیے بستر پر جاؤ اور کوئی فالتو کپڑا نہ ہو تو تہبند کے پلے سے ہی بستر جھاڑ دو پھر لیٹو۔

۲؎ گردوغبار،کانٹا،ہڈی یا کوئی موذی جانور،نجاست وغیرہ لہذا اس جھاڑ لینے میں جان وایمان دونوں کی امن ہے،یہ حکم استحبابی ہے۔

۳؎ یعنی بستر جھاڑ کر داہنی کروٹ پر لیٹ جائے پھر لیٹ کر یہ کہے جیسا کہ دوسری روایت میں ہے۔

۴؎ یعنی تیرا نام لے کر سوتا ہوں اور تیرا نام لے کر اٹھوں گا،دکانِ زندگی بند بھی تیرے نام پر کر رہا ہوں اور تیرے نام پر ہی کھولوں گا،میں کسی وقت نہ تجھ سے لاپراہ ہوں نہ تجھ سے غافل،اللہ یہ قال بھی نصیب کرے اور یہ حال بھی۔

۵؎ اس طرح مجھے بخش دینا اور میری معمولی نیکیاں قبول فرمالینا،چونکہ نیند بھی ایک طرح کی موت ہی ہے جس کے بعد بیداری موہوم ہے یقینی نہیں اس لیے دعا کر کے سونا بہت مناسب ہے۔

۶؎ یعنی اگر تو مجھے اپنے فضل وکرم سے دوبارہ زندگی بخشے کہ بیدار کردے۔تو جیسے کہ اپنے نیک بندوں کو نفس وشیطان،برے عقیدے واعمال سے بچائے رکھتا ہے مجھے بھی ان چیزوں سے بچانا۔خلاصہ یہ کہ جسم کی حفاظت کے ساتھ روح کی حفاظت بھی فرمانا۔

۷؎ بہتر یہ ہے کہ پہلے داہنی کروٹ پر لیٹے،پھر چت،پھر بائیں پر،پھر دوبارہ داہنی کروٹ لیٹ کر سوجائے کہ داہنی کروٹ پر سونے سے غفلت زیادہ نہیں ہوتی،وقت پر آنکھ کھلتی ہے کیونکہ دل بائیں طرف ہے داہنی کروٹ پر لیٹنے سے دل معلق رہتا ہے۔یہ فرق ہمارے لیے ہے،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کسی کروٹ پر لیٹیں آپ کو غفلت آتی ہی نہیں،یہ عمل بہت مفید ہے۔(مرقاۃ)

۸؎ یہ جھاڑ نا لیٹنے سے پہلے ہے نہ کہ لیٹ جانے کے بعد۔ کپڑے سے مراد چادر، رومال یا تہبند ہے،اس جھاڑنے کی حکمتیں پہلے بیان ہو چکی ہیں، یہ حکم استحبابی ہے۔

	روایت ہے حضرت براء ابن عازب سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے بستر پر جاتے تو اپنی داہنی کروٹ پر لیٹتے پھر یوں کہتے الٰہی میں نے اپنی جان تیرے سپرد کی اور اپنا چہرہ تیری طرف متوجہ کیا ۱؎ اور اپنا کام تیرے سپرد کیا تیرے کرم پر ٹیک لگائی تیری طرف رغبت کرتے اور تجھ سے ڈرتے ہوئے ۲؎ تجھ سے نہ کہیں پناہ ہے نہ رہائی سواء تیری طرف کے ۳؎ میں تیری اتاری کتاب پر اور تیرے بھیجے ہوئے رسول پر ایمان لایا ۴؎ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو یہ کلمات کہہ لے پھر اسی رات مر جائے تو ایمان پر مرے گا ۵؎ اور ایک روایت میں ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے فرمایا کہ اے فلاں جب تو اپنے بستر پر جائے تو نماز کا سا وضو کرے ۶؎ پھر اپنی داہنی کروٹ پر لیٹے پھر کہے الٰہی میں نے اپنے کو تیرے سپرد کیا، آخر کلام ارسلت تک ۷؎ اور فرمایا کہ اگر تم اسی رات میں مر گئے تم اسلام پر مرو گے اور اگر تم صبح پاؤ گے تو بہت بھلائی حاصل کرو گے ۸؎ (مسلم، بخاری)

۱؎ نفس سے مراد ذات یا جان ہے اور وجہ سے مراد چہرہ یا توجہ یا دل کا رخ یا ان دونوں جملوں میں اپنے ظاہر و باطن کیطرف اشارہ ہے یعنی الٰہی میرا باطن بھی تیرے مطیع ہے کہ اس میں ریاء (شرک) سرکشی نہیں اور میرا ظاہر بھی تیرا فرمانبردار کہ میرا کوئی عضو باغی نہیں، غرضکہ میرا اپنا کچھ نہیں، سب کچھ تیرا ہے سوتے وقت یہ کلمات اس لیے عرض کیے تاکہ معلوم ہوا کہ میرا سونا بھی تیرے حکم کے ماتحت ہے۔ (لمعات وغیرہ)

۲؎ لہٰذا مجھے اندرونی و بیرونی آفات سے بچالے اور میری معاش و معاد اچھی کردے، رغبت تو تفویض کے لحاظ سے ہے اور ہیبت الجأت کے اعتبار سے ہے، چونکہ بیداری میں انسان کچھ ذمہ دار ہوتا ہے اور بااختیار مگر سوجانے پر سب کچھ کھو بیٹھتا ہے اسی لیے اس موقعہ پر یہ دعا بہت ہی موزوں ہے، نیز سوتے وقت یہ خبر نہیں ہوتی کہ اب سویرے کو اٹھوں گا یا قیامت میں اس لیے یہ کہہ کر سونا بہتر ہے کہ خدایا اب سب کچھ تیرے سپرد۔ شعر

سپردم تبو مایہ خویش را — تو دانی حساب کم و بیش را

۳؎ یعنی تیرے غضب سے پناہ صرف تیری رحمت کے دامن میں ہی مل سکتی ہے اور تیری پکڑ سے رہائی صرف تو ہی دے سکتا ہے، تیرے غضب کی آگ کو صرف تیری رحمت ہی کا پانی بجھا سکتا ہے، اگر تو عدل کرے تو اونچے اونچے کانپ جائیں اگر فضل فرمائے تو گنہگاروں کی بھی امید بندھ جائے۔ شعر

عدل کریں تے تھر تھر کنبن اچیاں شاناں والے — فضل کریں تو بخشے جاون میرے جیسے منہ کالے

۴؎ کتاب سے مراد قرآن شریف ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مراد محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور یہ الفاظ ہماری تعلیم کے لیے ہیں ورنہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے کہ میں اپنی رسالت پر ایمان لایا، نیز حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات و صفات یعنی نبوت و رسالت

وغیرہ کا علم حضور کے لیے علم حضوری ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو لوگوں کے لیے عین ایمان ہیں جیسے اللہ تعالٰی اپنی توحید و صفات کو جانتا تو ہے مگر اسے موحد یا مؤمن اس معنے سے نہیں کہہ سکتے،یونہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نبوت و رسالت کو جانتے تو ہیں مگر اس جاننے کو ایمان نہیں کہا جائے گا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے قرآن کے مؤمن ہیں نہ کہ اپنے اسی لیے رب تعالٰی نے فرمایا:"اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ" یہ نہ فرمایا:"امن الرسول برسالتہ"ہاں چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سارا قرآن پر ایمان ہے اور قرآنی آیات میں حضور کی رسالت کی بھی آیات ہیں حضور ان کے مصداق ہیں اسی لحاظ سے اپنے بھی مؤمن۔(از مرقات مع زیادۃ)

۵؎ یعنی یہ دعائیہ کلمات صبح تک اس کے ایمان کی گارنٹی ہیں،پھر سویرے کو نیا روز نئی روزی ہے۔

۶؎ یعنی اگر سوتے وقت تمہارا وضو نہ ہو تو اس اہتمام سے وضو کرلو جس اہتمام سے نماز کے لیے کرتے ہو مع مسواک وادائے سنن و مستحبات،یہ حکم استحبابی ہے،پہلے بحوالہ مرقات عرض کیا جاچکا ہے کہ اگر اس وقت تیمّم بھی کرے جب بھی ان شاءاللہ یہ ہی فائدہ ہوگا۔

۷؎ یہ تمام کلام حضرت براء کا ہے جو اختصارًا بیان فرمایا۔ظاہر یہ ہے کہ اس دعا میں کتاب سے قرآن شریف اور نبی سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں اور ممکن ہے کہ کتاب سے تمام آسمانی کتب اور نبی سے تمام نبی مراد ہوں کہ سب پر ایمان لانا ضروری ہے۔(اشعہ) نبی یا تو نباء سے بنا بمعنی خبر،نبی خبر دینے والا کس کی اللہ کی ذات و صفات،معاش و معاد کی۔یا نبءاۃ سے بنا بمعنی بلندی درجہ،نبی بلند درجے والا۔(مرقات)

۸؎ بعض روایات میں انہی براء ابن عازب سے ہے کہ میں نے دوبارہ یہ ہی دعا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو سنائی تو بجائے بنبیّك کے برسولك کہہ دیا تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں یہ ہی کہو بنبیّك۔معلوم ہوا کہ وظیفے کے الفاظ بالکل نہ بدلے ورنہ تاثیر نہ ہوگی۔علماء فرماتے ہیں کہ اگر حدیث کے الفاظ یاد ہوں تو روایت بالمعنی نہ کرے،حدیث کی روایت بالمعنی جب درست ہے جب کہ الفاظ یاد نہ رہے ہوں،یونہی قرآن کریم کے الفاظ،شد،مد،مخارج،طریقۂ ادا میں حتی الامکان تبدیلی نہ ہونے دے۔اس حدیث میں وعدہ فرمایا گیا کہ سوتے وقت یہ پڑھنے والا ان شاءاللہ ایمان پر مرے گا،اسلام و تقویٰ پر جئے گا،بڑی ہی مجرب دعا ہے،فقیر بفضلہ تعالٰی اس پر عامل ہے۔

	روایت ہے حضرت انس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے بستر پر جاتے تو فرماتے خدا کا شکر ہے جس نے ہمیں کھلایا پلایا بچایا اور ہمیں پناہ دی ۱؎ کیونکہ بہت وہ ہیں جنہیں نہ کوئی بچانے والا ہے نہ پناہ دینے والا ۲؎(مسلم)

۱؎ کفایت سے مراد موذی جانوروں،آفتوں،بلاؤں سے محفوظ رکھنا،بچانا،حاجات پوری فرمانا۔پناہ دینے سے مراد ہے رہنے کے لیے گھر دینا،سردی گرمی سے بچنے کو بستر وغیرہ عطا فرمانا۔

۲؎ چنانچہ کفار کو رب تعالٰی نے نفس،شیطان کے ہاتھوں میں چھوڑ دیا،اب وہ ہر طرح ان کے بس میں ہیں،اسی طرح بعض وہ مساکین ہیں جن کے پاس نہ در ہے نہ بستر،ایمان نفس و شیطان سے امان ہے،مکان و بستر مصیبتوں سے امان ہے،اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہم کو دونوں امان عطا فرمائیں۔

	روایت ہے حضرت علی سے کہ جناب فاطمہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اس تکلیف کی شکایت کرنے جو ان کے ہاتھ کو چکی سے پہنچتی تھی ۱؎ انہیں جب خبر لگی تھی کہ حضور کے پاس غلام

آئے ہیں انہوں نے حضور کو نہ پایا تو حضرت عائشہ سے کہہ آئیں ۲؎ جب حضور تشریف لائے تو حضرت عائشہ نے یہ قصہ عرض کیا ۳؎ فرماتے ہیں کہ حضور ہمارے پاس تشریف لائے جب کہ ہم بستر پکڑ چکے تھے تو ہم اٹھنے لگے تو فرمایا اپنی جگہ رہو تشریف لائے میرے اور فاطمہ زہرا کے درمیان بیٹھ گئے حتی کہ میں نے حضور کے قدم کی ٹھنڈک اپنے پیٹ پر محسوس کی ۴؎ فرمایا میں تمہیں تمہارے سوال سے بہتر چیز نہ بتادوں ۵؎ جب تم اپنے بستر لو تو ۳۳ بار سبحان اللہ پڑھ لو اور ۳۳ بار الحمدللہ اور ۳۴ بار اللہ اکبر یہ تمہارے لیے خادم سے بہتر ہے ۶؎ (مسلم، بخاری)	

۱؎ حضرت فاطمہ زہرا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے چھوٹی پیاری چہیتی صاحبزادی تھیں، شادی سے پہلے کام کاج نہ کیا تھا، حضرت علی کے ہاں آکر تمام کام کرنے پڑے، کام سے کپڑے کالے اور چکی سے ہاتھوں میں چھالے پڑگئے تھے جو پھوٹ کر زخم بن گئے تھے۔ شعر

آئیں جب خاتون جنت اپنے گھر — پڑگئے سب کام ان کی ذات پر
کام سے کپڑے بھی کالے پڑگئے — ہاتھ میں چکی سے چھالے پڑگئے

۲؎ یعنی اس دن حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ کے گھر تھا اس لیے خاتون جنت انہیں کے گھر تشریف لائیں مگر اتفاقًا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم باہر تھے دولت خانے میں نہ تھے اس لیے والدہ ماجدہ سے عرض کرکے واپس ہوگئیں۔ شعر

پر نہ تھے دولت کدہ میں شاہ دیں — والدہ سے عرض کرکے آگئیں

خود حضرت علی نے حضرت خاتون جنت کو بتایا تھا کہ آج قیدی غلام حضور کے ہاں آئے ہیں، حضور غلام بانٹ رہے ہیں ایک لونڈی تم بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مانگ لو جو گھر کا کام کاج کرے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شادی کے بعد بھی اولاد ماں باپ سے مانگ سکتی ہے، اس میں نہ گناہ ہے نہ شرم۔

۳؎ شعر

گھر میں جب آئے حبیب کبریا — والدہ نے ماجرا سارا کہا
فاطمہ چھالے دکھانے آئی تھیں — گھر کی تکلیفیں سنانے آئی تھیں
ایک لونڈی آپ اگران کو بھی دیں — چکی اور چولہے کے دکھ سے وہ بچیں

۴؎ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو حضرت عائشہ کو کچھ جواب دیا، نہ دن میں حضرت فاطمہ کے ہاں تشریف لائے رات کو سوتے وقت تشریف لائے تو بستر فاطمہ پر اس طرح تشریف فرما ہوئے کہ ایک قدم فاطمہ پر تھا دوسرا جناب علی کے سینہ پر انوار پر، اس سینہ کے قربان جو قدم رسول چومے۔

۵؎ یعنی لونڈی خادم کا فائدہ تم کو صرف دنیا میں پہنچے گا مگر اس دعا کا فائدہ دنیا، قبر، حشر ہر جگہ پاؤ گی، حضور نے انہیں خادم کیوں نہ عطا فرمایا۔ شعر

شب کو آئے مصطفٰی زہرا کے گھر — اور کہاں دختر سے اے جان پدر
ہیں یہ خادم ان یتیموں کے لیے — باپ جن کے جنگ میں مارے گئے

تم پہ سایہ ہے رسول اللہ کا آسرا رکھو فقط اللہ کا

۶؎ اس کا نام تسبیح فاطمہ ہے جو تمام سلسلوں میں خصوصًا سلسلہ قادریہ میں بہت معمول ہے،اس تسبیح کے لیے عام تسبیحوں میں ہر ۳۳ دانہ پر چھوٹا امام پڑا ہوتا ہے۔اس حدیث سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو حضرت ابو بکر پر اس لیے طعن کرتے ہیں کہ انہوں نے فاطمہ زہرا کا مطالبہ پورا نہ کیا انہیں میراث نہ دی جس سے ان کے دل کو تکلیف پہنچی،وہ آج حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا فتویٰ دیں گے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ حضرت فاطمہ زہراء نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خادم مانگنے آئیں۱؎ تو فرمایا کہ کیا میں تمہیں وہ چیز نہ بتا دو جو خادم سے بہتر ہے ۳۳ بار سبحان اللہ پڑھا کرو اور ۳۳ بار الحمدللہ اور ۳۴ بار اللہ اکبر ہر نماز کے وقت اور سوتے وقت پڑھ لیا کرو۲؎(مسلم)	

۱؎ حضرت عائشہ صدیقہ کے گھر کیونکہ اس دن حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام انہی کے دولت خانہ میں تھا کیونکہ حضرت خاتون جنت کو تو جناب علی نے خبر دی تھی کہ آج حضور کے ہاں بہت لونڈی غلام آئے ہیں اور حضور انہیں مسلمانوں میں تقسیم فرمارہے ہیں تم بھی جاؤ ایک لونڈی حاصل کر لو جیسا کہ پچھلی حدیث میں گزرا۔خیال رہے کہ خادم مذکر مؤنث دونوں کو کہا جاتا ہے،یہاں مؤنث مراد ہے کیونکہ حضرت خاتون جنت نے لونڈی مانگی تھی جو چکی چولہے کا کام کرسکے۔(از مرقات)

۲؎ پچھلی حدیث میں صرف صبح شام کا ذکر تھا یہاں ہر نماز کا ذکر ہے۔ممکن ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے تو صرف صبح شام کا حکم دیا ہو بعد میں ہر نماز کے بعد یا اس کے برعکس بہرحال احادیث میں تعارض نہیں۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فقر غنا سے افضل ہے اور صبر شکر سے بہتر،یہ بھی معلوم ہوا کہ ماں باپ کو چاہیے کہ اپنی اولاد کو محنتی،عابد،زاہد،متقی بنائیں۔انہیں صرف مالدار کرنے کی کوشش نہ کریں لڑکی کے لیے بہترین جہیز اعمال صالحہ ہیں نہ کہ صرف مال،یہ حدیث تربیت وتعلیم کا خزانہ ہے،یہ بھی معلوم ہوا کہ لڑکی سسرال کی تکالیف کی شکایت ماں باپ سے کرسکتی ہے ازالۂ تکلیف کے لیے،یہ بھی معلوم ہوا کہ سسرال کی تکلیف پر ماں باپ لڑکی کو گھر نہ بٹھالیں بلکہ وہاں ہی رکھیں اور صبر وشکر کی تلقین کریں،اس سے خانگی زندگی کے بہت سے مسائل حل ہوجاتے ہیں۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سویرا پاتے تو کہتے الٰہی ہم نے تیری مہربانی سے صبح پائی اور تیری مہربانی سے ہی شام کریں گے اور تیری مہربانی سے جئیں گے اور تیرے فضل سے مریں گے۱؎ اور تیری ہی طرف رجوع ہے اور جب شام پاتے تو کہتے الٰہی تیرے فضل سے ہم نے شام پالی اور تیرے فضل سے ہی صبح کریں گے اور تیری مہربانی سے جئیں مریں گے تیری ہی طرف اٹھنا ہے ۲؎(ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ)	

۱؎ خیال رہے کہ انسان کے مرنے پر تعجب نہیں بلکہ اس کی زندگی حیرت ناک ہے کیونکہ اندرونی اور بیرونی دشمن اتنے ہے کہ خدا کی پناہ! اتنے دشمنوں میں گھرے ہوئے ہونے کے باوجود اس کا زندہ رہنا اللہ کی قدرت ہی ہے۔اس دعائے شریف کا یہ یہی مطلب ہے کہ خدایا تیرے ہی کرم اور مہربانی سے ہم شام سے سویرا پالیتے ہیں اور سویرے سے شام،ہماری زندگی اور موت تیرے ہی قبضہ میں ہے،یہ معنے تو بالکل ظاہر ہیں،یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ خدایا ہماری زندگی و موت نفس دنیا یا شیطان کے لیے نہیں بلکہ الحمدللہ تیری عبادت کے لیے ہے۔

۲؎ نشور نشر سے بنا بمعنی پھیلنا،اسی سے ہے منتشر،چونکہ قیامت کی زندگی پھیلے ہوئے بکھرے ہوئے اجزاء کو جمع کرکے ہوگی اس لیے اس زندگی کو نشور کہا جاتا ہے اسی لیے مرقات وغیرہ نے اس کا ترجمہ کیا بعث بعد الموت۔یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ دنیا میں کافر،مؤمن،منافق سب جمع ہیں مگر قیامت میں سب چھٹ جائیں گے کہ حکم ہوگا "وَامۡتَازُوا الۡیَوۡمَ اَیُّہَا الۡمُجۡرِمُوۡنَ"اس لیے اس اٹھنے کا نام نشور ہے اسی وجہ سے مرقات نے اس کے معنے کیے والتفرق بعد الجمع۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا حضرت ابوبکر نے کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے ایسی چیز بتایئے جو میں صبح شام کے وقت پڑھ لیا کروں ۱؎ فرمایا یوں کہا کرو اے اللہ اے کھلی،چھپی چیزوں کے جاننے والے،اے آسمان وزمین کے پیدا کرنے والے،اے ہر چیز کے رب و مالک ۲؎ میں گواہی دیتا ہوں تیرے سوا کوئی معبود نہیں میں اپنے نفس کی شرارت اور شیطان کی شرارت اور اس کے شر سے پناہ مانگتا ہوں ۳؎ جب صبح پاؤ جب شام پاؤ جب اپنے بستر پر لیٹو یہ پڑھ لیا کرو۔ (ترمذی،ابوداؤد،دارمی)

۱؎ بطور وظیفہ جو میرے لیے دین و دنیا میں مفید ہو۔اس سوال سے معلوم ہوا کہ وظیفے شیخ سے پوچھ کر اور شیخ کی اجازت سے پڑھنے چاہئیں کہ اس میں الفاظ کی تاثیر کے ساتھ زبان کی تاثیر بھی جمع ہوجاتی ہے،جب صدیق اکبر جیسی ہستی کو اجازت کی ضرورت ہے تو ماوشما کس شمار میں ہیں۔

۲؎ خلق بمعنی پیدا کرنا اور فطر کے معنے ہیں بغیر مثال کے پیدا فرمانا یعنی ایجاد کرنا،رب تعالٰی آسمانوں کا خالق بھی ہے اور فاطر بھی،ہمارا خالق ہے فاطر نہیں کیونکہ ہم سے پہلے بہت سے انسان پیدا فرماچکا ہے۔مالك بمعنی ملکیت والا اور ملیك کے معنی میں ہر طرح مالکیت والا ظاہر کا بھی باطن کا بھی،ہم لوگ اپنی چیزوں کے مالک تو ہیں مگر ملیک نہیں ہماری ملکیت صرف ظاہر پر ہے وہ بھی چند روز۔

۳؎ خیال رہے کہ ہمارے نفس امارہ کی شرارتیں شیطان کے شر سے کہیں زیادہ ہیں۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ انسان کا دل معدن اسرار ہے اور منبع اشرار شیطان تو فقط نفس کو رائے دیتا ہے،اصل سرکش نفس ہی ہے۔نیز شیطان لاحول وغیرہ سے بھاگ جاتا ہے مگر یہ نفس نہ کسی وظیفہ سے بھاگے نہ کسی عمل سے یہ تو صرف رب تعالٰی کے فضل سے ہی دبتا ہے اسی لیے اس افصح الفصحاء صلی اللہ علیہ وسلم نے نفس کا ذکر پہلے فرمایا اور شیطان کا بعد میں،۔خیال رہے کہ یہ ذکر ہمارے اپنے نفسوں کا ہے،نفس صدیقی جو اللہ کی مہربانی اور اس کے حبیب کے کرم سے نورانی ہوچکا تھا وہ تو صدق و صفا کی کان ہے،حضور سنارہے ہیں حضرت صدیق کو اور بتارہے ہیں ہم کو۔شرک میں دو احتمال ہیں: ش کا زیر اور ر کا جزم بمعنی کفر ایمان کا مقابل اور ش و ر،دونوں کا زبر بمعنی شکاری کا جال۔(لمعات،مرقات)

روایت ہے حضرت ابان ابن عثمان سے۱؎فرماتے ہیں میں نے اپنے والد کو فرماتے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایاایسا کوئی بندہ نہیں جو ہر دن صبح شام اور ہر رات تین بار یہ کہہ لیا کرے میں نے اس کے نام سے صبح وشام کی جس کے نام کی برکت سے نہ زمین کی کوئی چیز نقصان دے نہ آسمان کی اور وہ سنتا جانتا ہے پھر اسے کوئی چیز نقصان بھی دے دے۲؎ حضرت ابان کو کچھ فالج ہوگیا تو ایک شخص انہیں غور سے دیکھنے لگا۳؎ آپ نے اس سے فرمایا کہ تو مجھے کیا دیکھتا ہے حدیث ویسی ہے جیسی میں نے تجھے سنائی لیکن اس دن میں یہ دعا نہ پڑھ سکا کہ اللہ مجھ پر اپنی قضا قدر نافذ کردے۴؎(ترمذی،ابن ماجہ،ابواؤد)ابوداؤد کی روایت میں یوں ہے کہ اسے صبح بلاء ناگہانی نہ پہنچے گی اور جو صبح کو یہ پڑھے تو اسے شام تک آفت ناگہانی نہ پہنچے گی۵؎	

۱؎ آپ قرشی ہیں،تابعی ہیں،حضرت عثمان ابن عفّان کے فرزند ہیں،اپنے والد اور دیگر صحابہ سے بہت سی احادیث لیں اور ان سے امام زہری وغیرہ اکابر ملت نے،مدینہ منورہ میں قیام رہا،یزید ابن عبدالملک ابن مروان کے زمانہ میں وفات پائی۔

۲؎ یہ دعا مجرب ہے،فقیر بفضل رب قدیر اس کا عامل ہے،الحمدﷲ اس کی برکت سے ہر آفت سے امن رہا ہے،صبح پڑھ لو شام تک حفاظت ہے اور شام کو پڑھو تو صبح تک امن۔

۳؎ یعنی جن لوگوں نے آپ سے یہ حدیث سنی تھی ان سے کوئی تعجب کرکے آپ کو دیکھنے لگا کہ آپ تو یہ حدیث روایت کرتے تھے اور یقین ہے کہ آپ اس پر عامل بھی ہوں گے اور یہ دعا پڑھتے بھی ہوں گے پھر آپ پر فالج کا اثر کیوں ہوگیا اور اس آفت سے آپ امن میں کیوں نہ رہے،حضرت ابان ان کا تعجب سمجھ گئے اس لیے آپ نے وہ جواب دیا جو آگے آرہا ہے۔

۴؎ سبحان اللہ! کیا پاکیزہ فرمان ہے کہ حدیث سچی حدیث والے محبوب سچے ارادۂ الٰہی برحق،جس دن مجھے فالج ہونے والا تھا اس دن میں یہ عمل پڑھنا ہی بھول گیا تھا اس لیے یہ فالج ہوا۔

۵؎ یہ الفاظ گزشتہ الفاظ کی گویا شرح ہے کہ اس دعا کی برکت سے ناگہانی بیماری اور زہریلے جانور کے کاٹنے اور دوسری اچانک آفتوں سے حفاظت رہتی ہے دوسری قسم کی مصیبت آسکتی ہے۔خیال رہے کہ کسی دعا سے موت نہیں ٹل سکتی وہ تو یقینی آتی ہے جسے کوئی تدبیر نہیں ٹال سکتی نہ دعا،نہ دوا۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ فجاءت سے مراد کوئی بڑی آفت ہے جو انسان کو گھبرادے،اچانک ہو یا آہستہ،معمولی تکالیف و بیماریاں تو انسان کو لگی ہی رہتی ہیں۔

روایت ہے حضرت عبداللہ۱؎ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شام کے وقت یہ پڑھتے تھے ہم نے اور اللہ کے سارے ملک نے شام پالی۲؎ اللہ کا شکر ہے،اکیلے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں،اس کا کوئی شریک نہیں،اس کا ملک ہے،اسی کی تعریف ہے۳؎اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔الٰہی میں تجھ سے اس رات کی بھلائی،اس کے بعد کی بھلائی مانگتا ہوں اور اس	

	رات کی شر اور اس کے بعد کی شر سے پناہ مانگتا ہوں ۴؎ یارب میں سستی اور بڑھاپے برے ۵؎ یا کفر سے اور ایک روایت ہے کہ برے بڑھاپے اور تکبر سے تیری پناہ مانگتا ہوں ۶؎ یارب میں آگ کے عذاب اور قبر کے عذاب سے تیری پناہ مانگتا ہوں ۷؎ اور جب سویرا پاتے تو بھی کہتے کہ ہم نے اور اللہ کے سارے ملک نے صبح پالی۔(ابوداؤد،ترمذی)اور ایک روایت میں کفر کی ہر برائی کا ذکر نہ فرمایا۔

۱؎ عبداللہ سے مراد حضرت عبداللہ ابن مسعود ہیں جو بڑے فقیہ مشہور صحابی ہیں۔(اشعۃ اللمعات)

۲؎ اللہ کے سارے ملک سے مراد عالم اجسام ہے کیونکہ عالم انوار اور عالم امر وغیرہ پر نہ رات آئے نہ دن،اسی طرح جنت و دوزخ میں سورج کا اثر نہیں وہاں رب کی تجلی ہے۔اَمۡسَیۡنَا میں یا تو خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات مراد ہے یا سارے مسلمان یا سارے انسان اگرچہ ملک اللہ میں انسان بھی داخل تھا مگر چونکہ یہ اشرف المخلوق ہے اس لیے اس کا ذکر خصوصیت سے فرمایا لہذا حدیث بالکل واضح ہے۔

۳؎ یعنی حقیقی ملک اور حقیقی حمد صرف رب تعالٰی کی ہے،دوسروں کا ملک بھی مجازی و عارضی ہے اور حمد بھی مجازی،مصنوع کی تعریف دراصل صانع کی تعریف ہے۔

۴؎ یعنی اس رات کی شر سے بھی تیری پناہ اور آئندہ راتوں کی شر سے بھی تیری پناہ۔شر سے مراد تشریعی تکوینی دونوں شریں ہیں۔راتوں میں نیکیوں کی توفیق نہ ملنا،گناہ سرزد ہوجانا،راتیں غفلت میں گزارنا ان کی تشریعی شر ہے اور راتوں میں چوری ڈکیتی گھر گرجانا،اندھیرے میں زہریلے جانوروں کا کاٹ کھانا وغیرہ تکوینی شریں ہیں،یہ ایک لفظ ان تمام کو شامل ہے۔

۵؎ سستی سے مراد نیکیوں میں سستی ہے جس سے یا تو نیکیاں ہوں ہی نہیں یا ہوں مگر بگڑ کر اور برے بڑھاپے سے مراد وہ بڑھاپا ہے کہ قوتیں جواب دے جائیں اور دوسروں پر انسان بوجھ بن جائے،اللہ اس عمر سے بچائے۔شعر

دانت گرے اور کھر گھسے پیٹھ بوجھ نہ لے ایسے بوڑھے بیل کو کون باندھ کر بُھس دے

۶؎ تکبر اللہ تعالٰی کی توصفت اس کا نام ہے متکبر یعنی بہت ہی بڑائی والا مگر بندے کے لیے تکبر کبھی عیب ہے،کبھی خوبی،بندے کے لیے اس کے معنے ہیں بڑائی کا اظہار اگر یہ کفار کے مقابلہ میں ہو خصوصًا جنگ کی حالت میں تو بہت ہی اچھا ہے،خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حنین میں فرمایا انا ابن عبد المطلب اور مسلمان کے مقابلہ میں ہو شیخی کے طور پر تو برا اور اگر رب تعالٰی کی نعمت کے اظہار کے لیے ہو تو اس کا نام شکر ہے یہ عبادت ہے اور اللہ رسول کے مقابلہ میں تکبر کفر ہے،یہاں تکبر سے برا تکبر مراد ہے جو حرام یا کفر ہے۔

۷؎ دوزخ اور قبر دونوں جگہ آگ ہی کا عذاب ہوگا اگر دوزخ کا عذاب آگ میں عذاب ہے اور قبر کا عذاب آگ سے عذاب ہے کہ آگ دوزخ میں ہے مگر اس کی گرمی قبر میں،چونکہ دوزخ کا عذاب سخت ہے اور قبر کا عذاب اس سے نرم و ہلکا اسی لیے پہلے دوزخ کے عذاب کا ذکر فرمایا بعد میں قبر کے عذاب کا یعنی میں دوزخ و قبر کے عذاب سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔مقصد یہ ہے کہ خدایا مجھے زندگی میں ایسے اعمال سے بچالے جو عذابِ دوزخ یا عذابِ قبر کا سبب ہیں اور بعد موت قبر کے عذاب سے بچا اور بعد حشر دوزخ کے عذاب سے۔

	روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض صاحبزادیوں سے ۱؎ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں سکھاتے تھے کہ فرماتے تھے صبح کے وقت یہ کہہ لیا کرو اللہ پاک ہے اسی کا شکر ہے اللہ کے بغیر قوت نہیں جو اللہ

	نے چاہا ہوا اور جو نہ چاہا نہ ہوا ۲؎ میں جانتا ہوں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور اللہ کا علم ہر چیز کو گھیرے ہے جو صبح کے وقت یہ کہہ لے گا تو شام تک اس کی حفاظت کی جائے گی اور جو شام کے وقت یہ کہے گا تو صبح تک اس کی حفاظت ہو گی ۳؎(ابوداؤد)

۱؎ حضور علیہ السلام کی صاحبزادیاں چار ہیں:زینب،رقیہ،ام کلثوم،فاطمہ،تمام نے حضور علیہ السلام کو جوانی میں دیکھا ہے،سب کی شادی خود کی ہے،یہاں حضرت فاطمہ زہرا یا حضرت زینب وغیرہا مراد ہیں،چونکہ تمام صاحبزدیاں متفقہ طیبہ طاہرہ ہیں اس لیے ان کا نام معلوم نہ ہونا صحت حدیث کے لیے مضر نہیں۔

۲؎ سبحان اللہ!کیسی پیاری حمد ہے یعنی اللہ نے جس چیز کا ہونا چاہا وہ ہوگئی اور جس کا ہونا نہ چاہا وہ نہ ہوئی اور چاہنے نہ چاہنے میں اس کی صدہا حکمتیں ہیں کیونکہ وہ ہر عیب سے پاک ہے اور برائیوں کو چاہنا اچھائیوں کو نہ چاہنا اس کی شان سے بعید ہے۔خیال رہے کہ ارادہ،رضاء،مشیت میں فرق ہے۔رب تعالٰی ہر اچھی بری چیز کا خالق ہے اور ہر چیز اس کے ارادہ سے ہے مگر برائیوں سے راضی نہیں،کفار کا کفر،گنہگار کے گناہ رب تعالٰی کے ارادہ سے ہیں مگر اس کی رضا سے نہیں،یہاں مشیت بمعنی ارادہ ہے یعنی ہر چیز کا وجود اس کی خلق وارادہ سے ہے۔

۳؎ حصن حصین شریف میں ہے کہ ابوداؤد،نسائی،ابن سنی نے عمل الیوم اللیلہ میں عبدالحمید مولی بنی ہاشم عن امه عن بعض بنات النبی ہے،عبدالحمید کی والدہ کا نام معلوم نہ ہوسکا غالبًا یہ صحابیہ ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو صبح کے وقت کہہ دے کہ اللہ کی پاکی ہے شام و سویرا پاتے وقت اس کی حمد ہو رہی ہے آسمانوں اور زمین میں اور عصر اور ظہر کو بھی تسبیح پڑھو،الخ ۱؎ کذلك تخرجون تک۔تو اس دن میں جو نیکی چھوٹ گئی ہو اسے پالے گا اور جو شام کے وقت یہ پڑھ لے گا تو اس رات میں چھوٹی نیکیاں پائے گا ۲؎(ابوداؤد)

۱؎ اس آیت کریمہ میں سبحان اللہ سے مراد یا تو رب تعالٰی کی تسبیح پڑھنا ہے یعنی اے مسلمانوں صبح وشام رب تعالٰی کی بارگاہ میں تسبیح کا ہدیہ پیش کیا کرو اور یا اس سے مراد نمازیں ہیں کیونکہ نماز شروع سُبْحٰنَكَ اللّٰھُمَّ سے ہوتی ہے جزو بول کر کل مراد لیا گیا یعنی صبح شام نماز فجر ومغرب پڑھا کرو،دوسرے معنی زیادہ قوی ہیں۔وَلَهُ الْحَمْدُ جملہ معترضہ ہے یعنی آسمان وزمین والے رب تعالٰی کی حمد وثناء کرتے ہیں ہر ذرہ قطرہ ہر فرشتہ وتارہ حمد الٰہی کرتا ہے تو مسلمانو تم کیوں خاموش رہتے ہو اس کے بعد پھر نماز کا ذکر ہوا "وَعَشِیًّا وَّ حِیۡنَ تُظْهِرُوۡنَ"۔عشیا سے وقت عصر مراد ہے اور تظهرون سے وقت ظہر مراد۔غرضکہ اس آیت میں نماز پنجگانہ کا حکم ہوا کیونکہ تُمْسُوۡنَ یعنی شام کے وقت میں مغرب وعشاء داخل ہیں کیونکہ ان اوقات میں انسان کے حالات تبدیل ہوتے ہیں اور رب تعالٰی کی نعمتوں کی تجدید اس لیے خصوصیت سے ان اوقات میں تسبیح و تہلیل کا بھی حکم ہے اور ان ہی وقتوں میں نمازیں بھی فرض ہیں تاکہ ہر حال رب کی حمد سے شروع ہو۔ان اوقات کی اہمیت ہماری کتاب "تفسیر نعیمی" میں ملاحظہ فرمائیے۔

۲؎ نیکی چھوٹ جانے سے مراد نوافل نیکیاں چھوٹ جانا ہیں یا فرائض عبادات میں نقصان رہ جانا ہے،یعنی رب تعالٰی آیتِ کریمہ کی برکت سے بہت ہی نفلی نیکیوں کا اجر عطافرمائے گا اور اگر آج دن رات کے فرائض میں کچھ نقصان واقع ہو گیا ہو گا تو رب تعالٰی نقصان پورا فرمادے گا۔اس حدیث کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ تمام فرائض و واجبات چھوڑ دو صرف یہ ہی آیت صبح شام پڑھ لیا کرو۔

روایت ہے حضرت ابو عیاش سے ا؎ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص صبح کے وقت یہ کہہ لیا کرے کہ اکیلے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا کوئی شریک نہیں اسی کا ملک ہے،اسی کی حمد ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے تو اسے اولاد اسمٰعیل میں سے ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب ہے۲؎ اور اس کے لیے دس نیکیاں لکھی جائیں گی اور اس کے دس گناہ معاف ہوں گے اور اس کے دس درجے بلند ہوں گے ۳؎ اور اس کے لیے شام تک شیطان سے حفاظت ہوگی ۴؎ اور اگر یہ کلمات شام کے وقت کہہ لے تو صبح تک اسے یہ ہی ملے گا،ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا ۵؎ عرض کیا یارسول اللہ ابو عیاش آپ سے ایسی ایسی حدیث روایت کرتے ہیں،فرمایا ابو عیاش سچے ہیں ۶؎ (ابوداؤد،ابن ماجہ) ۷؎	

ا؎ ابو عیاش دو ہیں:ایک کا نام تو زید ابن صامت ہے،کنیت ابو عیاش،یہ انصاری ہیں،دوسرے زید ابن عیاش مخزومی ہیں،یہ تابعی ہیں،یہاں پہلے ابو عیاش مراد ہیں جو صحابی ہیں۔(لمعات،اشعہ) مصابیح کے بعض نسخوں میں یہاں ابن عباس ہے وہ غلط ہے صحیح ابو عیاش ہی ہے۔(مرقات)

۲؎ اسلام میں یوں تو غلام آزاد کرنا بڑا ثواب ہے خصوصًا جب کہ غلام اولاد حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے ہو اس کا آزاد کرنا تو بہت ہی ثواب ہے کہ اس میں ایک نبی کی اولاد پر احسان بھی ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کی اولاد پر مہربانی کرنے میں زیادہ ثواب ہے۔بعض حضرات گیارھویں شریف کا تبرک حضرات سادات کرام کو دیتے ہیں ان کی اصل یہ ہی حدیث ہے،یہ بھی معلوم ہوا کہ بزرگوں کی اولاد ہونا اللہ کی نعمت ہے،شرافت خاندان سے بھی ملتی ہے۔اس کی نفیس تحقیق ہماری کتاب "الکلام المقبول فی شرافۃ نسب الرسول" میں ملاحظہ فرمایئے۔اس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اہل عرب کو غلام بنایا جاسکتا ہے یہاں تو ان عرب غلاموں کی آزادی کا ذکر ہے جو پہلے سے غلام بنائے جاچکے تھے۔

۳؎ درجوں سے مراد یا تو دنیا میں ایمانی درجے ہیں یا آخرت کے جناتی درجے یعنی یہ کلمات پڑھ لینے والے کے ایمان دس درجہ بڑھیں گے یا قیامت میں اس کے دس درجے جنت میں اونچے ہوں گے ان درجوں کی بلندی رب تعالٰی ہی جانتا ہے۔

۴؎ اس طرح کہ ان شاءاللہ شام تک شیطان اسے نہ گمراہ کرسکے گا نہ اس سے گناہ کبیرہ کراسکے،ہاں نفس کی شرارت سے گناہ ہوجائیں تو ہوجائیں یا شیطان اسے دیوانہ و بیمار نہ کرسکے گا،بعض بیماریاں و جنون شیطانی اثر سے ہوتے ہیں،رب تعالٰی فرماتا ہے:"**الَّذِیۡ یَتَخَبَّطُہُ الشَّیۡطٰنُ مِنَ الْمَسِّ**"۔غرضکہ یہ دعا ایک مضبوط قلعہ ہے۔

۵؎ ظاہر یہ ہے کہ یہ خواب دیکھنے والا راویان حدیث میں سے کوئی راوی ہے۔ممکن ہے کہ کوئی اور صاحب ہوں جنہیں یہ حدیث پہنچی ہو۔

۶؎ یہ خواب یہاں اس لیے نقل فرمایا کہ اس سے حدیث کی صحت معلوم ہوتی ہے۔پتہ لگا کہ کبھی سچے خواب سے حدیث کو قوت پہنچ جاتی ہے بشرطیکہ خواب مخالف قانون شرعی نہ ہو،کیوں نہ ہو کہ خواب نبوت کے فیضان کا چھیالیسواں ۴۶ حصہ ہے،جب سچے خواب سے حدیث کو تقویت پہنچ سکتی ہے تو ولی کے صحیح کشف سے بھی قوت پہنچ سکتی ہے۔مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی نے حضرت جنید کا واقعہ اپنی کتاب تحذیر الناس میں نقل فرمایا کہ بارہ ہزار کلمہ شریف سے عذاب سے نجات ہونے کی حدیث کو ایک جوان صالح کے کشف سے قوت ہوئی مگر جو خواب یا الہام خلاف شرع ہو وہ الہام نہیں بلکہ وسوسہ شیطان ہے۔

۷؎ اسے نسائی،ابن ابی شیبہ اور سنی نے بھی روایت کیا،ان کی روایات کے آخر میں کچھ کلمات زیادہ ہیں۔

روایت ہے حضرت حارث بن مسلم تمیمی سے وہ اپنے والد سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خبر دی کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خفیۃً ۱؎ فرمایا کہ جب تم نماز مغرب سے فارغ ہو تو کسی سے کلام کرنے سے پہلے سات بار یہ پڑھ لو الٰہی مجھے آگ سے بچالے ۲؎ جب تم یہ کہہ لوگے پھر اگر تم اس رات مرجاؤ گے تو تمہیں آگ سے گزر لکھی جائے گی اور جب تم فجر پڑھو تو یہ ہی کہہ لو پھر اگر تم اس دن فوت ہوجاؤ تو تمہارے لیے آگ سے گزر جانا لکھا جائے گا ۳؎ (ابوداؤد)	

۱؎ اَسَرَّ اسرا سے بنا،جس کے معنی خفیہ بھی ہیں یعنی سرّ بھید کی بات بتانا اور اعلان بھی،اس طرح کہ اسراء کی ہمزہ سلب کے لیے ہو،یہاں دونوں معنے بن سکتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خفیہ یہ عمل بتایا تاکہ در مکنون کی طرح اس کی قدر کریں اور اس کو سنبھالیں یا علانیہ ارشاد فرمایا تاکہ دوسرے سامعین کو بھی اس کا فائدہ ہو۔(مرقات)مگر پہلے معنی زیادہ مناسب ہیں جیسا کہ اشعہ اور لمعات وغیرہ میں ہے۔

۲؎ یعنی نماز مغرب پڑھ کر بغیر کسی سے دنیاوی کلام کیے ہوئے سات بار یہ دعا پڑھو،دنیاوی کلام کرلینے سے نماز کا دلی خشوع و خضوع کم ہوجاتا ہے اور زبان پر نماز کی تاثیر کم ہوجاتی ہے اس لیے بعض دعاؤں میں دنیاوی کلام نہ کرنے کی قید ہوتی ہے حتی کہ تلاوت قرآن و دعاؤں کے دوران بھی اور وضو میں بھی دنیاوی کلام نہ کرنا چاہیے۔سات بار کی قید اس لیے ہے کہ دوزخ کے دروازے سات ہیں اس عدد کی برکت سے اللہ تعالٰی اس پر وہ ساتوں دروازے بند کردے گا،ہر عدد ایک قفل کا کام دے گا۔ان شاءاللہ !

۳؎ جواز کا ترجمہ آج کل اصطلاح میں یا پاسپورٹ (Pasport) ہے یعنی نکل جانے کا اجازت نامہ جیسے ویزا (Veza) داخلہ کا اجازت نامہ ہوتا ہے۔مطلب یہ ہے کہ ان کلمات کی برکت سے آج تمہیں نیک اعمال کرنے اور برے اعمال سے بچنے کی توفیق ملے اور اگر آج موت آئی تو ایمان پر خاتمہ میسر ہوگا،یہ مطلب نہیں کہ یہ دعا پڑھ لو اور خواہ کتنی ہی بدکاریاں کرو،شرک کرو جنتی ہوگئے لہذا حدیث بالکل واضح ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح وشام کے وقت یہ کلمات پڑھنا کبھی نہ چھوڑتے تھے ۱؎ الٰہی میں تجھ سے عافیت مانگتا ہوں دنیا و آخرت کی ۲؎ الٰہی میں تجھ سے اپنے دین و دنیا اور گھر بار و مال میں معافی اور عافیت مانگتا ہوں ۳؎ الٰہی میرے عیبوں کو چھپالے اور مجھے خوفوں سے امن دے ۴؎ الٰہی مجھے آگے پیچھے اور دائیں بائیں اور اوپر سے محفوظ رکھ ۵؎ میں تیری عظمت کی پناہ مانگتا ہوں اس	

لیے کہ نیچے سے ہلاک کیا جاؤں یعنی زمین میں دھنسا کر۔٦(ابوداؤد)	

١؎اس طرح فرمانا کہ لم یکن یدع مبالغہ کے لیے ہے یعنی میں سفر وحضر میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا میں نے تو یہ دیکھا کہ حضور یہ پڑھنا کسی حالت میں نہ چھوڑتے تھے،یہ مطلب نہیں کہ آپ پر یہ دعا پڑھنی فرض تھی۔معلوم ہوا کہ مستحب کام ہمیشہ کرنا حرام نہیں لہذا بزرگوں کے بتائے وظیفے اور عملیات،عرس بزرگان،گیارھویں ومیلاد شریف کی مجلسیں ہمیشہ کرنا بہتر ہے حرام نہیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اچھا عمل وہ ہے جو ہمیشہ کیا جائے اگرچہ تھوڑا ہو۔

٢؎عافیت کے معنی ہیں آفات سے سلامتی وحفاظت،آفات میں دنیاوی آفتیں بھی داخل ہیں جیسے ناگہانی مصیبتیں،بری بیماریاں وغیرہ،اخروی آفتیں بھی شامل جیسے گناہ میں مشغولیت،نیکیوں سے دوری،بے صبری،ناشکری وغیرہ اسی لیے آگے دین ودنیا کا ذکر ہے۔بعض نے فرمایا کہ دنیا کی عافیت گناہوں سے حفاظت ہے اور آخرت کی عافیت عذاب سے بچالینا ہے بہر حال یہ دعا بہت جامع ہے۔

٣؎ سبحان اللہ! کیسی پیاری دعا ہے۔انسان پر تین قسم کی ہی مصیبتیں آتی ہیں:جانی،مالی اور عیالی پھر یہ تینوں مصیبتیں دو طرح کی ہوتی ہیں دنیاوی اور دینی گویا کل چھ قسم کی آفتیں ہوئیں ان چھ قسم کی مصیبتوں سے ایک چھوٹے سے جملے میں امن مانگ لی۔خیال رہے کہ گناہ سے بچالینا عافیت اور گناہ سرزد ہوچکنے کے بعد معاف کردینا عفو ۔اس پیارے محبوب نے ہم کو سب کچھ سکھادیا اللہ تعالٰی ہمیں سیکھنے کی توفیق دے۔

٤؎ چونکہ ہمارے عیوب بے شمار ہیں اور خطرناک چیزیں بے حد اس لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورات اور روعات جمع فرمائے۔روع بمعنی گھبراہٹ یہاں گھبراہٹ میں ڈالنے والی چیزیں مراد ہیں عورۃ،روعاتی میں نہایت نفیس مقابلہ ہے۔خیال رہے کہ یہ دعا ہم گنہگاروں کی تعلیم کے لیے ہے ورنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تو وہ شان ہے کہ جس پر ان کی نظر کریمانہ ہوجائے وہ عیبوں سے پاک ہوجائے۔

جس طرف بھی اٹھ گئیں عالم منور ہو گئے
میں تیری آنکھوں کے صدقے ان میں کتنا نور ہے

٥؎اس مبارک جملہ میں اس آیت کریمہ کی طرف اشارہ ہے"لَاٰتِیَنَّھُمۡ مِّنۡۢ بَیۡنِ اَیۡدِیۡھِمۡ وَ مِنۡ خَلۡفِھِمۡ وَعَنۡ اَیۡمٰنِھِمۡ وَعَنۡ شَمَآئِلِھِمۡ"۔مقصد یہ ہے کہ شیطان کے آنے کے چار راستے ہیں میرے مولٰی مجھے ان چاروں راستوں سے محفوظ فرمادے کہ کسی طرف سے شیطان مجھ تک نہ پہنچ سکے یا مقصد یہ ہے کہ آفات وبلائیں ان طرف سے آسکتی ہیں مولٰی ان اطراف کو محفوظ فرمادے۔

٦؎اُغۡتَال غیل سے بنا بمعنی دھوکہ یا اچانک،اغتیال کے معنی میں اچانک قتل یا اچانک ہلاکت،چونکہ دھنسا کر ہلاک کردینا تمام آفتوں سے سخت تر آفت ہے اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصیت سے اس کا ذکر علیحدہ فرمایا۔بعض شارحین نے فرمایا کہ ہر چہار طرف سے آفت کا انسان کچھ تدارک ان سے بچنے کی تدبیر کرسکتا ہے مگر زمین میں دھنسنا وہ آفت ہے جس کی کوئی تدبیر بن نہیں پڑتی اس لیے اسے علیحدہ بیان کیا مگر پہلی بات قوی ہے کیونکہ دوسری آفتوں کا مقابلہ کبھی انسان سے ناممکن ہوجاتا ہے،بارش اوپر سے اور دریاؤں کا سیلاب ہر چہار طرف سے آتا ہے اور انسان کو بے بس کردیتا ہے،انسان تو مکھی مچھر کا مقابلہ نہیں کرسکتا،بس اللہ تعالٰی اپنی امان میں رکھے۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے جو صبح کے وقت یہ کہہ لے الٰہی ہم نے سویرا پالیا١؎ ہم تجھے اور تیرا عرش اٹھانے والوں اور دیگر فرشتوں اور تیری ساری مخلوق کو گواہ بناتے	

ہیں۲ کہ تواللہ ہے، تجھ اکیلے کے سوا کوئی معبود نہیں، تیرا کوئی ساجھی نہیں اور یہ کہ محمد تیرے بندہ اور تیرے رسول ہیں مگر اللہ اس کے اس دن کے سارے گناہ معاف کردے گا اور اگر یہ کلمات شام کے وقت کہہ لے گا تو اللہ اس رات کے اس کے سارے گناہ معاف کردے گا۔۳ (ترمذی،ابوداؤد)ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے۔	

۱؎ یہ عرض معروض شکر کے لیے ہے نہ کہ رب تعالٰی کو خبر دینے کے لیے، تیرا شکر ہے کہ ہم نے بخیریت سویرا پالیا رات میں ہلاک نہ ہوگئے، مر کر دوبارہ زندگی پالی۔

۲؎ یعنی اللہ تعالٰی تو بھی گواہ رہ اور تیری مخلوق میں سے اعلیٰ ادنی ہر چیز گواہ رہے کہ نہ ہم کسی وقت تجھ سے غافل ہیں نہ تیری نعمتوں کے منکر۔اس جملے سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ تجدید ایمان کرتے رہنا بہت ہی اعلیٰ چیز ہے۔دوسرے یہ کہ اپنے ایمان پر خالق و مخلوق کو گواہ بنالینا بہت بہتر ہے یہ گواہیاں قیامت میں بڑے کام آئیں گی۔بعض روایات میں ہے کہ ہر جنگل و دریا میں بلند آواز سے کلمہ طیبہ پڑھا کرو کہ ذرے و قطرے تمہارے ایمان کے گواہ بن جائیں،مؤذن کی آواز جہاں تک پہنچتی ہے وہاں تک کی ہر چیز اس کے ایمان کی گواہ ہے،بعض زائرین مدینہ منورہ میں روضہ اطہر پر حاضر ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ایمان کا گواہ بناتے ہیں عرض کرتے ہیں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں گواہ ہوں کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں حضور بھی گواہ رہیں کہ میں آپ کا گنہگار امتی ہوں پڑھتا ہوں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اس کی اصل یہ ہی حدیث ہے اور اس کے بڑے فائدے ہیں۔

۳؎ یا اس طرح کہ اسے دن بھر کے گناہوں سے بچنے کی توفیق دے گا یہ بھی معافی کی ایک صورت ہے یا اس طرح کہ جو گناہ اس سے آج سرزد ہوں گے انہیں معاف فرمادے گا۔سبحان اللہ!ساری مخلوق کو اپنے ایمان کا گواہ بنالینا اتنا مفید ہے تو جن لوگوں نے جناب مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا گواہ بنالیا ان کی قسمت کا کیا کہنا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب شہدائے احد کو دفن فرمارہے تھے تو فرماتے تھے کہ میں ان لوگوں کے ایمان کا گواہ ہوں،دڑہ والے قسمت والے شہیدو جو حضور کے ہاتھوں دفن ہوگئے تمہاری تو مٹی ٹھکانے لگ گئی،محنت وصول ہوگی۔

میں سمجھوں گا مٹی ٹھکانے لگی مدینہ میں برباد گر ہوگئی

روایت ہے حضرت ثوبان سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ایسا کوئی بندہ مسلمان نہیں جو شام اور صبح تین بار یہ کہہ لیا کرے میں اللہ کی ربوبیت اسلام کے دین ہونے اور محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے سے راضی ہوا۱ مگر اللہ کے ذمہ کرم ہوگا کہ قیامت میں اسے راضی فرمالے۲ (احمد،ترمذی)	

۱؎ اللہ سے راضی ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اس کی قضاء سے راضی رہے،رضاء بالقضاء خاص بندوں ہی کو نصیب ہوتی ہے اور اسلام سے راضی ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اسلام کے تمام احکام پر خوش ہو سمجھ میں آئیں یا نہ آئیں،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے راضی ہونے کے معنی یہ ہیں کہ حضور کو اپنے جان مال اولاد کا صحیح معنی میں مالک جانے اور حضور کو تمام چیزوں سے پیارا جانے،اللہ تعالٰی اس قال کو حال کردے اور حقیقت یہ ہے کہ جب حضور کی ہر چیز پیاری،حضور کا قرآن،حضور کا اسلام،بلکہ حضور کا رب بھی پیارا،عشق مصطفوی تمام محبتوں کا ذریعہ ہے۔شعر

محمد از تو مے خواہم خدا را خدایا از تو عشق مصطفٰے را

اکثر دعائیں تین بار پڑھی جاتی ہیں تاکہ جماعت ہوجائے اور جماعت پر اللہ کی رحمت ہے اسی لیے یہ کلمات بھی تین تین بار کہے۔
۲؎ یعنی قیامت میں رب اسے اتنا دے گا کہ بندہ خوش ہوجائے گا۔خیال رہے کہ یہ صفت کہ رب بندے کو راضی کرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے،رب تعالٰی نے فرمایا: "وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى" پھر حضور کے صدقہ سے حضرت صدیق اکبر کو یہ وصف ملا کہ رب تعالٰی نے ان کے متعلق فرمایا "وَلَسَوْفَ يَرْضٰى" پھر ان سرکار کے صدقے سے یہ کلمات پڑھنے والے کو بھی عطا ہوا،حضرت صدیق اکبر عملی طور پر اللہ،اسلام اور حضور سے راضی تھے انہوں نے یہ کرکے دکھا دیا رضی اللہ عنہ۔

روایت ہے حضرت حذیفہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سونا چاہتے تو اپنا ہاتھ اپنے سر کے نیچے رکھتے۱؎ پھر فرماتے الٰہی مجھے اپنے عذاب سے بچا جس دن تو اپنے بندوں کو جمع کرے یا اپنے بندوں کو اٹھائے ۲؎ (ترمذی)اور احمد نے حضرت براء سے روایت کی۔	

۱؎ اس طرح کہ ہاتھ شریف کا بعض حصہ سر مبارک کے نیچے رہتا اور بعض حصہ رخسار مبارک کے نیچے یا کبھی سر کے نیچے ہاتھ رکھتے کبھی رخسار کے نیچے لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں رخسار کے نیچے ہاتھ رکھنے کا ذکر ہے۔
۲؎ یہ کلمات تین بار فرماتے تھے۔(مرقات) یہ سب کچھ ہماری تعلیم کے لیے ہے ورنہ ہم گنہگاروں کو حضور عذاب الٰہی سے بچائیں گے شفاعت فرمائیں گے۔

روایت ہے حضرت حفصہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سونے کا ارادہ فرماتے تو اپنا دایاں ہاتھ اپنے رخسارہ کے نیچے رکھتے۱؎ پھر تین بار عرض کرتے خدایا مجھے اپنے عذاب سے بچا جس دن تو اپنے بندوں کو اٹھائے ۲؎(ابوداؤد)	

۱؎ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم دن میں سوتے یا رات میں سوتے یا بحالت سفر جنگل میں ہمیشہ قبر کے رخ پر لیٹتے تھے،داہنی کروٹ پر قبلہ رو ہوکر اور داہنا ہاتھ داہنے رخسارے کے نیچے رکھتے اس طرح کہ ہاتھ کا کچھ حصہ سر کے نیچے بھی ہوتا تھا،اسطرح سونا سنت ہے اور یوں ہی دفن بھی کیا جائے تو بہتر۔
۲؎ یعنی قیامت اور بعد قیامت کے عذاب سے بچا کہ اصل عذاب تو وہی ہے،قبر کا عذاب یا نزع کے وقت کا عذاب تو اس عذاب کا پیش خیمہ ہے جو قیامت کے عذاب سے محفوظ ہوگا تو امید ہے کہ ان عذابوں سے بھی بچا رہے گا۔خیال رہے کہ مؤمن کو نزع کی شدت یا قبر کی وحشت عذاب نہیں گنہگار کے لیے عتاب ہے اور نیک کار کے لیے رحمت جیسا کہ **باب عذاب قبر** میں عرض کیا گیا۔

روایت ہے حضرت علی سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لیٹتے وقت کہتے تھے الٰہی میں تیری ذات کریم کی اور تیرے کامل کلمات کی پناہ لیتا ہوں ۱؎ اس کے شرارت سے تو جس کی پیشانی پکڑے ہے ۲؎ الٰہی تو ہی قرض اور گناہ کو دور کرتا ہے ۳؎ الٰہی تیرا لشکر کبھی شکست نہیں پاتا تیرا وعدہ تیرے خلاف نہیں ہوتا ۴؎ اور تیرے مقابل بختاور کو بخت نفع	

	نہیں دیتا۵ تو پاک ہے اور تیری ہی حمد ہے۔(ابوداؤد)

۱؎ وجہ سے مراد ذات باری تعالٰی ہے "كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ" اور کلمات الٰہیہ سے مراد اس کے اسماء وصفات ہیں یا آیات قرآنیہ، یا کُن فرمانا یعنی میں تیری ذات و صفات آیات کی پناہ لیتا ہوں، چونکہ یہ تمام چیزیں کامل ہیں نقصانات سے پاک اس لیے انہیں تامات فرمایا گیا۔ معلوم ہوا کہ اللہ کے مقبول بندوں خصوصًا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ لینا بھی جائز ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی کلمات اللہ ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کلمات اللہ ہیں جیسا کہ "قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ" کی تفسیر صوفیانہ میں ہے۔

۲؎ یعنی ساری موذی چیزیں تیرے قبضہ میں ہیں جسے تو بچانا چاہے اسے یہ موذی تکلیف نہیں دے سکتیں،پیشانی پکڑنے سے مراد قبضہ میں ہونا ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا"۔

۳؎ ممکن ہے کہ قرض سے مراد اللہ تعالٰی کے فرض ہوں جیسے وہ فرض واجب عبادات جو ادا نہ کی گئیں اور ماثم سے مراد وہ گناہ ہوں جو نہ کرنے تھے اور کرلیے گئے یا مغرم سے مراد وہ ناجائز قرض ہیں جن سے رب ناراض ہے جسے حرام کام میں خرچ کرنے کے لیے قرض لینا لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرض سے اتنی پناہ مانگی ہے تو آپ پر قرض کیوں ہوتا تھا حتی کہ وفات کے وقت بھی آپ کی زرہ قرض میں گروی تھی۔ بعض قرض ثواب ہیں اور بعض قرض گناہ، قرض گناہ سے پناہ مانگی۔(از مرقات مع زیارت) یا قرض سے وہ قرض مراد ہے جو ادا نہ ہوسکے، حضور کے تمام قرض ادا ہوگئے حتی کہ حضور کے بعد صدیق اکبر نے ادا کیے۔

۴؎ اللہ کے لشکر سے مراد یا تو فرشتوں کا لشکر ہے یا جانوروں وغیرہ کا وہ لشکر جو عذاب دینے آئے جیسے فیل والوں پر ابابیل یا احزاب کے کفار پر ہوا لشکر یا طوفان نوحی میں پانی کا لشکر یا لشکر سے مراد مؤمن غازیوں کا لشکر ہے جو محض رضائے الٰہی کے لیے جہاد کرے کہ انجام کار فتح اسی کی ہوتی ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"والعاقبة للمتقين" کبھی ان کی شکست ہوتی ہے تو عارضی وہ بھی اپنی کسی غلطی کی وجہ سے،کربلا میں امام حسین کی فتح ہوئی کہ اسلام بچ گیا، حسینی لشکر اللہ کا لشکر تھا، نیز رب کے وعدہ میں خلاف ناممکن ہے،اس کا وعدہ ہوچکا"اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ"۔

۵؎ جد کے معنی مال بھی ہیں اور بخت و نصیب بھی،دوسرے معنی یہاں زیادہ موزوں ہیں۔ نصیب میں مال، سلطنت، فوج، مکان و قلعہ وغیرہ سب ہی داخل ہیں یعنی جب تو کسی کو پکڑے تو اسے نہ سلطنت بچاسکتی ہے نہ فوج و خزانہ اور قلعہ، تیری پکڑ سے تیری رحمت ہی بچاسکتی ہے، یہاں مرقات نے فرمایا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چند لوگ حاضر تھے کوئی جدی الابل، کسی نے کہا جدی الزرع، کسی نے کچھ کہا کسی نے کچھ، تب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سنا کر یہ دعا کی۔

	روایت ہے حضرت ابوسعید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو اپنے بستر پر جاتے وقت یہ کہہ لے میں اس اللہ سے معافی مانگتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں۱؎ وہ زندہ اور قائم رکھنے والا ہے اور اس بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں۲؎ (تین بار کہے) تو اللہ اس کے

	گناہ بخش دے گا اگرچہ سمندر کے جھاگ یا ریگ رواں یا درختوں کے پتوں یا دنیا کے دنوں کے برابر ہوں۳ (ترمذی) اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

۱؎ سوتے وقت یہ دعائیں واستغفار اس لیے پڑھائے گئے کہ نیند بھی ایک قسم کی موت ہے نہ معلوم اب جاگنا ہو یا نہ ہو لہذا توبہ کرکے سوؤ کہ اگر یہ آخری نیند ہو تو اللہ تعالٰی کے نام پر ہو۔شعر

سونے والے اللہ اللہ کرکے سو کیا خبر اب جاگنا ہو یا نہ ہو

اس استغفار میں بندے کی اپنی بے بسی اور رب تعالٰی کی انتہائی قدرت و قوت کا اظہار ہے ان دونوں باتوں کا اقرار ہی توبہ کی جان ہے۔

۲؎ اس طرح کہ جو ہوگیا،ہوگیا اب کبھی ایسی حرکت نہ کروں گا،تو کریم و رحیم ہے معافی دے دے۔

۳؎ ظاہر یہ ہے کہ گناہوں سے مراد گناہ صغیرہ ہیں۔ممکن ہے کہ گناہ کبیرہ بھی مراد ہوں،اس کی رحمت ہمارے گناہوں سے کہیں زیادہ ہے کہ ہمارے گناہ محدود ہیں رب تعالٰی کی رحمت غیر محدود،ایام دنیا سے مراد اوقات دنیا ہیں یعنی گھنٹے،منٹ اور سیکنڈ۔عالج علج سے بنا بمعنی دخول اس لیے خاص خادم کو عالج کہتے ہیں کہ ہمارے کاموں میں دخیل ہوتا ہے دوا کرنے کو علاج کہتے ہیں کہ وہ دوا مرض میں یا بدن میں داخل ہو کر اثر کرتی ہے،بہت زیادہ ریتہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بعض ریتہ بعض میں دھنسا جارہا ہے اس لیے اسے عالج کہتے ہیں یہ ریتہ دور سے دریا معلوم ہوتا ہے اسی لیے اس رمل عالج کا ترجمہ ریگ رواں کیا جاتا ہے۔(مرقات مع اضافہ)

	روایت ہے حضرت شداد بن اوس۱؎ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کوئی مسلمان نہیں جو بستر پر لیٹے قرآن شریف کی کوئی سورۃ پڑھ لے۲؎ مگر اللہ تعالٰی اس پر فرشتہ مقرر فرمادیتا ہے پھر کوئی ایذادہ چیز اس کے پاس نہیں پھٹکتی حتی کہ بیدار ہو جب بھی۳؎ (ترمذی)

۱؎ پہلے عرض کیا جاچکا کہ آپ حضرت حسان ابن ثابت کے بھائی ہیں،انصاری،بڑے عالم وعابد تھے۔

۲؎ اس طرح کہ لیٹ کر سورت پڑھ کرلیٹے مگر یہ سورۃ کا پڑھنا لیٹنے کے ارادہ سے ہو۔ظاہر یہ ہے کہ سورۃ سے مراد پوری سورۃ ہے نہ کہ کسی سورۃ کی کچھ آیات جیسے فلق وناس یا قل یا ایھا الکافرون وغیرہ بعض لوگ آیت الکرسی بھی پڑھ لیتے ہیں اور سورۃ کافرون بھی،یہ بہت ہی اچھا ہے۔

۳؎ بزاز نے حضرت انس سے روایت کیا ہے مرفوعًا کہ لیٹتے وقت سورۂ فاتحہ اور قل ھو اللہ احد پڑھ کر سوؤ،رات بھر امن میں رہو گے۔حضرت علی فرماتے ہیں کہ سورۂ بقر کی آخری تین آیات پڑھ کر سویا کرو محفوظ رہو گے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن عاص سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو خصلتیں ایسی ہیں کہ کوئی مسلمان آدمی انہیں اختیار نہیں کرتا مگر جنت میں ضرور جائے گا۱؎ وہ ہیں تو آسان مگر ان پر عامل تھوڑے ہیں۲؎ ہر نماز کے بعد دس بار اللہ کی تسبیح کہے،دس بار اس کی حمد کرے،دس بار تکبیر کہے۳؎ راوی فرماتے ہیں پھر

	میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے عقد انامل فرما کر فرمایا کہ یہ زبان میں تو ڈیڑھ سو ہیں ۴ مگر میزان یعنی ترازو میں ڈیڑھ ہزار ہوں گے ۵ اور جب اپنا بستر لے تو سو بار تسبیح تکبیر اور حمد کرے ۶ تو یہ زبان میں ایک سو ہیں اور میزان میں ایک ہزار ۷ بتاؤ تم میں سے کون ہے جو ایک دن و رات میں ڈھائی ہزار گناہ کرے ۸ لوگوں نے عرض کیا کہ ہم ان کلمات کی کیوں نہ پابندی کریں گے ۹ فرمایا جب کوئی نماز میں ہوتا ہے تو شیطان اس کے پاس پہنچ کر کہتا ہے فلاں بات یاد کرو فلاں بات یاد کرو حتی کہ نمازی کو باز رکھ دیتا ہے تو شاید وہ یہ عمل نہ کر سکے ۱۰ اور شیطان اس کے خوابگاہ پر پہنچ کر اسے سلاتا رہتا ہے حتی کہ وہ سو جاتا ہے ۱۱ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی) ابوداؤد کی روایت میں یوں ہے کہ فرمایا دو خصلتیں یا دو عادتیں ایسی ہیں جن کی کوئی بندہ مسلمان حفاظت نہیں کرتا ۱۲ الخ اسی طرح ابوداؤد کی روایت میں اس کلام کے بعد کہ میزان میں ڈیڑھ ہزار میں یہ ہے کہ فرمایا ۳۴ بار تکبیر کہے جب اپنا بستر لے اور ۳۳ بار الحمدللہ پڑھے اور ۳۳ بار سبحان اللہ کہے ۱۳ اور مصابیح کے اکثر نسخوں میں عبداللہ بن عمر سے روایت ہے۔

۱؎ ایسے مقامات میں رجل بمعنی آدمی ہوتا ہے نہ کہ بمعنی مرد لہذا یہ مطلب نہیں کہ مرد مسلمان تو یہ عمل کرے عورت مسلمہ نہ کرے بلکہ جو بھی کرے مرد یا عورت سب کو مفید ہے۔ مسلم کی قید اس لیے لگائی گئی کہ کافر کا کوئی عمل وظیفہ نہ قبول ہے نہ باعث ثواب۔ خیال رہے کہ بعض اعمال کی دنیاوی تاثیر کفار سے صادر ہو جاتی ہے جیسے گالی کا برا اثر اور اچھے الفاظ کا دل پر اچھا اثر، بہرحال ہوتا ہے خواہ کافر کی طرف سے ہو یا مؤمن کی طرف سے۔ لایحصیھما احصاءٌ سے بنا جس کے لغوی معنی تو ہیں شمار کرنا مگر اصطلاح میں حفاظت کرنے، طاقت رکھنے کے معنی میں آتا ہے خصوصًا جب کہ وہ چیز گنتی والی ہو یہاں اصطلاحی معنی مراد ہے۔

۲؎ اس میں غیبی خبر ہے کہ یہ عمل کچھ بھاری نہیں مگر بہت آسان ہے لیکن اس کی توفیق کم لوگوں کو ملے گی جیسے رب تعالٰی نماز کے متعلق فرماتا ہے: "وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ" یہ نماز خاشعین کے سوا دوسروں پر گراں ہے، اس کا ظہور آج بھی ہو رہا ہے کہ روزہ حج جو مشکل چیزیں ہیں لوگ خوشی و شوق سے کرتے ہیں حتی کہ بچے روزے کے لیے ضد کرتے ہیں مگر نماز کا پابند کوئی کوئی ہے، اسی طرح اس عمل کے پڑھنے والے اب بھی کم دیکھے جاتے ہیں، یہ ہے اس مخبر صادق کی سچی خبر صلی اللہ علیہ وسلم۔

۳؎ اس طرح کہ پہلے دس بار سبحان اللہ کہے، پھر دس بار الحمدللہ، پھر دس بار اللہ اکبر، یہ نہ کرے کہ سبحان اللہ والحمدللہ اللہ اکبر ملا کر دس بار کہے کہ یہ مقصد حدیث کے خلاف ہے۔

۴؎ اس طرح کہ ہر نماز کے بعد تیس ہوئے اور پانچ نمازیں ہیں تو تیس پنجہ ڈیڑھ سو ہوئے۔

۵؎ یعنی یہ کلمات روزانہ پڑھنے میں ڈیڑھ سو مگر ثواب میں ڈیڑھ ہزار کیونکہ ہر نیکی کا ثواب دس گنا ہے، رب تعالٰی فرماتا ہے "مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا" یہ تو ہے قانون اور فضل رب کا کوئی حساب نہیں۔

٦؎ یعنی سوتے وقت بستر پر لیٹنے سے پہلے سبحان اللہ ۳۳ بار الحمدللہ ۳۳ بار اور اللہ اکبر ۳۴ بار پڑھ لیا کرے۔ واؤ ترتیب کے لیے نہیں لہذا اللہ اکبر الحمدللہ کے بعد پڑھے اور اس کا ذکر حمد سے پہلے ہے یہ ہی بزرگوں کا عمل ہے اور دوسری احادیث بھی اس کی تائید فرماتی ہے۔

۷؎ یہاں بھی وہ ہی حساب ہے کہ قانونًا ایک نیکی کا ثواب دس گنا ہے تو سو کلمات کا ثواب ہزار گنا ہوا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قیامت میں وزن نیکی کے ثواب کا ہو گا نہ کہ محض الفاظ کا اسی لیے کفار کی نیکیاں بالکل وزنی نہ ہوں گی اور گناہ بہت بھاری، ان شاء اللہ! مؤمن کی نیکیاں بقدر اخلاص وزنی ہوں گی اور گناہ کا یا تو وزن ہو گا ہی نہیں اگر ہو گا تو بہت ہلکا، رب تعالٰی کفار کی نیکیوں کے متعلق فرماتا ہے: "فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا" لہذا فی المیزان فرمانا بہت موزوں ہے۔

۸؎ یعنی یہ کلمات سارے مل کر پڑھنے میں تو ہوئے ڈھائی سو اور ثواب میں ہوئے ڈھائی ہزار اور ہر ایک کلمہ ایک ایک گناہ مٹاتا ہے، رب تعالٰی فرماتا ہے: "اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ"۔ چنانچہ ان کا مجموعہ ڈھائی ہزار گناہ مٹانے کے لیے کافی ہے اور بمشکل ہی کوئی مسلمان ایسا ہو گا جو ڈھائی ہزار گناہ روزانہ کرے، تو ان شاء اللہ اب یہ کلمات خالص نفع ہی میں بچے، کچھ نے تو گناہ مٹائے اور جو گناہوں سے بچے انہوں نے درجے بڑھائے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نیکیاں ثواب کا باعث بھی ہیں اور گناہوں کی معافی کا ذریعہ بھی، داتا کی دین کے بہانے ہیں۔

۹؎ یہ سوال تعجب کے لیے ہے کہ یا حبیب اللہ اتنا آسان عمل اور اتنے فائدے والا عمل کون چھوڑے گا اور کیوں چھوڑے گا، کیسے چھوڑے گا۔

۱۰؎ سبحان اللہ! کیسا پیارا جواب ہے یعنی جب شیطان فرائض عبادات میں یوں خلل ڈال دیتا ہے تو یہ عمل تو ایک نفلی کام ہے اس سے کیوں نہ روکے گا، نماز کے بعد تمہیں ایسے کام یاد دلائے گا کہ تم مسجد سے جلد جانے کی کوشش کرو گے اور کہے گا کہ یہ عمل صرف نفلی ہی تو ہے اسے چھوڑ دو، فلاں کام چل کر کرو۔

۱۱؎ یعنی نماز والے عمل سے تو اسی طرح روکے گا جو بیان ہوئی اور سوتے وقت کے عمل سے یوں روکے گا کہ اسے بستر پر پہنچتے ہی سلادے گا کہے گا کہ یہ عمل صرف نفلی ہے اسے چھوڑ دے اور جلد سو جاؤ تاکہ فجر کے لیے وقت پر آنکھ کھلے۔ خیال رہے کہ شیطان دینداروں کے پاس پہنچ کر دین دکھا کر بہکاتا ہے۔

۱۲؎ یعنی ابوداؤد کی روایت میں شک سے ہے خلتان فرمایا یا خصلتان اگرچہ ان دونوں لفظوں کے معنے ایک ہی ہیں مگر محتاط راوی الفاظ رسول اللہ کی پابندی کرتے تھے اور حدیث کو قرآن شریف کی طرح یاد کرتے تھے اگر کہیں ذرا سا تردد ہو جاتا تو بیان کر دیتے تھے۔

۱۳؎ یہاں بھی وہ بات یاد رہے جو ابھی پہلے عرض کی گئی کہ واؤ ترتیب نہیں چاہتا لہذا بیان میں تکبیر پہلے ہے اور تسبیح بعد میں مگر پڑھنے میں سبحان اللہ پہلے ہو گی اور اللہ اکبر بعد میں۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن غنام سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو صبح کے وقت یہ پڑھے الٰہی تیری جو نعمت مجھے یا تیری کسی مخلوق کو ملی وہ صرف تیرے اکیلے کی طرف سے ہے ۱؎ تیرا

	کوئی شریک نہیں لہذا تیری ہی حمد ہے اور تیرا ہی شکر۲ تو اس نے آج کے دن کا شکریہ ادا کر دیا۳ اور جو اسی طرح شام کے وقت کہہ لے تو اس نے اس رات کا شکریہ ادا کر دیا۴(ابوداؤد)

۱؎ یعنی جسے جو دینی یا دنیاوی نعمت ملی بلاواسطہ یا بالواسطہ وہ تیری ہی طرف سے ہے۔اس دعا میں اس آیت کی طرف اشارہ ہے "وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ"۔خیال رہے کہ نعمت و مصیبت سب اللہ تعالٰی ہی کی طرف سے ہے مگر ادب یہ ہے کہ نعمتوں کو رب کی طرف نسبت دو اور مصیبت کو اپنی طرف،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَمَآ اَصٰبَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ"۔

۲؎ یعنی حقیقی حمد اور حقیقی شکر تیرے ہی ہیں کہ حقیقی منعم تو ہی ہے،تیرے سواء جس کا بھی شکر و حمد ہوں گے وہ مجازی ہوں گے لہذا یہ دعا قرآن کریم کی اس آیت کے خلاف نہیں"اَنِ اشْكُرْ لِیْ وَ لِوٰلِدَيْكَ"میرا اور اپنے ماں باپ کا شکریہ ادا کرو کہ وہاں ماں باپ کا شکریہ مجازی مراد ہے۔

۳؎ یعنی صبح شام اس دعا کے پڑھنے والوں کو توفیق ملے گی کہ رب تعالٰی کی نعمتوں کا شکریہ ادا کریں اور اگر شکریہ میں کچھ کوتاہی ہوگئی تو رب تعالٰی اس کی برکت سے وہ کمی پوری فرمادے گا،یہ مطلب نہیں ہے کہ نماز،زکوۃ،روزہ کچھ نہ کرو صرف یہ دعا پڑھ لیا کرو کیونکہ ساری عبادتیں رب کا شکریہ ہیں اور شکریہ تو اس دعا سے پورا ہوگیا اب اور شکر کی کیا ضرورت ہے۔غرضکہ حدیث صاف ہے۔بعض علماء فرماتے ہیں کہ شکریہ دلی بھی ہوتا ہے،زبانی بھی،یہاں شکر سے مراد قولی شکر ہے یعنی ان کلمات میں ایسا ثواب ملے گا جیسے کوئی دن بھر زبانی شکریہ ادا کرتا رہے،رہا عملی شکریہ وہ اس کے علاوہ ہے۔

۴؎ اسے نسائی نے انہی عبداللہ ابن غنام سے روایت کیا اور ابن حبان و ابن سنی نے حضرت ابن عباس سے رضی اللہ تعالٰی عنہم۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ آپ حضور جب اپنے بستر پر جاتے تو عرض فرماتے ۱؎ اے اللہ اے آسمانوں کے رب اے زمین کے رب اے ہر چیز کے رب ۲؎ اے دانہ اور گٹھلی کو پھاڑ نکالنے والے ۳؎ اے توریت انجیل اور قرآن کو اتارنے والے ۴؎ میں ہر اس کی شر سے پناہ مانگتا ہوں جس کی پیشانی تیری گرفت میں ہے ۵؎ تو ہی اول ہے کہ تجھ سے پہلے کچھ نہیں اور تو ہی آخر ہے کہ تیرے پیچھے کچھ نہیں ۶؎ تو ہی ظاہر ہے کہ تیرے اوپر کوئی چیز نہیں اور تو ہی چھپا ہے کہ تیرے پیچھے کچھ نہیں ۷؎ میرا قرض ادا کردے اور مجھے فقیری سے غنا بخش ۸؎(ابوداؤد،ترمذی،ابن ماجہ)اسے مسلم نے کچھ تھوڑے فرق کے ساتھ روایت کیا۔

۱؎ یعنی بستر پر جاتے وقت لیٹنے سے پہلے اور حصن حصین میں ہے کہ سرکار بستر پر لیٹ کر یہ پڑھتے تھے،ہوسکتا ہے کہ کبھی یہ ہو کبھی وہ لہذا دونوں روایتوں میں تعارض نہیں۔

۲؎ آسمانی وزمینی اصولی نعمتیں ہیں درمیان کی چیزیں فروعی نعمتیں یعنی تمام اصولی وفروعی نعمتوں کے رب۔ مسلم کی روایت میں سماوات کے ساتھ سبع بھی ہے اور حصن حصین میں ورب العرش العظیم بھی ہے۔

۳؎ نوی کھجور کی گٹھلی کو کہتے ہیں، چونکہ عرب میں کھجور زیادہ ہوتی ہے، نیز تمام درختوں سے کھجور افضل بھی اور زیادہ نافع بھی ہے، اس لیے دانوں کے بعد اس کا خصوصیت سے ذکر فرمایا یعنی اے تخم اور گٹھلی کو چیر کر اس میں سے درخت نکالنے والے مولی، چونکہ دانوں سے غذا اور گٹھلی سے پھل پیدا ہوے ہیں غذا اور میووں سے جسمانی رزق ہے اس لیے دونوں کا ذکر فرمایا۔

۴؎ یعنی جسمانی روزیوں کے ساتھ ہم کو روحانی روزی دینے والے کیونکہ آسمانی کتابیں روحانی روزی کا ذریعہ ہیں، چونکہ زبور شریف میں صرف دعائیں تھیں، احکام توریت ہی میں تھے، نیز توریت شریف زبور پر حاوی تھی اس لیے زبور کا ذکر نہ فرمایا، حصن حصین میں بجائے قرآن کے فرقان ہے۔

۵؎ مطلب یہ ہے کہ ہر شر والی چیز تیرے قبضہ میں ہے کہ اس کا خالق ومالک ہے مولیٰ میں اس کی شر سے تیری پناہ لیتا ہوں، ضعیف ہوں تو قوی، اے قوی مجھ ضعیف کو اپنی پناہ میں لے لے۔

۶؎ یعنی تو ہی ازلی ہے کہ عدم سابق سے پاک ہے اور تو ہی ابدی ہے کہ عدم لاحق سے پاک۔ خیال رہے کہ رب کے سوا کوئی چیز ازلی وقدیم نہیں ہر چیز حادث ونوپید ہے مگر رب کے ارادے سے بعض چیزیں ابدی ہیں جیسے دوزخ اور وہاں کے عذاب، اسی طرح جنت اور وہاں کے ثواب ارواح اور جنتی و جہنمی لوگ وہاں پہنچ کر کہ یہ سب کچھ ابدی ہیں جنہیں فنا نہیں، رب تعالٰی فرماتا ہے: "اُكُلُهَا دَآئِمٌ" اور فرماتا ہے: "خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا" اگر ان میں سے کسی چیز کو فنا ہوتی تو خلدین کیسے اور ابدًا کیسے۔ خلاصہ یہ ہے کہ قدیم وازلی رب تعالٰی کے سواء کوئی نہیں مگر ابدی بہت چیزیں ہیں لیکن رب تعالٰی ذاتی حقیقی ابدی اور وہ چیزیں مجازی وعرضی ابدی۔ اور ہو سکتا ہے بعدك بمعنی غیرك ہوا اور مطلب یہ ہو کہ تیرے سوا کسی کو ذاتی طور پر بقا نہیں، رب تعالٰی فرماتا ہے: "كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ" اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "الا کل شیئ ما خلا اللہ باطلٌ" بے دینوں نے اس حدیث سے دلیل پکڑی کہ جنت ودوزخ کو فنا ہے مگر یہ بات باطل ہے اور مطلب حدیث کا وہ ہے جو ابھی عرض کیا گیا۔

۷؎ یعنی اے میرے مولیٰ تو صفات وافعال کے لحاظ سے ایسا ظاہر ہے کہ اس کے ظہور پر کسی کا ظہور نہیں اور ذات کے لحاظ سے ایسا چھپا ہوا ہے کہ تجھ سے زیادہ کوئی چھپی چیز نہیں۔ شعر

بے حجابی یہ کہ ہر ذرہ میں جلوہ آشکار — اس پہ یہ پردہ کہ صورت آج تک نادیدہ ہے
یار تیرے حسن کو تشبیہ دوں کس چیز سے — ایک تو ہی دیدہ ہے تیرے سوا نادیدہ ہے

یہاں مرقات نے فرمایا کہ دُون بمعنی غیر بھی آتا ہے اور بمعنی قریب بھی، یہاں دونوں معنے بن سکتے ہیں یعنی تیرے سوا کوئی حقیقی چھپا ہوا نہیں یا کوئی چیز چھپنے میں تجھ سے قریب بھی نہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ رب تعالٰی بصارت سے چھپا ہے اور بصیرت سے ظاہر یعنی نظر سے چھپنا فکر میں ظاہر۔

۸؎ قرض سے مراد مخلوق کا قرض ہے کیونکہ اس قرض سے بہت گناہ پیدا ہوتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ قرض رات کا غم اور دن کی ذلت ہے، فقیری سے مراد مخلوق کی محتاجی ہے یا اس سے دلی فقر مراد ہے جس کے متعلق فرمایا گیا کہ فقر کفر تک پہنچا دیتا ہے لہٰذا یہ حدیث نہ اس آیت کے خلاف ہے "وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ" اور نہ اس حدیث کے مخالف الفقر فخری۔

روایت ہے حضرت ابو ازہر انماری سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم جب رات کو اپنی خوابگاہ قبول فرماتے ۱؎ تو کہتے اللہ کے نام پر اللہ کے لیے میں نے اپنی کروٹ رکھ دی ۲؎ الٰہی میرے گناہ بخش دے اور میرے شیطان کو دور فرمادے میرا رہن چھوڑادے ۳؎ اور مجھے اعلیٰ مجلس میں داخل فرما ۴؎ (ابوداؤد)	

۱؎ یعنی یہ دعا رات کے آرام کی ہے نہ کہ دوپہر کی۔

۲؎ محض آرام کے لیے، مؤمن کا جاگنا، سونا، جینا، مرنا اللہ کے لیے چاہیے "وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیۡ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیۡنَ" بعض نسخوں میں اللہ نہیں ہے۔

۳؎ میرے گناہ سے مراد یا تو میری امت کے گناہ ہیں یا خطائیں مراد ہیں یا یہ لفظ ہماری تعلیم کے لیے ورنہ حضور گناہوں سے معصوم ہیں۔ شیطان سے مراد انسانی شیطان ہیں یا قرین شیطان ہے، رب تعالٰی نے آپ کی یہ دعا قبول فرمائی کہ آپ کا قرین شیطان مؤمن ہوگیا۔ اخساخساءؓ سے بنا بمعنی کتے کو دُور کارنا، رہن گروی چیز کو کہتے ہیں یہاں مراد اپنی ذات ہے کیونکہ انسان کی ذات اپنے اعمال میں گروی ہے رب تعالٰی فرماتا ہے: "کُلُّ امْرِیٴٍۭ بِمَا کَسَبَ رَہِیۡنٌ" یعنی مجھے نیک اعمال کی توفیق دے کر میرے نفس کو گروی ہونے سے چھوڑادے۔

۴؎ ندیٰ مجلس کو بھی کہتے ہیں اور مجلس والوں کو بھی یہاں مجلس مراد ہے اور اعلیٰ مجلس سے مراد قرب الٰہی غیر شناختی ہے ورنہ حضور صلی اللہ علیہ و سلم تمام خلق سے اعلیٰ ہیں ان سے اعلیٰ مجلس والا کون ہوگا اور حضور کی مجلس والے صحابہ تمام مجلس والوں سے افضل ہیں اس جملہ کے اور بھی معنے کیے گئے ہیں مگر یہ معنے زیادہ مناسب ہیں یا یہ دعا ہماری تعلیم کے لیے ہے تو ندیٰ سے مراد مجلس والے ہیں یعنی خداوند مجھے ملائکہ، انبیاء، اولیاء کا مجلس والا بنا۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو بستر اختیار فرماتے تو فرماتے شکر ہے اس اللہ کا جو میرے لیے کافی ہوا اور جس نے مجھے کھلایا اور پلایا اور جس نے مجھ پر احسان پھر فضل کیا ۱؎ اور جس نے مجھے دیا تو بہت زیادہ دیا ۲؎ ہر حال میں اللہ کا شکر ہے ۳؎ اے اللہ ہر چیز کے رب اور بادشاہ اے ہر چیز کے معبود میں آگ سے تیری پناہ لیتا ہوں ۴؎ (ابوداؤد)	

۱؎ اس دعا میں رب تعالٰی کی چھ نعمتوں کا ذکر ہے: کفایت یعنی مخلوق سے بے نیاز کردینا، اواء یعنی رہنے کے مکان عطا فرمانا، کھانا پانی عطا فرمانا، دیگر نعمتیں دینا اور سب سے اعلیٰ دینا۔ واقعی رب تعالٰی نے حضور صلی اللہ علیہ و سلم کو اتنا دیا کہ جتنا کسی کو نہ دیا، خود فرماتا ہے: "وَکَانَ فَضْلُ اللہِ عَلَیۡکَ عَظِیۡمًا" محبوب آپ پر اللہ کا بڑا فضل ہے اور فرماتا ہے: "اِنَّاۤ اَعْطَیۡنٰکَ الْکَوْثَرَ" ہم نے آپ کو بہت کچھ دیا، یہاں اس عطا کا شکر ہے۔

۲؎ افضل میں کیفیت کی زیادتی مراد تھی اور اجزل میں مقدار کی زیادتی مقصود ہے یعنی مجھے رب تعالٰی نے بہت زیادہ اعلٰی دیا لہذا کلمات میں تکرار نہیں۔

۳؎ یعنی فقر وغنا،رنج وعنا،راحت ومصیبت ہر حال میں اللہ کا شکر ہے۔خیال رہے کہ رب کی بھیجی ہوئی مصیبت وغم بھی نعمت ہے کہ اس کے ذریعے ہزار گناہ معاف ہوجاتے ہیں لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ شکر تو صرف نعمت پر ہوتا ہے پھر ہر حال میں شکر کیسا۔

۴؎ مالک وملیک کا فرق بارہا بیان ہوچکا کہ ظاہری عارضی ملک رکھنے والا بھی مالک کہلاتا ہے،مگر حقیقی دائمی ملک والا ملیک۔مالک ملیک سے عام۔اس سے معلوم ہوا کہ دعا کرتے وقت رب تعالٰی کو اس کے اچھے ناموں سے یاد کرنا چاہیے،حمد الٰہی دعا کا رکن ہے،آگ سے پناہ مانگنے کے یہ معنے بھی ہیں کہ رب تعالٰی ہمیں دوزخ والے اعمال سے بچائے اور یہ معنے بھی ہیں کہ گناہوں کی معافی دے کر دوزخ سے نجات دیدے،دوزخ سے نجات ملنے پر ان شاءاللہ جنت ملنا لازمی ہے کیونکہ سواء جنت و دوزخ کے انسانوں کے لیے تیسرا کوئی مقام نہیں۔اعراف ایک عارضی جگہ ہوگی جس کے بعد جنت ملے گی لہذا حدیث پر یہ سوال نہیں کہ یہاں جنت کی طلب نہیں کی گئی۔

روایت ہے حضرت بریدہ سے فرماتے ہیں کہ خالد ابن ولید نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شکایت کی عرض کیا یارسول اللہ میں بے خوابی کے باعث رات کو سوتا نہیں ۱؎ تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم اپنے بستر پر جاؤ تو یوں کہو اے اللہ اسے سات آسمانوں کے اور جن پر یہ آسمان سایہ فگن ہیں ان کے رب اور زمینوں کے اور جنہیں زمین اٹھائے ہے ان کے رب ۲؎ اور اے شیطانوں کے اور جنہیں وہ گمراہ کریں ان کے رب ۳؎ تو اپنی ساری مخلوق کی شر سے میری پناہ ہوجا کہ ان میں سے کوئی مجھ پر زیادتی یا ظلم کرے ۴؎ تیری پناہ غالب ہے،تیری ثنا شاندار ہے،تیرے سوا کوئی معبود نہیں صرف تو ہی معبود ہے ۵؎ (ترمذی) اور ترمذی نے فرمایا کہ اس حدیث کی اسناد قوی نہیں اور حکیم ابن ظہیر راوی کی حدیث کو بعض محدثین نے چھوڑ دیا ہے ۶؎

۱؎ شکا الف سے بھی لکھا جاتا ہے،یہ شکوت سے بنا اور شکی ی سے بھی جو شکیت سے بنا شکوت وشکیت دونوں لغتیں درست ہیں۔مشکوۃ شریف کے اس نسخہ میں سے ہے۔ارق مطلقًا بے خوابی کو کہتے ہیں خواہ فکر یا رنج سے ہو یا خشکی سے،خوشی سے بے خوابی ارق نہیں کہلاتی کہ وہ بیماری نہیں،یہاں وسوسہ یا فکر سے نہ سونا مراد ہے اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا سکھائی،اگر خشکی سے ہوتی تو دوا بتائی جاتی،حضور صلی اللہ علیہ وسلم حکیم روحانی بھی ہیں حکیم جسمانی بھی،حضرت خالد کو کئی راتوں سے نیند نہ آئی تھی یا وسوسوں سے یا رنج وگم سے آپ پریشان ہوگئے تھے تب یہ عرض کیا۔

۲؎ اس چھوٹے سے جملے میں تمام عالم اجسام کی چیزیں داخل ہیں آسمان میں فرشتے وغیرہ آگئے آسمان کے زیر سایہ ہیں۔تمام فضا کی چیزیں وزمین اور زمینی چیزوں میں زمین پر اور زمین کے اندر کی تمام چیزیں داخل ہوگئیں۔

۳؎ شیاطین سے مراد گمراہ کن چیزیں ہیں آدمی ہوں یا جنات،اس سے عام چیزیں مراد ہیں خواہ عقل والی ہوں یا غیر عاقل،اگرچہ یہ چیزیں بھی پہلے جملے میں داخل تھیں مگر خصوصیت سے ان کا ذکر علیحدہ کیا گیا کیونکہ اس دعا میں انہیں کے شر سے حفاظت مانگی گئی ہے لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔

۴؎ یہاں جار بمعنی حافظ،ناصر،امان دہ ہے نہ کہ بمعنی پڑوسی بلکہ پڑوسی کو بھی جار اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ امن وامان کا ذریعہ ہوتا ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَّ ھُوَ یُجِیۡرُ وَ لَا یُجَارُ عَلَیۡہِ"یعنی خدا تو میرا مددگار،حافظ،امان ہوجا،مجھے اس سے امن میں رکھ کہ کوئی موذی چیز ایذا دے۔

۵؎ یہاں مرقات نے فرمایا کہ اس جگہ جار بمعنی مستجیر ہے یعنی جو تیری امان میں آجائے وہ سب پر غالب ہی رہتا ہے،دیکھو موسیٰ علیہ السلام سے،رب تعالٰی نے فرمایا:"اِنَّکَ مِنَ الۡاٰمِنِیۡنَ"تم کوامن ہے یعنی جو تیری امان میں آجائے وہ سب پر غالب رہے،جسے سلطنت دنیاوی پناہ دے دے وہ غالب ہوجاتا ہے تو جسے رب پناہ دے دے اسے کون مغلوب کرسکتا ہے،رب کی حمد ثناء تمام حمدوں سے شاندار ہے کہ تمام مخلوق اس کے گن گارہی ہے۔

۶؎ چنانچہ حکم یا حکیم ظہیر کے متعلق بخاری،ابوزرعہ،نسائی،ابن ابی حاتم نے فرمایا کہ یہ متروک الحدیث ہے،ابن معین نے فرمایا کہ اس حدیث میں کچھ نہیں،ابن عدی نے فرمایا کہ اس کی اکثر حدیثیں غیر محفوظ ہیں،اس حدیث کو ابن ابی شیبہ،طبرانی اور حصن حصین نے بھی نقل فرمایا۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت ابومالک سے۱؎ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی سویرا پالے تو کہہ لے ہم نے صبح کی اور اللہ رب العلمین کے ملک نے صبح پائی۲؎ اے اللہ میں تجھ سے اس دن کی بھلائی اس کی کشادگی اس کا نور اس کی برکت اور اس کی ہدایت مانگتا ہوں۳؎ اور جو اس دن میں ہے اس کی اور اس کے بعد کی شر سے پناہ مانگتا ہوں۴؎ پھر جب شام پائے تو اس طرح کہہ لے۵؎(ابوداؤد)	

۱؎ آپ کا نام کعب ابن مالک ہے،کنیت ابومالک اشعری ہے یا اشجعی،آپ کے نام میں بہت اختلاف ہے جو ہم نے عرض کیا وہ ہی قوی ہے۔(اشعہ)

۲؎ یعنی خدا کا شکر ہے کہ ہم لوگوں نے بخیر وخوبی سویرا پالیا۔یہاں ملک الٰہی سے وہ حصہ دنیا کا مراد ہے جس پر اس وقت سویرا ہوا آدھی دنیا کیونکہ آدھی زمین پر دن رہتا ہے اور آدھی پر رات،جب یہاں سویرا ہوتا ہے تو دوسرے حصہ میں شام۔

۳؎ کہ تو مجھے اس دن میں علم،عمل،حلال روزی،عبادات کی توفیق بخش۔

۴؎ یعنی دن بھر مجھے برے عمل،حرام روزی،گناہوں سے محفوظ رکھ،ایسی شر سے بھی بچالے جس کا اثر آج ہی ختم ہوجائے اور ایسی شر سے بھی بچا جس کا اثر بعد تک رہے،بعض جرموں کی وجہ سے دو تین سال کی جیل یا پھانسی ہوجاتی ہے،یہ ہے شر ما بعدہ۔

۵؎ مگر اس وقت بجائے اصبحنا کے امسینا کے باقی کلمات وہ ہی کہے۔

روایت ہے حضرت عبدالرحمٰن ابن ابو بکرہ سے ۱؎ فرماتے ہیں میں نے	

	اپنے والد سے عرض کیا ابا جان میں آپ کو ہر صبح یہ کہتے سنتا ہوں۲ الٰہی مجھے میرے بدن میں عافیت دے،الٰہی مجھے میرے کانوں میں عافیت دے،الٰہی مجھے میری آنکھوں میں عافیت دے۳ تیرے سوا کوئی معبود نہیں اسے تین بار مکرر کرتے جب سویرا ہوتا اور تین بار جب شام ہوتی۴ فرمایا اے بیٹے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دعائیں مانگتے سنا تو میں بھی چاہتا ہوں کہ اس سنت کی پیروی کروں۵(ابوداؤد)

۱؎ ابو بکرہ کا نام نفیع ابن حارث ہے،آپ طائف کی فتح کے دن کفار طائف سے بچتے ہوئے ایک کنوئیں کی چرخڑی سے لٹک کر قلعہ طائف سے باہر آگئے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لائے،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم ابو بکرہ ہو یعنی چرخڑی والے۔بکرہ عربی میں کنوئیں کی چرخڑی کو کہتے ہیں۔آپ مشہور صحابی ہیں،آپ کے بیٹے عبدالرحمٰن تابعین میں سے ہیں۔

۲؎ معلوم ہوا کہ نیک بچے اپنے ماں باپ کے ہر عمل کو بغور دیکھتے سنتے ہیں اور ان کی عبادتوں دعاؤں کو یاد کرکے ان کی نقل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔باپ کو چاہیے کہ اچھا نمونہ بنیں کہ اولاد ان کی نقال ہے،بچوں کا پہلا مدرسہ ان کا گھر ہے اور پہلے معلم ان کے ماں باپ۔

۳؎ اگرچہ بدن میں کان وآنکھ بھی آگئے تھے مگر چونکہ زیادہ اچھے برے اعمال ان دو اعضاء سے ہوتے ہیں،نیز آنکھوں سے آیات الٰہیہ دیکھی جاتی ہیں اور کانوں سے آیات قرآنیہ سنی جاتی ہیں اس لیے ان دونوں اعضاء کا ذکر علیحدہ فرمایا اور بمقابلہ آنکھ کے کان زیادہ کارآمد ہیں کہ آنکھ صرف سامنے کو دیکھتی ہے مگر کان ہر طرف کی آواز سنتا ہے اس لیے کان کا ذکر پہلے ہوا آنکھ کا بعد میں،کوئی پیغمبر کان سے معذور نہ ہوئے۔

۴؎ یعنی نماز فجر و مغرب کے بعد آپ یہ دعا تین تین بار پڑھتے ہیں،ان دو وقتوں کی خصوصیت اور اکثر دعاؤں وظیفوں کے تین بار ہونے کی وجہ پہلے عرض کی جاچکی ہے۔

۵؎ یعنی میں ثواب کی نیت سے یہ کلمات پڑھتا ہوں کہ انکا پڑھنا سنت ہے اور ہر سنت پر عمل ثواب،مجھے اس سے بحث نہیں کہ ان کی تاثیر کیا ہے اور ان کی تاثیر کیا ہے اور ان سے دوسرے فوائد کیا ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ تمام ذکر اور وظیفے پڑھنے کا ثواب اجازت پر موقوف نہیں وہ ضرور ملے گا کہ اللہ کا ذکر ثواب ہے اور جو وظیفے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں ان کا دہرا ثواب ہے ایک ذکر خیر کا ثواب دوسرا اداء سنت کا،رہی ان کی تاثیر اس کے لیے اجازت بہت ہی مفید ہے بغیر اجازت بھی کچھ نہ کچھ فائدہ ضرور ہوتا ہے مگر اجازت سے تاثیر بہت بڑھ جاتی ہے،تلوار چاقو کسی کی سان پر چڑھا ہوا خوب کاٹ کرتے ہیں،یہ دعائیں تلوار ہیں بزرگوں کی اجازت ان کی سان۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن ابی اوفی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سویرا پاتے تو یوں کہتے ہم نے اور اللہ کے ملک نے سویرا پالیا اللہ کی ہی حمد اور بڑائی ہے اور عظمت اللہ کے لیے ہے۱ اور خلق،حکم اور رات دن اور جو ان میں رہیں سب اللہ کے لیے ہیں۲ الٰہی اس دن کا اول درستی بنا اور درمیان کو کامیابی اور آخر کو چھٹکارا بنا اے تمام رحم والوں سے بڑے۳ اسے امام نووی نے کتاب الاذکار میں ابن سنی کی روایت سے بیان کیا۔

۱؎ کبریائی سے مراد رب تعالیٰ کے صفات ذاتیہ ہیں اور عظمت سے مراد صفات فعلیہ ان دونوں کے صفات کا فرق علم کلام میں تفصیل وار مذکور ہے۔ صفات ذاتیہ کا تعلق ذات رب سے ہے اور فعلیہ کا تعلق مخلوق سے، سورج کا چمکنا اس کا وصف ذاتی ہے اور دوسروں کو چمکانا صفت فعلیہ۔

۲؎ آہستگی سے پیدا فرمانا خلق ہے اور ایک دم پیدا فرمادینا امر یا مادیات کو پیدا فرمانا خلق ہے اور مجردات کی پیدائش امر، یا بالواسطہ پیدا فرمانا خلق ہے اور بلاواسطہ پیدائش امر، رب تعالیٰ فرماتا ہے: "قُلِ الرُّوۡحُ مِنۡ اَمۡرِ رَبِّیۡ" یعنی روح عالم امر سے ہے یا صرف کلمۂ کُن سے بنی ہے کسی مادہ وغیرہ سے نہیں بنی، آسمان اور ان کے نیچے کی چیزیں دن رات میں رہتی ہیں مگر جنت دوزخ عالم انوار کی خبریں دن رات میں نہیں رہتیں کہ وہاں تک دن رات کی پہنچ نہیں، چونکہ ہماری نظر ان ہی چیزوں پر ہے اس لیے ان کا ہی ذکر فرمایا ورنہ ہر مخلوق اللہ کی ہے۔

۳؎ سبحان اللہ! کیسی جامع دعا ہے۔ دن کے تین حصے ہیں: اول، درمیان، آخری، ان تینوں حصوں میں تین نعمتیں مانگی اول دن میں دین و دنیا کی درستی اور درمیان میں دین و دنیا کی کامیابی اور آخر میں وہ ظفر جو اچھا خاتمہ نصیب کرے۔ مرقات نے فرمایا کہ یہاں دن کے تین حصوں سے مراد سارے اوقات ہیں، چونکہ دن کام کا وقت ہے جب اس کے ہر حصے میں ہر نعمت مانگ لی تو رات جو آرام کا وقت ہے اس میں بھی ہر نعمت مانگ لی۔

روایت ہے حضرت عبدالرحمان ابن ابزی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سویرا پاتے تو کہتے ہم نے اللہ کے دین پر اور اخلاص کے کلمے پر۱؎ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین پر۲؎ اور اپنے والد حضرت ابراہیم کی ملت پر سویرا پایا حضرت ابراہیم ہر برائی سے دور تھے مشرکوں سے نہ تھے۳؎ (دارمی)	

۱؎ فطرت کے لغوی معنی ہیں، پیدائش، رب تعالیٰ فرماتا ہے: "فَطَرَ النَّاسَ عَلَیۡہَا" اور فرماتا ہے "فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ"۔ پھر اصطلاح میں پیدائشی حالت کا نام فطرت ہوا، شریعت میں سنت انبیاء کو بھی فطرت کہتے ہیں اور ملت کو بھی، چونکہ اسلام ہی انسان کا پیدائشی دین ہے کہ ہر بچہ ایمان پر پیدا ہوتا ہے، پھر مختلف صحبتیں پاکر مختلف دین اختیار کرتا ہے اس لیے اسے فطرت کہا جاتا ہے یہاں آخری معنی ہی مراد ہے۔

۲؎ یہ فطرت اسلام کا بیان ہے۔ لغۃً ہر نبی کا دین اسلام ہے، یعقوب علیہ اسلام نے اپنے فرزندوں سے فرمایا تھا "وَلَا تَمُوۡتُنَّ اِلَّا وَ اَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ" اسی لیے فرمایا کہ اسلام سے مراد دین محمدی ہے۔ خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسلام پر ہیں اور حضور کی امت بھی مگر حضور اس دین پر ہیں ہم کو چلانے کے لیے، ہم اس راہ پر ہیں چلنے کے لیے، ریلوے لائن پر انجن بھی ہے اور پیچھے والے ڈبے بھی مگر انجن چلانے کے لیے اور ڈبے چلنے کے لیے، رب فرماتا ہے: "اِنَّکَ لَمِنَ الۡمُرۡسَلِیۡنَ عَلٰی صِرٰطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ" بلکہ اپنے متعلق بھی فرماتا ہے: "اِنَّ رَبِّیۡ عَلٰی صِرٰطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ" یعنی رب تعالیٰ سیدھے راستہ پر ملتا ہے جیسے کہا جاتا ہے لاہور سیدھی سڑک پر۔

۳؎ کفار عرب شرک کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم دین ابرہیمی پر ہیں اس جملہ میں ان کی تردید ہے کہ حضرت ابراہیم تو مشرک نہ تھے تم مشرک ہو پھر تم ان کے دین پر کیسے ہوئے ہم دین ابراہیمی پر ہیں۔ خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دین ابرہیمی پر ہونے کے معنی یہ ہیں کہ آپ کا دین ملت ابراہیمی کے مطابق ہے نہ یہ کہ آپ ان کے متبع ہیں۔ چنانچہ ختنہ حجامت، قربانی، مہمان نوازی تمام احکامِ ابراہیمی اسلام میں موجود ہیں۔

باب الدعوات فی الاوقات

باب خاص وقتوں کی دعائیں [1]

الفصل الاول

پہلی فصل

[1] یعنی مختلف اوقات کی مختلف دعاؤں کا باب۔پچھلے باب میں دائمی اوقات کی دعاؤں کا ذکر تھا جیسے صبح شام سونے جاگنے کے وقت کی دعاؤں مگر اس باب میں عارضی اوقات و عارضی حالات کی دعاؤں کا ذکر ہوگا جیسے نکاح،جہاد،وطی وغیرہ کے وقت کی دعائیں اس باب میں مختلف اوقات اور مختلف حالات دونوں کی دعاؤں کا ذکر ہوگا۔مرقات نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول دعائیں اتباع سنت کے لیے کم از کم عمر میں ایک بار ضرور پڑھ لی جائیں اور یہ منقول دعائیں دوسری دعاؤں سے افضل ہیں بلکہ بعض حالات کی دعائیں تلاوت قرآن سے بھی افضل ہیں کہ ان میں اتباع سنت ہے،دیکھو رکوع و سجود التحیات میں منقول دعائیں ہی پڑھی جائیں گی نہ کہ قرآن کریم۔اکثر نوافل گھر میں پڑھنا مسجد میں پڑھنے سے بھی افضل ہیں کہ ان میں سرکار کی اتباع ہے،افضیلت تو ان کے دم قدم سے وابستہ۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر تم میں سے کوئی جب اپنی بیوی کے پاس جانا چاہے تو یہ کہہ لے [1] بسم اللہ خدایا ہم کو شیطان سے دور رکھ اور شیطان کو اس بچے سے دور رکھ جو تو ہمیں دے [2] تو اگر اس صحبت میں ان کے نصیب میں بچہ ہوا تو اسے شیطان کبھی نقصان نہ دے سکے گا [3] (مسلم،بخاری) [4]	

[1] یہ دعا ستر کھولنے سے پہلے پڑھے اور حلال صحبت پر پڑھے،حرام پر پڑھنا سخت جرم ہے بلکہ اس میں کفر کا اندیشہ ہے جیسے شراب نوشی یا خنزیر کھانے یا جوئے پر بسم اللہ پڑھنا،اھل سے مراد بیوی یا لونڈی ہے۔

[2] یعنی اس صحبت میں شیطان نہ شریک ہو اور نہ بچے کو شیطان کبھی بہکائے،بسم اللہ سے مراد پوری بسم اللہ الرحمن الرحیم ہے۔خیال رہے کہ جیسے شیطان کھانے پینے میں ہمارے ساتھ شریک ہو جاتا ہے ایسے ہی صحبت میں بھی اور جیسے کھانے پینے کی برکت شیطان کی شرکت سے جاتی رہتی ہے ایسے ہی صحبت میں شیطان کی شرکت سے اولاد نالائق اور جناتی بیماریوں میں گرفتار رہتی ہے اور جیسے بسم اللہ پڑھ لینے سے شیطان کھانے پینے میں ہمارے ساتھ شریک نہیں ہو سکتا ایسے ہی بسم اللہ کی برکت سے صحبت میں شیطان کی شرکت نہیں ہوتی جس سے بچہ نیک ہوتا ہے اور آسیب وغیرہ سے بفضلہ تعالٰی محفوظ بھی رہتا ہے،بہتر یہ ہے کہ خاوند بیوی دونوں پڑھ لیں۔

[3] یعنی بسم اللہ وغیرہ کی برکت سے بچہ کو نہ تو ابلیس کبھی نقصان پہنچا سکے گا نہ اس کی ذریت،بچہ جنون،مرگی وغیرہ جناتی امراض سے بھی محفوظ رہے گا اور مؤمن رہے گا ان شاءاللہ(مرقات)اس لیے یہاں شیطان نکرہ فرمایا گیا،ایسے بچہ کو ان شاءاللہ نیک اعمال کی بھی توفیق ملے گی۔

۴؎ اس حدیث کو ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابو داؤد نے حضرت ابن عباس سے مرفوعًا روایت فرمایا، یہ عمل نہایت مجرب ہے۔

	روایت ہے ان ہی سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سخت تکلیف کے وقت یہ کہتے اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں وہ عظمت والا حلم والا ہے ۱؎ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو بڑے عرش کا رب ہے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو آسمانوں کا رب اور زمین کا رب اور کرم والے عرش کا رب ہے ۲؎ (مسلم، بخاری)

۱؎ کرب سے مراد وہ سخت تکلیف یا رنج و غم ہے جو دل کو گھیرے۔ حلیم کے معنے ہیں عذاب میں جلدی نہ فرمانے والا بلکہ اپنے مجرم کو باز آجانے پر بخش دینے والا اور اس کا غم وغیرہ دور کردینے والا یعنی یہ تکلیف ہماری کسی خطا کی وجہ سے ہے، رب تعالٰی حلیم ہے معافی دے گا اور اسے دور فرمادے گا۔

۲؎ کریم یا تو رب کی صفت ہے اور مرفوع ہے یا عرش کی صفت ہے اور مجرور۔ خیال رہے کہ یہاں صرف رب تعالٰی کی حمد ہے دعا کا لفظ ایک بھی نہیں مگر چونکہ کریم کی حمد بھی دعا ہے، نیز ذکر اللہ سے بلائیں ٹلتی ہیں اس کے لیے اس کا نام دعائے کرب ہے اور اسی کا نام دفع کرب ہے۔ (لمعات، نووی) یا یہاں زبان پر حمد ہے دل میں سوال۔ (مرقات)

	روایت ہے سلیمان ابن صرد سے فرماتے ہیں کہ دو شخصوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک آپس میں گالی گلوچ کی ہم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے ۱؎ ان میں سے ایک شخص دوسرے کو غضب میں برا بھلا کہہ رہا تھا اس کا منہ سرخ ہوگیا ۲؎ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں ایسی دعا جانتا ہوں کہ اگر یہ شخص وہ کہہ دے تو اس کی یہ حالت جاتی رہے ۳؎ جسے محسوس کررہا ہے میں مردود شیطان سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں ۴؎ لوگوں نے اس سے کہا کیا تو سنتا نہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں وہ بولا میں دیوانہ نہیں ہوں ۵؎ (مسلم، بخاری)

۱؎ آپ کے آس پاس بیٹھے تھے کھڑے نہ تھے کیونکہ اس طرح کھڑے ہونے کو حضور انور منع فرماتے تھے کہ بزرگ بیٹھا ہو اور لوگ ادبًا سامنے کھڑے ہوں۔ گالی گلوچ کرنے والے غالبًا دو بدوی نو مسلم ہوں گے جنہیں ابھی نہ آداب مجلس کی خبر تھی نہ تہذیب سے خبردار تھے جیسے ایک بدوی نے خاص محراب مسجد میں کھڑے ہوکر پیشاب کیا تھا، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہنے والی بہت مہذب تھے۔

۲؎ زیادتی غصہ کی وجہ سے کیونکہ دل کا اثر پہلے چہرے پر ہی پڑتا ہے، چہرہ دل کی کتاب ہے۔

۳؎ یعنی ان کلمات کی برکت سے دل کا جوش ٹھنڈا پڑ جائے، اعتدال پر آجائے، جوش ختم ہوجائے۔

۴؎ اس عمل کا ماخذ یہ آیت ہے "وَ اِمَّا یَنۡزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیۡطٰنِ نَزۡغٌ فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰہِ" الخ۔ ہر شیطانی اثر پر شیطان سے اللہ کی پناہ مانگنی چاہیے یہ غصہ بھی شیطانی تھا کیونکہ مسلمان بھائی پر تھا اور نفس اور دنیاوی وجہ سے تھا اور گالی گلوچ کرنا بھی شیطانی عمل تھا اس لیے اعوذ باللہ کا حکم

دیا گیا۔ کفار پر غصہ یا مسلمان پر کسی دینی وجہ سے غصہ تو عبادت ہے لہٰذا حدیث شریف پر یہ اعتراض نہیں کہ اگر غصہ شیطانی چیز ہے تو خود حضور نے بارہا غصہ فرمایا ہے کہ حضور کا غضب عبادت کیونکہ دین کے لیے تھا،اللہ تعالٰی بھی مجرموں پر غضب فرماتا ہے۔

۵؎ صحابہ کرام نے اس کا جوش ٹھنڈا ہو جانے پر اس سے یہ کہا۔اُس کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اعوذ تو دیوانہ پر پڑھی جاتی ہے میں دیوانہ نہیں ہوں کہ اعوذ پڑھوں۔فقیر نے عرض کیا تھا کہ یہ شخص یا منافق تھا یا کوئی بدوی نومسلم جو تہذیب و تمدن سے یکسر خالی ہوتے ہیں،اس جواب سے اس کی تائید ہوتی ہے۔مؤمن اور واقف شریعت تو حضور کے ہر حکم پر مرمٹتا ہے۔ابوداؤد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ معاذ تھے،خدا معلوم کون معاذ مراد ہیں اگر معاذ ابن جبل مراد ہیں تو یہ واقعہ یا ان کے اسلام سے پہلے کا ہے یا بالکل نومسلم ہونے کے وقت کا۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم مرغ کی اذان سنو تو اللہ سے اس کا فضل مانگو ۱؎ کیونکہ مرغ فرشتہ کو دیکھتا ہے ۲؎ اور جب تم گدھے کا ہینگنا سنو تو مردود شیطان سے اللہ کی پناہ مانگو کیونکہ اس نے شیطان کو دیکھا ہے ۳؎ (مسلم،بخاری) ۴؎	

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ یہاں ہر مرغ کی ہر آواز مراد ہے جسے ہم مرغ کا اذان دینا کہتے ہیں۔بعض لوگوں نے تہجد کے وقت کی مرغ کی آواز مراد لی،بعض نے صبح صادق کے وقت کی آواز مگر پہلے معنے زیادہ ظاہر ہیں کہ حدیث میں کوئی قید نہیں،مرغ کی ہر اذان پر دعا مانگنا چاہیے۔

۲؎ یعنی مرغ رحمت کا فرشتہ دیکھ کر بولتا ہے،اس وقت کی دعا پر فرشتے کے آمین کہنے کی امید ہے۔بعض روایات میں ہے کہ عرش اعظم کے نیچے ایک سفید مرغ ہے اس کی آواز پر زمین کے مرغ بولتے ہیں۔واللہ اعلم!(اشعہ)اس سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کی مجلس میں دعا کرنی چاہیے کیونکہ جب بزرگوں کے ذکر پر اللہ کی رحمت اترتی ہے تو ان لوگوں کی موجودگی تو بڑی ہی رحمت کا باعث ہے۔(مرقات)اولیاء اللہ فرشتوں سے افضل ہیں،جب فرشتے کی موجودگی سے دعائیں قبول ہوتی ہیں تو اولیاء اللہ کی موجودگی یقینًا باعث قبولیت ہے۔معلوم ہوا کہ جانور غیبی فرشتوں کو دیکھ لیتے ہیں۔

۳؎ یعنی گدھا کسی خاص شیطان کو دیکھ کر بولتا ہے اکثر اس کا بولنا شہوت میں ہوتا ہے،یہ اعلان کر کے مادہ سے صحبت کرتا ہے اس وجہ سے بھی یہ آواز خبیث ہے،رب تعالٰی نے اس کے متعلق فرمایا:"اِنَّ اَنۡکَرَ الۡاَصۡوٰتِ لَصَوۡتُ الۡحَمِیۡرِ "بدترین آواز گدھے کی ہے اور فرمایا:"لَھُمۡ فِیۡھَا زَفِیۡرٌ وَّ شَھِیۡقٌ "دوزخیوں کی آواز گدھوں کی سی ہوگی۔اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ بروں کی آمد پر اور بروں کو دیکھ کر اعوذ باللہ پڑھنی چاہیے۔دوسرے یہ کہ بری بکواس کی آواز گدھے کی سی آواز ہے،غیبت،جھوٹ،گانے بجانے،بے دینی کی تقریریں اسی میں داخل ہیں کہ یہ سب شہوت نفسانی کی آواز ہیں۔

۴؎ یہ حدیث ابوداؤد،ترمذی،نسائی،حاکم نے بھی روایت کی ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر کو نکلتے ہوئے اونٹ پر سوار ہو جاتے تو تین بار تکبیر کہتے ۱؎ پھر یہ فرماتے پاک ہے وہ اللہ جس نے اسے ہمارا تابع کر دیا ہم اسے مطیع نہ کر سکتے تھے اور ہم اپنے رب کی طرف پھرنے والے ہیں ۲؎ الٰہی ہم تجھ	

	سے اپنے سفر میں بھلائی پر ہیزگاری اور تیرے پسندیدہ عمل کی توفیق مانگتے ہیں ۳؎ اے اللہ ہم پر اس سفر کو آسان فرمادے اور اس کی درازی سمیٹ لے ۴؎ اے اللہ تو ہی سفر میں ساتھی ہے اور گھر بار میں والی ہے ۵؎ اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں سفر کی مشقتوں سے اور برے انتظار سے اور بری واپسی سے مال اور گھر بار میں ۶؎ جب واپس ہوتے تو بھی یہی فرماتے ان کلمات میں سے اور بڑھادیتے ہم لوٹنے والے توبہ کرنے والے رب کے ثنا گو ہیں ۷؎ (مسلم)

۱؎ چونکہ اونٹ وغیرہ بلند چیز پر سوار ہوتے وقت انسان کو اپنی بلندی نظر آتی ہے اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان موقعوں پر رب تعالٰی کی کبریائی بیان فرماتے تھے۔ چنانچہ ٹیلہ پہاڑی پر چڑھتے وقت بھی تکبیر کہتے تھے یا اس تعجب پر تکبیر کہتے کہ رب تعالٰی نے ایسے جانور کو ہمارے قبضہ میں کیسے کردیا جب کہ مکھی، مچھر ہمارے قبضہ سے باہر ہیں۔

۲؎ یہ قرآن شریف کی آیت ہے، اس میں ہم اپنے عجز، رب تعالٰی کی رحمت کا اقرار کرتے ہیں کہ کہاں ہم جیسے ضعیف النسیان انسان اور کہاں یہ قوی جانور مگر رب تعالٰی کی مہربانی ہے یہ کہ ہمارے تابع فرمان ہیں، یہ ہماری بہادری نہیں بلکہ رب تعالٰی کی مہربانی ہے، دیکھو ہرن، نیل، گائے بلکہ مکھی وغیرہ کسی طرح ہمارے قابو میں نہیں آتے حالانکہ وہ اونٹ وہاتھی سے کہیں کمزور ہیں، پھر اپنے معاد کا بھی ذکر فرمایا کہ ہمارے یہ قبضے قدرتیں رہنے والی نہیں، ہم ایک دن عاجز ہو کر تیری بارگاہ میں حاضر ہوں گے ہمیں وہ وقت یاد ہے، ہم متکبر نہیں، زندگی کی سواری سے بھی ایک دن اترنا پڑے گا۔

نوٹ: جو کوئی خشکی کی سواری، ریل، موٹر، ہوائی جہاز، تانگہ وغیرہ پر سوار ہوتے وقت یہ دعا پڑھ لے تو ان شاء اللہ ہر آفت سے محفوظ رہے گا۔

۳؎ سفر میں کبھی ساتھیوں سے لڑائی بھی ہو جاتی ہے اور نیک اعمال میں کمی بھی اس لیے رب تعالٰی سے بر یعنی بھلائی کی بھی توفیق مانگی اور پرہیزگاری کی بھی۔ تقویٰ سفر کا روحانی توشہ ہے، بر سے مراد یا تو ساتھیوں سے اچھا سلوک ہے یا رب تعالٰی کی عطا یا نیک اعمال اور تقویٰ سے مراد بدخلقی، لڑائی، جھگڑے اور بدعملیوں سے بچنا۔ خیال رہے کہ محبت و رضا ہم معنی ہیں جیسے کہ ارادہ و مشیت ہم معنی ہیں مگر رضا و ارادہ میں بڑا فرق ہے، **ما ترضیٰ** ارشاد ہوا نہ کہ **تریں**۔

۴؎ یعنی سفر میں ہم کو بدنی و روحانی راحتیں عطا فرما اور دراز سفر کو مختصر کردے، جب رب چاہے تو طویل راستہ کو چھوٹا کردیتا ہے، فرشتے، جنات ہمارے دور نظر خیال کے لیے، نیز انبیاء و اولیاء کے لیے دور دراز سفر بہت چھوٹے ہو جاتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر معراج میں کروڑوں میل آنا جانا طے کیے، اس دعا کی برکت سے ان شاء اللہ طویل سفر ہلکا بھی ہو جائے گا اور سفر کی تکلیف سے بھی امن رہے گی۔

۵؎ کہ میرا بھی تو حافظ ہے اور میرے پیچھے میرے گھر والوں کا والی و ماویٰ ہے۔

۶؎ یعنی اس سفر میں نہ تو میں برائی کے ساتھ لوٹوں کہ گھر والے مجھے دیکھ کر گھبرا جائیں اور نہ ہی گھر والے کسی آفت میں مبتلا ہوں کہ میں واپسی پر انہیں دیکھ کر گھبرا جاؤں۔ بہت جامع دعا ہے اس میں چوری، یاری، ہلاکت و دیگر ناگہانی آفات سے پناہ مانگ لی گئی۔

۷؎ یعنی جب سفر سے گھر کی طرف روانہ ہوتے تب تو **اللھم انا نسئلك** الخ فرماتے اور جب مدینہ منورہ کی بستی دیکھتے تو **آئبون تائبون** الخ فرماتے لہذا احدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ گھر پہنچ کر تو سفر ختم ہوتا ہے پھر سفر کی دعا کیوں پڑھتے تھے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن سرجس سے فرماتے ہیں جب رسول اللہ

	صلی اللہ علیہ وسلم سفر کرتے تو ان چیزوں سے پناہ مانگتے تھے سفر کے نقصانات سے ۱؎ اور واپسی کی تکالیف سے ۲؎ اور بھلائی کے بعد برائی سے ۳؎ مظلوم کی بددعا سے ۴؎ اور گھر بار و مال میں برائی دیکھنے سے۔(مسلم)

۱؎ وعثاء وعثٌ سے بنا بمعنی نقصان یا وہ مشقت جو رب کے ذکر اور آخرت کی فکر سے روک دے،چونکہ سفر گو سفر یعنی دوزخ کا ٹکڑا ہے اس کے لیے یہ دعا فرماتے۔

۲؎ اس طرح کہ جب گھر لوٹوں تو کوئی نقصان دہ چیز نہ دیکھوں،اسی طرح جب سفر دنیا سے وطن آخرت کی طرف واپس جاؤں تو کوئی مصیبت نہ اٹھاؤں،اس دعا میں اس آیت کی طرف اشارہ ہے"وَسَیَعۡلَمُ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَیَّ مُنۡقَلَبٍ یَّنۡقَلِبُوۡنَ"۔

۳؎ کور عمامہ کے پیچ کو کہتے ہیں اور حور اس پیچ کا کھل جانا یعنی زیادتی کے بعد نقصان،اصلاح کے بعد فساد،جمع ہونے کے بعد بکھرنا،جماعت میں ہونے کے بعد الگ ہوجانا،آرام کے بعد تکلیف،بھلائی کے بعد برائی،ثابت قدمی کے بعد بدل جانا ان سب سے تیری پناہ،رب تعالٰی فرماتا ہے:"اِذَا الشَّمۡسُ کُوِّرَتۡ"اور فرماتا ہے:"یُکَوِّرُ الَّیۡلَ عَلَی النَّہَارِ"۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ ترقی کے بعد تنزل،توبہ کے بعد گناہ،ذکر کے بعد غفلت،حاضری کے بعد غائب ہوجانا ان سب سے پناہ۔(لمعات،مرقات مع زیادت)

۴؎ چونکہ سفر میں ساتھیوں سے جھگڑے بھی ہوجاتے ہیں،خصوصًا عرب میں پانی پر اور کبھی ان جھگڑوں میں ظلم بھی ہوجاتا ہے اس لیے سفر کے موقعوں پر مظلوم کی بددعا سے خصوصیت سے پناہ مانگی گئی،مظلوم کی بددعا اور قبولیت کے درمیان حجاب نہیں۔

	روایت ہے حضرت خولہ بنت حکیم سے ۱؎ فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا،جو کسی منزل پر اترے تو یہ کہہ لے میں اللہ کے پورے و کامل کلمات کی پناہ لیتا ہوں اس کی ساری مخلوق کی شر سے ۲؎ تو اس منزل سے کوچ کرتے وقت تک اسے کوئی چیز نقصان نہ دے گی ۳؎ (مسلم)

۱؎ آپ حضرت عثمان ابن مظعون کی بیوی ہیں،نہایت نیک اور عالمہ تھیں مگر آپ سے صرف یہی ایک حدیث منقول ہے۔

۲؎ ان کلمات سے مراد یا تو قرآن کریم ہے یا ساری آسمانی کتب یا اسمائے الٰہیہ یا رب کا کلام نفسی یا اس کا علم یا اس کے فیصلے۔تام سے مراد ہے نقصان و عیب سے پاک۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ کلمات اللہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کیونکہ ان کی ہر بات وحی الٰہی ہے،عیسیٰ علیہ السلام کلمۃ اللہ ہیں،موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ ہیں اور ہمارے حضور کلمات اللہ۔مخلوق سے وہ مخلوق مراد ہے جس سے شر ہوسکے،اس میں اپنا نفس بھی داخل ہے اور چیزیں بھی۔

۳؎ کفار عرب سفر کی منزلوں میں اترتے وقت کہتے تھے کہ ہم اس جنگل کے سردار کی پناہ لیتے ہیں یعنی جنات کی،اللہ کے محبوب نے تو ہم کو اس کے عوض یہ دعا سکھائی۔یہ دعا سفر و حضر میں ہمیشہ ہی صبح شام پڑھا کریں،زہریلی چیزوں سے محفوظ رہو گے بہت مجرب ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر بولا یارسول اللہ آج رات مجھے بچھو کے کاٹ لینے سے بہت ہی تکلیف پہنچی ۱؎ فرمایا اگر تم شام کے وقت

یہ کہہ لیتے کہ میں اللہ کے کامل کلموں کی پناہ لیتا ہوں تمام مخلوق کی شر سے تمہیں بچھو تکلیف نہ پہنچا سکتا۲؎ (مسلم)	

۱؎ مَا موصولہ ہے اور جملہ مبتداء ہے جس کی خبر پوشیدہ ہے یعنی مجھے جتنی تکلیف پہنچی بیان نہیں کر سکتا یا مَا استفہامیہ ہے اور استفہام تعجب کے لیے یعنی تعجب ہے کہ مجھے کتنی تکلیف پہنچی۔

۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ یہ دعا ہمیشہ ہی پڑھنی چاہیے، صبح کے وقت پڑھ لینے سے شام تک زہریلی چیزوں سے امن ہے اور شام کو پڑھ لینے سے صبح تک امن۔

روایت ہے ان ہی سے کہ نبی کریم جب سفر میں ہوتے اور سویرا پاتے تو یہ فرماتے سننے والے سن لیں کہ ہم اللہ کی حمد کرتے ہیں اس کی ہم پر اچھی نعمت ہے ۱؎ اے ہمارے رب تو ہمارا ساتھی ہو جا اور ہم پر فضل کر۲؎ آگ سے اللہ کی پناہ لیتا ہوں ۳؎ (مسلم)	

۱؎ اس جملہ کی قرأت اور ترجمے میں شارحین نے بہت موشگافیاں کی ہیں۔ فقیر صرف ایک مطلب عرض کرتا ہے سمّع یا تو تفعیل کا ماضی ہے یا باب علم کا اور بہرحال ماضی بمعنی خبر ہے یعنی ہر سننے والا ہماری حمد سن لے یا ہر سننے والا ہماری حمد دوسروں کو سنا دے تاکہ کل قیامت میں گواہی دے۔ بلاء سے مراد وہ نعمتیں ہیں جو بغرض امتحان ہم کو دی گئیں اور حسن کا عطف حمد پر ہے اور یہاں اقرار پوشیدہ ہے یعنی ہر سننے والا ہماری حمد بھی سن لے اور رب تعالیٰ اچھی آزمائش یعنی اس کی نعمتوں کا اقرار بھی سن لے کہ ہم نعمتوں کے اقراری ہیں ان پر شاکر ہیں، رب تعالیٰ فرماتا ہے: "وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَ الْخَیْرِ فِتْنَةً" یہ معنے آسان بھی ہیں اور بہتر بھی، باقی اپنے حبیب کی مراد کو رب جانے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اپنے ایمان واعمال پر لوگوں بلکہ پانی و ذروں کو گواہ بنالینا بہتر ہے کہ کل قیامت میں ان کی گواہی کام دے گی، یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ سمع خبر ہی ہو اور معنی یہ ہوں کہ ہماری حمد ڈھکی چھپی نہیں بلکہ سننے والوں نے سنی ہے وہ خوب جانتے ہیں۔

۲؎ یعنی الٰہی تو ہمارا حافظ و ناصر ہو جا اور ہم پر اپنا فضل و کرم دائم قائم رکھ۔

۳؎ ظاہر یہ ہے کہ یہ بھی اس دعا کا جز ہے اور حضور علیہ السلام کا فرمان یعنی میں آگ سے اللہ کی پناہ لیتے ہوئے یہ کہہ رہا ہوں اور ہو سکتا ہے کہ یہ راوی کا کلام ہو یعنی حضور علیہ السلام رب کی پناہ لیتے ہوئے یہ کلمات فرماتے تھے۔ عائذ ا مصدر نہیں بلکہ اسم فاعل ہی ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم جب جہاد یا حج یا عمرہ سے واپس ہوتے ۱؎ تو ہر اونچی زمین پر تین بار تکبیر کہتے ۲؎ پھر کہتے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کا ملک ہے، اسی کی تعریف ہے، وہ ہر چیز پر قادر ہے ۳؎ ہم لوٹ رہے ہیں، توبہ کرتے ہیں، عبادت کرتے ہیں، سجدے کرتے ہیں، اپنے رب کی حمد کرتے ہیں ۴؎ اللہ نے اپنا وعدہ سچا کر دیا اپنے بندے کی مدد سے اور احزاب کو اکیلے ہی بھگا دیا ۵؎ (مسلم، بخاری)	

۱؎ یعنی اپنے ہر سفر سے واپسی میں یہ فرماتے، مگر چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد نبوت سفر دنیا کے لیے کیے ہی نہیں بلکہ آپ کے سفر ان تین قسموں کے ہی ہوئے اس لیے راوی نے اس طرح بیان کیا۔

۲؎ تاکہ اس کی حمد مطابق حال کے ہو کیونکہ اس وقت خود زمین سے بلند ہورہے ہیں اس لیے اللہ کی بلندی کا ذکر کیا اور اترتے وقت رب کی تسبیح پڑھتے تھے۔

۳؎ ان کلمات کی شرح بارہا ہوچکی ہے یہ چوتھے کلمے کے الفاظ ہیں اور رب تعالٰی کی بہترین حمد اس موقع پر یہ اس لیے پڑھا گیا تاکہ معلوم ہو کہ ہمارا بخیریت لوٹنا رب تعالٰی ہی کی قدرت سے ہے۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ انسان کی موت تعجب نہیں بلکہ اس کی زندگی تعجب ہے کہ اتنی آفتوں میں گھرے ہوئے ہونے کے باوجود کیسے جینا ہے اور کیسے چلنا پھرنا ہے۔

۴؎ یعنی ہم بفضلہٖ تعالٰی بخیریت اپنے وطن کو لوٹ رہے ہیں اور اس سفر میں جو عبادتوں میں کوتاہی ہوگئی ہو اس سے توبہ کرتے ہیں اور وعدہ کرتے ہیں کہ ہمیشہ رب کے عابد اور اس کے حضور ساجد رہیں گے۔ترمذی کی روایت میں بجائے سَاجِدُوْنَ کے سَائِحُوْنَ ہے،سیحٌ سے مشتق بمعنی پانی کا بہنا یعنی ہم مطلوب کی طرف بآسانی جارہے ہیں۔

۵؎ اس میں خدا کی تین نعمتوں کا ذکر ہے:ایک اسلام کے غلبے کا وعدہ فرمانا ہے اور اسے پورا کردینا۔دوسرے اپنے بندہ خاص حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری مدد صحابہ کے ذریعہ اور باطنی مدد ہواؤں اور فرشتوں کے ذریعہ فرمانا اور تیسرے غزوہ احزاب جسے غزوہ خندق بھی کہتے ہیں اس میں کفار کے لشکر جرّار کو تیز ہوا سے بھگادینا ورنہ مسلمان اس وقت بچ نہ سکتے تھے کیونکہ بارہ ہزار کفار کا لشکر مدینہ منورہ پر باہر سے حملہ آور ہوا تھا اور ادھر خود مدینہ کے یہود نے عہد شکنی کرکے مسلمانوں کو فنا کرنے کی ٹھان لی تھی،اندیشہ تھا کہ اس موقعہ پر مسلمان ان بیرونی اور اندرونی دشمنوں میں پھنس کر ایسے پس جاتے تھے جیسے چکی میں دانہ،رب تعالٰی خود فرماتا ہے:"اِذۡ جَآءَتۡكُمۡ جُنُوۡدٌ فَاَرۡسَلۡنَا عَلَيۡهِمۡ رِيۡحًا وَّ جُنُوۡدًا لَّمۡ تَرَوۡهَا"اور ہوسکتا ہے کہ احزاب سے مراد کفار کی ساری جماعتیں ہوں۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن ابی اوفی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احزاب کے دن مشرکوں پر بددعا کی عرض کیا اے اللہ اے کتاب اتارنے والے جلد حساب لینے والے اے اللہ احزاب کو بھگادے اے اللہ انہیں شکست دے اور انہیں ہلا ڈال ۱؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ احزاب یعنی غزوہ خندق کا کچھ ذکر ابھی ہوچکا،چونکہ اس موقعہ پر عرب کی ساری ہی کفار جماعتیں مسلمانوں پر ٹوٹ پڑی تھیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کی حفاظت کے لیے حضرت سلمان فارسی کے مشورہ سے شہر کے آس پاس خندق کھدوائی تھی اس لیے اسے غزوہ احزاب بھی کہتے ہیں اور خندق بھی۔دعا کا مقصد یہ ہے کہ اے مولٰی تو تو ایسی قدرت والا ہے کہ آسمان سے کتابیں اتار سکتا ہے،ساری مخلوق کا حساب قیامت میں چار گھنٹہ میں لے لے گا،تیرے نزدیک ان سارے کفار کو بھگادینا ہمیں ان سب کے شر سے بچالینا کیا مشکل ہے،خدایا اپنی قدرت دکھادے،انہیں بھگادے ہمیں بچالے،حضور علیہ السلام کی دعا لفظ بلفظ قبول ہوئی کہ ایک تیز ہوا چلی جس سے کفار کے خیمے اڑ گئے،جانور بھاگ گئے اور ان کی جماعتیں،تتر بتر ہوگئیں،اگر حضور علیہ السلام دعا کردیتے کہ انہیں ہلاک کردے تو ایک کافر بھی بچ کر نہ جاتا۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن بسر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی	

	اللہ علیہ وسلم ہمارے والد کے پاس تشریف لائے تو ہم نے آپ کی خدمت میں کھانا اور کھجور کا حلوہ پیش کیا۱اس سے حضور نے کچھ کھایا پھر چھوارے حاضر کیے گئے تو انہیں کھانے لگے اور گٹھلیاں دو انگلیوں کے بیچ لے کر پھینکنے لگے۲کہ کلمہ کی اور بیچ کی انگلی جمع فرماتے اور ایک روایت میں ہے کہ گٹھلیاں اپنی کلمہ کی اور بیچ کی انگلی کی پشت پر ڈالنے لگے پھر پانی لایا گیا حضور نے پیا پھر میرے والد نے آپ کے گھوڑے کی لگام پکڑ کر عرض کیا حضور ہمارے حق میں اللہ سے دعا فرمایئے۳تو فرمایا الٰہی جو تو انہیں روزی دے اس میں برکت دے اور انہیں بخش ان پر رحم کر ۴(مسلم)

۱مشکوۃ کے بعض نسخوں میں رَطْبَۃً ہے ر کے ساتھ ، بعض نسخوں میں وَطِیْئَۃً ہے بمعنی ملی ہوئی کھجوریں جس میں مکھن ملا ہو اور بعض میں وَطْبَۃً ہے یعنی گٹھلی نکالی ہوئی کھجوریں جنہیں گھی یا پنیر یا مکھن سے کھایا جائے یہی زیادہ مشہور ہے۔بعض لوگوں نے کہا کہ وطبہ کھجور کے شربت کو کہتے ہیں مگر پہلی بات زیادہ قوی ہے یعنی ہم نے آپ کی خدمت میں تین چیزیں پیش کیں: کھانا، کھجور کا حلوا اور چھوارے۔معلوم ہوا کہ مہمان کی خدمت کے لیے کھانے میں قدرے تکلف کرنا سنت ہے۔

۲یعنی چھوارے کھا کر اس کی گٹھلیاں اس انداز سے پھینکتے تھے کہ کلمہ اور بیچ کی انگلی ملا کر ان کی پشت پر لیتے اور پھینک دیتے۔معلوم ہوا کہ صحابہ کرام حضور علیہ السلام کی اداؤں کو بھی یاد رکھتے اور ان کی روایت کرتے تھے۔

۳یعنی میرے والد حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو پہنچانے کے لیے لگام شریف پکڑ کر آگے چلے اور جب کچھ دور پہنچا کر لوٹنے لگے تو دعا کے لیے عرض کیا۔معلوم ہوا کہ بزرگوں کی لگام یا رکاب پکڑنا اظہار عجز کے لیے سنت صحابہ ہے اور مہمان کو وداع کے وقت کچھ دور پہنچانے جانا بھی سنت ہے۔خیال رہے کہ ان صحابی نے کھانا کھلاتے ہی اس دعا کی درخواست نہ کی تاکہ یہ دعا اس خدمت کا معاوضہ نہ بن جائے اور اخلاص میں فرق نہ آجائے۔فقہاء فرماتے ہیں کہ مہمان کو کھانا کھلا کر دعا نہ کراؤ اور فقیر کو صدقہ دے کر دعا نہ کراؤ،وہ خود دعا کریں تو ان کی مہربانی۔اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بزرگوں سے دعا کرانا سنت صحابہ ہے اگرچہ یہ خود بھی بزرگ ہوں، حضرات صحابہ کرام اولیاء کے اولیاء ہیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کرتے ہیں۔

۴بہت جامع دعا ہے۔روزی میں جسمانی روحانی تمام روزیاں داخل ہیں، مغفرت سے گناہوں کی بخشش اور رحم سے خیر کی توفیق اور اس کی قبولیت مراد ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت طلحہ ابن عبید اللہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب چاند دیکھتے۱تو کہتے اے اللہ اسے ہم پر امن وامان، سلامتی اور اسلام کا چاند بنا کر چمکا۲اے چاند میرا اور تیرا رب اللہ ہے۳(ترمذی)اور

	ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن غریب ہے۔

۱؎ عربی میں پہلی دوسری تیسری رات کے چاند کو ہلال کہتے ہیں، پھر قمر یعنی جب سرکار مہینہ کا چاند پہلی بار دیکھتے تو یہ دعا مانگتے۔

۲؎ اس طرح کہ یہ چاند ہمارے لیے تیری یہ نعمتیں لایا ہو اور اس مہینہ میں ہمیں تیری یہ نعمتیں ملیں۔خیال رہے کہ اوقات راحات وآفات کا ظرف تو ہیں مگر کبھی سبب بھی ہوتے ہیں جیسے گرمی اور سردی کا سبب وقت ہے، نمازوں کے وجوب کا سبب وقت ہے،ایسے ہی کبھی روحانی حالات کا سبب بھی وقت بن جاتے ہیں لہذا یہ دعا اپنے ظاہری معنی پر ہے کسی تاویل کی ضرورت نہیں۔

۳؎ اس میں مشرکین کی تردید ہے جو چاند سورج کو معبود جان کران کی پوجا کرتے تھے،خطاب چاند سے ہے سنانا انسان کو ہے۔

	روایت ہے حضرت عمر ابن خطاب اور حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کوئی شخص نہیں جو کسی گرفتار بلا کو دیکھے۱؎ تو یہ کہہ لے شکر ہے اس اللہ کا جس نے مجھے اس آفت سے بچایا جس میں تجھے مبتلا کیا اور اس نے مجھے بہت سی مخلوق پر بزرگی بخشی۲؎ مگر اسے یہ بلا نہ پہنچے گی جو بلا بھی ہو۳؎(ترمذی)اور ابن ماجہ نے اسے حضرت ابن عمر سے روایت کیا اور ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے اور عمرو ابن دینار راوی قوی نہیں ۴؎

۱؎ بلا خواہ جسمانی ہو جیسے کوڑھ،اندھاپن یا اور کوئی بیماری یا مالی جیسے قرض،فقر،تنگی رزق وغیرہ،یا دینی جیسے کفر،فسق،ظلم،بدعت وغیرہ۔غرضکہ ہر مصیبت کے لیے یہ دعا اکسیر ہے۔(لمعات،مرقات)

۲؎ یہ دعا بہت آہستہ کہے کہ وہ مصیبت زدہ نہ سنے،ورنہ اسے رنج ہوگا۔(لمعات)مگر فاسق وفاجر کو سنا کر یہ دعا پڑھے تاکہ اسے عبرت ہو اور فسق سے توبہ کرے۔(مرقات)خیال رہے کہ یہ شکریہ اپنی عافیت پر ہے نہ کہ اس کی آفت پر کیونکہ دوسرے کی مصیبت پر خوش ہونا سخت جرم ہے،چونکہ یہ دعا آفت زدہ کو دیکھتے ہوئے پڑھی جائے گی اس لیے خطاب کی ضمیر آئی۔

۳؎ یہ دعا اکسیر اعظم ہے،بہت لوگوں نے اس کی آزمائش کی ہے،فقیر کا اس پر خود عمل ہے اسے نہایت مجرب پایا،ہر مسلمان اسے یاد کرلے ان شاءاللہ بہت فائدہ اٹھائے گا۔

۴؎ ترمذی نے یہ حدیث دو اسنادوں سے روایت کی،حضرت ابوہریرہ اور سیدنا عمر ابن خطاب سے پہلی اسناد کو حسن اور دوسری کو ضعیف کہا مطلقًا ضعیف نہ کہا اور اگر ضعیف بھی ہوتی تب بھی عمل امت اور تجربہ امت سے قوی بن جاتی جیسا کہ بارہ ہزار کلمہ والی حدیث کو ضعیف کہا گیا ہے لیکن کشف اولیاء اور تجربہ امت سے حدیث صحیح مانی گئی۔اس ضعیف کے قوی ہوجانے کی پوری بحث ہماری کتاب "جاءالحق" حصہ دوم میں مطالعہ فرمایئے۔

	روایت ہے حضرت عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص بازار میں داخل ہونے پر یہ کہہ لے۱؎ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں،اکیلا ہے وہ جس کا کوئی ساجھی نہیں،اسی کا ملک ہے،اسی کی تعریف ہے زندگی اور موت دیتا ہے وہ خود زندہ ہے جو کبھی نہ مرے گا اسی کے قبضہ میں خیر ہے۲؎ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۳؎ تو اللہ اس کے لیے دس لاکھ نیکیاں لکھتا ہے اور اس کے دس لاکھ گناہ مٹاتا ہے اور اس کے دس

	لاکھ درجے بلند کرتا ہے اور اس کے لیے جنت میں گھر بناتا ہے ۴؎(ترمذی،ابن ماجہ)ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے اور شرح سنہ میں یوں ہے ۵؎ کہ جو بھرے بازار میں جائے جہاں تجارت ہوتی ہے۔(مَنْ دَخَلَ السُّوْقَ کے عوض)٦؎

۱؎ عربی میں بازار کو سوق کہتے ہیں کیونکہ یہ سَوق سے بنا بمعنی جانا اور لے جانا،چونکہ لوگ بازار میں خود بھی جاتے ہیں اور اپنے سامان بھی لے جاتے ہیں اس لیے اسے سوق کہا جاتا ہے،بعض نے کہا کہ یہ ساق کی جمع ہے بمعنی پنڈلی،چونکہ لوگ بازار میں اکثر اپنی پنڈلیوں پر کھڑے ہی ہوتے ہیں بیٹھتے کم ہیں اس لیے اسے سوق کہتے ہیں۔بازار غفلت،شیطان کے تسلط اور اکثر جھوٹ دھوکے کی جگہ ہے اس لیے وہاں جاتے وقت اس دعا کا ثواب بھی زیادہ ہے۔بہتر ہے کہ یہ دعا آہستہ پڑھے تاکہ ریاء سے دور رہے اور اگر اس لیے کچھ آواز سے بھی پڑھ لے کہ دوسرے بھی یہ پڑھ لیں تو مضائقہ نہیں۔

۲؎ اگرچہ شر بھی اللہ تعالٰی ہی کے قبضہ میں ہے مگر چونکہ شر کو رب تعالٰی کی طرف نسبت دینے میں بےادبی سی ہے اس لیے صرف خیر کا یہاں ذکر کیا،کہنا یہ چاہئے کہ خیر رب تعالٰی کی طرف سے ہے شر میری طرف سے۔

۳؎ اس دعا کی برکت سے ان شاءاللہ یہ محض اس مبارک جماعت میں داخل ہو جائے گا جس کا ذکر اس آیت میں ہے "رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّ لَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ" وہ لوگ جنہیں تجارتی کاروبار اللہ کے ذکر سے نہیں روکتا۔صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ شیطان بازار ہی میں اپنے انڈے بچے دیتا ہے وہاں ہی اس کے جھنڈے گڑھتے ہیں،وہاں ہی نوے فی صد گناہ ہوتے ہیں اس لیے وہاں یہ دعا پڑھنا بہت بہتر ہے،دکاندار حضرات ضرور پڑھ لیا کریں کہ انہیں اکثر وقت وہاں ہی رہنا ہوتا ہے۔آج کل کچہریاں بازاروں سے بدتر ہیں،وہاں بھی یہ دعا ضرور پڑھے۔(از مرقات مع زیادۃ)

۴؎ اگر دونوں الف کو زبر اور درجہ کو بھی زبر پڑھا جائے تو معنی ہوں گے ہزار ہزار یعنی ہزار ہا نیکیاں،یہ ہی ترجمہ اشعۃ اللمعات نے کیا اور اگر پہلے الف کو زبر اور دوسرے الف کو کسرہ یعنی زیر اور حسنۃ کو زیر ہی پڑھا جائے تو معنی ہوں گے کہ ہزار جگہ ہزار یعنی دس لاکھ سو ہزار ایک لاکھ،دس سو ہزار دس لاکھ۔دوسرے معنی فقیر نے اس لیے اختیار کیے کہ رب تعالٰی کی رحمت بہت وسیع ہے اور اس کے خزانوں میں کمی نہیں۔

۵؎ شرح سنہ صاحب مصابیح کی کتاب ہے جیسا کہ دیباچہ میں عرض کیا گیا۔

٦؎ بازار کی جتنی رونق زیادہ اور وہاں جتنا کاروبار زیادہ اتنے ہی وہاں گناہ زیادہ اسی لیے اس قدر دعا کا ثواب زیادہ مرقات نے فرمایا کہ **وقتیبہ ابن مسلم** بادشاہ خراسان یہ حدیث سن کر یہ دعا،پڑھنے کے لیے روزانہ بازار جاتے تھے اور یہ دعا پڑھ کر لوٹ جاتے۔

	روایت ہے حضرت معاذ ابن جبل سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دعا مانگتے ہوئے یہ کہتے ہوئے سنا الٰہی میں تجھ سے پوری نعمت مانگتا ہوں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پوری نعمت کون چیز ہے ۱؎ وہ بولا کہ یہ ایک دعا ہے جس سے میں بھلائی کی امید کرتا ہوں ۲؎ تو فرمایا کہ پوری نعمت جنت کا داخلہ اور آگ سے نجات ہے ۳؎ اور ایک شخص کو کہتے سنا اے بزرگی و اکرام والے تو فرمایا تیری قبول

	ہو گئی اب مانگ لے ۴؎ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو یہ کہتے سنا الٰہی میں تجھ سے صبر مانگتا ہوں تو فرمایا کہ تو آفت مانگ رہا ہے اللہ سے عافیت مانگ ۵؎ (ترمذی)

۱؎ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ سوال امتحان کے طور پر ہے کہ تیری دعا تو بڑی ہی پیاری ہے، بتا تو نے اس کا مطلب کیا سمجھا ہے اور کس نیت سے یہ دعا مانگتا ہے۔ معلوم ہوا کہ دعا کے الفاظ بھی اچھے چاہئیں اور نیت بھی اعلیٰ، وہاں لفظ کے ساتھ نیت بھی دیکھی جاتی ہے۔

۲؎ بھلائی سے مراد بہت مال ہے یعنی تمام نعمت سے میری مراد بہت سامال ہے رب مجھے خوب مالدار کردے، سچ ہے۔

ع فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

۳؎ یعنی پہلے ہی جنت میں پہنچ جانا اس طرح کہ دوزخ میں بالکل نہ جائے یہ تمام نعمت ہے اور اگر دوزخ میں کچھ سزا پاکر پھر جنت میں جائے تو یہ بھی اگرچہ نعمت تو ہے مگر پہلی نعمت اس سے اعلیٰ ہے۔ خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے **من** فرماکر یہ بتایا کہ اور چیزیں بھی تمام نعمت ہیں لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں "وَلِاُتِمَّ نِعۡمَتِیۡ عَلَیۡکُمۡ" اسلام پر جینا ایمان پر مرنا بھی تمام نعمت ہے۔ مقصد یہ ہے کہ صرف مال کی زیادتی تمام نعمت نہیں تو اس کی نیت ہی نہیں کیا کر بلکہ آگ سے نجات کی نیت کر۔

۴؎ بعض لوگوں نے **ذوالجلال والاکرام** کو اسم اعظم مانا ہے ان کی دلیل یہ حدیث بھی ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ حمد الٰہی قبول دعا کے لیے اکسیر اعظم ہے پھر جیسی اعلیٰ حمد ہوگی ویسی ہی اعلیٰ قبولیت بھی ہوگی ان شاءاللہ۔ یہ ہی درود شریف کا حال ہے کہ جس قدر اخلاص کے ساتھ جیسا اعلیٰ درود شریف ہوگا ویسی ہی دعا کی قبولیت۔

۵؎ یعنی صبر تو آفت یا مصیبت پر ہوتا ہے تو صبر مانگنا در پردہ اپنی آفتوں کا مانگنا ہے بلکہ آفت آجانے پر بھی بعض اولیاء اللہ صبر نہیں مانگتے بلکہ آفت کا دفعیہ مانگتے ہیں، ہاں بوقت امتحان صبر طلب کرتے ہیں جیسے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ کی شہادت کی خبر بھی دی اور صبر کی دعا بھی غرضکہ مختلف موقعے مختلف ہی دعا حسب حال مانگنی چاہیے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کسی جگہ بیٹھے جہاں شور و شغب زیادہ ہوا ۱؎ تو اٹھنے سے پہلے یہ کہہ لے پاک ہے تو اے اللہ اور تیری حمد ہے ۲؎ میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تجھ سے معافی مانگتا ہوں اور تیری بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں ۳؎ مگر اس کی تمام وہ حرکات معاف کردی جائیں گی جو اس مجلس میں ہوئیں ۴؎ (ترمذی، بیہقی، دعوات کبیر)

۱؎ **لغطٌ** سے مراد بے فائدہ گفتگو جس میں وقت ضائع ہو کہ یہ بھی نقصان دہ چیز ہے۔ بعض نے فرمایا کہ بے ہودہ گفتگو غلط ہے جس میں حق اللہ ضائع ہو۔ غرضکہ فریب، جھوٹ، غیبت اس سے خارج ہیں کہ یہ چیزیں حقوق العباد میں سے ہیں بغیر معاف کرائے معاف نہ ہوں گی۔

۲؎ اس دعا کا ماخذ یہ آیت ہو سکتی ہے "وَ سَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّکَ حِیۡنَ تَقُوۡمُ"۔

۳؎ یعنی اس اضاعت وقت کے قصور اور تیری نعمت زبان کو غلط استعمال کرنے کی غلطی سے توبہ کرتا ہوں، میں قصور مند بندہ ہوں تو غفور رحیم رب ہے معافی دے دے۔ سبحان اللہ! کیسی پاکیزہ دعا ہے۔

۴؎ بخشش سے وہ ہی مراد ہے جو ابھی اوپر عرض کیا گیا کہ جیسے مال برباد کرنا گناہ ہے ایسے ہی وقت برباد کرنا بھی گناہ، وقت مال سے زیادہ لائق قدر ہے اسی گناہ کی معافی مانگی گئی۔

	روایت ہے حضرت علی سے کہ آپ کی خدمت میں سواری کے لیے گھوڑا لایا گیا ۱؎ آپ نے جب رکاب میں پیر رکھا ۲؎ تو فرمایا بسم اللہ جب اس کی پیٹھ پر بیٹھ گئے تو فرمایا الحمدللہ ۳؎ پھر فرمایا پاک ہے وہ رب جس نے اسے ہمارا تابعدار بنادیا اور ہم اسے مطیع نہ کرسکتے تھے اور ہم اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں ۴؎ پھر تین بار کہا الحمدللہ اور تین بار اللہ اکبر پاک ہے تو میں نے یقینًا اپنی جان پر ظلم کیا تو مجھے بخش دے تیرے سوا کوئی گناہ نہیں بخش سکتا ۵؎ پھر آپ ہنسے ۶؎ عرض کیا گیا اے امیر المؤمنین آپ کس چیز سے ہنس رہے ہیں تو فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے وہ ہی کیا جو میں نے کیا پھر آپ ہنسے ۷؎ میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کس چیز سے ہنستے ہیں فرمایا کہ تمہارا رب اپنے بندے سے خوش ہوتا ہے ۸؎ جب وہ کہتا ہے خدایا میرے گناہ بخش دے، رب فرماتا ہے میرا بندہ جانتا ہے کہ میرے سوا کوئی گناہ بخشتا نہیں ۹؎ (احمد، ترمذی، ابوداؤد)

۱؎ لغۃً دابۃ ہر جانور کو کہتے ہیں، رب تعالٰی فرماتا ہے: "وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللهِ رِزْقُهَا" مگر اصطلاح میں دابۃ گھوڑے کو کہا جاتا ہے وہ ہی یہاں مراد ہے آپ کی خدمت میں گھوڑا حاضر کیا گیا تھا۔

۲؎ رکاب بمعنی آلہ رکوب جس میں پاؤں رکھ کر سوار ہوتے ہیں۔

۳؎ یہ حمد سواری ملنے کے شکریہ پر ہے یعنی خدایا تیرا شکر ہے کہ تو نے ہماری آسانی کے لیے ہم کو سواری بخشی، بہت لوگ مجبورًا پیدل سفر کرتے ہیں۔

۴؎ یہ قرآن شریف کی آیت ہے، اس کی شرح ابھی فصل اول میں گزر گئی۔ خلاصہ یہ ہے کہ مولیٰ ان قوی جانوروں کا ہم کمزور انسانوں کے قبضہ میں آجانا تیری مہربانی سے ہے، ہم تو مچھر مکھی کو تابع نہیں کرسکتے، پھر ہم پر ایک ایسا وقت آنے والا ہے کہ ہم کو خود اپنے ہاتھ پاؤں پر بھی اختیار و قبضہ نہ رہے گا یعنی بعد موت ہم کو وہ وقت یاد ہے، ہم اس نعمت پر متکبر نہیں تیرے شکر گزار ہیں۔ سبحان اللہ! کیسی جامع اور برمحل دعا ہے۔

۵؎ یعنی میری خطاؤں وگناہوں کے باوجود تو نے مجھے یہ سواری وغیرہ کی نعمتیں بخشیں تو مجھے امید ہے کہ تو اپنے کرم سے مجھے معافی بھی دے دے گا میں نے وہ ہی کیا جو گنہگار کرتے ہیں تو وہ ہی کر جو ستار و غفار کی شان ہے۔

۶؎ یعنی مسکرائے ٹھٹھا نہ لگایا، مسکرانا اظہار خوشی کے لیے ہوتا ہے ٹھٹھا دل کی غفلت سے اسی لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مسکراتے بہت تھے ٹھٹھا کبھی نہ لگا۔

۷؎ یعنی میں قولی و عملی سنتوں پر عمل کررہا ہوں اس موقعہ پر یہ دعامانگنا سنت قولی ہے اور اس وقت تبسم کرنا سنت عملی ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کی نقل کرتے تھے اسے ثواب سمجھتے تھے اور یہ بھی پتہ لگا کہ حضور علیہ السلام کی ہر سنت پر عمل کرنا باعث ثواب ہے حتی کہ ہنسنا اور رونا بھی۔

۸؎ خلاصہ یہ ہے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موافقت میں ہنس رہا ہوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رب تعالٰی کی موافقت میں تبسم فرمایا تھا تو یہ عملی سنت رسول بھی ہے اور سنت الٰہیہ بھی،رب تعالٰی تعجب کرنے،ہنسنے سے پاک ہے اس لیے وہاں ان الفاظ کے معنے ہوتے ہیں خوش ہونا۔رب تعالٰی کی رضاخوشی اس کی شان کے لائق ہے،ہماری رضا و خوشی ہماری حیثیت کے موافق ہے۔

۹؎ معلوم ہوا کہ رب تعالٰی اس بندے سے بہت راضی وخوشی ہوتا ہے جو اپنے کو بے کس و گنہگار جانے اور رب تعالٰی کو قادر و غفار جانے،یہ ہی حال بارگاہِ مصطفوی کا ہے کہ وہاں بھی بے کسی پر رحم بہت ہوتا ہے۔شعر

دیکھی جو بے کسی تو انہیں رحم آگیا گھبرا کے ہوگئے وہ گنہگار کی طرف

خیال رہے کہ گناہ تو اللہ تعالٰی ہی بخشتا ہے،اس کے محبوب بندے شفاعت تو کرتے ہیں مگر براہ راست گناہ بخشتے نہیں مگر حقوق بندے بھی معاف کرسکتے ہیں،میں اپنا قرض یا خون معاف کرسکتا ہوں لہذا احادیث بالکل واضح ہے جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے گناہ یا کفارے معاف فرمادیئے وہ باذن الٰہی تھے،ان معافیوں کی بہت مثالیں ہیں جو ہم نے اپنی کتاب "سلطنت مصطفٰی" میں بیان کی ہیں۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی شخص کو وداع فرماتے۱؎ تو اس کا ہاتھ پکڑ لیتے خود اسے نہ چھوڑتے حتی کہ وہ شخص ہی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ چھوڑ دیتا۲؎ اور فرماتے میں تیرا دین تیری امانت اور تیرا آخری عمل اللہ کے سپرد کرتا ہوں۳؎ اور ایک روایت میں ہے خاتمہ کا عمل (ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ) ان دونوں کی روایات میں آخر عملك کا ذکر نہیں۔	

۱؎ صحابہ کرام سفر کو جاتے وقت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور اس بارگاہ عالی سے وداع ہوتے تھے اس وقت کا یہاں ذکر ہورہا ہے،اب بھی زائرین مدینہ منورہ سے چلتے وقت آخری سلام کے لیے روضہ انور پر حاضر ہوکر عرض کرتے ہیں "الوداع الوداع یارسول اللہ الفراق الفراق یا حبیب اللہ" ہم نے ایک وداعیہ قصیدہ عرض کیا تھا جس کے کچھ شعر یہ ہیں۔شعر

دور سے آئے تھے پردیسی غلام عرض کرنے کو غلامانہ سلام

آستانہ سے وداع ہوتے ہیں اب یہ فرماؤ کہ بلواؤ گے کب

چشم رحمت سے نہ تم کریو جدا رکھیو اپنے سایہ میں ہم کو سدا

اس وقت جو دل کا حال ہوتا ہے وہ وداع ہونے والا ہی جانتا ہے۔شعر

بدن سے جان نکلتی ہے آہ سینے سے ترے فدائی نکلتے ہیں جب مدینے سے

روضہ اچھا زائر اچھے،اچھی راتیں،اچھے دن سب کچھ اچھا ایک رخصت کی گھڑی اچھی نہیں

۲؎ یہ حضور کی بندہ نوازی اور شان کریمانہ ہے کہ غلاموں سے خود ہاتھ نہیں چھوڑاتے،اب بھی وہ ہم گنہگاروں کو خود نہیں چھوڑتے،اللہ تعالٰی ان کے قدموں سے وابستگی عطا کرے۔

۳؎ یعنی خدا تیرے دین و ایمان و خاتمہ کی حفاظت کرے،سب کچھ اس کے سپرد ہے۔امانت سے مراد یا تو اعمال شرعیہ ہیں،رب تعالٰی فرماتا ہے:"اِنَّا عَرَضۡنَا الۡاَمَانَۃَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ"الخ یا مسافروں کے آپس کے اخلاق و مالی معاملات،چونکہ سفر میں کبھی آپس میں تلخی ترشی بھی ہو جاتی ہے اس لیے خصوصیت سے اس کا ذکر فرمایا۔اس دعا میں لطیف اشارہ اس جانب بھی ہے کہ اے مدینہ میں میرے پاس رہنے والے اب تک تو تو میرے سایہ میں تھا کہ ہر مسئلہ مجھ سے پوچھ لیتا تھا ہر مشکل مجھ سے حل کرلیتا تھا اب تو مجھ سے دور ہو رہا ہے کہ ہر حاجت میں مجھ سے پوچھ نہ سکے گا تو تیرا ہر کام خدا کے سپرد ہے۔کیسی پیاری دعا ہے اور کسی مبارک وداع! آخر عمل سے مراد وقت موت ہے یعنی اگر اس سفر میں تجھے موت آئے تو ایمان پر آئے،تیری زندگی و موت رب کے حوالہ۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ خطمی سے ۱؎ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی لشکر کو وداع کرنا چاہتے تھے تو کہتے میں تم لوگوں کا دین تم لوگوں کی امانت تم لوگوں کے آخری عمل اللہ کے سپرد و حوالے کرتا ہوں ۲؎(ابوداؤد)

۱؎ آپ کا نام ابوموسیٰ عبداللہ ابن زید ابن حصین ابن عمرو ابن حارث ابن حطمہ ابن خشعم ابن مالک ابن اوس ہے،سترہ برس کی عمر میں صلح حدیبیہ میں حاضر ہوئے تھے،عبداللہ ابن زبیر کے زمانہ میں کوفے کے حاکم رہے،وہاں ہی وفات پائی۔

۲؎ اس کی شرح ابھی ہوچکی،چونکہ یہاں پورے لشکر کو وداع فرمانا ہے،اس لیے ضمیر جمع لائی گئی۔معلوم ہوا کہ لشکرِ اسلام جنگی سامان کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں بھی ساتھ لیتا تھا۔محمود غزنوی جب سومنا تھ مندر حملہ آور ہوا تھا تو حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی کی دعائیں اور ان کا جبہ ساتھ لایا تھا،ان مجاہدین کی تلواریں آستانہ محبوبین پر دھاروار ہوتی تھیں۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا بولا یارسول اللہ میں سفر کا ارادہ کررہا ہوں مجھے کچھ توشہ دیجئے ۱؎ فرمایا اللہ تمہیں پرہیزگاری کا توشہ دے ۲؎ عرض کیا کچھ زیادہ دیجئے فرمایا تمہارے گناہ بخش دے عرض کیا میرے ماں باپ فدا کچھ اور عطا کیجئے ۳؎ فرمایا اللہ تمہیں بھلائی میسر کرے تم جہاں بھی ہو ۴؎(ترمذی)اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن غریب ہے ۵؎

۱؎ یعنی میرے لیے ایسے وداعیہ دعا فرمایئے کہ جو توشہ کی طرح سفر دنیا و سفر آخرت میں ساتھ رہے اور مجھے توشہ کی طرح ہر وقت کام آئے۔زاد وہ زائد کھانا ہے جو مسافر کی موجودہ ضرورت سے بچا ہوا آئندہ کام آوے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَتَزَوَّدُوۡا فَاِنَّ خَیۡرَ الزَّادِ التَّقۡوٰی"۔معلوم ہوا کہ صحابہ کرام حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے لیے توشہ دارین سمجھتے تھے اور ہر موقعہ پر آپ سے دعائیں کراتے تھے اپنی دعاؤں پر کفایت نہ کرتے تھے۔

۲؎ یعنے تمہیں دنیا میں لوگوں سے غنادے کہ تم سوال سے بچو اور آخرت کے لیے نیک اعمال کی توفیق بخشے، بہت جامع دعا ہے۔
۳؎ یعنے ابھی فقیر کی سیری نہیں ہوئی داتا کچھ اور ملے، دنیا میں صبر بہتر، آخرت کے معاملہ میں بے صبری و حرص افضل۔ شعر

حاجتے نیست مرا سیر ازیں آبِ حیات ضاعف اللہ علیٰ کل زمانٍ عطشی

۴؎ یعنی اللہ تعالٰی تمہیں جیتے مرتے، قبر و حشر ایسی بھلائیاں عطافرمادے جس سے تمہیں پوری کامیابی نصیب ہو۔ **حیث ما کنت** میں سفر، حضر، زندگی و قبر ہر جگہ داخل ہے۔ سبحان اللہ سائل کی جھولی بھر دی نہ معلوم ان الفاظ سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا دے دیا ہو اور سائل نے کیا کچھ لے لیا، یہ تو دینے والے اور لینے والے جانیں۔
۵؎ اسے حاکم نے اپنی مستدرک میں بھی روایت کیا۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ میں سفر کا ارادہ کررہا ہوں مجھے کچھ وصیت فرمائیے ۱؎ فرمایا اللہ کا خوف گرہ باندھ لو اور ہر بلندی پر تکبیر کہو ۲؎ جب اس شخص نے پیٹھ پھیری تو فرمایا الٰہی اس کے لیے دوری لپیٹ دے ۳؎ اور اس پر سفر آسان کر ۴؎ (ترمذی)

۱؎ جس پر میں سفر میں عمل کرتا رہوں، وصیت اگرچہ مرتے وقت کے کلام کو کہتے ہیں جس کا تعلق بعد موت سے ہو مگر کبھی تاکید حکم کو بھی وصیت کہہ دیتے ہیں، رب تعالٰی فرماتا ہے: "یُوۡصِیۡکُمُ اللّٰہُ فِیۡۤ اَوۡلٰدِکُمۡ" اور کسی آخری حکم کو بھی یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں یعنی مجھے تاکیدی نصیحت فرمادیں، یا آخری نصیحت فرمادیں کیوں کہ اب میں بارگاہِ عالی سے رخصت ہورہا ہوں نہ معلوم اب حاضری میسر ہو یا نہ ہو۔
۲؎ یعنی ہر جگہ ہر حال میں خوفِ خدا دل میں رکھو کہ یہ تمام نیکیوں اور گناہوں سے بچنے کی اصل ہے اور دورانِ سفر میں جب کسی ٹیلہ یا پہاڑی پر چڑھو تو اللہ اکبر کہہ لو، غرض دل و زبان دونوں کا انتظام فرمادیا، چڑھتے وقت تکبیر کہنے کی حکمتیں ابھی کچھ پہلے عرض کی جاچکی ہیں۔
۳؎ اس طرح کہ دراز سفر اسے مختصر معلوم ہو یا واقعی بڑی مسافت اس کے لیے چھوٹی ہوجائے۔ کراماتِ اولیاء معجزات انبیاء سے یہ بھی ہے کہ ان کے لیے زمین لپٹ جاتی ہے قرآن کریم فرمارہا ہے کہ حضرت آصف بر خیا تختِ بلقیس کو پلک جھپکنے سے پہلے یمن سے شام میں لے آئے کہ گئے بھی لوٹ بھی آئے، قرآن کریم فرماتا ہے: "اَنَا اٰتِیۡکَ بِہٖ قَبۡلَ اَنۡ یَّرۡتَدَّ اِلَیۡکَ طَرۡفُکَ"۔
۴؎ یہ تعمیم بعد تخصیص ہے یعنی وہ نعمت بھی دے اور ہر طرح اسے آسانی میسر فرما۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات سے پہلے سفر کرتے تو فرماتے اے زمین تیرا اور میرا رب اللہ ہے ۱؎ میں تیرے اور تیری اندرونی چیزوں کی اور جو کچھ تجھ میں پیدا کیا گیا ہے اس کی اور جو تجھ پر چلتے ہیں ان کی شر سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں ۲؎ میں شیر سے کالے سانپ سے عام سانپوں سے اور بچھوؤں سے اور شہر میں رہنے والوں کی شر سے اور ہر جننے والے اور جنے ہوئے کی شر سے اللہ کی پناہ لیتا ہوں ۳؎ (ابوداؤد)

۱؎ حق یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے تمام شجر و حجر کلام بھی کرتے ہیں اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نداو کلام کو سنتے بھی ہیں لہذا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمین کو یہ خطاب فرمانا حقیقت پر مبنی ہے،رب تعالٰی نے زمین وآسمان سے یوں خطاب فرمایا تھا:"یٰۤاَرۡضُ ابۡلَعِیۡ مَآءَكِ وَ یٰسَمَآءُ اَقۡلِعِیۡ "اے زمین اپنا پانی نگل جااور اے آسمان اپنا پانی روک لے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نائب جنابِ کبریا ہیں،زمین وآسمان حضور علیہ السلام کا کلام سنتے اور آپ کی اطاعت کرتے ہیں۔(از مرقات)رب تعالٰی فرماتا ہے:"فَسَخَّرۡنَا لَهُ الرِّیۡحَ تَجۡرِیۡ بِاَمۡرِهٖ"ہم نے ہوا کو حضرت سلیمان کے لیے مسخر و تابع کردیا کہ ہوا آپ کے حکم سے چلتی تھی۔

۲؎ زمین کی شر زلزلہ،دھنسنا،گرجانا،راستہ بھول جانا وغیرہ ہیں اور اندرونی زمین کی شر سیلاب،سخت گرمی،سخت ٹھنڈک وغیرہ۔زمین کی مخلوقات کی شر اندرونی کیڑے مکوڑے وغیرہ ہیں کہ سفر میں انہی کی وجہ سے حادثات زیادہ پیش آتے ہیں۔

۳؎ اگرچہ یہ چیزیں بھی زمین پر چلنے والوں میں داخل تھیں لیکن چونکہ ان کی شر خصوصًا مسافر کو بہت زیادہ پہنچتی ہے اس لیے خصوصیت سے اس کا ذکر کیا،بعض لوگوں نے والد سے مراد ابلیس اور ولد سے اس کی ذریت لی ہے مگر بہتر یہ ہے کہ اس کو عام رکھا جائے۔(لمعات)کیونکہ مسافر و اجنبی شہر میں چوراچکوں سے بھی بہت تکلیف پہنچ جاتی ہے۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم جب جہاد کرتے تو کہتے الٰہی تو میری قوت بازو ہے،میرا مددگار ہے،تیرے بھروسہ ہی سے دفع کرتا ہوں تیری مدد پر حملہ کرتا ہوں،تیری امید سے جہاد کرتا ہوں ۱؎(ترمذی،ابوداؤد)	

۱؎ احول حولٌ سے بنا بمعنی دشمن کے مکر وفریب کو پھیر دینا یا برائی سے اچھائی کی طرف پھر جانا یعنی الٰہی میں دشمن کے مقابل اپنی قوت،فوج،ہتھیاروں کے بھروسہ پر نہیں آیا ہوں،یہ تو فقط اسباب ہیں،بھروسہ تجھ پر ہے تو چاہے تو ابابیل سے فیل مروادے،کمزور مسلمان سے قوی کفار کو ہلاک کرادے،دو بچوں سے ابوجہل کو ٹھکانے لگادے۔یہ وہ چیز ہے جو کفار کے پاس نہیں اور مسلمان انہی کی برکتوں سے فتح پاتے ہیں۔

روایت ہے حضرت ابوموسیٰ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی قوم سے خطرہ محسوس فرماتے ۱؎ تو کہتے اے اللہ ہم ان کے مقابل تجھے کرتے ہیں ۲؎ اور ان کی شر سے تیری پناہ لیتے ہیں ۳؎(احمد،ابوداؤد) ۴؎	

۱؎ اس طرح کہ آپ کو پتہ چلتا کہ فلاں قوم ہمارے خلاف سازش یا جنگی تیاری کررہی ہے۔خیال رہے کہ خوف بہت طرح کا ہے خوف اطاعت وبندگی صرف رب تعالٰی کا ہی ہونا چاہیے اور خوف نفرت شیطان وغیرہ دشمنوں سے اور خوف بمعنی خطرہ تکلیف ہر خطرناک چیز سے ہوسکتا ہے۔موسیٰ علیہ السلام کو وادئ سینا میں سانپ سے خوف ہوا،آپ نے فرعونیوں سے خوف کیا یہ واقعات اس آیت کے خلاف نہیں "لَا خَوۡفٌ عَلَیۡهِمۡ"کہ وہاں خوف اطاعت مراد اس ہی کی نفی ہے اور خوف بمعنے خطرہ۔

۲؎ نحر سینہ کو بھی کہتے ہیں اور جانور ذبح کرنے کو بھی"فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَ انۡحَرۡ"۔چونکہ دشمن کے مقابلہ میں سینہ تان کر ہی کھڑے ہوتے ہیں اس مقابلہ کو اس لفظ سے تعبیر فرمایا،نیز اس میں نیک فال بھی ہے کہ خدایا دشمن کو ذبح کردے کہ وہ ہمارے مقابلہ کے لائق ہی نہ رہے۔

۳؎ یعنی ہمارے اور دشمن کی شر کے درمیان تو آڑ ہو جا تاکہ ان کی شر ہم تک نہ پہنچ سکے،یہ دعا بہت ہی مجرب ہے،ایک دشمن کے مقابل بھی کام آتی ہے اور بہت دشمنوں کے مقابل بھی فقیر اس کا عامل ہے اور اس کی برکت سے شر اعدا سے محفوظ ہے۔

۴؎ اسے نسائی،ابن حبان اور حاکم نے بھی روایت کیں۔حصن حصین شریف میں ہے دشمن کے خوف کے وقت "لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ" پڑھنا بڑی امان ہے۔امام نووی نے کتاب الاذکار میں فرمایا کہ لِاِيْلٰفِ کو بہت اولیاء اللہ نے آزمایا ہے،بہت مجرب ہے۔حضرت زید ابن علی عن عتبہ ابن غزوان عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم روایت،نیز حصن حصین شریف میں اسے نقل کیا کہ جب مدد درکار ہو خصوصًا سفر میں تو کہے یَا عِبَادَ اللہِ اَعِیْنُوْنِیْ اے اللہ اے بندو میری مدد کرو ان شاءاللہ بہت جلد مدد پہنچے گی،کہ بعض اللہ کے غیبی بندے اس پر مامور ہیں۔مرقات نے یہاں فرمایا کہ یہ حدیث یا عباداللہ حدیث حسن ہے ومشائخ کی مجرب،مسافروں کو اس کی بہت ضرورت ہے۔معلوم ہوا کہ اللہ کے بندوں کو مدد کے لیے پکارنا بھی سنت ہے اور ان سے مدد لینا بھی سنت،یہ شرک نہیں۔

روایت ہے حضرت ام سلمہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے گھر سے نکلتے تو کہتے شروع اللہ کے نام سے ۱؎ اللہ پر بھروسہ کرتا ہوں خدایا ہم تیری پناہ مانگتے ہیں اس سے کہ ہم پھسلیں اور بہکیں ۲؎ یا ستائیں یا ستائے جائیں یا جہالت کریں یا ہم پر جہالت کی جائے ۳؎(احمد،ترمذی،نسائی)اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ابوداؤد،ابن ماجہ کی روایت یوں ہے کہ ام سلمہ فرماتی ہیں کہ میرے گھر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی نہ نکلے مگر آسمان کی طرف نگاہ اٹھائے ہوئے ۴؎ پھر کہتے الٰہی میں تیری پناہ لیتا ہوں اس سے کہ بہکوں یا بہکایا جاؤں یا ظلم کروں یا ستایا جاؤں یا جہالت کروں یا مجھ پر جہالت کی جائے ۵؎	

۱؎ یعنی اس نکلنے کی ابتداء اللہ کے نام سے کرتا ہوں تاکہ نکلنا برکت والا ہو۔

۲؎ بلاارادہ گناہ ہو جانا ذلت ہے اور ارادۃً قصدًا گناہ کرنا ضلالت یا گناہ صغیرہ ذلت ہے گناہ کبیرہ ضلالت یا عملی غلطی ذلت ہے اور اعتقادی غلطی ضلالت،چونکہ گھر سے باہر نکل کر ہر قسم کے لوگوں سے سابقہ پڑتا ہے،اچھوں سے بھی بُروں سے بھی اس لیے اس موقعہ پر یہ دعا بہت مناسب ہے یعنی یااللہ گناہوں،بدعقیدگیوں سے تو ہی مجھے بچانا اب ہر طرح کے لوگوں سے مجھے ملنا ہے۔خیال رہے کہ دعائیں تعلیم اُمت کے لیے ہیں۔

۳؎ حقوق العباد مارنا ظلم ہے اور حقوق اللہ ضائع کرنا جہالت یعنی خدایا نہ تو میں کسی کا حق ماروں نہ کوئی میرا حق مارے اور نہ میں تیرے حقوق میں کوتاہی کروں نہ کوئی مجھ سے کوتاہی کرائے۔اس جملہ کی اور بہت تفسیریں ہیں،سلامتی دین اسی میں ہے کہ انسان نہ ظالم ہو نہ مظلوم نہ جاہل ہو نہ مجہول۔(اشعہ مع زیادت)

۴؎ صوفیاء فرماتے ہیں کہ کعبہ قبلہ عبادت ہے اور آسمان قبلہ حاجات کہ سب کی جسمانی وروحانی روزی آسمان سے ہی آتی ہے اس لیے دعا کے وقت آسمان کی طرف ہاتھ اٹھانا پھیلانا ادھر دیکھنا بہتر ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَ فِی السَّمَآءِ رِزْقُکُمْ وَ مَا تُوْعَدُوْنَ"۔اس نظر اٹھانے

کا مقصد یہ نہیں ہے کہ رب تعالٰی آسمان میں رہتا ہے،وہ تو ہر جگہ وجہت سے پاک ہے ہر وقت ہمارے ساتھ ہے "وَ هُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ"۔

۵؎ دونوں آیتوں میں بڑا فرق نہیں قریبًا یکساں ہیں۔مرقات نے یہاں فرمایا کہ ہم لوگوں کے ساتھ مل کر کبھی تو دینی معاملے میں غلطی کر جاتے ہیں کہ خلاف عقیدہ باتیں منہ سے نکل جاتی ہیں کبھی دنیوی معاملے میں یااس طرح کہ کسی پر زیادتی کر بیٹھتے ہیں اور یا اس طرح کہ ساتھی کا حق صحبت ادا نہیں کرتے،اس دعا میں ان تینوں چیزوں سے پناہ مانگی گئی۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کوئی شخص اپنے گھر سے نکلے۱؎ تو کہہ لے اللہ کے نام سے میں نے اللہ پر بھروسہ کیا اللہ کے بغیر نہ طاقت ہے نہ قوت۲؎ تب اس سے کہا جاتا ہے تجھے ہدایت وکفایت دی گئی اور تو محفوظ کردیا گیا۳؎ پھر شیطان دور بھاگ جاتا ہے اور اس سے دوسرا شیطان کہتا ہے تجھے اس شخص سے کیا تعلق ہے جسے ہدایت وکفایت دی گئی اور جو محفوظ کیا گیا۴؎ (ابوداؤد)اور ترمذی نے له الشیطان تک)	

۱؎ گھر سے مراد رہنے کی جگہ ہے خواہ یہی گھر ہو جس میں بال بچوں کے ساتھ رہتے ہیں یا مسجد کا حجرہ،خانقاہ وغیرہ جہاں صوفیاء،طلباء اور مشائخ رہتے ہیں۔غرضکہ ہر شخص اپنے ٹھکانے سے نکلتے وقت یہ پڑھ لیا کرے۔

۲؎ یعنی اللہ کے نام سے نکلتا اور اپنے کو اللہ کے سپرد کرتا ہوں،میں کمزور ہوں وہ قوی ہے،اس کے بغیر نہ کسی میں طاقت ہے نہ قوت۔حول و قوت کے بہت نفیس فرق پہلے بیان کیے جاچکے ہیں۔گناہ سے بچنے کی طاقت حول ہے،نیکی کرنے کی طاقت قوت ہے۔دنیا کے جنجال سے بچنے کی طاقت حول ہے،رب ذوالجلال تک پہنچنے کی طاقت قوت ہے،اچھے کام کرنے کی طاقت حول ہے اور مقبول کام کرنے کی طاقت قوت۔خیال رہے ہر مقبول اچھا ہے ہر اچھا مقبول نہیں مردودیت سے پہلے شیطان کے سجدے اچھے تو تھے مگر مقبول نہ تھے۔

۳؎ یعنی اس دعا کے پڑھنے پر غیبی فرشتہ اس سے خطاب کرکے کہتا ہے کہ تو نے بسم اللہ کی برکت سے ہدایت پائی اور توکل علی اللہ کے وسیلہ سے کفایت اور لاحول کے واسطہ سے حفاظت،تین چیزوں پر تین نعمتیں ملیں۔خیال رہے کہ اگرچہ ہم فرشتہ کا یہ کلام سنتے نہیں مگر جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت ہم تک یہ کلام پہنچ گیا تو اس کا کہنا عبث نہ ہوا لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ جب ہم اس پر فرشتہ کا یہ کلام سنتے نہیں تو اس کا کہنا بیکار ہے،نیز فرشتہ کے اس کلام کا عملی طور پر ظہور بھی ہوجاتا ہے کہ اس بندے کو یہ تینوں نعمتیں مل جاتی ہیں۔

۴؎ یعنی فرشتے کے اس کہہ دینے پر اس کا قرین شیطان جو ہر وقت اس کے ساتھ رہتا ہے اس سے بھاگ جاتا ہے،پھر جب شام شیاطین کا سردار ابلیس اس سے دن بھر کے کارکردگی کا امتحان لیتا ہے تو یہ قریں اس بندے کی دعا کا ذکر کرکے افسوس کرتا ہے کہ میں آج اسے بہکا نہ سکا تب ابلیس اس کی تسلی کے لیے یہ کہتا ہے کہ تجھ پر کوئی میرا عتاب نہیں تو معذور تھا وہ بندہ فرشتہ کی امن میں آچکا تھا اس کی اور شرحیں بھی ہوسکتی ہیں مگر یہ شرح قوی ہے۔اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ فرشتہ کی امان میں آجانا امن وامان کا ذریعہ ہے،پھر جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی امان میں آجائے اس کا کیا کہنا۔دوسرے یہ کہ ابلیس فرشتوں اور ان کی امان وحفاظت کو دیکھتا ہے۔بدر میں ابلیس نے امدادی فرشتوں کو دیکھا تھا اور کہا

تھا"اِنِّیۡۤ اَرٰی مَا لَا تَرَوۡنَ"۔ تیسرے یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی ناری اور نوری مخلوق چھپی ہوئی نہیں، حضور علیہ السلام فرشتوں، شیاطین کوملاحظہ بھی فرماتے ہیں اوران کے کلام بھی سنتے ہیں، پھر ہم خاکی مخلوق حضور علیہ السلام سے کیسے چھپ سکتے ہیں۔

روایت ہے حضرت ابومالک اشعری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کوئی شخص اپنے گھر میں داخل ہوتے وقت کہہ لے ۱؎ الٰہی میں تجھ سے داخلے کی اور نکلنے کی بھلائی مانگتا ہوں اللہ کے نام سے ہم داخل ہوئے اور اپنے رب اللہ پر ہم نے بھروسہ کیا پھر گھر والوں کو سلام کرے ۲؎ (ابوداؤد)	

۱؎ اپنے گھر سے مراد اپنے رہنے کا گھر ہے خواہ ملکیت سے ہو یا کرایہ سے اور خواہ عارضی ہو یا دائمی، لہذا جو شخص سرائے کے کسی حجرے میں مع بال بچوں یا دوستوں کے شب بھر کے لیے مقیم ہو وہ بھی داخل ہوتے وقت یہ عمل کرے۔

۲؎ شیخ عبداللہ نے اشعۃ اللمعات میں بیان فرمایا کہ اگر گھر میں لوگ ہوں تو انہیں سلام کرے، اگر خالی ہو تو فرشتوں کو سلام کی نیت سے یہ کہے السلام علی عبادہ الصالحین۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خالی گھر میں جاتے وقت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام عرض کرے۔(از شفاء شریف)ابوداؤد شریف کی روایت میں ہے کہ مسجد میں داخل ہوتے وقت کہے بسم اللہ والسلام علی رسول اللہ۔اس کی تحقیق ہماری کتاب "جاء الحق" جلد اول میں ملاحظہ کیجئے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی شخص کے نکاح پر دعا کرتے تو فرماتے اللہ تجھے برکت دے اور تم دونوں پر برکت کرے تم دونوں کو بھلائی میں جمع رکھے ۱؎ (احمد،ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ)	

۱؎ ہر نکاح کرنے والے کو یہ دعا دینا سنت ہے اگر مجلس نکاح میں موجود ہو تو ایجاب و قبول کے بعد یہ دعا دے اگر وہاں نہ ہو تو دولہا کو مبارکباد دیتے وقت یہ کلمے کہے۔ تجھے برکت دے سے مراد دنیاوی برکت ہے اولاد، مال وغیرہ میں برکت،رب تعالٰی فرماتا ہے:"اِنۡ یَّکُوۡنُوۡا فُقَرَآءَ یُغۡنِہِمُ اللہُ مِنۡ فَضۡلِہٖ"اور تم پر برکت سے مراد دینی ہے،بعد نکاح خیر کی توفیق بخشے۔ بھلائی میں جمع رکھے کا مطلب یہ ہے کہ خاوند و بیوی ایک دوسرے کی بھلائی میں مدد کریں برائی روکیں۔یہ اللہ کی بڑی نعمت ہے،رب تعالٰی نصیب کرے۔

روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں جب تم میں سے کوئی کسی عورت سے نکاح کرے یا غلام خریدے تو کہہ لے ۱؎ الٰہی میں تجھ سے اس کی بھلائی اور جس پر تو نے اسے پیدا کیا اس کی بھلائی مانگتا ہوں اور تیری پناہ مانگتا ہوں اس کی شر سے اور اس کی شر سے جس پر تو نے اسے پیدا کیا ۲؎ اور جب اونٹ خریدے تو اس کا کوہان پکڑ کر اس طرح کہہ لے	

	۳؎ اور ایک روایت میں عورت و خادم کے متعلق ہے کہ پھر اس کی پیشانی پکڑے اور دعائے برکت کرے ۴؎ (ابوداؤد،ابن ماجہ) ۵؎

۱؎ بیوی یا لونڈی یا غلام کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر یہ دعا پڑھے جیسا کہ دوسری روایات سے ثابت ہے،سر کے اگلے حصہ پر ہاتھ رکھ کر بھی پڑھ سکتا ہے۔(مرقات)

۲؎ عموماً ہر انسان فطری طور پر برائی کی طرف مائل ہے،بھلائی رب تعالٰی کے فضل سے نصیب ہوتی ہے۔جبلتھا سے یہ ہی طبعی میلان مراد ہے لہذا احادیث پر یہ اعتراض نہیں کہ ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے جیسا کہ دوسری احادیث سے ثابت ہے اور یہاں فرمایا گیا کہ شر پر پیدا ہوتا ہے کیوں کہ وہاں پیدائشی حالت کا ذکر ہے کہ بچہ اس عہد و پیمان پر پیدا ہوتا ہے جو میثاق کے دن رب تعالٰی سے کیے گئے تھے "اَلَسۡتُ بِرَبِّکُمۡ قَالُوۡا بَلٰی "اور یہاں اس کے میلان طبع کا ذکر ہے خود ہمارا اپنا یہ میلان ہے اسی لیے ہر خطبہ کے اول سرکار پڑھا کرتے تھے "ونعوذ باللہ من شرور انفسنا" رب تعالٰی شر سے بچائے۔

۳؎ گائے بھینس بکری وغیرہ کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر پڑھے۔

۴؎ حصن حصین میں ہے کہ بیوی کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر گزشتہ مذکورہ دعا بھی پڑھے اور یہ دعائے تسخیر بھی کرے،یہ عمل بہت ہی مجرب ہے اور بہت مفید ہے،اس دعا کی برکت سے گھر میں اتفاق رہتا ہے،بیوی ہر طرح خاوند کی خیر خواہ اور مطیع رہتی ہے،جانبین میں محبت قائم رہتی ہے،نبھاؤ بہت اچھا ہوتا ہے،زندگی بہت بہتر گزرتی ہے،دونوں کو دین پر استقامت میسر ہوتی ہے۔

۵؎ اس کا پہلا جزء ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ،ابویعلے موصلی،حاکم نے اور اس کا دوسرا جزء ابوداؤد،نسائی،ابولیلے نے بھی روایت کیا ہے۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت ابو بکرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ غم گین کی دعائیں یہ ہیں ۱؎ الٰہی میں تیری رحمت کا امیدوار ہوں تو تو مجھے پلک جھپکنے کی بقدر بھی میرے نفس کے حوالے نہ کر ۲؎ اور میرے سارے کام بنا،تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔(ابوداؤد) ۳؎

۱؎ مکروب سے مراد وہ شخص ہے جس کو کسی خاص غم و رنج یا فکر نے گھیر لیا ہو جس سے خلاصی کی صورت نہ بنتی ہو،چونکہ یہ دعا بہت سی دعاؤں پر مشتمل ہے اس لیے اسے دعوات یعنی دعائیں فرمایا گیا،یہ دعا دفع رنج و غم کے لیے بہت مجرب ہے۔

۲؎ یعنی میں صرف تیری رحمت ہی کا امیدوار ہوں اور تیرا نام رجاء السائلین بھی ہے کوئی آس لگا کر آنے والا سائل تیرے در سے مایوس نہیں لوٹتا۔لہذا مجھے میرے نفس کے حوالے نہ کردے کہ میرا سب سے بڑا دشمن یہ ہی ہے اور ساتھ ہی میں کمزور بھی ہوں،میں کسی چیز میں تیری مدد کے بغیر کامیاب نہیں ہوسکتا۔

۳؎ اسے ابن حبان،ابن ابی شیبہ،ابن سنی،طبرانی نے بھی روایت کیا۔

	روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ مجھے غم و قرض چمٹ گئے ۱؎ فرمایا تو کیا میں تمہیں وہ دعا نہ سکھادوں کہ جب تم اسے پڑھ لو تو اللہ تمہارے غم مٹادے اور تمہارا قرض اتار دے ۲؎ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا ہاں ضرور،فرمایا

	روزانہ صبح اور شام کے وقت یہ پڑھ لیا کرو۳؎ الٰہی میں رنج و غم سے تیری پناہ مانگتا ہوں ۴؎ اور عاجزی و سستی سے تیری پناہ لیتا ہوں ۵؎ اور کنجوسی و بزدلی سے تیری پناہ لیتا ہوں ۶؎ اور قرض کے چھا جانے اور لوگوں کے غالب آجانے سے تیری پناہ لیتا ہوں ۷؎ فرماتے ہیں میں نے یہ عمل کیا تو اللہ نے میرا غم مٹادیا اور میرا قرض ادا کردیا ۸؎(ابوداؤد)

۱؎ مرقات نے فرمایا کہ اس عرضی کا مقصود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استغاثہ یعنی طلب مدد اور فریاد کرنا ہے یعنی مجھے ایسے بڑے غم و قرض نے گھیر لیا جو کسی طرح دفع نہیں ہوتے،آپ سے فریاد ہے کیوں کہ آپ خالق و مخلوق کے درمیان وسیلہ عظمیٰ ہیں،انہیں آپ کا وسیلہ عظمیٰ ہی دور کرسکتا ہے۔(مرقات) معلوم ہوا کہ مصیبتوں میں حضور علیہ السلام کی پناہ لینا حضور علیہ السلام سے مدد مانگنا سنت صحابہ ہے شرک نہیں۔

۲؎ یعنی اس دعا کی برکت اور میرے وسیلے اور میری تعلیم کے اثر سے رب تعالٰی تمہارے رنج و قرض سب کچھ دور کردے گا،کام رب ہی کرتا ہے مگر وسیلہ کے ذریعہ سے۔بزرگوں سے حاصل کی ہوئی دعاؤں میں دو تاثیریں ہوتی ہیں:الفاظ کی تاثیر اور ان کی زبان کی تاثیر،تلوار کسی کی سان پر رکھو،تیز کرو پھر اس سے وار کرو۔

۳؎ صبح شام سے مراد یا تو بعد نماز فجر و مغرب کے اوقات میں یا ہمیشہ پڑھنا۔(مرقات) صوفیاء خاص ضرورت پر ہر نماز کے بعد ایک ایک بار یہ دعا پڑھا کرتے ہیں۔

۴؎ **ھم و حزن** یا تو ہم معنے ہیں یا ان میں کچھ فرق ہے،کیا فرق ہے؟اس میں بہت گفتگو ہے۔صحیح تر یہ ہے کہ آئندہ مصیبت کے خطرہ کو **ھم** کہتے ہیں اور گزشتہ نازل شدہ مصیبت کی تکلیف کو **حزن** اسی لیے پختہ ارادے کو **ھم** کہا جاتا ہے"**وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ**" یا تکلیف دہ چیز واقع ہوجانے پر جو صدمہ ہے وہ **ھم** اور کسی مطلوب کے فوت ہوجانے پر صدمہ **حزن**۔**واللہ اعلم**! بہرحال یہ دعا بہت جامع ہے۔

۵؎ یعنی نیکی پر قادر نہ ہونے اور قادر ہو کر اس کے کرنے میں بوجھل ہوجانے سے تیری پناہ،عجز و کسل میں یہ ہی فرق ہے،نیکی پر قدرت بھی اللہ کی رحمت ہے اور قدرت کے بعد کر لینے کا موقعہ مل جانا یعنی توفیق بھی اس کا کرم۔

۶؎ صدقات واجبہ،صدقات نفلیہ نہ ادا کرنا،سائل کو بھیک کبھی نہ دینا،مہمان نوازی نہ کرنا،حقوق مالیہ ادا نہ کرنا،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام پاک سن کر درود شریف نہ پڑھنا وغیرہ بخل ہے اور تبلیغ کی ہمت نہ ہونا،جہاد میں بزدلی آجانا،رزق کے معاملہ میں اللہ پر توکل نہ ہونا،**جبن** یعنی بزدلی ہے۔مسلمان بھائی سے لڑنے کی ہمت نہ کرنا بزدلی نہیں،فضول خرچی سے بچنا بخل نہیں،آج لوگوں نے سخاوت و فضول خرچی یوں ہی بخل و کفایت شعاری،یوں ہی بہادری اور ایذاء رسانی،یوں ہی بزدلی و نرمی دل میں فرق کرنا چھوڑ دیا۔

۷؎ خیال رہے کہ نفس قرض برا نہیں قرض تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی لیا ہے غلبہ دین برا ہے جس کے ادا کی صورت نظر نہ آئے یا جو مقروض کو ذلیل کردے یا جس سے مقروض جھوٹ بولنے وعدہ خلافی کرنے پر مجبور ہوجائے اسی لیے یہاں غلبہ دین کا ذکر فرمایا قہر رجال میں یا تو قرض خواہوں کا غلبہ یا بادشاہ کا ظلم یا ظالموں کا گھیر لینا مراد ہے اللہ تعالٰی ہر مسلمان کو ان سب مصیبتوں سے محفوظ رکھے۔

۸؎ یعنی یہ دعا میری مجرب بھی ہے تیر بہدف نسخہ ہے،ہر مسلمان ہمیشہ ہی یہ دعا ہر نماز کے بعد ضرور ایک بار پڑھ لیا کرے ان شاءاللہ قرض و ظلم سے محفوظ رہے گا۔فقیر بفضل رب قدیر اس کا عامل ہے اس دعا کے زیر سایہ ہر بلا و قرض سے محفوظ ہے۔

	روایت ہے حضرت علی سے کہ آپ کے پاس ایک مکاتب آیا بولا میں

	اپنی ادائے کتابت سے عاجز آگیا ہوں میری کچھ مدد فرمایئے[1] فرمایا کیا میں تجھے وہ کلمے نہ سکھادوں جو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھائے تھے اگر تجھ پر پہاڑ برابر بھی قرض ہو تو اللہ تجھ سے ادا کرادے[2] یہ پڑھا کرو[3] خدایا مجھے اپنے حلال کے ذریعہ اپنے حرام سے تو کافی ہوجا[4] اور مجھے اپنی مہربانی سے اپنے سوا سے بے پرواہ کردے[5] (ترمذی، بیہقی، دعوات کبیر)[6] اور ہم حضرت جابر کی یہ حدیث کہ جب تم کتوں کا رونا سنو، الخ برتن ڈھکنے کے باب میں ان شاء اللہ ذکر کریں گے[7]

[1] یعنے میرے مولانے کچھ مال پر میری آزادی موقوف رکھی ہے جسے ادا کرکے میں آزاد ہوں اور میرے پاس وہ مال نہ ہے اور نہ اس کے حاصل کرنے پر قدرت ہے،براہ کرم مال یا دعا سے میری مدد فرمائیں۔ معلوم ہوا کہ حضرت علی بفضل اللہ العلی مشکلکشا دافع بلا ہیں،ان سے مصیبت میں مدد لینا شرک نہیں بلکہ سنت بزرگاں ہے۔

[2] ظاہر یہ ہے کہ جناب علی نے دانستہ طور پر اس کی مالی مدد نہ کی کہ اس سے اس کا کام تو چل جاتا مگر اسے غنا میسر نہ ہوتا،آپ نے اسے وہ دعا بتائی جس سے وہ ہمیشہ کے لیے لوگوں سے غنی ہوگیا وقتی حاجت روائی سے سائل کو غنی بنادینا بہتر ہے۔

[3] ہر نماز کے بعد ایک بار۔غالب یہ ہے کہ لفظ قل حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا اور ہوسکتا ہے کہ آپ کا خود اپنا قول ہو۔(مرقات) مشائخ کو ہمیشہ حسب ضرورت اوراد وظیفہ ایجاد کرنے کا حق ہے جیسے اطباء کو معجونیں دوائیں ایجاد کرنے کا حق ہے اور منقولہ دعاؤں کی اجازت دینے کا بھی اختیار ہے۔

[4] یعنی حلال روزی بھی اتنی دے کہ مجھے حرام کی طرف توجہ نہ ہو اور میرے دل میں حرص بھی نہ پیدا ہونے دے تاکہ میں حرام سے بچا رہوں خلاصہ یہ ہے کہ کفایت وہ قناعت دونوں نصیب کر۔

[5] کہ دنیا والوں کے پاس حاجت لے کر مجھے نہ جاناپڑے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پرواہی تو سخت محرومی بلکہ کفر ہے،شیطان نبوت سے بے پرواہ ہو کر مارا گیا۔

[6] اسے حاکم نے بھی روایت کیا،یہ دعا بہت مجرب ہے فقیر کا اس پر عمل ہے اور اس کا بہت فائدہ فقیر زمارہا ہے۔

[7] یعنے مصابیح میں وہ حدیث یہاں تھی مگر میں نے مناسبت کا لحاظ رکھتے ہوئے اس باب میں ذکر نہ کیا۔ان شاء اللہ اس کی وجہ مناسبت وہاں ہی بیان کی جائے گی۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی جگہ بیٹھتے یا نماز پڑھتے تو کچھ کلمات کہتے[1] میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کلمات کے متعلق پوچھا تو فرمایا اگر اچھی بات

	کی جائے ۲؎ تو ان پر روز قیامت مہر ہو جائے اور اگر بری بات کی گئی ہو تو اس کا کفارہ ہو جائیں ۳؎ الٰہی تو پاک ہے، تیری حمد ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تجھ سے معافی مانگتا ہوں اور توبہ کرتا ہوں ۴؎ (نسائی)

۱؎ فارغ ہو کر بلکہ وہاں سے اٹھتے وقت یہ کلمات کہتے تھے۔(مرقات)

۲؎ یا تو اَنْ الف کے زبر سے ہے اور تکلم ت و ك کے پیش سے یعنی ان کلمات کا بول لینا، پڑھ لینا یا اِن الف کے کسرہ (زیر) سے اور تکلم ت اور ك کے زبر سے ہے یعنی اے عائشہ اگر تم یہ کلمات پڑھ لیا کرو، پہلے معنے زیادہ قوی ہیں۔

۳؎ یعنی جو دعائیہ کلمے میں پڑھا کرتا ہوں ان کی تاثیر یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اچھی باتیں کرکے یا کوئی عبادت کرکے یہ کلمات پڑھ لے تو یہ کلمات ان باتوں یا عبادتوں کے لیے مثل مہر کے ہوں گے کہ تاقیامت محفوظ رہیں گے اور حساب کے وقت وہ مقبول ہوں گے خود وہ کلمات بھی اور وہ عبادت یا دعا بھی جن پر یہ کلمات پڑھے گئے اور اگر کوئی بری باتیں بول کر یہ کلمات آخر میں کہہ لے تو یہ کلمات ان بری باتوں کا کفارہ بن جائیں گے کہ ان کی برکت سے رب تعالٰی ان برائیوں پر پکڑ نہ فرمائے گا اس لیے ہم ہر مجلس کے آخر میں یہ کلمات پڑھ لیتے ہیں۔

۴؎ یہ ان کلمات کا بیان ہے جن کا فائدہ ابھی بیان ہوا۔ استغفار و توبہ کا فرق بیان ہو چکا ہے کہ گناہ سے معافی مانگنے کا نام استغفار ہے اور عیوب سے معافی مانگنے کا نام توبہ، یا بڑے گناہوں سے معافی مانگنا استغفار ہے چھوٹے گناہوں سے معافی کا نام توبہ، یا کھلے گناہوں سے معافی استغفار اور چھپے گناہوں سے معافی توبہ وغیرہ، یہ بہت جامع دعا ہے جس میں رب تعالٰی کی حمد و ثناء بھی ہے اور توبہ و استغفار بھی۔

	روایت ہے حضرت قتادہ سے انہیں خبر پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب چاند دیکھتے تو فرماتے بھلائی و ہدایت کا چاند ہو ۱؎ بھلائی اور ہدایت کا چاند ہو، بھلائی اور ہدایت کا چاند ہو تین بار فرماتے اس پر ایمان لایا جس نے تجھے پیدا کیا ۲؎ پھر فرماتے اس رب کا شکر ہے جو فلاں مہینہ لے گیا اور فلاں مہینہ لایا ۳؎ (ابوداؤد) ۴؎

۱؎ یعنی خدایا یہ مہینہ ہمارے لیے نیک اعمال کرنے کی توفیق اور گناہوں سے بچنے کی توفیق لے کر آیا ہو مہینے اور وقت میں بھی تاثیریں ہیں جیسے بعض وقت گرم ہوتے ہیں، بعض سرد، بعض زمانہ بیماریوں کے ہوتے ہیں، بعض صحت کے، ایسے ہی بعض اوقات گناہوں کے ہوتے ہیں، بعض نیکیوں کے اس لیے چاند دیکھنے پر یہ دعا پڑھتے تھے، جس چیز کی ابتداء اچھی ہو اس کی بقاء و انتہا بھی ان شاءاللہ اچھی ہو گی۔ مہینہ کی ابتداء اگر دعا سے ہے تو ان شاءاللہ سارا ماہ خیر رہے گی۔ ھلال مرفوع ہے ھذا کی خبر، یعنے ان شاءاللہ یہ بھلائی کا چاند ہے یا خدایا یہ بھلائی کا چاند ہو۔

۲؎ اس میں چاند کے پجاریوں کی تردید ہے یعنی اے چاند میں تجھ پر ایمان نہیں لایا بلکہ اس رب پر ایمان لایا ہوں جو تیرا اور میرا خالق ہے۔

۳؎ دونوں جگہ فلاں کی جگہ مہینے کا نام لیتے تھے، چونکہ قریبًا سارے دینی کام چاند و سورج سے وابستہ ہیں اس لیے ان اوقات کے بخیریت جانے آنے پر خدا کا شکر کرنا چاہیے، زکوۃ، حج، بیوہ عورتوں کی عدت، دودھ پلانے کی مدت چاند ہی سے وابستہ ہیں، نماز کے اوقات، سحری و افطار وغیرہ سورج کی رفتار سے وابستہ ہے۔

۴؎ اسے طبرانی نے حضرت نافع ابن خدیج سے کچھ فرق سے مرفوعًا روایت کیا اور ابن ابی شیبہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے موقوفًا مگر کچھ فرق سے۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت ابن مسعود سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے رنج و غم زیادہ ہو جائیں وہ یہ پڑھے۱؎ الٰہی میں تیرا بندہ ہوں اور تیرے بندے کا اور تیری بندی کا بچہ ہوں ۲؎ اور میری پیشانی تیرے قبضہ میں ہے ۳؎ مجھ میں تیرا حکم جاری ہے میرے بارے میں تیرا فیصلہ عین انصاف ہے ۴؎ میں تجھ سے تیرے ہر اس نام کی برکت سے جو تو نے اپنا رکھا یا جو نام اپنی کتاب میں اتارا یا جو نام اپنی مخلوق میں سے کسی کو سکھایا یا جو نام اپنے پاس پردہ غیب میں پوشیدہ یہ مانگتا ہوں ۵؎ کہ تو قرآن کو میرے دل کی بہار اور میرے رنج و غم کا دفعیہ بنادے ۶؎ یہ کلمات کوئی بندہ نہیں کہتا مگر اللہ اس کا غم دور کردیتا ہے اور اس کے عوض کشادگی دیتا ہے ۷؎ (رزین) ۸؎

۱؎ یعنی رنج و غم میں گھرا ہوا آدمی یہ دعا پڑھا کرے، مراد دنیاوی رنج و غم ہیں جن کے دور کرنے کی کوشش کی جاتی ہے آخرت کے رنج و غم تو اللہ کی نعمت ہیں ان کے دفع کی کوشش نہ کرے بلکہ ان کے بقا کی دعا مانگے، عشق خدا اور رسول کا رنج و غم تو مقصد حیات ہے۔ شعر

ترا غم رہے سلامت میرے دل کو کیا کمی ہے　　یہ ہی میری بندگی ہے یہ ہی میری زندگی ہے
ترا درد میرا درماں ترا غم مری خوشی ہے　　مجھے درد دینے والے تیری بندہ پروری ہے

۲؎ یعنی خدایا میں تین طرح تیری رحمت کا حقدار ہوں ایک یہ کہ میں خود تیرا بندہ ہوں۔ دوسرے یہ کہ میرا باپ بھی تیرا بندہ ہے۔ تیسرے یہ کہ میری ماں بھی تیری بندی اور بارگاہِ عالی کی لونڈی ہے پھر ان نسبتوں کے ہوتے ہوئے تیرے در سے کیسے محروم رہوں گا۔

۳؎ یعنی میں تیرے ملک و تصرف میں ہوں۔ پیشانی بول کر ذات مراد لیتے ہیں یہ جملہ قرآن کریم کی اس آیت سے ماخوذ ہے "مَا مِنۡ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا"۔

۴؎ یعنی میرے اختیاری اعمال اور غیر اختیاری حالات پر تیری قضاو قدر نافذ ہے اور جو کچھ تو نے مجھ پر حکم نافذ فرمایا ہے وہ عین عدل و انصاف ہے۔ خیال رہے کہ یہاں حکم سے مراد تکوینی حکم ہے نہ کہ تشریعی۔ حکم و امر میں بڑا فرق ہے، دنیا میں سب کچھ رب تعالٰی کے حکم قضاو قدر سے ہو رہا ہے اس کے امر سے نہیں ہو رہا ہے۔ سب کو ایمان لانے، نماز پڑھنے کا امر ہے مگر بہت لوگ نہ ایمان لاتے ہیں نہ نماز پڑھتے ہیں، نیز یہاں عدل سے مراد ظلم کا مقابل ہے نہ کے فضل کا یعنی تو ظلم سے پاک ہے۔

۵؎ اس عبارت سے چند مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ رب تعالٰی کے نام بہت ہیں صرف ۹۹ نہیں جن احادیث میں ۹۹ نام مذکور ہیں وہاں مقصد یہ ہے کہ جو ان ناموں کا وظیفہ پڑھے گا بخشا جائے گا، یہ مطلب نہیں کہ رب کے صرف اتنے ہی نام ہیں۔ دوسرے یہ کہ اسماء الٰہیہ تین قسم کے ہیں: بعض وہ جو آسمانی کتابوں میں مذکور ہوئے اور عام مؤمنین نے جان لیے اور بعض وہ جو صرف انبیائے کرام، فرشتوں یا بعض اولیاء کو الہامًا سکھائے گئے اور بعض جو در مکنون کی طرف پردۂ غیب میں رکھے گئے کسی کو نہ بتائے گئے۔ تیسرے یہ کہ اسماء الٰہیہ کی برکت ان کے توسل سے دعا مانگنا چاہیے خواہ ہم کو ان کا علم ہو یا نہ ہو، ایسے اللہ کے مقبول بندوں، نبیوں، ولیوں کی طفیل دعاء مانگنی چاہیے ہمیں ان کی تفصیل معلوم ہو یا نہ ہو۔

۶؎ یعنی جیسے موسم بہار زمین کی تمام خشکی بے رونقی دور کرکے اسے طرح طرح کی زینتوں سے آراستہ کردیتاہے ایسے ہی قرآن شریف کے ذریعے میرے دل کے رنج و غم،تاریکی سیاہی،گناہوں کی طرف میلان،حرص و ہوس،حسد دور فرماکر اس میں ایمان و عرفان،خوف خدا،عشق جناب مصطفٰے کے پھل پھول لگادے۔اس سے معلوم ہوا کہ قرآن شریف مؤمن کے دل کی بہار ہے ایسے ہی صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم اس بہار کی جان ہیں۔

۷؎ اس طرح کہ رنج و غم کے بادل چھٹ جاتے ہیں اور دل میں خوشی وراحت کی بارشیں ہوتی ہیں۔

۸؎ اسے احمد ابن حبان حاکم ابویعلے موصلی،بزاز،طبرانی،ابن ابی شیبہ نے بھی انہی ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعًا روایت کیا۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ جب ہم چڑھتے تو تکبیر کہتے اور جب اترتے تو تسبیح کہتے تھے۱؎(بخاری)	

۱؎ یعنی ہم سفر میں جب کسی ٹیلے پر چڑھتے تھے تو اﷲ اکبر کہتے تھے کہ وہ رب کریم تمام اونچوں سے بڑا ہے اور جب نشیبی زمین پر اترتے تھے تو سبحان اللہ کہتے تھے کہ رب تعالٰی نزول اور اترنے سے پاک ہے کہ اس میں کمی و نقصان کا شائبہ ہے۔اسے ابوداؤد،نسائی نے بھی روایت کیا۔

روایت ہے حضرت انس سے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی چیز غمگین کرتی تو آپ فرماتے اے دائمی زندہ اے قائم رکھنے والے تیری رحمت سے مدد مانگتا ہوں۱؎(ترمذی)اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے اور محفوظ نہیں۲؎	

۱؎ یعنی تو حیّ و قیّوم ہے میری مدد کر،مجھے اس مصیبت سے نجات دے،تیرے سواء میرا کون ہے۔بعض علماء فرماتے ہیں کہ حیّ و قیّوم اسم اعظم ہے،قرآن کریم میں یہ نام صرف تین جگہ مذکور ہوئے۔

۲؎ اسے حاکم ابن سنی نے حضرت ابن مسعود سے اور نسائی نے حضرت علی سے مرفوعًا روایت کیا اس کی روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا سجدہ کرکے مانگتے تھے۔

روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں ہم نے خندق کے دن عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کوئی وظیفہ ایسا ہے جو ہم پڑھیں دل گلوں میں پہنچ گئے۱؎ فرمایا ہاں اے اللہ ہمارے عیب ڈھک لے ہمارے خوفوں کو امن میں بدل دے۲؎ فرماتے ہیں کہ اللہ نے ہوا کے ذریعہ اپنے دشمنوں کے منہ پھیر دیے،اللہ نے انہیں ہوا کے ذریعے بھگادیا۳؎(احمد)	

۱؎ یعنی جنگ احزاب کے موقع پر ہم خندق کھودنے میں مشغول تھے بھوک وخوف سے پریشان تھے،بیرونی اندرونی دشمنوں سے بہت تنگ آچکے تھے تب یہ عرض کیا۔معلوم ہوا کہ اپنے رنج و غم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرنا نہ تو شرک و کفر ہے نہ بے صبری،اگر مریض حکیم سے شکایت نہ کرے تو شفا کیسے پائے۔

۲؎ یہاں عیب سے مراد گناہ نہیں بلکہ دشمن کا خوف اور دل کی گھبراہٹ ہے جس کا اظہار نہیں کیا جاتا تاکہ دشمن دلیر نہ ہو جائے یعنی ہماری موجودہ کمزوری چھپالے، دشمن اس پر مطلع نہ ہونے پائے اور گھبراہٹ کے اسباب دور فرما کر دلوں میں امن پیدا فرمادے۔ خیال رہے کہ امن اللہ کی بڑی نعمت ہے۔

۳؎ سبحان اللہ! یہ ہوا اس دعا کا اثر کہ رب تعالٰی نے ابابیل سے فیل مروا دیئے، تیز ہوا سے اتنے بڑے لشکر جرّار یعنی کفار کو بھگادیا۔

رواه البیہقی فی الدعوات الکبیر	روایت ہے حضرت بریدہ سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب بازار میں داخل ہوتے تو کہتے اللہ کے نام سے الٰہی میں تجھ سے اس بازار کی خیر اور جو اس میں ہے اس کی بھلائی مانگتا ہوں ۱؎ اور اس بازار کی شر اور جو اس میں ہے اس کی شر سے پناہ مانگتا ہوں ۲؎ الٰہی میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ گھاٹے کا سودا کروں ۳؎ (بیہقی دعوات کبیر)

۱؎ نفع کے سودے حلال روزی اور دل میں غفلت کا نہ پیدا ہونا بازار کی خیر ہے، یہ تمام چیزیں رب تعالٰی سے مانگے، بازار ہی سے قوم و ملک کا بقا ہے۔

۲؎ نقصان کی تجارت، حرام روزی، وہاں جھوٹ بول کر سودے بیچنا، غافل ہو جانا، بازار کی شر ہے اس لیے بازار کو بدترین جگہ فرمایا گیا۔

۳؎ دینی گھاٹا یا دنیاوی گھاٹا دونوں ہی مراد ہیں دونوں ہی سے پناہ مانگنی چاہیے صدقہ و خیرات نافع ہے مگر مہنگی چیز بیچنا یا سستی فروخت کردینا گھاٹا کھا کر حماقت بھی ہے اور باعث نقصان بھی جس کا نہ دنیا میں نفع ہے نہ آخرت میں۔ اسے حاکم اور ابن سنی نے بھی روایت کیا۔

باب الاستعاذۃ

تعویذوں کا باب۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱یعنی ان دعاؤں کا باب جن میں اعوذ یا استعیذ آتا ہے عوذ کے معنی ہیں پناہ،استعاذہ کے معنی پناہ لینا،رب تعالٰی فرماتا ہے:"فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ"۔تلاوت قرآن کے وقت اعوذ پڑھنا سنت ہے ویسے بھی مصیبتوں اور عام حالات میں پناہ لینے کی دعائیں پڑھتے رہنا چاہیے،صبح سورۂ فلق وناس پڑھنے سے آفات سے امن رہتی ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی پناہ مانگو آفت کی مشقتوں سے ۱اور بدبختی کے پہنچنے سے اور برے فیصلے سے ۲اور دشمنوں کے طعنوں سے ۳(مسلم،بخاری)

۱آفتوں کی مشقت سے مراد وہ دنیاوی یا دینی مصیبتیں ہیں جن کے دفع پر انسان قادر نہ ہو حضرت عبداللہ ابن عمر فرماتے ہیں کہ کثرت عیال و قلّت مال جہد بلا ہے کہ اس سے انسان کبھی کفر میں مبتلا ہوجاتا ہے۔حدیث شریف میں ہے"کاد الفقر ان یکون کفرًا"۔

۲دوزخ کے کام کر بیٹھنا درک شقاء ہے اصل بدبختی دوزخ کا داخلہ ہے دوزخی عرض کریں گے"رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَیْنَا شِقْوَتُنَا"اور دوزخ میں پہنچانے والے عقیدے یا اعمال اختیار کرلینا شقاء بدبختی کا پانا ہے۔اس سے اللہ کی پناہ!بُرے فیصلہ سے مراد ہے کفر پر مرنے کا فیصلہ یعنی میرے مولا میں دوزخیوں کے کاموں سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور اس سے بھی تیری پناہ لیتا ہوں کہ تو میری بدکاریوں کی وجہ سے میرے دوزخی ہونے کا فیصلہ کردے۔اس شرح سے یہ اعتراض اٹھ گیا کہ فیصلہ الٰہی تو پہلے ہوچکا اب اس سے پناہ مانگنے کے کیا معنی کیونکہ یہاں وہ فیصلہ مراد نہیں۔

۳یعنی مولٰی مجھے ایسی دینی و دنیاوی مصیبتوں میں نہ پھنسا جن سے میرے دشمن خوش ہوں اور مجھ پر طعنے کریں،آوازے کسیں،اس سے بھی تیری پناہ ،یہ دعا بہت جامع ہے۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ پڑھا کرتے تھے الٰہی میں تیری پناہ مانگتا ہوں،رنج و غم سے عاجزی و سستی سے اور بزدلی و کنجوسی سے،قرض چڑھ جانے اور لوگوں کے غلبہ سے۱ (مسلم،بخاری)۲

ا؎ ان الفاظ کی شرح اور رنج و غم کا فرق پہلے باب میں عرض کیا گیا۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ قرض کی فکر عقل خراب کردیتی ہے۔حدیث شریف میں"اَلدَّیْنُ شَیْنُ الدِّیْنِ"قرض دین کا عیب ہے۔(مرقات)لوگوں سے مراد ظالم یا قرض خواہ ہیں۔یہ دعا بھی بہت جامع ہے کہ اس میں خارجی داخلی مصیبتوں اور جسمانی روحانی اذیتوں سے پناہ مانگ لی گئی ہے۔

۲؎ اس حدیث کو ابوداؤد،ترمذی،نسائی نے بھی روایت کیا،حصن حصین شریف میں یہ حدیث صرف بخاری کی قرار دی۔واللہ اعلم!

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کہتے تھے الٰہی میں تیری پناہ لیتا ہوں سستی سے،بڑھاپے سے،قرض سے اور گناہ سے ۱؎ الٰہی میں تیری پناہ لیتا ہوں آگ کے عذاب سے،آگ کے فتنہ سے ۲؎ اور قبر کے فتنہ اور قبر کے عذاب سے ۳؎ اور مالداری اور فقیری کے فتنہ سے ۴؎ اور مسیح دجال کے فتنوں سے،اللہ میری خطائیں دھودے برف کے اولے کے پانی سے ۵؎ اور میرا دل ایسا صاف کردے جیسے سفید کپڑا میل سے صاف کیا جاتا ہے ۶؎ اور میرے اور میری خطاؤں کے درمیان ایسا فاصلہ کردے جیسے پورب و پچھم کے درمیان ہے ۷؎ (مسلم،بخاری)	

ا؎ سستی سے مراد عبادات اور نیک اعمال کا طبیعت پر گراں ہوجانا اور بڑھاپے سے وہ حالت مراد ہے جب انسان کی عقل کٹ جائے،قوتیں جواب دے جائیں،دوسروں پر بوجھ بن جائیں۔شعر

دانت گرے اور کھُر گھسے اور پیٹھ بوجھ نہ لے ایسے بوڑھے بیل کو کون باندھ بھس دے

اللہ تعالٰی اپنے اور اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا محتاج رکھے۔

۲؎ کفار آگ میں معذّب ہوں گے مؤمن گنہگار معذب نہ ہوں گے بلکہ مؤدب و مہذب ہوں گے یعنی انہیں آگ کے ذریعہ پاک و صاف کرکے جنت کے لائق بنایا جائے گا۔آگ کے فتنہ سے مراد وہ گناہ ہے جو آگ میں جانے کا باعث بنا لہذا کلام میں تکرار نہیں،آگ کا عذاب اور ہے آگ کا فتنہ کچھ اور۔

۳؎ یعنی اے مولٰی اس سے بھی تیری پناہ کہ قبر کے سوالات کے جوابات مجھے بن نہ پڑیں اور اس سے بھی تیری پناہ کہ وہاں فیل ہوجانے پر سزا پاؤں۔

۴؎ یعنی غفلت اور سرکشی،گناہوں کی طرف میلان،مال و عزت پر پھول جانا غنی کا فتنہ ہے۔مالداروں پر حسد،طمع ذلت،فکر،فقیری کے فتنے،اللہ تعالٰی دونوں قسم کے فتنوں سے بچائے۔خیال رہے کہ نہ امیری بُری ہے نہ فقیری،دونوں جنابِ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے جلوے ہیں،بلکہ ان کے فتنہ برے ہیں۔ مصرع فقر و شاہی واردات مصطفٰے است

اس میں اختلاف ہے کہ فقیری افضل ہے یا امیری۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ بعض کے لیے فقیری افضل ہے،بعض کے لیے امیری،جس کے ذریعہ یا رملے وہ ہی بہتر،بعض بیماروں کو کڑوی دوا مفید ہوتی ہے بعض کو میٹھی،یہ تمام دعائیں اُمت کی تعلیم کے لیے ہیں،اللہ تعالٰی نے اپنے حبیب کو ہر فتنہ سے محفوظ فرمایا تھا،آپ کا فقر بھی اکسیر تھا اور غنا بھی۔صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ واصحابہ وسلم۔

۵؎ خطاؤں کو دوزخ کی آگ قرار دیا اور مغفرت و رحمت کو برف کا پانی،جو آگ بجھا بھی دے اور اس جگہ کو ٹھنڈا بھی کردے یعنی مجھے قسم قسم کی رحمتوں و مغفرتوں کے ذریعہ دوزخ کے اسباب سے پاک و صاف کردے۔

۶؎ اس میں اشارۃً فرمایا گیا کہ ہمارے دل فطرۃً میلے ہوتے رہتے ہیں تیری رحمت ہو تو صاف ہو جائیں اور جیسے میلے کپڑے والا اچھوں میں بیٹھنے کے لائق نہیں ہوتا، جب کپڑے صاف ہو جائیں تو اچھی جگہ اُٹھ بیٹھ سکتا ہے، خدایا ایسے ہی ہم تیری جنت کے لائق بذات خود تو نہیں ہاں تو کرم کردے تو ہو جائیں، یہ سب امت کو تعلیم ہے۔

۷؎ یعنی جو خطا مجھ سے ہو چکی ہے انہیں معاف فرما کر مجھ سے دور کردے اور آئندہ جو خطائیں مجھ سے سرزد ہو سکتی ہیں ان سے بچالے جسے مشرق و مغرب آپس میں نہیں مل سکتے ایسے ہی وہ خطائیں مجھ تک نہ پہنچ سکیں ایسا فضل کردے، لہٰذا خطاؤں سے مراد واقعی و امکانی دونوں خطائیں ہیں۔

روایت ہے زید ابن ارقم سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم یہ پڑھا کرتے تھے الٰہی میں عاجز رہ جانے، سستی، بزدلی، کنجوسی، بڑھاپے ۱؎ اور عذابِ قبر سے تیری پناہ لیتا ہوں ۲؎ الٰہی تو میرے نفس کو اس کی پرہیزگاری دے اسے پاک کردے تو بہترین پاک کرنے والا ہے ۳؎ تو ہی نفس کا والی وارث ہے ۴؎ الٰہی میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس علم سے جو نفع نہ دے ۵؎ اور اس دل سے جو عاجزی نہ کرے اور اس نفس سے جو سیر نہ ہو اور اس دعا سے جس کی قبولیت نہ ہو ۶؎ (مسلم)	

۱؎ عاجزی سے مراد عبادات نہ کرسکنا ہے جیسے روزہ، نماز، حج، جہاد وغیرہ اور سستی سے مراد ہے کہ قادر ہونے کے باوجود نہ کرنا، کنجوسی سے حقوق مالیہ ادا نہ کرنا ہیں خواہ حقوق اللہ ہوں جیسے زکوۃ، قربانی اور حج وغیرہ یا حقوق العباد جیسے بیوی بچوں، والدین، عزیزوں کے نان و نفقات نہ دینا۔ بڑھاپے سے مراد وہ بے عقلی اور مت کٹ جانا ہے جو زیادتی عمر کے سبب ہو جاتی ہے۔

۲؎ کہ تو مجھے دنیا میں عذاب قبر والے اعمال سے بچالے اور بعد موت خود اس عذاب سے محفوظ رکھ۔ خیال رہے کہ عذاب قبر کفار کو دائمی ہوتا ہے، بعض مؤمن گنہگاروں کو عارضی مگر ضغطۂ قبر یعنی تنگی وہ کبھی صالحین کو بھی ہو جاتی ہے اس لیے یہاں عذاب فرمایا تنگی کا ذکر نہ کیا۔

۳؎ عربی میں ظاہری پاکی کو طہارت اور باطنی پاکی کو تزکیہ کہتے ہیں اسی لئے مذبوح جانور کو مزکّٰی کہتے ہیں، رب تعالٰی فرماتا ہے: "قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى" تقویٰ سے مراد فسق و فجور کا مقابل ہے، رب تعالٰی فرماتا ہے: "فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰىهَا"۔ خیال رہے کہ کسب طہارت بندے کا کام ہے اور خلق طہارت رب کا کرم جیسے بیج بو دینا بندے کا کام ہے پیدوار رب کا فضل یعنے ہمارے کسب سے تیرا کرم افضل و اکمل ہے۔

۴؎ یعنی میرے نفس کو تقویٰ دے کیونکہ تو اس کا ولی ہے اور اسے پاک کردے کیونکہ تو اس کا وارث ہے، دو نعمتوں کے لیے دو صفت الٰہیہ کا ذکر ہوا۔

۵؎ غیر نافع علم سے مراد یا تو دنیاوی علوم ہیں جن سے دین میں کوئی نفع نہ ہو جیسے سائنس، ریاضی، منطق، فلسفہ جن سے دین کی خدمت نہ لی جائے یا وہ علم دین ہیں جو دنیا طلبی کے لیے سیکھے جائیں یا جن پر عالم خود عمل نہ کرے دوسروں کو سکھائے نہیں یا اس سے نقصان دہ علوم مراد ہیں جیسے جادو وغیرہ کے علوم جن سے فساد پھیلایا جائے۔

۶؎ جس دل میں اللہ کے ذکر سے چین، عذاب کے ذکر سے خوف، جنت کے ذکر سے شوق، حضور علیہ السلام کے ذکر سے وجدان نہ پیدا ہو وہ سخت ہے اللہ اس سے بچائے اور جس نفس میں قناعت و سیری نہ ہوں ایسے حریص نفس سے خدا کی پناہ۔خیال رہے کہ تین نعمتیں کسی کسی کو ملتی ہیں: کفایت، قناعت، ریاضت جسے یہ تین نعمتیں مل گئیں وہ بادشاہوں سے زیادہ خوش نصیب ہے،اس جملہ میں تینوں نعمتیں مانگ لی گئی ہیں۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں سے یہ تھی الٰہی میں تیری پناہ لیتا ہوں تیری نعمت کے زائل ہو جانے سے اور تیری عافیت کے منقلب ہو جانے سے ۱؎ اور تیرے اچانک عتاب سے اور تیری تمام ناراضگیوں سے ۲؎ (مسلم)

۱؎ زوال وانقلاب میں فرق یہ ہے کہ نعمت کا چھن جانا زوال ہے اور نعمت کے عوض نقمت و مصیبت آجانا انقلاب۔نعمت سے مراد اسلام، ایمان، تندرستی، غناوغیرہ تمام دینی و دنیاوی نعمتیں ہیں،اللہ تعالٰی دے کر نہ لے وہ تو نہیں چھینتا ہم اپنی بدعملیوں سے زائل کردیتے ہیں"اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوۡمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوۡا مَا بِاَنۡفُسِہِمۡ"۔

۲؎ یعنی خدایا ہمیں ایسے کاموں سے بچا جو تیری ناراضی کا باعث ہیں۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے الٰہی میں تیری پناہ لیتا ہوں کیئے کی برائی سے اور نہ کیئے کی برائی سے ۱؎ (مسلم)

۱؎ یعنی جو برائیاں میں کرچکا ہوں ان کی شر سے بچالے کہ ان کی معافی دے دے اور جو برائیاں ابھی نہیں کی ہیں آئندہ کرنے والا ہوں ان کی شر سے بچالے کہ ان کے نہ کرنے کی توفیق دے یا جو مصیبتیں خود میرے کیئے سے آتی ہیں ان سے بچا اور جو ایک کے کرنے سے ساری قوم پر آتی ہیں نہ کرنے والے بھی رگڑے جاتے ہیں ان سے بچا،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَاتَّقُوۡا فِتۡنَۃً لَّا تُصِیۡبَنَّ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا مِنۡکُمۡ خَآصَّۃً"یا مجھے ناکردہ گناہوں کی مصیبت سے بچا کہ شبہ میں گرفتار بلا ہو جاؤں،اس جملہ کی اور بھی تفسیریں ہوسکتی ہیں۔

	روایت ہے ابن عباس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے تھے الٰہی میں تیرا مطیع ہوا تجھ پر ایمان لایا اور تجھ پر بھروسہ کیا ۱؎ اور تیری طرف رجوع کیا اور تیرے بھروسہ پر کفار سے جھگڑتا ہوں ۲؎ الٰہی میں تیری عزت کی پناہ لیتا ہوں، تیرے سوا کوئی معبود نہیں اس سے کہ تو مجھے گمراہ کرے ۳؎ تو وہ زندہ ہے جسے موت نہیں اور تمام جن وانسان مرجائیں گے ۴؎ (مسلم، بخاری)

۱؎ ظاہری اطاعت کو اسلام اور باطنی فرمانبرداری کو ایمان فرمایا گیا ہے یعنی الٰہی میرا ظاہر و باطن، قالب و قلب تیرا مطیع ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو حقیقت بیان فرمارہے ہیں، ہم گنہگار یہ دعا حضور کی نقل کرتے ہوئے پڑھیں ہمیں خود اپنا پتہ ہے کہ کتنے درجے سے مطیع ہیں خدا کرے اصل کی برکت نقل پر بھی آجائے۔

۲؎ یعنی خدایا میں اپنی قوت وطاقت یا فوج و ہتھیار کے بھروسہ پر جہاد نہیں کرتا صرف تیرے بھروسہ پر کرتا ہوں یہ توکل وہ قوت ہے جو کفار کے پاس نہیں صرف مسلمانوں کو حاصل ہے۔

۳؎ سبحان اللہ! کیا پیاری عرض ہے۔یعنی مولیٰ عزت والے آقا اپنے غلاموں کو ذلیل نہیں ہونے دیتے،تجھے اپنی عزت و غلبہ کا واسطہ کہ مجھے ذلت کے اسباب یعنی گمراہی وغیرہ سے بچالے۔

۴؎ اس جملہ میں مسلمان کا رد ہے جو مصیبتوں میں جنات کی پناہ لیتے تھے خصوصًا بحالت سفر جب کسی منزل پر ٹھہرتے یعنی فانی کی پناہ بھی فانی ہے باقی کی پناہ بھی باقی،تیری پناہ دنیاوآخرت ہر جگہ کام آئے گی۔خیال رہے کہ سردی گرمی میں لباس و مکان کی پناہ بیماری میں حکیم کی،مظلومیت میں حاکم کی،معصیت میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ اس دعا کے خلاف نہیں کہ یہ تمام چیزیں رب تعالٰی ہی کے مقرر کردہ اسباب ہیں،ان کی پناہ رب تعالٰی کی پناہ ہے۔مولانا جامی فرماتے ہیں۔شعر

یارسول اللہ بدرگاہت پناہ آوردہ ام ہمچو کاہے آمدم ہے گناہ آوردہ ام

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے الٰہی میں چار چیزوں سے تیری پناہ لیتا ہوں ۱؎ اس علم سے جو نفع نہ دے ۲؎ اس دل سے جس میں عجز نہ ہو ۳؎ اس نفس سے جو سیر نہ ہو ۴؎ اس دعا سے جو سنی نہ جائے ۵؎(احمد،ابوداؤد،ابن ماجہ)اور ترمذی نے اسے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے روایت کیا اور نسائی نے ان دونوں صاحبوں سے۔	

۱؎ ان چار کا ذکر حصر کے لیے نہیں بلکہ اظہار اہمیت کے لیے ہے یعنی تمام نقصان دہ چیزوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں،خصوصًا ان چاروں سے کہ ان کا نقصان بہت زیادہ ہے۔

۲؎ اس طرح کہ وہ علم ہی مضر ہو جیسے جادو وغیرہ کا علم یا غیر مفید ہو جیسے غیر ضروری علوم یا علم بذات خود تو مفید ہو مگر میں اس سے فائدہ نہ اٹھاؤں جیسے علم دین جو محض دنیا کمانے کے لیے سیکھا جائے لیکن اس پر عمل نہ کیا جائے۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ علم با عمل کل ہمارا گواہ ہوگا اور علم بے عمل ہمارا خلاف گواہ۔خیال رہے کہ کوئی علم بذاتِ خود برا نہیں بلکہ نتیجہ اور نیت کے لحاظ سے برا بن جاتا ہے،اگر کوئی علم بذات خود برا ہوتا تو پروردگار کو نہ ہوتا لہٰذا اس دعا سے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ حضور علیہ السلام کو بعض علوم نہ تھے۔سب سے بدتر چیزیں کفر اور جادو ہیں مگر علماء فرماتے ہیں کہ ان کا سیکھنا کبھی فرض ہے بچنے کے لیے۔

۳؎ عاجز دل زرخیز زمین کی طرح ہے جس میں پیداوار خوب ہوتی ہو اور سخت دل اس پتھریلے علاقہ کی طرح ہے جس میں بکھیرا ہوا بیج بیکار جاتا ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"فَوَیۡلٌ لِّلۡقٰسِیَۃِ قُلُوۡبُہُمۡ مِّنۡ ذِکۡرِ اللہِ"۔

۴؎ یعنی دنیا سے سیر نہ ہو جیسے استسقاء کی بیماری والا پانی سے سیر نہیں ہوتا،آخرت کی نیکیوں سے سیر نہ ہو نا خدا کی رحمت ہے۔شعر

حاجتے نیست مرا سیر ازیں آبِ حیات ضاعف اللہ علی کل زمان عطشی

ہمارے حضور ہمیں دینے سے سیر نہیں ہوتے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ"تو ہم ان سے لینے سے کیوں سیر ہوں۔

۵؎ یعنی بارگاہِ الٰہی میں قبول نہ ہو کیونکہ مردود دعا کبھی دعا کرنے والے کی مردودیت کی علامت ہوتی ہے۔خیال رہے کہ انبیائے کرام کی دعا کبھی رد نہیں ہوتی،ہاں کبھی انہیں دعا سے روک دیا جاتا ہے،دعا سے روکنا اور ہے اور رد کرنا کچھ اور۔

روایت ہے حضرت عمر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پانچ چیزوں سے پناہ مانگتے تھے،بزدلی سے،بخل سے،بری عمر سے ۱؎ سینوں کے فتنوں اور قبر کے عذاب سے ۲؎(ابوداؤد،نسائی)	

۱؎ قتال نہ کرسکنا بزدلی ہے اور مال خرچ نہ کرنا بخل اور بری عمر سے مراد بڑھاپے کی وہ حالت ہے جب اعضاء جواب دے جائیں اور انسان اپنے گھر والوں پر بوجھ بن جائے،اس کا ذکر پہلے ہوچکا ہے۔(لمعات)

۲؎ عقیدے،برے اخلاق،حسد،کینہ،وغیرہ سب سینوں کے فتنے ہیں۔عذاب قبر سے مراد وہ اعمال ہیں جو قبر کے عذاب کا باعث بنیں یا خود قبر کا عذاب،اس کی تحقیق پہلے ہوچکی ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہا کرتے تھے الٰہی میں تیری پناہ مانگتا ہوں فقیری اور کمی اور ذلت سے ۱؎ اور تیری پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ ستاؤں یا ستایا جاؤں ۲؎(ابوداؤد،نسائی)	

۱؎ فقیری سے مراد یا دل کی فقیری ہے یعنی قناعت نہ ہونا یا مال کی فقیری جو کفر یا گناہوں تک پہنچادے اور کمی سے مراد نیک اعمال اور اچھے اخلاق کی کمی یا مسلمانوں کی تعداد کی کمی ہے،ورنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مال واسباب کی زیادتی پسند نہ فرماتے تھے۔(مرقات)ذلت سے مراد لوگوں کی نگاہ میں حقارت ہے یا مالداروں کے سامنے عاجزی۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ فقر کے معنی ہیں پیٹھ توڑنے والی چیز،فقار پیٹھ کے جوڑ،یہ چار قسم کا ہے:(۱) ایک حاجتوں اور ضرورتوں کا پیش رہنا،یہ سارے انسانوں کو ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ"(۲)دوسرا ضروریات کا پورا نہ ہونا جس سے انسان زکوۃ لینے کے قابل ہوجاتا ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"لِلْفُقَرَآءِ الَّذِیْنَ اُحْصِرُوْا"یا فرماتا ہے:"اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ"۔(۳)تیسرے دل کی ہوس۔(۴)چوتھے رب کی طرف محتاجی۔حضور علیہ السلام نے تیسرے قسم کے فقر سے پناہ مانگی ہے اور چوتھے فقر میں یہ فرق ہے کہ پہلا اضطراری ہے اور چوتھا اختیاری جو انبیاء اور خاص اولیاء کو حاصل ہوتا ہے۔

۲؎ اس طرح کہ میں اپنے نفس پر ظلم کروں یا نفس مجھ پر یا میں دوسروں پر ظلم کروں دوسرے مجھ پر ظلم بمعنی حق مارنا۔

روایت ہے ان ہی سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہا کرتے تھے الٰہی میں تیری پناہ لیتا ہوں عداوت و منافقت اور بدخلقی سے ۱؎ (ابوداؤد،نسائی)	

۱؎ شقاق سے مراد ہے حق کی مخالفت یا حق والوں سے نفرت اور نفاق سے مراد نفاق اعتقادی و عملی دونوں ہیں۔بدخلقی سے مراد بری عادتیں ہیں جیسے زنا،چوری،حسد اور دوسروں سے ہمیشہ اکڑنا۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ زیادہ کھانا اور زیادہ سونا بھی بدخلقی ہے۔

روایت ہے انہی سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرض کرتے تھے	

	الٰہی میں بھوک سے تیری پناہ مانگتا ہوں کہ یہ بری بستر کی ساتھی ہے ۱؎ اور خیانت سے تیری پناہ مانگتا ہوں کہ یہ بدترین مشیر کار ہے ۲؎ (ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ)

۱؎ بھوک سے وہ بھوک مراد ہے جو عبادات سے روک دے،خیال پراگندہ کردے کہ اس سے انسان بہت سے گناہ کر بیٹھتا ہے،روزہ کی بھوک تو عبادت ہے۔خیال رہے کہ کبھی زیادتی بھوک میں حرام حلال ہوجاتا ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"فَمَنِ اضْطُرَّ فِیۡ مَخْمَصَةٍ"۔

۲؎ خیانت امانت کی ضد ہے۔خفیۃً کسی کا حق مارنا خیانت کہلاتا ہے خواہ اپنا حق مارے یا اللہ رسول کا یا اسلام کا یا کسی بندہ کا،رب تعالٰی فرماتا ہے:"لَا تَخُوۡنُوا اللہَ وَالرَّسُوۡلَ وَتَخُوۡنُوۡۤا اَمٰنٰتِکُمْ"۔بطانة،استر،ظھارہ،ابرہ،اب بطانہ وہ خفیہ بات جو پیٹ میں رکھی جائے پھر مشیر خاص کو جو اپنا صاحب اسرار ہو اور خلوت و جلوت میں ساتھ رہے بطانہ کہتے ہیں،رب تعالٰی فرماتا ہے:"لَا تَتَّخِذُوۡا بِطَانَةً مِّنۡ دُوۡنِکُمْ" یہاں یہ آخری معنی ہی مراد ہیں۔

	روایت ہے حضرت انس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ پڑھا کرتے تھے الٰہی میں تیری پناہ لیتا ہوں برص سے کوڑھ سے دیوانگی سے ۱؎ اور بری بیماریوں سے ۲؎(ابوداؤد،نسائی)

۱؎ برص یا تو جسم کے سفید داغ ہیں اور جسم میں سودا پھیل کر جو اعضاء کی اصل صورت بدل دے جس سے کبھی انگلیاں جھڑ جاتی ہیں،جسم پر پھوڑے پھیل جاتے ہیں یہ جذام ہے یعنی کوڑھ اور عقل کا جاتا رہنا یا بگڑ جانا جنون ہے،چونکہ برص و جذام میں تکلیف بھی ہے اور لوگوں کی نفرت بھی جن کی وجہ سے انسان بہت سی عبادات سے محروم ہوجاتا ہے اور عقل بگڑ جانے پر آدمی برے بھلے میں تمیز نہیں کرتا اس لیے ان بیماریوں سے پناہ مانگی۔

۲؎ جیسے استسقاء،سل،دق اور وہ لمبی بیماریاں جن میں انسان صبر نہیں کرسکتا،لوگوں پر بوجھ بن جاتا ہے،لوگ اس سے گھبرا کر اس کی موت کی دعائیں کرنے لگتے ہیں،بندہ ان کی وجہ سے حقوق اللہ و حقوق العباد ادا کرنے سے محروم ہوجاتا ہے۔اللہ تعالٰی چلتے ہاتھ پاؤں اٹھالے آمین۔خیال رہے کہ یہ دعا ہماری تعلیم کے لیے ہے ورنہ تمام انبیاء کرام حضور سید الانبیاء علیہم الصلوۃ والسلام ان امراض سے محفوظ ہیں۔بعض لوگ جذام کو متعدی بیماری سمجھتے ہیں یعنی اڑ کر لگنے والی،اس کی تحقیق ان شاءاللہ "لا عدویٰ" کی شرح میں ہوگی۔

	روایت ہے حضرت قطبہ ابن مالک سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے الٰہی میں تیری پناہ لیتا ہوں بری عادتوں سے برے کاموں سے اور بری خواہشوں سے ۱؎(ترمذی)

۱؎ برے اخلاق سے مراد باطنی و اندرونی اعمال ہیں جو خلاف شرع ہوں جیسے بدعقیدگی،حسد،کینہ وغیرہ اور برے اعمال سے وہ ظاہری اعمال ہیں جو خلاف شریعت ہیں جیسے زنا،چوری،جھوٹ،غیبت وغیرہ اور بری خواہشوں سے مراد برائیوں کی طرف دل کا میلان ہے۔ھویٰ کے لغوی معنی ہیں محبت،بری چیز سے ہو یا اچھی سے پہلی ھویٰ بری ہے دوسری اچھی مگر اس کا اکثر استعمال بری رغبتوں میں ہوتا ہے،رب تعالٰی فرماتا

ہے: "وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ"۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ اگر ھویٰ ھدیٰ سے مل جائے تو ایسی ہے جیسے شہد اور مکھن ملا ہوا کبھی برے عقیدوں کو بھی ھویٰ کہہ دیتے ہیں، رب تعالٰی فرماتا ہے: "اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـهَهٗ هَوٰىهُ"۔

	روایت ہے حضرت شبیر ابن شکل ابن حمید سے وہ اپنے والد سے راوی فرماتے ہیں میں نے عرض کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کوئی تعویذ سکھایئے جس سے میں تعویذ کیا کروں [1] فرمایا کہو الٰہی میں تیری پناہ لیتا ہوں اپنے کان اپنی آنکھ زبان دل اور منی کی شر سے [2] (ابوداؤد، ترمذی، نسائی)

[1] یعنی وہ دعائیہ کلمات سکھایئے جن کے ذریعہ برائیوں سے رب تعالٰی کی پناہ لوں، تعویذ اس کاغذ کے پرزے کو بھی کہتے ہیں جس میں قرآنی آیت یا دعائیں لکھ کر اپنے پاس رکھیں کہ اس سے مقصود بھی پناہ لینا ہے اس لفظ کا ماخذ یہ حدیث ہے۔

[2] بری چیز، گانے بجانے وغیرہ سننا کان کا شر ہیں، جھوٹ اور غیبت اور نقصان دہ یا بیکار باتیں کرنا زبان کا شر اور حسد، کینہ، برے عقیدے دل کا شر ہے اور زنا و اسباب زنا میں مبتلا ہونا منی کا شر ہیں۔ منی سے مراد وہ ہی مشہور چیز ہے جس کے خارج ہونے سے غسل واجب ہوتا ہے۔ بعض شارحین نے فرمایا کہ منی مَنِيَّةٌ کی جمع ہے بمعنی موت یا اُمْنِيَّةٌ کی جمع ہے یعنی آرزو وتمنا خدایا بری قسم کی موتوں سے تیری پناہ، یا دنیوی لمبی امیدوں سے تیری پناہ مگر پہلے معنے زیادہ قوی ہیں۔ (مرقات، واشعۃ اللمعات)

	روایت ہے حضرت ابوالیسر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا مانگا کرتے تھے الٰہی میں تیری پناہ لیتا ہوں عمارت گرنے سے اور تیری پناہ لیتا ہوں اوپر سے گر جانے اور ڈوب جانے جل جانے [1] اور بڑھاپے سے اور تیری پناہ لیتا ہوں اس سے کہ شیطان مجھے وسوسے دے موت کے وقت [2] اور تیری پناہ لیتا ہوں اس سے کہ تیری راہ میں پیٹھ پھیرتا مروں اور تیری پناہ لیتا ہوں اس سے کہ سانپ سے ڈسا ہوا مروں [3] (ابوداؤد، نسائی) اور دوسری روایت میں یہ زیادتی ہے کہ غم سے [4]

[1] اگرچہ یہ چاروں قسم کی موتیں شہادت ہیں مگر چونکہ ناگہانی آفتیں بھی ہیں جن میں انسان مبتلا ہو کر کبھی گھبرا کر ایمان کھو بیٹھتا ہے اور ان سے موت ناگہانی بھی ہے جن میں توبہ اور تیاری موت کی مہلت نہیں ملتی اس لیے ان سے پناہ مانگی جیسے جہاد عبادت ہے مگر حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم نے امن و عافیت کی دعائیں مانگی ہیں اور ہر بیماری میں اجر ہے مگر سرکار نے اس سے پناہ مانگی (از لمعات)

[2] بڑھاپے سے مراد برابر بڑھاپا ہے جس میں مت کٹ جاتی ہے۔ خبط سے مراد ہے دیوانگی یا بے عقلی، شیطان کا زیادہ زور موت کے وقت ہوتا ہے کیونکہ اسی پر اعمال کا مدار ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شیطان دیوانگی اور بیماریاں انسان میں پیدا کر سکتا ہے۔ رب تعالٰی فرماتا ہے: "يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ" لہٰذا حضرات انبیاء کرام و اولیاء اللہ باذن پروردگار شفا بھی دے سکتے ہیں۔

۳؎ یہ دعا بھی تعلیم امت کے لیے ہے ورنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جہاد میں پیٹھ پھیرنے اور وفات کے وقت شیطان کی مس سے محفوظ ہیں۔لدیغ ہر زہریلے جانور کے کاٹے ہوئے کو کہتے ہیں بچھو ہو یا سانپ۔خیال رہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موت سے پناہ مانگی ہے لہذا وہ واقعہ اس دعا کے خلاف نہیں جو طبرانی نے سیدنا علی مرتضٰی سے نقل کیا کہ ایک بار حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو بچھو نے کاٹ لیا تو آپ نے اس پر پانی اور نمک لگایا اور سورۂ کافرون،فلق وناس دم کی۔(مرقات)

۴؎ غم سے مراد وہ دنیوی سخت تکلیف ہے جو فکرِ آخرت سے روک دے۔

	روایت ہے حضرت معاذ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا اللہ کی پناہ مانگو اس طمع سے جو مہر لگ جانے تک پہنچادے ۱؎ (احمد،بیہقی دعوات الکبیر)

۱؎ طمع کے لفظی معنے ہیں لوگوں سے مال کی امید رکھنا اور طبع لوہے کی وہ زنگ ہے جو اسے مٹی بنادے (اشعہ) مگر یہاں طمع سے مراد نفس کا اپنی خواہشات میں محو ہو جانا ہے اور طبع سے مراد وہ عیب ہیں جو زائل نہ ہو سکیں یعنی خدایا مجھے اس دنیوی حرص سے بچالے جو حریص کو ذلیل کردیتی ہے اور اسے ذلت کا احساس بھی نہیں ہوتا،طبع مہر لگانے کو بھی کہتے ہیں،رب تعالٰی فرماتا ہے: "بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا" ظاہری گناہ کبھی دل پر مہر لگ جانے کا باعث بن جاتے ہیں خصوصًا حرص دنیا،مہر لگنے سے انسان برے بھلے میں تمیز نہیں کرتا۔حرص کا انجام یہ ہی ہے کہ حریص اچھا برا،حلال حرام ہر طرح کا مال رگڑ جاتا ہے،یہ شخص کتے سے بدتر ہے کہ کتا سونگھ کر چیز میں منہ ڈالتا ہے مگر یہ بغیر سوچے ہی۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چاند دیکھا ۱؎ تو فرمایا اے عائشہ اس کی شر سے اللہ کی پناہ مانگو ۲؎ یہ ہی وہ غائب ہو جانے والا ہے گرہن لگتے وقت ۳؎ (ترمذی)

۱؎ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ تیسری تاریخ کے بعد کے چاند کو قمر کہتے ہیں،اس سے پہلے ہلال کہلاتا ہے۔

۲؎ ظاہر یہ ہے کہ ھذا سے اشارہ چاند ہی کی طرف ہے نہ کہ رات کی طرف جیسا کہ بعض شارحین کا خیال ہے۔

۳؎ اس فرمان میں اشارہ اس آیت کریمہ کی طرف ہے "مِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ" آیت کریمہ میں غاسق اور وقب کی بہت سی تفسیریں کی گئی ہیں،غاسق رات تاریک اور وقب شفق غائب ہونا،چونکہ بہت سے گناہ چوریاں،قتل،زنا اندھیری رات میں ہی ہوتے ہیں اس لیے اس سے پناہ مانگی گئی۔غاسق چاند،کیونکہ یہ بھی سب میں چھپ کر اندھیرا پھیلادیتا ہے اور وقب گرہن لگنا،چونکہ چاند گرہن بہت ہیبت ناک چیز ہے اور اس وقت اکثر جادو ٹونے ہوتے ہیں اس لیے اس سے پناہ مانگی،یہ حدیث پاک اسی معنی کی طرف اشارہ کررہی ہے۔غاسق اور وقب کی اور بہت تفسیریں ہیں جو طوالت کے خوف سے چھوڑ دی گئیں۔معلوم ہوتا ہے کہ بعض اوقات منحوس ہوتے ہیں،بعض سعید،رب تعالٰی فرماتا ہے:"فِیْ یَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ" حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت و معراج کی ساعتیں بڑی سعید و مبارک ہیں۔منحوس ساعتوں سے پناہ مانگو اور مبارک ساعتوں سے برکت لو۔

	روایت ہے حضرت عمران ابن حصین سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے والد سے اے حصین تم آج کل کتنے معبودوں کو پوجتے ہو میرے والد بولے سات چھ زمین کے ۲؎ اور ایک آسمان کا تو فرمایا کہ ان میں سے خوف و امید کس سے رکھتے ہو بولے اس آسمان والے سے ۳؎ فرمایا اے حصین اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو میں تمہیں دو دعائیں ایسی سکھاؤں جو تمہیں بہت فائدہ دیں ۴؎ فرماتے ہیں جب حصین مسلمان ہو گئے تو عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے وہ دعائیں سکھایئے جس کا آپ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا ۵؎ فرمایا یہ پڑھا کرو الٰہی مجھے میری ہدایت کا الہام کر اور مجھے میرے نفس کی شرارت سے پناہ دے ۶؎ (ترمذی)	

۱؎ آپ کا نام عمران، کنیت ابوالخیر ہے، خزاعی کعبی ہیں، خیبر کے سال اپنے والد حصین کے ساتھ ایمان لائے، عہدِ فاروقی میں بصرے بھیجے گئے، پھر وہاں رہ گئے، بصرے ہی میں ۵۲ھ میں وفات ہوئی۔ابن سیرین فرماتے ہیں کہ عمران جیسا پرہیزگار و افضل کوئی بصرہ میں نہ تھا،آپ کو فرشتے سلام کرتے تھے۔(کتاب الکاشف مولانا عبدالحق،از حاشیہ اکمال)

۲؎ یعنی لات،منات،یغوث،یعوق،نسر،عزےٰ ان تمام کا ذکر قرآن شریف میں ہے یہ تمام بت عورتوں کے نام پر تھے مگر چونکہ ان میں اللہ تعالٰی کو ساتواں معبود کہا گیا تو مؤنث نہیں ہے اس لیے سبعۃ ت سے کہا جو مذکر کے لیے بولا جاتا ہے۔

۳؎ یعنی مصیبت میں فریاد،حاجت میں داد اس رب سے چاہتے ہیں جو آسمان والا ہے یعنی اللہ تعالٰی سے باقی یہ چھ تو اعزازی ٹمپریری (Temporary) ہیں۔ان کا عقیدہ یہ تھا کہ اللہ تعالٰی آسمان میں رہتا ہے،چونکہ ابھی یہ کافر تھے اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی کسی بات کی تردید نہ فرمائی لہذا اس خاموشی سے یہ لازم نہیں کہ اسلام کا بھی یہ عقیدہ ہے۔

۴؎ سبحان اللہ! کیسی نفیس تبلیغ ہے کسی کو لالچ دے کر کسی کو ڈرا کر،کسی کو اپنا دیوانہ بنا کر دعوت اسلام دی،حضرت بلال کو کیا دے کر بلایا،اپنا عشق دے کر اپنا شوق دے کر،یوں کہو سب کچھ دے کر ان کا سب کچھ دکھ و درد دور کر دیا۔

۵؎ یعنی حضرت حصین اس وقت تو ایمان نہ لائے مگر تیر نظر کے گھائل ہو چکے تھے اس گھاؤ نے اپنا کام کر دیا،کچھ عرصہ بعد ایمان لائے تو یہ وعدہ یاد دلایا۔جھاگ لگانے کے کچھ دیر بعد دہی جمتا ہے۔

۶؎ ہر شخص کی خاص ہدایت جداگانہ ہے جو رب تعالٰی نے اس کے نصیب میں رکھی ہے،کسی کو صرف ایمان کی ہدایت،کسی کو تقویٰ کی،کسی کو عرفان کی،کسی کو عشق رحمان کی۔مقصد یہ ہے کہ مولٰی میں ایمان تو لے آیا،اب میرے نصیب میں جو مخصوص ہدایت تو نے کی ہے وہ عطا فرما اور میرا نفس شرارتوں کی جڑ ہے اس کی شر سے مجھے بچا لہذا حدیث پر اعتراض نہیں کہ حضرت حصین ہدایت تو پا چکے تھے پھر ہدایت کیوں مانگی۔ہدایت کی تحقیق اس کے اقسام ہماری تفسیر نعیمی میں "اِهۡدِنَا الصِّرٰطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ" کی شرح میں ملاحظہ فرمایئے۔خیال رہے کہ شیطان کی شرارت سے نفس کی شرارت زیادہ ہے کہ شیطان تو لاحول وغیرہ سے بھاگ جاتا ہے،یہ مار آستین کسی عمل سے قبضہ میں نہیں آتا ہے،صرف رب تعالٰی کے فضل سے آتا ہے۔

روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا	

سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی اپنی خواب سے گھبرا جائے ۱؎ تو کہہ لے میں اللہ کے پورے کلمات کی پناہ لیتا ہوں ۲؎ اس کی ناراضی، اس کے عذاب سے اور اس کے بندوں کی شر اور شیطانوں کے وسوسوں سے ۳؎ اور ان کی حاضری سے تو تمہیں کچھ نقصان نہ پہنچے گا ۴؎ عبداللہ ابن عمرو اپنی بالغ اولاد کو یہ سکھادیتے تھے اور ان میں سے نابالغوں کے گلے میں کسی کاغذ پر لکھ کر ڈال دیتے تھے ۵؎ (ابوداؤد، ترمذی) اور ترمذی کے یہ لفظ ہیں۔	

۱؎ یا سوتے میں برا خواب دیکھ کر گھبرائے یا سوتے وقت برے خواب کے خطرے سے گھبرائے پہلی صورت میں تو اس برے خواب کا ظہور نہ ہوگا، دوسری صورت میں یہ شخص بدخوابی سے بچے گا۔

۲؎ پورے کلمات کی شرح گزر چکی کہ اس سے مراد اسماء الٰہیہ ہیں یا آیات قرآنیہ یا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کہ آپ کلمات اللہ ہیں جیسے موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام کلمۃ اللہ۔

۳؎ عقاب سے مراد عذاب یا حجاب ہے اور بندوں کی شر سے مراد ظلم، گناہ وغیرہ اور شیطان کے وسوسوں سے مراد فتنے اور برے عقیدے ہیں، بہت ہی جامع و مکمل دعا ہے۔

۴؎ اس کا مطلب وہ ہی ہے جو ابھی عرض کیا گیا کہ اگر سونے سے پہلے یہ دعا پڑھ لی گئی تو بدخوابی سے حفاظت ہوگی اور اگر برا خواب دیکھ کر پڑھی تو وہ خواب باطل ہو جائے گا ان شاء اللہ اس کا ظہور نہ ہوگا، یعنی حضرت عمرو ابن شعیب کے دادا حضرت عبداللہ بن عمر ابن العاص سمجھ دار بچوں کو تو یہ دعا یاد کرادیتے تھے تاکہ وہ خود پڑھ لیا کریں اور ناسمجھ بچے جو نہ یاد کر سکیں ان کے گلے میں اس دعا کا تعویذ بنا کر ڈال دیتے تھے، یہاں بالغ سے مراد سمجھ دار ہے۔ اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ آیات قرآنیہ اسمائے الٰہیہ اور دعوات ماثورہ کا جو فائدہ پڑھنے سے ہوتا ہے وہ ہی فائدہ بفضلہٖ تعالٰی لکھ کر ساتھ رکھنے سے ہوتا ہے لُو کے زمانے میں لوگ اپنے ساتھ پیاز رکھتے ہیں تو لُو سے محفوظ رہتے ہیں جب پیاز لُو سے بچاسکتی ہے کہ اسماء الٰہیہ پاس رکھنے سے آفات سے بچاؤ ہو سکتا ہے۔ دوسرے یہ کہ تعویذ لکھنا ہاتھ یا گلے میں باندھنا سنتِ صحابہ ہے۔ جن تعویذ گنڈوں سے منع کیا ہے وہ کفار کے جنتر منتر کے تعویذ ہیں جن میں شرکیہ الفاظ ہوں۔ تیسرے یہ کہ دعاؤں کے الفاظ بھی نافع ہیں اور ان کے نقوش بھی، بلکہ وہ کاغذ بھی جن پر یہ نقوش لکھے جائیں، بعض دعائیں لکھ کر دھو کر ان کا پانی پلایا جاتا ہے ان کی اصل بھی یہ حدیث بن سکتی ہے۔ اس پانی اور اس کاغذ کو اللہ کے نام سے نسبت ہو گئی تو شفا بن گئے، حضرت جبریل کی گھوڑی کی ٹاپ کی خاک نے سونے کے بچھڑے میں جان ڈال دی، ایوب علیہ السلام کے پاؤں کا دھون شفا تھا۔ (قرآن حکیم) آبِ زمزم شفا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ الصلوۃ والسلام کی ایڑی سے جاری ہوا۔ (حدیث پاک)

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو اللہ سے تین بار جنت مانگے تو جنت کہتی ہے الٰہی اسے جنت میں داخل فرمادے اور جو تین بار آگ سے پناہ مانگے تو آگ کہتی ہے الٰہی اسے آگ سے امان دے دے ۱؎ (ترمذی، نسائی)	

۱؎ یعنی جو روزانہ صبح و شام یا دن میں ایک بار یا عمر میں ایک بار تین دفعہ یہ کہے "اَللّٰهُمَّ اَدْخِلْنِی الْجَنَّةَ" اور تین دفعہ یہ کہہ لے "اَللّٰهُمَّ اَجِرْنِیْ مِنَ النَّارِ" تو خود جنت اس کے لیے داخلہ کی دعا کرے گی اور خود دوزخ اپنے سے پناہ کی بارگاہ الٰہی میں عرض کرے گی۔ حق یہ ہے کہ حدیث

اپنے ظاہر پر ہے کسی تاویل کی ضرورت نہیں،جنت کے در و دیوار،برگ و بار،وہاں کے حور و غلمان و فرشتے سبھی اس لیے دعا کرتے ہیں،قرآن کریم فرماتا ہے:"وَ تَقُوۡلُ ھَلۡ مِنۡ مَّزِیۡدٍ"آگ کہے گی اے خدا مجھے اور زائد کردے اور فرماتا ہے:"وَ اِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمۡدِہٖ"ہر چیز رب تعالٰی کی تسبیح و تحمید کرتی ہے،حضور علیہ السلام سے پتھروں،لکڑیوں نے کلام کیا لہذا نہ تو یہ کہنے کی ضرورت ہے کہ جنت بزبان حال کہتی ہے اور نہ یہ کہ وہاں کے حور و غلمان وملائکہ کہتے ہیں۔(لمعات و مرقات)

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت قعقاع سے کہ جناب کعب احبار فرماتے ہیں[1] کہ اگر میں تین کلمات نہ کہہ لیتا ہوتا تو یہود تو مجھے گدھا بنادیتے[2] ان سے عرض کیا گیا وہ کیا ہیں فرمایا پناہ لیتا ہوں میں اللہ کی عظمت والی ذات کی جس سے بڑی کوئی چیز نہیں[3] اور اللہ کے پورے کلموں کی جن سے کوئی نیک کار و بدکار آگے نہیں بڑھ سکتا اور اللہ کے اچھے ناموں کی جو مجھے معلوم ہیں اور معلوم نہیں ان تمام کی شر سے جنہیں رب نے پیدا کیا پھیلایا اور ٹھیک کیا[4](مالک)

[1] قعقاع تابعی ہیں،کعب احبار یہود کے بڑے عالم تھے،انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا مگر ملاقات نہ کرسکے،زمانہ فاروقی میں ایمان لائے لہذا دونوں حضرات تابعی ہیں۔

[2] یعنی میرا اسلام یہود پر اتنا گراں ہے اور وہ میرے ایسے دشمن ہوگئے ہیں کہ اگر میرے پاس یہ عمل نہ ہوتا تو جادوگر یہودی اپنے جادو کے زور سے میری شکل یا میری عقل گدھے کی سی کردیتے۔خیال رہے کہ جادو سے عقل بھی خراب کی جاسکتی ہے اور اگر جادو قوی ہو تو شکل بھی بدل جاتی ہے،فرعون کے جادوگروں نے رسّوں اور بلّوں کو سانپ بنادیا تھا مگر حقیقت تبدیل نہیں ہوتی،بعض شعبدہ باز مٹی کو روپیہ بنادیتے ہیں مگر پھر پیسہ پیسہ لوگوں سے مانگتے ہیں اور معجزہ میں حقیقت تبدیل ہوجاتی ہے عصائے موسوی واقع میں سانپ بن جاتا تھا اس کی پوری بحث ہماری تفسیر نعیمی میں دیکھو۔(از مرقات ولمعات)

[3] یعنی میں اللہ کی ذات اور اس کے ان کلموں کی پناہ لیتا ہوں کہ جسے ان کی حفاظت نصیب ہوجائے وہ ہر برے بھلے کے شر سے بچ جائے ان کے حصار کو نہ توڑ سکے۔برے سے مراد شیاطین ہیں اور بھلے سے مراد انسان کہ یہ بذات خود تو بھلا ہے مگر اس میں کبھی شر پیدا ہوجاتی ہے،کلمات اللہ کے معنے بارہا بیان کیے جاچکے۔

[4] اس دعا میں اللہ تعالٰی کی ذات اور اللہ کے کلمات یعنی آیاتِ قرآنیہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ تعالٰی کے ناموں کی پناہ لی گئی ہے۔معلوم ہوا کہ ماسوی اللہ کی پناہ لینا جائز ہے،خَلَقَ،ذَرَءَ اور بَرَءَ تینوں قریب المعنے ہیں،عدم سے وجود بخشنا خلق ہے،موجودات کو عالم میں پھیلانا ذَرَءَ اور ہر چیز کو اس کے حال کے مطابق صورت و سیرت بخشنا بَرَءَ۔(اشعہ)

	روایت ہے حضرت مسلم ابن ابوبکرہ سے فرماتے ہیں کہ میرے والد ہر

	نماز کے بعد یہ پڑھا کرتے تھے الٰہی میں تیری پناہ لیتا ہوں کفر،فقیری اور قبر کے عذاب سے تو میں بھی پڑھنے لگا۱؎ آپ نے فرمایا اے میرے بچے تو نے یہ دعا کس سے لی میں نے کہا آپ سے ۲؎ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد یہ کلمات پڑھا کرتے تھے ۳؎ (ترمذی،نسائی) لیکن نسائی نے نماز کے بعد کا ذکر نہ کیا اور احمد نے اس حدیث کے الفاظ روایت کیے اور ان کے نزدیک ہر نماز کے پیچھے ہے۔

۱؎ نماز کے بعد سے مراد ہے سلام پھیرنے کے بعد،کفر سے ہر قسم کا کفر مراد ہے اور فقر سے فقیری کے فتنے یا کفران نعمت یعنی دل کا فقر مراد ہے۔عذابِ قبر سے وہ اعمال مراد ہیں جو عذابِ قبر کا باعث ہوں۔اس سے معلوم ہوا کہ بچوں کے سامنے تلاوت قرآن اور دعاؤں کا ورد چاہیے تاکہ وہ اچھی باتیں سیکھیں،اب تو مسلمان بچوں کو گانا بجانا سکھاتے ہیں۔

۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ دعائے ماثورہ جو بزرگوں سے منقول ہو اس دعا سے بہتر ہے جو ہم خود بنائیں کیونکہ اس میں الفاظ اور زبان دونوں کی تاثیریں جمع ہوتی ہیں۔

۳؎ یعنی میں بھی اس دعا کا موجد نہیں ہوں بلکہ حضور علیہ السلام کا ناقل ہوں۔اس حدیث کی بنا پر صوفیاء فرماتے ہیں کہ قرآن وحدیث کی دعائیں محض سن کر پڑھنا بھی مفید ہیں اگر کسی عامل کی اجازت بھی مل جائے تو بہت اچھا۔

	روایت ہے حضرت ابو سعید سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سنا میں اللہ کی پناہ لیتا ہوں کفر اور قرض سے ۱؎ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ کیا آپ کفر کو قرض کے برابر سمجھتے ہیں فرمایا ہاں ۲؎ اور ایک روایت میں ہے الٰہی میں تیری پناہ لیتا ہوں کفر اور فقیری سے ایک شخص بولا کیا یہ دونوں برابر ہیں فرمایا ہاں ۳؎ (نسائی)

۱؎ قرض سے وہ قرض مراد ہے جو مقروض پر غالب آجائے جسے مقروض ادا نہ کرسکے اور اس کی وجہ سے وہ ذلیل اور رسواء ہو،لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں ہوسکتا کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے قرض تو لیا ہے کیونکہ جس قرض سے پناہ مانگی ہے وہ اور قرض ہے اور جو لیا وہ اور ہے۔بعض علماء فرماتے ہیں کہ ضرورۃً خصوصًا نکاح دوسری دینی ضرورتوں کے لیے قرض لینا سنت ہے جب کہ ادا کی پوری نیت ہو،نکاح کے قرض سے مراد بھاری جہیز یا حرام رسموں کے لیے قرض نہیں،یہ تو فضول خرچی ہے بلکہ وہ ضروری خرچ مراد ہیں جو حدیث شریف سے ثابت ہیں۔

۲؎ کیونکہ مجبور مقروض اکثر جھوٹے وعدے کرتا ہے،جھوٹے وعدے منافق کی علامت ہیں،نیز کافر کا مسلمان مقروض کبھی قرض کے دباؤ میں اسلام چھوڑ دیتا ہے جیسا کہ ضلع متھرا اور ضلع آگرہ کے ملکھانہ راجپوتوں میں دیکھا گیا،شُدّھی کا فتنہ زیادہ تر قرض سے پھیلا۔

۳؎ کیونکہ فقیر بے صبرے عمومًا چوری،جھوٹی گواہی دے کر گناہ تو کیا ہی کرتے ہیں مگر کبھی رب تعالٰی کی ایسی شکایتیں کر ڈالتے ہیں جو صریح کفر ہوتی ہیں،یہاں وہ ہی فقر مراد ہے جس کے ساتھ بے صبری ہو،**الفقر فخری** والا فقر کچھ اور ہے۔

باب جامع الدعاء

جامع دعائیں۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ گزشتہ بابوں میں خاص اوقات یا خاص مقاصد کی دعائیں مذکور ہوئیں،اس باب میں وہ دعائیں بیان ہوں گی جو کسی وقت اور کسی حالت و مقصد سے خاص ہیں جن کے الفاظ تھوڑے، معنے و مقصد بہت زیادہ ہیں۔(اشعہ و مرقات)

روایت ہے حضرت ابوموسیٰ اشعری سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ آپ یہ دعا مانگا کرتے تھے۔الٰہی میری خطائیں،میری نادانی اور میرے ہر کام میں حد سے بڑھ جانے کو بخش دے ۱؎ اور جو کچھ تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے اسے بخش دے ۲؎ الٰہی میری دانستہ اور نادانستہ اور ساری خطائیں اور برے ارادے جو میرے پاس ہیں ۳؎ بخش دے الٰہی وہ بخش دے جو میں نے آگے کیے اور جو پیچھے کیے جو چھپ کر کیے ۴؎ اور جو تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے ۵؎ تو ہی آگے بڑھانے والا ہے تو ہی پیچھے کردینے والا ہے اور تو ہر چیز پر قادر ہے ۶؎ (مسلم،بخاری) ۷؎	

۱؎ خطا سے مراد مطلقًا گناہ ہیں اور جہل سے مراد ان چیزوں سے ناواقفیت جن سے واقف ہو نا فرض تھا یا وہ بدعملیاں ہیں جو دینی احکام سے ناواقفیت کی وجہ سے سرزد ہوجائیں۔اسراف سے مراد مطلقًا زیادتی ہے یعنی بندگی کی حدود توڑ دینا،اسراف خطاء سے زیادہ عام ہے۔

۲؎ یعنی میرے سارے وہ گنا جو مجھے یاد بھی نہ رہے یا وہ گناہ جنہیں میں نیکی سمجھ کر بیٹھا مگر واقع میں وہ گناہ تھے وہ بھی بخش دے۔

۳؎ یعنی میرے سارے وہ گناہ جو ابھی تک بخشے نہ گئے بلکہ میرے پاس یعنی میرے نامہ اعمال میں موجود ہیں وہ بخش دے۔ خیال رہے کہ میرے ارادے بھی گناہ ہیں ہاں میرے خیالات جو غیر اختیاری طور پر دل میں آجائیں وہ معاف ہیں لہذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ جب میرے ارادے گناہ ہی نہیں تو ان سے معافی مانگنے کے کیا معنے۔

۴؎ یعنی پرانے اور نئے گناہ یوں ہی علانیہ اور خفیہ گناہ بخش دے،علانیہ خفیہ سے زیادہ برے ہیں کیونکہ گناہ کا اظہار بھی تو گناہ ہے۔

۵؎ میرے وہ گناہ بھی بخش دے جو میرے خیال میں تو معمولی و صغیرہ ہیں مگر تیرے علم میں بڑے ہیں اور کبیرہ ہیں۔خیال رہے کہ گناہ صغیرہ ہمیشہ کرنے سے کبیرہ بن جاتا ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَلَمۡ یُصِرُّوۡا عَلٰی مَا فَعَلُوۡا"اور کبھی بندے کے منہ سے ایک معمولی سی بات نکل جاتی ہے جسے بندہ محسوس بھی نہیں کرتا مگر رب تعالٰی کے نزدیک بندہ اس سے دوزخی بن جاتا ہے۔اس قسم کی تمام دعائیں ہماری تعلیم کے لیے ہیں ورنہ حضرات انبیاء بعد نبوت تو ہر گناہ صغیرہ یا کبیرہ سے معصوم ہیں اور قبل نبوت گناہ کبیرہ سے اور ان صغیرہ گناہوں سے معصوم ہیں جو نفرت کا باعث ہوں اور ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو نبوت سے پہلے یا بعد کبھی کسی گناہ کا ارادہ بھی نہ کیا چہ جائیکہ گناہ

کرنا۔اس عظمت انبیاء کی نفیس تحقیق ہماری کتاب "قہر کبریا بر منکرین عصمت انبیاء "میں ملاحظہ کیجئے اور یہاں مرقات نے بھی اس پر کچھ بحث کی ہے، تفسیرات احمدیہ اور شرح فقہ اکبر میں اس مسئلہ پر مکمل بحث کی۔

۶؎ یعنی تو جسے چاہے توفیق خیر دے کر آگے بڑھادے کہ اس کے درجے بلند کردے اور جسے چاہے توفیق نہ دے،جس سے وہ اپنی بدعملیوں کے باعث دوزخ میں پہنچ جائے لہذا اس پر یہ اعتراض نہیں کہ جب رب تعالٰی نے ہمیں پیچھے کردیا تو ہمارا کیا قصور ہے کیونکہ ہمارا پیچھے ہٹ جانا اپنی بدعملی سے ہے۔

۷؎ یہ حدیث ابوداؤد،ترمذی اور نسائی نے بھی مختلف طریقوں سے نقل فرمائی۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا مانگتے تھے الٰہی میرا دین ٹھیک فرما جو میرے کام کی حفاظت ہے۱؎ اور میری دنیا درست کردے جس میں میری زندگی ہے ۲؎ اور میری آخرت درست فرمادے جہاں مجھے لوٹنا ہے ۳؎ اور میری زندگی کو ہر بھلائی میں زیادتی بنا۴؎ اور میری موت کو ہر تکلیف سے راحت قرار دے ۵؎ (مسلم)	

۱؎ یعنی دینداری ہی وہ صفت ہے جو میرے نفس،مال،عزت وآبرو کی اصلاح کرتی ہے تو میرے دین کو درست رکھ،ہر چیز کی درستی دین سے ہے اور دین کی درستی تیرے فضل سے،عقائد اخلاق کی درستی،دل کی سیاہی دور ہونا سب دین میں داخل ہے،جسے یہ نعمت مل گئی اسے سب کچھ مل گیا۔(لمعات)

۲؎ دنیا سے مراد صحت تندرستی اور روزی ہے،حلال روزی جو اطاعت الٰہی پر مدد دے رب تعالٰی کی نعمت ہے اور حرام روزی جس سے انسان میں سرکشی اور غفلت وغیرہ پیدا ہوتی ہے اللہ کا عذاب یعنی مجھے وہ تندرستی ومال دے جو تیری اطاعت میں صَرف ہو۔

۳؎ آخرت سے مراد قبر وحشر اور بعد حشر ابدالآباد تک کی زندگی ہے،چونکہ ہم اس عالم سے دنیا میں آئے ہیں اس لیے وہاں جانے کو لوٹنا فرمایا گیا۔

۴؎ یعنی میری زندگی کی ہر گھڑی نیکیوں کی زیادتی کا ذریعہ ہو کہ ہر ساعت نیکیاں کرتا رہوں جس سے میرا نیک نامہ اعمال پُر ہوتا رہے۔سبحان اللہ!رب تعالٰی ایسی زندگی نصیب کرے۔سوتے وقت انسان دن بھر کا حساب لگایا کرے کہ آج میں نے کتنے گناہ کیے اور کتنی نیکیاں،گناہوں سے توبہ کرکے نیکیوں پر شکر کرکے سوئے۔

۵؎ اس طرح کہ میری موت ایمان پر توبہ پر ہو تاکہ بعد موت میں دنیا کی مشقتوں سے تو چھوٹ جاؤں اور قبر وحشر میں مصیبت نہ دیکھوں بلکہ راحت دیکھو۔خیال رہے کہ پرہیزگار مرکر دنیا کی مصیبتوں سے چھوٹ جاتا ہے اور لوگ اسے روتے ہیں،وہ رب تعالٰی کی رحمت دیکھ کر ہنستا ہے اور بدکار مرکر اور زیادہ مصیبتوں میں پھنس جاتا ہے،لوگ اس سے راحت پاجاتے ہیں وہ وہاں روتا ہے اور لوگ اس کی موت پر خوشیاں مناتے ہیں،اعلٰی حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا۔

واسطہ محبوب کا دنیا میں جو سنی مرے ۔۔۔ یوں نہ فرمائیں تیرے شاہد کہ وہ فاجر گیا
عرش پر دھومیں مچیں وہ بندہ صالح ملا ۔۔۔ فرش پر ماتم اُٹھے وہ طیب وطاہر گیا

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و	

	سلم سے راوی کہ آپ کہا کرتے تھے الٰہی میں تجھ سے ہدایت، تقویٰ، پاکدامنی اور تونگری مانگتا ہوا(مسلم)

اہدایت سے مراد اچھے عقائد ہیں، تقویٰ سے مراد اچھے اعمال، پاکدامن سے مراد برائیوں سے بچنا ہے اور تونگری سے مراد مخلوق کا محتاج نہ ہونا اللہ رسول کا حاجتمند رہنا ہے اس میں دین و دنیا کی تمام بھلائیاں مانگ لی گئیں۔

	روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے علی کہو الٰہی مجھے ہدایت دے مجھے ٹھیک رکھا اور ہدایت سے راستہ کی ہدایت کا خیال کرنا اور درستی سے تیر جیسی درستی مراد لینا۲(مسلم)

ادنیا میں انسان سوار کی طرح ہے، مسافر کی سواری کتنی ہی اچھی ہو لیکن اگر اسے راستہ صحیح نہ ملے یا صحیح راستہ تو ملے مگر اس پر صحیح چل نہ سکے، تو کبھی منزل تک نہیں پہنچ سکتا۔اس دعا کا مقصد یہ ہے کہ مولیٰ مجھے اپنے تک پہنچنے والا راستہ بھی دکھا اور دکھا کر اس پر چلنے کی توفیق بھی نصیب کرے۔

۲یعنی جب یہ دعا مانگو تو ہدایت سے راہ الٰہی مراد لو جس پر چلنے سے رب تعالٰی تک پہنچا جاسکے اور درستی و سیدھائی سے کامل درستی اور پورا سیدھا پن مراد لو، تیر کی تشبیہ سے یہ ہی مراد ہے اس جملہ کی اور شرحیں بھی کی گئی ہیں مگر یہ شرح بہت قوی ہے۔

	روایت ہے حضرت ابو مالک اشجعی سے وہ اپنے والد سے راوی فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص اسلام لاتا ہے تو اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم نماز سکھاتے اپھر اسے حکم دیتے کہ ان کلمات سے دعا مانگا کرے الٰہی مجھے بخش دے مجھ پر رحم کر مجھے ہدایت دے مجھے عافیت دے مجھے روزی دے ۲ مسلم

امعلوم ہوا کہ مسلمان ہوتے ہی نماز فرض ہو جاتی ہے، جب تک کہ قرآن شریف و دیگر ارکان یاد نہ ہوں وہ جماعت سے ادا کرتا رہے اور بہت جلد خود یاد کرے یہاں نماز سے مراد ترتیب وار نماز کے مسائل ہیں۔

۲ ہدایت سے مراد یا تو ملی ہوئی ہدایت پر قائم رکھنا ہے یا ایمان کی ہدایت کے بعد نیک اعمال کی ہدایت مانگنا ہے، عافیت سے مراد دینی و دنیاوی امان ہے، رزق سے مراد حلال روزی ہے۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیادہ دعا یہ تھی ا الٰہی ہم کو دنیا میں بھلائی دے ۲ اور آخرت میں بھلائی دے اور ہمیں آگ سے بچالے (مسلم، بخاری) ۳

اکہ آپ نماز کے اندر اور دعا بعد نماز میں اور اس کے علاوہ اکثر حالات میں یہ دعا مانگا کرتے تھے۔

۲ یہ دعا بہت ہی جامع ہے جس میں دین و دنیا کی ساری نعمتیں مانگی گئی ہیں، رب تعالٰی نے قرآن کریم میں بھی یہ دعا سکھا کر اس کے مانگنے والوں کے متعلق فرمایا: "اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا "الایہ۔قرآن شریف میں اس دعا اور استغفار کے بڑے فوائد بیان

فرمائے۔ مطلب یہ ہے کہ اے ہمارے پالنے والے ہم کو موت سے پہلے والی تمام نعمتیں عطا فرما جیسے صحت، روزی، نیکیوں کی توفیق، دین پر استقامت، حسنِ خاتمہ، علم و عمل وغیرہ اور آخرت کی تمام نعمتیں بخش جیسے حساب قبر و حشر میں آسانی و کامیابی، اعمال کی قبولیت، جنت اور وہاں کی تمام نعمتیں اور ہم کو دوزخ سے بالکل بچالے کہ وہاں کا عذاب ہم کو بالکل نہ چھوئے یہ نہ ہو کہ سزا پاکر جنت میں جائیں۔ حضرت شیخ نے اشعۃ اللمعات میں فرمایا کہ اس کے مانگتے وقت تمام نیکیوں و نعمتوں کا خیال کرلینا چاہیے۔ بہتر یہ ہے کہ دنیا کی نعمت سے کمال مصطفوی اور آخرت کی بھلائی سے جمال مصطفوی مراد لے، یعنی ہم کو دنیا میں ان کے کمال کا چھینٹا دے، آخرت میں ان کا جمال دکھا کہ ان میں سب کچھ آگیا۔

۳؎ اسے ابوداؤد، نسائی نے بھی روایت کیا۔ حصن حصین شریف میں رَبَّنَا اٰتِنَا ہے اگر اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا اٰتِنَا کہے تو بہتر ہے کہ اس میں دونوں روایتوں پر عمل ہے اور اگر فقط رَبَّنَا اٰتِنَا کہے تو بھی ٹھیک ہے کہ قرآن کریم میں یوں ہی ہے۔(از مرقات)

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دعا مانگتے تو یوں عرض کرتے یارب میری مدد کر مجھ پر مدد اوروں کو نہ دے ۱؎ مجھے نصرت بخش میرے مقابل نصرت نہ دے ۲؎ میرے لیے تدبیر فرما میرے مقابل تدبیر نہ فرما ۳؎ مجھے ہدایت دے اور میرے لیے ہدایت آسان فرما ۴؎ مجھے ان پر فتح دے جو مجھ پر بغاوت کریں ۵؎ یارب مجھے اپنا شکر گزار اپنا ذاکر اپنے سے خوف کرنے والا اپنا مطیع تیری طرف رجوع کرنے والا آہ وزاری کرنے والا لوٹنے والا بنا ۶؎ یارب مری توبہ قبول کر میرے گناہ دھودے میری دعا قبول فرما ۷؎ میری دلیل مضبوط کر، میری زبان درست رکھ، میرے دل کو ہدایت دے میرے سینے کی سیاہی دور کردے ۸؎ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

۱؎ یعنی اپنے ذکر و شکر اور اچھی عبادت پر میری مدد فرما اور جن و شیاطین، نفس امارہ کو میرے مقابل مدد نہ دے کہ وہ مجھے نیک اعمال سے روکیں۔

۲؎ یعنی کفار پر مجھ کو غلبہ دے، ان کو ہم پر غلبہ نہ دے، کفار خواہ انس ہوں یا جن یا ہمارے نفوس ان سب کو ہمارا مطیع بنا ہم کو ان کا فرمانبردار نہ کر بلکہ اپنا فرماں بردار رکھ۔

۳؎ رب تعالٰی کے لیے مکر کے یہ ہی معنی مناسب ہیں نہ کہ فریب دھوکا، یہ عیوب ہیں رب تعالٰی عیوب سے پاک ہے یعنی مجھے دشمنوں کے مقابل خفیہ تدبیروں کی تلقین کر، انہیں میرے مقابل تدبیریں نہ القا کر۔

۴؎ جس سے مجھے نیک اعمال آسان معلوم ہوں، گناہ گراں و بھاری، یہ دونوں نعمتیں رب تعالٰی ہی کے کرم سے نصیب ہوتی ہیں۔

۵؎ بغاوت سرکشی کرنے والے خواہ دشمن جان ہوں یا دشمن ایمان یا دشمن مال یا دشمن آبرو۔

۶؎ یہ وہ صفات ہیں جو مسلمان میں ہونی چاہیے۔راہب کے معنے ہیں ظاہر و باطن ہر حال میں رب سے ڈرنے والا دنیا میں نہ پھنسنے والا۔جس رہبانیت سے حدیث شریف میں ممانعت آئی ہے وہ بمعنی ترک دنیا ہے کہ اسلام میں تارک الدنیا ہو کر جوگی سادھو بن جانا منع ہے لہٰذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔**مخبت** کے معنے ہیں نیچی زمین میں اتر جانے والا،خبت پست زمین کو کہتے ہیں،اب اسے تواضع وترقی کرنے والے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَاَخْبَتُوۡۤا اِلٰی رَبِّہِمۡ"۔اوّاہا مبالغہ کا صیغہ ہے یعنی بہت آہ وزاری کرنے والا،خوف خدا میں کانپنے لرزنے والا،رب تعالٰی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعریف میں فرماتا ہے:"اَوّٰہٌ مُّنِیۡبٌ"۔

۷؎ یعنی اے مولیٰ مجھے تمام شرائط کی جامع توبہ نصیب فرما پھر اسے قبول بھی فرما،رب تعالٰی فرماتا ہے:"تُوۡبُوۡۤا اِلَی اللہِ تَوْبَۃً نَّصُوۡحًا"توبہ نصوح وہ ہے جو تمام شرائط کی جامع ہو بارگاہِ عالی میں قبول ہو اور بندہ پھر توبہ کبھی توڑے نہیں۔**حوب** کے لغوی معنی ہیں جھڑک،ڈانٹ۔اصطلاح میں گناہ کو حوب کہتے ہیں کہ یہ جھڑک کا ذریعہ ہے۔رب تعالٰی فرماتا ہے:"اِنَّہٗ کَانَ حُوۡبًا کَبِیۡرًا"گناہ دل کا میل ہے،رب تعالٰی کی مہربانی اس کا پانی،قبولیت دعا بھی اللہ کی رحمت ہے،جس قدر تقویٰ زیادہ اسی قدر دعا کی قبولیت زیادہ۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ دل کی بے قراری قبول دعا کے لیے اکسیر ہے،رب تعالٰی تعالٰی فرماتا ہے:"اَمَّنۡ یُّجِیۡبُ الْمُضْطَرَّ"اس لیے مظلوم کی دعا قبول ہے اگرچہ وہ فاسق ہو کہ اس کا دل بے قرار ہے۔

۸؎ ان جملوں میں چار چیزیں مانگیں:دنیاوآخرت میں اپنی دلیل قوی ہونا کہ ہم کفار کے مقابلہ میں اسلام کی حقانیت ثابت کرسکیں،زبان کا سیدھا چلنا کہ زبان اگر سیدھی چلے تو زبان ہے اور اگر ٹیڑھی چلے تو زبون یعنی فساد اور اگر زیادہ چلے تو زیان یعنی نقصان،دل کی ہدایت کہ اگر دل ٹھیک ہوگیا تو سب کچھ ٹھیک ہے اور سینہ کی صفائی تاکہ یہ مدینہ بن جائے جس میں رحمت کا خزینہ ہے۔شعر

بنادو میرے سینہ کو مدینہ نکالو بحر غم سے یہ سفینہ

	روایت ہے حضرت ابو بکر صدیق سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر قیام فرما ہوئے پھر روئے ۱؎ تو فرمایا اللہ سے معافی اور امن مانگو ۲؎ کیونکہ کسی کو ایمان کے بعد امن سے بہتر کوئی نعمت نہ ملی ۳؎(ترمذی،ابن ماجہ)اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث اسناد کے لحاظ سے حسن ہے،غریب ہے۔

۱؎ حضور علیہ السلام کا یہ رونا اپنی امت کے آئندہ حالات ملاحظہ فرما کر تھا کہ اکثر لوگ فتنوں،شہوت مال کی حرص،اقتدار کی خواہش میں گرفتار ہوجائیں گے۔(مرقات)

۲؎ معافی سے مراد محو ذنوب وستر عیوب ہے اور عافیت سے یہ مراد ہے کہ لوگ تم سے اور تم لوگوں سے امن میں رہو یا دین کا فتنوں سے اور بدن کا سخت بیماریوں سے محفوظ رہنا یعنی گناہوں سے معافی اور زندگی،موت،قبر،حشر کی آفتوں سے سلامتی مانگو۔(لمعات)

۳؎ حق یہ ہے کہ ایمان بھی عافیت ہی کے لیے اختیار کیا جاتا ہے اور ایمان کے معنی ہی ہیں اپنے کو آفتوں سے امن وعافیت دینا۔

	روایت ہے حضرت انس سے کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

	کی خدمت میں حاضر ہوا، عرض کیا یارسول اللہ دعا کون سی افضل ہے ۱؎ فرمایا اپنے رب سے دنیا و آخرت میں امن و چین مانگو ۲؎ پھر وہ دوسرے دن حاضر ہوا عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کون سی دعا افضل ہے حضور نے اسی طرح پھر فرمایا ۳؎ پھر وہ تیسرے دن حاضر ہوا پھر اسی طرح عرض کیا حضور نے فرمایا کہ جب تجھے دنیا و آخرت میں امن و معافی دے دی جائے تو تو کامیاب ہو جائے گا ۴؎ (ترمذی، ابن ماجہ) ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے اسناد سے غریب ہے ۵؎

۱؎ یعنی مجھے کون سی دعا زیادہ فائدہ مند ہے یا سارے لوگوں کے لیے ساری دعاؤں میں سے کون سی افضل۔ اس سوال سے معلوم ہوا صحابہ کرام کا عقیدہ یہ تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہم پر ہم سے زیادہ مہربان ہیں، ہم غلطی سے نقصان دہ دعائیں بھی مانگ لیتے ہیں، حضور کی بتائی ہوئی دعا میں یہ احتمال نہیں اسی لیے دعائے ماثور جو بزرگوں سے منقول ہو غیر ماثورہ سے افضل ہے۔

۲؎ یعنی دین و بدن میں امن اور مخلوق کی شر سے چین کہ کوئی جن و انس ہمیں بے چین نہ کرسکے، نہ دنیا میں نہ آخرت میں۔

۳؎ خیال یہ تھا کہ شاید لمبی چوڑی دعائیں جن میں وقت بہت صرف ہو مانگنی چاہئیں اس مختصر دعا کی اہمیت نہ سمجھ سکے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا منشا یہ تھا کہ میرے غلام کام کاج والے ہیں انہیں چھوٹی مگر جامع دعائیں بتائی جائیں تاکہ ان کے دنیوی کام بھی بند نہ ہوں اس لیے یہ سوال جواب واقع ہوئے۔

۴؎ کیونکہ معافات میں جسمانی، روحانی، نفسانی، شیطانی تمام آفتوں سے سلامتی شامل ہے جسے ان تمام آفات سے امن مل گئی، اس کے لیے باقی کون سی چیز رہ گئی اس لیے لمبی دعا کی خواہش نہ کر۔

۵؎ خیال رہے کہ اسناداً غریب کی تمیز ہے نہ کہ حسن کی کیونکہ غرابت کبھی متن حدیث میں ہوتی ہے کبھی اسناد حدیث میں مگر حسن صرف اسناد ہی کے لحاظ سے ہوتی ہے نہ کہ متن کے، اس کے لیے اسناداً کہنے کی ضرورت ہی نہیں۔ طبرانی میں حضرت عباس سے روایت اس طرح ہے کہ ایک بار میں نے بارگاہِ اقدس میں عرض کیا کہ یارسول اللہ مجھے کچھ دعا سکھایئے، سرکار نے فرمایا اللہ سے عافیت مانگو، کچھ روز بعد پھر میں حاضر ہوا اور میں نے یہ ہی عرض کیا تو فرمایا کہ چچا جان عافیت کی دعا زیادہ مانگا کرو کیونکہ یہ دعا مقاصد حاصل کرنے اور بلائیں دفع کرنے کے لیے کافی ہیں۔

2491 - [10] لم تتم دراستہ وعن عبد اللہ یزید الخطمی عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم إنہ کان یقول فی دعائہ: "اللہم ارزقنی حبک وحب من ینفعنی حبہ عندک اللہم ما رزقتنی مما احب فاجعلہ قوۃ لی فیما تحب اللہم ما زویت عنی مما احب فاجعلہ فراغا ی فیما تحب". رواہ الترمذی	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن یزید خطمی سے ۱؎ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ آپ اپنی دعا میں فرمایا کرتے تھے الٰہی مجھے اپنی محبت نصیب کر اور اس کی محبت بھی جس کی محبت تیرے ہاں نفع دے ۲؎ الٰہی مجھے جو تو میری پسندیدہ چیز دے تو اس میں مجھے اس کی قوت بخش جسے تو پسند فرماتا ہے ۳؎ الٰہی جو میری محبوب چیز تو مجھ سے دور رکھے تو اسے میرے لیے اپنی محبوب چیز میں فراغت بنادے ۴؎ (ترمذی)

۱؎ خطم قبیلہ اوس کی ایک شاخ ہے،یہ عبداللہ انصاری ہیں،سترہ سال کی عمر میں صلح حدیبیہ میں حاضر ہوئے۔

۲؎ اس عبارت کی دو تفسیریں ہوسکتی ہیں:ایک یہ کہ تو اور تیرے پیارے بندے مجھ سے محبت کریں۔دوسرے یہ کہ میں تجھ سے اور تیرے پیارے بندوں سے محبت کروں،رب تعالٰی فرماتا ہے:"یُّحِبُّھُمۡ وَ یُحِبُّوۡنَہٗۤ"۔دوسرے معنی زیادہ قوی ہیں یعنی مجھے ان لوگوں ان چیزوں ان اعمال کی محبت دے جن کی محبت آخرت میں فائدہ مند ہو۔انبیاء،اولیاء،قرآن مجید،کعبہ معظّمہ،نماز،روزہ تمام کی محبتیں اس میں شامل ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ بعض چیزوں کی محبت نقصان دہ ہے،بعض کی بے فائدہ اور بعض کی محبت دنیا میں مفید ہے،بعض کی آخرت میں آخری محبت مانگے۔

۳؎ یعنی جو منہ مانگی مراد تو مجھے دے اسے اپنی رضا میں صرف کرنے کی توفیق بھی دے،جسمانی قوت،اولاد،مال کو ہمیشہ تیری راہ میں خرچ کروں تاکہ میں غنی شاکر بن جاؤں۔

۴؎ یعنی اگر تو میری کسی آرزو کو پورا نہ کرے اور میری منہ مانگی مراد نہ دے تو مجھے اپنی دی ہوئی نعمتوں اور عبادتوں میں اتنا مشغول کردے کہ مجھے اس کی ضرورت ہی نہ رہے تاکہ میں مسکین صابر بنوں،میرا دل اس مانگی مراد میں مشغول نہ رہے تاکہ میری عبادتیں ناقص نہ ہوں،رضاء بالقضاء اللہ کی نعمت ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت کم کسی مجلس سے اٹھتے حتّی کہ اپنے صحابہ کے لیے یہ دعائیں مانگ لیتے۱؎ الٰہی ہمیں اپنے خوف سے وہ حصہ عطا فرما جس سے تو ہمارے اور اپنی نافرمانیوں کے درمیان آڑ ہوجائے۲؎ اور اپنی اطاعت سے وہ حصہ دے جس سے ہمیں تو اپنی جنت میں پہنچا دے۳؎ اور یقین کا وہ حصہ دے جس سے تو ہم پر دنیاوی مصیبتیں آسان کردے۴؎ اور ہمیں ہمارے کانوں اور آنکھوں اور قوت سے نفع دے جب تک تو ہمیں زندہ رکھے۵؎ اور اسے ہمارا وارث بنا۶؎ اور ہمارا غضب اس پر ڈال جو ہم پر ظلم کرے۷؎ اور ہم کو ان پر فتح دے جو ہم سے دشمنی کریں۸؎ اور ہمارے دین میں ہم پر مصیبت نہ دے۹؎ اور دنیا کو ہمارا نہ بڑا مقصود بنا اور نہ ہمارے علم کا منتہا بنا۱۰؎ ہم پر اسے مسلط نہ فرما جو ہم پر رحم نہ کرے۱۱؎(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث حسن ہے غریب ہے ۱۲؎	2492 - [11]لم تتم دراستہ وعن ابن عمر قال: قلما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقوم من مجلس حتی یدعو بہؤلاء الدعوات لأصحابہ: "اللہم اقسم لنا من خشیتک ما تحول بہ بیننا وبین معاصیک ومن طاعتک ما تبلغنا بہ جنتک ومن الیقین ما تہون بہ علینا مصیبات الدنیا ومتعنا بأسماعنا وإبصارنا وقوتنا ما إحییتنا واجعلہ الوارث منا واجعل ثأرنا علی من ظلمنا وانصرنا علی من عادانا ولا تجعل مصیبتنا فی دیننا ولا تجعل الدنیا إکبر ہمنا ولا مبلغ علمنا ولا تسلط علینا من لا یرحمنا" . رواہ الترمذی وقال: ہذا حدیث حسن غریب

۱؎ یعنی اکثر کسی مجلس سے اٹھتے وقت سرکار یہ دعا مانگ لیتے تھے اور یہ سب کچھ صحابہ کرام کی اور ان کے ذریعہ ہماری تعلیم کے لیے تھا۔خیال رہے کہ حضور علیہ السلام کی جن دعاؤں میں مغفرت کی طلب یا گناہوں کا اقرار ہے ان سب میں تعلیم اُمت مقصود ہے ورنہ سرکار خود معصوم ہیں بلکہ ارادۂ گناہ سے محفوظ ہیں۔

۲؎ یعنی ہم سب کو اپنا دلی خوف دے جس کی برکت سے ہم گناہوں سے محفوظ رہیں۔تَحُوۡلُ واحد مخاطب ہے اس میں اشارۃً فرمایا گیا کہ خوفِ خدا اللہ کی نعمت ہے اور اس خوف کے بعد بھی ہمیں گناہوں سے رب ہی بچاتا ہے ہم خود نہیں بچتے،مطلقًا خوفِ خدا تو شیطان کو بھی حاصل

ہے، رب تعالٰی نے اس کا قول قرآن پاک میں نقل فرمایا: "اِنِّیۡۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ" خوف خدا اور عشق جناب مصطفٰی اللہ کی بڑی نعمتیں ہیں۔

۳؎ یعنی ہمیں اپنی بندگی کی توفیق بھی دے اور اسے قبول بھی فرما، یہاں بھی وہی اشارہ ہے کہ فقط عبادت جنت میں پہنچنے کے لیے کافی نہیں، مؤمن جنات اور فرشتوں کی عبادتیں انہیں جنتی نہیں بناتی۔

۴؎ رب تعالٰی نے قرآن کریم میں ہر مصیبت کے بعد دو۲ آسانیوں کی بشارت دی ہے "فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا" خدایا ہمیں اس بشارت پر ایسا یقین ہوجائے کہ ہم ہر مصیبت کو آئندہ راحت کا پیش خیمہ سمجھیں جس کی وجہ سے یہ زحمت رحمت بن جائے۔ شعر

ناخوش اور خوش بود در جان من   جان فدائے یار دل رنجان من

۵؎ یعنی ہمیں توفیق دے کہ اپنے حواس و قوتوں کے ذریعہ دنیوی واخروی نفع اٹھائیں کہ انہیں تیری طاعتوں میں صرف کریں۔

۶؎ اس جملہ کی بہت شرحیں ہیں، بہترین شرح یہ ہے کہ وارث سے مراد میراث ہے یعنی ہمارے تقویٰ اور مذکورہ نفع کو ہماری میراث بھی بنا کہ ہمارے بعد لوگ ہماری ان صفات کو اختیار کرلیں اور فائدے اٹھائیں، ہماری میراث صرف مال نہ ہو بلکہ مال، حال، اعمال، کمال اور خوف ذوالجلال سب کچھ ہماری میراث ہو۔ خیال رہے کہ میراث اضطراری صرف یعنی رشتہ داروں کو ملتی ہے مگر میراث اختیاری تاقیامت سارے انسانوں کو۔ کنویں، مساجد، سرائیں، قبرستان، وغیرہ موقوفہ چیزوں سے سبھی فائدہ اٹھاتے ہیں، یہ مال کی میراث اختیاری ہے، علمائے کے علم، صوفیاء کے تقوے اور حضور علیہ السلام کے کمالات سے تاقیامت دنیا فائدہ اٹھائے گی، سخیوں کی کمائی میں فقیروں کا بھی حصہ ہوتا ہے۔ شعر

ہاتھ اٹھا کر ایک ٹکڑا اے کریم   ہیں سخی کے مال میں حقدار ہم

۷؎ یعنی ہمیں توفیق دے کہ ہم بدلہ لینے میں بھی انصاف کا دامن نہ چھوڑیں صرف ظالم سے ہی بدلہ لیں، جاہلیت والوں کی طرح ایک فرد کا بدلہ ساری قوم سے نہ لیں۔ ثار کے لغوی معنی ہیں کینہ، غصہ اور بدلہ، اس جملہ کی اور بھی شرحیں کی گئیں ہیں مگر یہ شرح بہتر ہے۔

۸؎ اس طرح کہ ہمیں ذاتی دشمنوں کو معاف کرنے کی ہمت دے اور قومی ودینی دشمنوں کو مغلوب کرنے کی طاقت دے۔

۹؎ یعنی ہم پر ایسی مصیبت نہ بھیج جو ہمارا دین برباد کردے کہ ہمیں بدعقیدہ بنادے یا ناقص کردے کہ ہم حرام کھانے لگیں یا عبادات میں کوتاہی کرنے لگیں۔

۱۰؎ یعنی نہ تو ہمارا یہ حال ہو کہ مال، عزت، سلطنت وغیرہ ہمارا اصل مقصد بن جائے اور نہ یہ حال ہو کہ ہمارے علم اور فکر دنیا ہی کے لیے وقف ہوں یا فقط ہم دنیاوی علوم ہی پڑھیں دینی علوم کی طرف توجہ ہی نہ دیں اور دینی علم بھی سیکھیں تو صرف اپنی تعظیم کرانے اور مال کمانے کے لیے، رب تعالٰی فرماتا ہے: "وَ لَمْ یُرِدْ اِلَّا الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ"۔ اس دعا میں اشارۃً فرمایا گیا کہ دنیا کا قصد اور علم سے دنیا حاصل کرنا قدرے جائز ہے بلکہ اگر یہ دنیا دین کے لیے ہو تو اس کا طلب کرنا عبادت ہے، دنیا صفر ہے اور دین عدد، صفر اگر اکیلا ہو تو کچھ بھی نہیں اور اگر عدد سے مل جائے تو اسے دس گناہ کردیتی ہے۔

۱۱؎ یعنی دنیا میں ہم پر نفس امارہ، شیطان، کافر و ظالم سلطان کو مسلط نہ کر اور قبر و حشر میں عذاب کے فرشتوں کو ہم پر مقرر نہ فرما لہٰذا یہ جملہ نیا ہے پہلے جملوں کا تکرار نہیں۔

۱۲؎ اسے نسائی نے اور حاکم نے علٰی شرط بخاری نقل فرمایا۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ	2493 - [12]لم تتم دراستہ

وعن إبي ہریرۃ قال: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: "اللھم انفعنی بما علمتنی وعلمنی ماینفعنی وزدنی علما الحمد للہ علی کل حال وإعوذ باللہ من حال إہل النار". رواہ الترمذی وابن ماجہ وقال الترمذی: ہذا حدیث غریب إسنادا	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرمایا کرتے تھے الٰہی تو مجھے اس سے نفع دے جو تو نے مجھے سکھایا اور مجھے نافع چیزیں سکھا اور میرا علم بڑھا ۱؎ ہر حال میں اللہ کا شکر ہے ۲؎ اور دوزخیوں کے حال سے اللہ کی پناہ لیتا ہوں ۳؎ (ترمذی،ابن ماجہ) ترمذی نے فرمایا یہ حدیث اسناد سے غریب ہے۔

۱؎ علم چند قسم کے ہیں: نقصان دہ، بیکار، صرف اپنے کو نافع دوسروں کو بھی نافع، یہاں چوتھی قسم کے علم کی طلب ہے، بعض علم اوروں کو مفید خود اپنے کو مضر یا بیکار ہیں اس سے بھی اللہ بچائے، جیسے بدعمل یا بے عمل عالم کا عمل۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ عالم بے عمل ایسا ہے جیسے شب تار میں اندھا شمع دار۔

۲؎ یعنی رنج و خوشی، تنگی و فراخی میں اللہ کا شکر (عمل) جو شخص چھینک پر "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی كُلِّ حَالٍ" کہہ کر سارے دانتوں پر زبان پھیرے تو ان شاءاللہ اس کے دانت خراب نہ ہوں گے اور اگر ساتھ ہی ہر وضو میں مسواک بھی کیا کرے تو سبحان اللہ!

۳؎ دنیا میں کفر و فسق اور آخرت میں عذاب و عقاب دوزخیوں کے حالات ہیں ان سب سے اللہ بچائے۔

2494 - [13] لم تتم دراستہ وعن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قال: کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم إذا إنزل علیہ الوحی سمع عند وجہہ دوی کدوی النحل فإنزل علیہ یوما فمکثنا ساعۃ فسری عنہ فاستقبل القبلۃ ورفع یدیہ وقال: "اللھم زدنا ولا تنقصنا وإکرمنا ولا تھنا وإعطنا ولا تحرمنا وآثرنا ولا تؤثر علینا وإرضنا وإرض عنا". ثم قال: "إنزل علی عشر آیات من إقامھن دخل الجنۃ" ثم قرإ: قد إفلح المؤمنون حتی ختم عشر آیات. رواہ إحمد والترمذی	روایت ہے حضرت عمر ابن خطاب سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وحی اترتی تو آپ کے چہرہ انور کے پاس شہد کی مکھیوں کی سی بھنبھناہٹ سنی جاتی تھی ۱؎ ایک دن آپ پر وحی اتری تو ہم کچھ ٹھہرے پھر وہ حالت جاتی رہی ۲؎ حضور نے قبلہ کو منہ کیا دونوں ہاتھ اٹھائے ۳؎ اور عرض کیا الٰہی سب کو بڑھادے گھٹا مت، ہمیں عزت دے ہمیں ذلیل نہ کر، ہمیں عطائیں دے محروم نہ کر، ہم کو ترجیح دے ہم پر اوروں کو ترجیح نہ دے، ہم کو راضی کر ہم سے راضی ہوجا ۴؎ پھر فرمایا ہم پر دس آیتیں اتری ہیں جو انہیں قائم کرے (عمل کرے) تو جنت میں جائے گا پھر تلاوت کی "قد افلح المومنون" دس آیات تک ۵؎ (احمد،ترمذی)

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ یہ آواز حضرت جبریل علیہ السلام کی ہوتی تھی جسے صحابہ سنتے تو تھے مگر سمجھ نہ سکتے تھے کہ کیا کہہ رہے ہیں جب کسی کی ہلکی آواز سنی جائے اور الفاظ سمجھ میں نہ آئیں تو شہد کی مکھی کی سی بھنبھناہٹ ہی معلوم ہوتی ہے۔ بعض شارحین نے کہا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خراٹہ کی آواز ہوتی تھی جو نزول وحی کے وقت بے اختیار آپ سے صادر ہوتی تھی،اس سے تو حضور کو سخت سردی میں پسینہ بھی آجاتا تھا اور جسم مبارک بہت بھاری ہوجاتا تھا حتی کہ اگر کسی پر ران شریف رکھی ہوتی تو وہ شخص ران شریف میں بہت ہی زیادہ وزن محسوس کرتا تھا مگر پہلی شرح درست ہے کہ وہ حضرت جبریل کی آواز ہوتی تھی۔(لمعات و مرقات)

۲؎ نزول وحی ختم ہوجانے پر کچھ دیر تک یہ ہی حالت رہتی تھی، پھر جب یہ حالت منقطع ہوتی تھی تب حضور علیہ السلام صحابہ کو وحی سناتے تھے کہ آج یہ آیت یا یہ حکم آیا ایسے ہی آج ہوا۔

۳؎ یعنی دعا مانگنے کے لیے آپ روبقبلہ بھی ہوگئے دونوں ہاتھ آسمان کیطرف بھی اٹھائے کہ یہ دونوں کام سنت ہیں، دعا میں دونوں ہاتھ اٹھانے چاہئیں کہ مولیٰ ہم کو دونوں جہان کی نعمتیں دے۔(مرقات)

۴؎ اولًا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعائیں مانگیں،پھر سورۂ مومنون کی دس اگلی آیتیں سنائیں کیونکہ ان آیات میں دس احکام ہیں جن کی عاملین کو رحمت کی بشارت ہے غافلین کو عذاب کی دھمکی۔ان دعاؤں کا مضمون یہ ہے کہ الٰہی ہماری تعداد یا ہماری نعمتیں بڑھاتا رہ گھٹا نہیں،ہمیں دنیا وآخرت میں عزت دے ذلیل نہ کر،دوسروں کے مقابل ہم کو ہر نعمت سے ترجیح دے ہمارے مقابل دوسروں کو ترجیح نہ دے،ہمیں اپنے سے راضی رکھ اور ہم سے تو راضی رہ۔

۵؎ ان آیتوں میں نماز میں عجزو نیاز،بیہودہ باتوں سے علیحدہ رہنا،زکوۃ کی ادائیگی،بد خلقی سے بچنا اپنی پارسائی کی حفاظت،امانتوں کی ادائیگی اور وعدوں کی پابندی،حق گوئی نہ چھپانا وغیرہ مذکور ہیں اور ان کی پابندی پر جنت کا وعدہ ہے،رب تعالٰی ان پر عمل نصیب کرے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

2495 - [14] صحیح عن عثمان بن حنيف قال:إن رجلا ضرير البصر أتى النبي صلى الله عليه وسلم فقال:ادع الله أن يعافيني فقال: "إن شئت دعوت وإن شئت صبرت فهو خير لك " . قال: فادعه قال: فأمره أن يتوضأ فيحسن الوضوء ويدعو بهذا الدعاء: " اللهم إني أسألك وأتوجه إليك بنبيك محمد نبي الرحمة إني توجهت بك إلى ربي ليقضي لي في حاجتي هذه اللهم فشفعه في ". رواه الترمذي وقال: هذا حديث حسن صحيح غريب	روایت ہے حضرت عثمان ابن حنیف سے فرماتے ہیں ایک نابینا شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا۱؎ عرض کیا حضور اللہ سے دعا کریں کہ مجھے آرام دے ۲؎ فرمایا اگر تو چاہے تو دعا کردوں اور اگر چاہے تو صبر کر یہ صبر تیرے لیے اچھا ہے ۳؎ وہ بولا حضور رب سے دعا کردیں ۴؎ راوی کہتے ہیں تو حضور نے اسے حکم دیا کہ اچھی طرح وضو کرے اور یہ دعا مانگے ۵؎ الٰہی میں تجھ سے مانگتا ہوں اور تیری طرف رحمت والے نبی حضور محمد مصطفٰی کے توسل سے متوجہ ہوتا ہوں ۶؎ یارسول اللہ میں آپ کے توسل سے اپنے رب کی طرف توجہ کرتا ہوں تاکہ وہ میری حاجت پوری کردے ۷؎ الٰہی میرے بارے میں ان کی شفاعت قبول کر ۸؎ (ترمذی) اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ یہ شخص بالکل نابینا تھا،بعض شارحین نے جو کہا کہ وہ ضعیف البصر تھے یا ان کی ایک آنکھ بیکار تھی خلاف ظاہر ہے۔

۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام بیماریوں کی شکایت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کرتے تھے اور اکثر براہ راست خود رب تعالٰی سے دعا نہ مانگتے تھے بلکہ عرض کرتے تھے کہ حضور ہمارے لیے دعا مانگیں تاکہ الفاظ کے ساتھ زبان کی برکت و تاثیر بھی حاصل ہو،یہ ہے توسل کا عقیدہ،رب تعالٰی کی کوئی نعمت بغیر وسیلہ نہیں ملتی۔

۳؎ کیونکہ رب تعالٰی فرماتا ہے کہ جس کی آنکھیں میں بیکار کردوں پھر اس پر صبر کرے تو میں اسے جنت ہی دوں گا،آنکھوں سے جنت بہتر ہے۔

۴؎ ان نابینا صحابی کا مطلب یہ تھا کہ حضور مجھے آنکھیں بھی مل جائیں اور آخرت کی بھلائی بھی،آپ کے پاس کس چیز کی کمی ہے۔شعر

جھولیاں کھول کے بے سمجھے نہیں دوڑ آئے ہمیں معلوم ہے دولت تری عادت تری

یا یہ مطلب تھا کہ حضور کے صدقہ مجھے آخرت کی نیکیاں تو مل ہی گئی ہیں کہ مجھے رب تعالٰی نے ایمان دیا،تقویٰ بخشا،آپ کی صحابیت نصیب کی میری یہ ضرورت بھی پوری ہوجائے لہذا نہ تو سائل پر یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ انہوں نے آخرت پر دنیا کو ترجیح کیوں دی۔حق یہ ہے کہ

انہوں نے تواس آیت پر عمل کیا"رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ"اور نہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل شریف پر یہ سوال ہو سکتا ہے کہ آپ نے ایسے شخص کو دعا کیوں سکھائی، سرزنش کیوں نہ کی، نیز اس عرض میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم صبر سے سرتابی نہیں ہے انہیں صبر کا حکم دیا ہی کب گیا، بطور مشورہ اختیار دیا گیا تھا بلکہ نازغلامانہ کے انداز پر داتا سے زیادہ مانگنا ہے جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے موقعہ پر عرفات میں حاجیوں کی بخشش کی دعا کی، حقوق اللہ معاف کیے گئے پھر مزدلفہ میں حقوق العباد کی معافی کے لیے بھی دعا فرمائی۔

۵؎ یعنی مسواک اور تمام سنتوں کے ساتھ وضو کرکے دو رکعت نماز حاجت پڑھے پھر یہ دعا مانگے۔(مرقات) معلوم ہوا کہ دعا کے لیے وضو اور نفل بہتر ہے۔ خیال رہے کہ اس موقعہ پر انہیں سرکار نے خود دعا نہ دے دی بلکہ دعا اور اپنے وسیلہ کے الفاظ انہیں سکھائے تاکہ قیامت تک کہ مسلمان اس سے فائدہ اٹھائیں، اگر سرکار خود ہی دعا دے دیتے تو بعد والے لوگ یہ فیض کیسے پاتے۔ بعض شارحین نے یہاں فرمایا کہ سرکار ان پر ناراض ہوگئے تھے کیونکہ انہوں نے حضور علیہ السلام کی بات نہ مانی اس لیے دعا نہ فرمائی مگر یہ صحیح نہیں، ورنہ سرکار نہ انہیں دعا سکھاتے نہ انہیں اپنے وسیلہ کی تعلیم دیتے۔

۶؎ یعنی تیری بارگاہ میں براہ راست بغیر وسیلہ نہیں حاضر ہوا ان کا وسیلہ لے کر آیا ہوں جو خود رحمۃ للعالمین ہیں اور ان کی امت امت مرحومہ ہے یعنی تو ارحم الرحمین ہے اور تیرے نبی رحمۃ للعلمین ہیں اور میں تیرے فضل و کرم سے مرحوم۔

۷؎ یا محمد میں حضور سے عرض معروض ہے، بعض روایتوں میں یوں ہے یا محمد انی توجھت بك الی ربی لتقضی الخ ت کے ساتھ۔

(مرقات) اس لتقضی میں دو احتمال ہیں: واحد مؤنث مجہول ہو یعنی تاکہ میری حاجت پوری کردی جائے یا واحد مخاطب معروف ہو یعنی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ میری حاجت پوری کردیں، اس آخری معنی کی تائید قرآن شریف کی اس آیت سے ہوتی ہے "لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ"اے موسیٰ علیہ السلام اگر آپ نے ہم سے عذاب دور کردیا تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے اور آپ کے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دیں گے۔ مذکورہ آیت و حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ کے محبوبین بحکم پروردگار دافع بلاء اور صاحب عطا ہیں اور حاجتوں میں انہیں پکارنا جائز ہے کیونکہ یہ دعا قیامت تک کے مسلمان پڑھ سکتے ہیں اور اس میں حضور علیہ السلام کو پکارا بھی گیا ہے اور حضور علیہ السلام کا وسیلہ بھی لیا گیا ہے۔

۸؎ سبحان اللہ! اس دعا میں تین خطاب ہیں آگے پیچھے رب سے اور بیچ میں اس کے حبیب سے جیسے انگوٹھی کے وسط میں نگینہ۔

2496 - [15] لم تتم دراستہ وعن إبي الدرداء قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم كان من دعاء داود يقول: "اللهم إني إسألك حبك وحب من يحبك والعمل الذي يبلغني حبك اللهم اجعل حبك إحب إلي من نفسي ومالي وإهلي ومن الماء البارد" . قال: وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا ذكر داود يحدث عنه يقول: "كان إعبد البشر" رواه الترمذي وقال: هذا حديث حسن غريب	روایت ہے حضرت ابوالدرداء سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے داؤد علیہ السلام کی دعا یہ تھی کہ آپ عرض کرتے تھے الٰہی میں تجھ سے تیری محبت اور تیرے محبوبوں کی محبت مانگتا ہوں ۱؎ اور وہ عمل مانگتا ہوں جو تیری محبت تک پہنچادے ۲؎ الٰہی مجھے اپنی محبت کو میری جان و مال گھر بار اور ٹھنڈے پانی سے زیادہ محبوب بنادے ۳؎ راوی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب داؤد علیہ السلام کا ذکر فرماتے تو کہتے کہ وہ عابد ترین انسان تھے ۴؎ (ترمذی) اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن غریب ہے۔

۱؎ اس جملہ کے کئی معنی ہوسکتے ہیں:ایک یہ کہ مجھے توفیق دے کہ تجھ سے بھی محبت کروں اور ان بندوں سے بھی جو تجھ سے محبت کرتے ہیں علماء،اولیاء،انبیاء سے محبت بالواسطہ تجھ سے ہی محبت ہے۔دوسرے یہ کہ خدایا مجھ سے تو بھی محبت کر اور تیرے محبوب بندے بھی محبت کریں یعنی حبّ کی اضافت یا مفعول کی طرف ہے یا فاعل کی طرف۔

۲؎ اس کے بھی وہی دو معنی ہیں کہ ایسے عمل کی توفیق دے جس کی برکت سے تو میرا محبوب بن جائے یا میں تیرا محبوب بن جاؤں۔اس سے معلوم ہوا کہ بعض اعمال میں عشق و محبت پیدا کرنے کی تاثیر ہوتی ہے۔

۳؎ یعنی مجھے توفیق دے کہ تو مجھے میری اپنی ذات گھر بار مال و دولت سے زیادہ پیارا ہوجائے بلکہ جیسے سخت گرمی اور پیاس کی شدت میں ٹھنڈا پانی پیارا ہوتا ہے،اس سے زیادہ تیری محبت مجھے پیاری ہو۔خیال رہے کہ محبوبیت کے لیے اس کے محبوب بندوں کی محبت لازم ہے۔شعر

حاصل نشود رضائے سلطاں　　　　تا خاطر بندگاں بجوئی

۴؎ یعنی داؤد علیہ السلام اپنے زمانہ میں سب سے بڑے عابد تھے جیسے رب تعالٰی بنی اسرائیل سے فرماتا ہے:"اَنِّیۡ فَضَّلۡتُکُمۡ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ"لہذا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ داؤد علیہ السلام،حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام یا ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ عابد ہوں اور نہ یہ فرمان اس آیتِ کریمہ کے خلاف ہے جس میں نوح علیہ الصلوۃ والسلام کے بارے میں فرمایا گیا:"اِنَّہٗ کَانَ عَبۡدًا شَکُوۡرًا"۔

2497 - [16] صحیح

وعن عطاء بن السائب عن أبيه قال: صلى بنا عمار بن ياسر صلاة فأوجز فيها فقال له بعض القوم: لقد خففت وأوجزت الصلاة فقال أما على ذلك لقد دعوت فيها بدعوات سمعتهن من رسول الله صلى الله عليه وسلم فلما قام تبعه رجل من القوم هو أبي غير أنه كنى عن نفسه فسأله عن الدعاء ثم جاء فأخبر به القوم: " اللهم بعلمك الغيب وقدرتك على الخلق أحيني ما علمت الحياة خيرا لي وتوفني إذا علمت الوفاة خيرا لي اللهم وأسألك خشيتك في الغيب والشهادة وأسألك كلمة الحق في الرضى والغضب وأسألك القصد في الفقر والغنى وأسألك نعيما لا ينفد وأسألك قرة عين لا تنقطع وأسألك الرضى بعد القضاء وأسألك برد العيش بعد الموت وأسألك لذة النظر إلى وجهك والشوق إلى لقائك في غير ضراء مضرة ولا فتنة مضلة اللهم زينا بزينة الإيمان واجعلنا هداة مهديين " . رواه النسائي

روایت ہے حضرت عطا بن سائب سے وہ اپنے والد سے راوی ۱؎ فرماتے ہیں ہم کو حضرت عمار ابن یاسر نے نماز پڑھائی تو اس میں اختصار فرمایا ۲؎ تو ان سے بعض لوگوں نے عرض کیا کہ آپ نے نماز بہت ہلکی اور مختصر پڑھی تو فرمایا مجھے اس کا کوئی نقصان نہیں میں نے اس میں وہ دعائیں مانگ لی ہیں جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنیں ۳؎ جب آپ اُٹھے تو قوم میں سے ایک شخص آپ کے پیچھے چلا وہ میرے والد تھے،ہاں انہوں نے اپنی ذات کو کنایۃً ذکر کیا ۴؎ تو ان سے وہ دعا پوچھی پھر آئے وہ دعا قوم کو بتائی ۵؎ الٰہی اپنے علم غیب اور مخلوق پر اپنی قدرت کے صدقہ مجھے اس وقت تک زندہ رکھ جب تک کہ زندگی کو میرے لیے بہتر جانے اور وفات دے دے جب موت کو میرے لیے بہتر جانے ۶؎ الٰہی میں تجھ سے تیرا خوف مانگتا ہوں ظاہر و باطن میں ۷؎ اور تجھ سے خوشی و ناخوشی میں سچی بات کی توفیق مانگتا ہوں ۸؎ اور تجھ سے امیری غریبی میانہ روی مانگتا ہوں ۹؎ اور تجھ سے نہ مٹنے والی نعمت مانگتا ہوں اور تجھ سے وہ آنکھ کی ٹھنڈک مانگتا ہوں جو بند نہ ہو ۱۰؎ اور تجھ سے رضا بقضا مانگتا ہوں اور تجھ سے

	بعد موت کے ٹھنڈی زندگی مانگتا ہوں ١١ اور تجھ سے تیری ذات کو دیکھنے کی لذت اور تیری ملاقات کا شوق مانگتا ہوں بغیر مضر چیز کے نقصان اور بغیر گمراہ کن فتنہ کے ١٢ اے اللہ ہم کو ایمان کی زینت سے آراستہ کر ١٣ اور ہم کو ہدایت دینے والے ہدایت پانے والا بنا ١٤ (نسائی) ١٥

١ حضرت عطاء تابعی ہیں اور ان کے والد سائب ابن یزید صحابی ہیں کہ ان کی پیدائش ٣ھ میں ہوئی اور حجۃ الوداع کے موقع پر آپ کی عمر سات سال تھی اپنے والد یزید کے ساتھ اس حج میں شریک ہوئے تھے۔(مرقات)

٢ غالبًا یہ کوئی نفل نماز تھی، بعض نوافل کی جماعت اہتمام سے بھی جائز ہے جیسے نماز کسوف اور بلا اہتمام تو ہر نفل کی جماعت جائز آپ نے یا تو اس نماز کی قرأت قرآن میں اختصار کیا یا دعائیں تھوڑی مانگیں۔لمعات نے پہلی بات کو ترجیح دی اور مرقات نے دوسری کو۔اس کا مطلب یہ نہیں کہ آپ نے ارکان نماز بھی صحیح طور پر ادا نہ کیے کہ یہ صحابہ کی شان سے بعید ہے۔

٣ اس اَمَا میں شارحین نے بہت احتمال نکالے ہیں۔ظاہر تر یہ ہے کہ ہمزہ نداء قریب کا ہے اور مَا نافیہ یعنی اے دوست اس اختصار میں کوئی نقصان نہیں کیونکہ میں نے وہ دعائیں پڑھ لی ہیں جن سے اس مختصر تلاوت یا چھوٹی دعاؤں کا بدلہ ہو جائے گا کہ ان کے الفاظ تھوڑے ہیں اور ثواب و فائدے زیادہ۔ظاہر یہ ہے کہ یہ دعائیں نماز کے اندر ہی مانگی تھیں،سجدے یا سلام سے پہلے قعدہ میں۔

٤ هُوَ اَبِي سے یہاں تک کلام عطاء کا ہے یعنی میرے والد کہتے تھے کہ قوم میں سے ایک شخص حضرت عمار کے پیچھے دعا پوچھنے کے لیے گئے مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ جانے والے والد سائب ہی تھے،انہوں نے اپنا نام نہ لیا بلکہ ایک شخص کہہ دیا تاکہ اپنی بڑائی ظاہر نہ ہو۔

٥ بعض صحابہ کی ہیبت زیادہ تھی کہ ان سے ہر شخص بات نہیں پوچھ سکتا تھا اس لیے صرف حضرت سائب نے پوچھا وہ بھی علیحدہ جاکر۔خیال رہے کہ یہ دعا تو ایک ہی ہے مگر اس میں مانگی بہت چیزیں گئی ہیں اسی لیے یہاں دعا واحد فرمایا اور وہاں دعوات جمع۔

٦ بِعِلْمِكَ میں ب استعطاف کی ہے یعنی اپنے علم غیب اور اپنی قدرت کے صدقہ میں مجھے یہ نعمتیں بخش۔معلوم ہوا کہ صفات الٰہی کو وسیلہ بناسکتے ہیں۔خیال رہے کہ جب تک بندہ کو نیکیوں کی توفیق ملے اور دنیا میں فتنہ نہ پھیلے اور بندہ دوسروں پر بوجھ نہ بنے تب تک تو زندگی موت سے افضل ہے اور جب ان تینوں باتوں میں سے کوئی بات فوت ہو جائے تو موت زندگی سے بہتر ہے۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ شر کی زندگی سے خیر کی موت اچھی۔شعر

وانکہ خوابش بہتر از بیداری است　　　　زاں چناں بد زندگانی مردہ بہ

٧ درمیان دعا میں بار بار رَبَّنَا یا اَللّٰھُمَّ کہنا سنت ہے،اس میں دعا کی قبولیت کی قوی امید ہے اسی طرح ہر عوض کے اول واو بولنا بھی بہتر ہے،رب تعالٰی نے فرمایا:"رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا"ظاہر و باطن سے مراد یا تو علانیہ و خفیہ ہے یا قالب و قلب یعنی الٰہی مجھے ہر حال میں اپنا خوف دے خواہ لوگوں کے سامنے ہوں یا تنہائی میں یا میرا دل و جسم دونوں پر تیرا خوف ہو کہ دل میں ڈر ہو،آنکھیں تر ہوں،دل میں درد ہو،منہ میں آہ سرد ہو۔

٨ یعنی خلق مجھ سے راضی ہو یا ناراض میں حق بات کہوں یا میں لوگوں سے راضی ہوں یا ناراض ہر حال میں حق بولوں،نہ میں حق کو چھوڑوں نہ حق مجھے چھوڑے۔

۹؎ یعنی امیری غریبی میں مجھے روزی، گفتار، رفتار، خرچ وغیرہ میں درمیانی چال چلنے کی توفیق دے کہ نہ تو امیری میں فضول خرچ بن جاؤں، نہ غریبی میں ننگا بھوکا ہو جاؤں، درمیانی چال اللہ کی رحمت ہے جسے نصیب ہو جائے۔

۱۰؎ یعنی جنت کی لازوال نعمتیں اور وہاں کی پاک بیویاں مانگتا ہوں جو آنکھ کی ٹھنڈک کا باعث ہوں یا نہ مٹنے والی مؤمن نسل یا نماز دائمی کی توفیق مانگتا ہوں، اولاد ازواج، نماز سب کچھ آنکھ کی ٹھنڈک ہیں، رب تعالٰی فرماتا ہے: "رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوٰجِنَا وَ ذُرِّیّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْیُنٍ"۔ خیال رہے کہ دنیا کی ہر چیز کو فنا ہے، آخرت کی ہر چیز کو بقا۔ ریا کی عبادات دنیا میں فنا ہو جائیں گی، اللہ کے لیے کھانا پینا بھی آخرت کا توشہ ہے اور لافانی ہے، گھڑے کا پانی فانی ہے نلکے کا پانی باقی ہے کہ مرکز سے وابستہ ہے ہم کو حضور علیہ السلام سے وابستگی چاہیے جو عزت و عظمت وغیرہ کا مرکز ہیں۔

۱۱؎ یعنی برزخ و محشر میں آرام کی زندگی کا طلبگار ہوں۔

۱۲؎ یعنی مجھے آخرت میں اپنا دیدار دے اور دنیا میں شوق دید نصیب کر مگر ایسا شوق دے جو مجھے سیر الی اللہ سے منع نہ کر دے، جذب نہیں مانگتا سلوک مانگتا ہوں۔

۱۳؎ جسم کی ظاہری زینت لباس اور زیور سے ہے، دل کی زینت ایمان سے اور بدن کی حقیقی زینت نیک اعمال سے ہے، خدایا تو مجھے جسمانی و دلی زینت نصیب کر۔

۱۴؎ اس طرح کہ ہم خود بھی ہدایت پر ہیں اور دوسروں کو بھی ہدایت پر رکھیں۔

۱۵؎ اسے حاکم، احمد اور طبرانی نے بھی روایت کیا۔

2498 - [17] لم تتم دراستہ وعن إم سلمۃ إن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یقول فی دبر صلاۃ الفجر: "اللھم إنی إسائک علما نافعا و عملا متقبلا ورزقا طیبا". رواہ إحمد وابن ماجہ والبیھقی فی الدعوات الکبیر	روایت ہے حضرت ام سلمہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر کے بعد یہ کہتے تھے الہی میں تجھ سے نفع بخش علم، مقبول عمل اور حلال طیب روزی مانگتا ہوں ۱؎ (احمد، ابن ماجہ، بیہقی دعوات کبیر)

۱؎ علم دل کا رزق ہے عمل بدن کی معنوی روزی اور حلال رزق ان دونوں کی اصل۔ حرام روزی سے نہ دل میں نور معرفت پیدا ہو، نہ اعمال میں لذت آئے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ بغیر علم نافع کے عمل صالح کی توفیق نہیں ملتی، تم جس کا علم و عمل تو اچھا دیکھو مگر اس کی روزی حرام ہو تو اس کی مچھر کے پر برابر پرواہ نہ کرو۔ عبادات خزانہ الہی میں محفوظ ہیں، دعا اس خزانہ کی چابی ہے اور رزق حلال اس چابی کے دانتے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اللہ اس کی نماز قبول نہیں کرتا جس کے پیٹ میں حرام بھرا ہو۔ خیال رہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی یہ دعا بعد نماز فجر یا تو گھر میں ہوتی تھی یا مسجد میں مگر بلند آواز سے جو گھر تک پہنچ جاتی تھی یا حضرت ام سلمہ خود جماعت کی آخری صفوں میں ہوتی تھیں اس لیے آپ کی دعا سنتی تھی۔

2499 - [18] لم تتم دراستہ وعن إبی ہریرۃ قال: دعاء حفظتہ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا إدعہ: "اللھم اجعلنی إعظم شکرک وإکثر ذکرک وإتبع نصحک وإحفظ وصیتک". رواہ الترمذی	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں میں نے ایک دعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یاد کی ہے جسے میں کبھی نہیں چھوڑتا، الہی مجھے تو ایسا کر دے کہ تیرا بہت شکر کروں اور تیرا بہت ذکر کروں ۱؎ اور تیری نصیحت کی پیروی کروں اور تیری وصیت کی حفاظت کروں ۲؎

	(ترمذی)

۱؎ أُعْظِمَ اور اُكْثِرَ باب تفعیل سے بھی ہو سکتے ہیں اور باب افعال سے بھی مگر افعال سے ہو نا زیادہ بہتر ہے یعنی الٰہی مجھے بہت نعمتیں دے اور ہر نعمت کے ہر شکر کی توفیق دے، شکر قولی بھی اور شکر عملی کی بھی اور مجھے توفیق دے کہ میں لسانی جنانی ارکانی ہر طرح تیرا ذکر کروں۔ذکر و شکر کی تفصیل ہماری"تفسیر نعیمی"جلد دوم میں دیکھئے۔

۲؎ نصیحت کے معنی ہیں خیر خواہی اور وصیت سے مراد رب کے تاکیدی حکم،چونکہ رب کے ہر حکم میں ہماری خیر خواہی ہے اگرچہ وہ حکم ہم پر گراں ہوں اور ہماری بہت دعائیں جو رد ہو جاتی ہیں۔اس میں بھی ہماری خیر خواہی ہوتی ہے کہ ہم ناسمجھی سے بری چیزیں مانگ لیتے ہیں اس لیے رب کی قضاء پر رضا اور اس کے احکام کی اتباع چاہیے۔

2500 - [19]لم تتم دراسته وعن عبد الله بن عمرو قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "اللهم إني إسألك الصحة والعفة والأمانة وحسن الخلق والرضى بالقدر "	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرمایا کرتے تھے اے اللہ میں تجھ سے تندرستی، پاک دامنی،امانت داری اور اچھے اخلاق اور تقدیر پر رضا مانگتا ہوں ۱؎

۱؎ یہ پانچ چیزیں لاکھوں نعمتوں کی جڑ ہیں، تندرستی میں ساری بیماریوں سے حفاظت آگئی اور پاکدامنی میں برے اعمال،اقوال و احوال سے حفاظت اور امانت میں تمام دلی بیماریوں سے امن اور حسن خلق میں ہر قسم کی بد معاملگی سے نجات اور رضا بالقضا میں دل کی بے چینی اور گھبراہٹ سے امان داخل ہے جسے یہ پانچ نعمتیں مل جائیں اسے سب کچھ مل گیا۔

2501 - [20]لم تتم دراسته وعن إم معبد قالت: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "اللهم طهر قلبي من النفاق وعملي من الرياء ولساني من الكذب وعيني من الخيانة فإنك تعلم خائنة الأعين وما تخفي الصدور ". رواهما البيهقي في الدعوات الكبير	روایت ہے حضرت ام معبد سے ۱؎ فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا الٰہی میرے دل کو نفاق سے اور میرے عمل کو دکھلاوے سے اور میری زبان کو جھوٹ سے اور میری آنکھ کو بد دیانتی سے پاک رکھ ۲؎ کیونکہ تو جانتا ہے خیانت والی آنکھ کو اور اس کو جسے سینے چھپاتے ہیں ۳؎ یہ دونوں حدیثیں بیہقی نے دعوات کبیر میں نقل کیں۔

۱؎ ام معبد دو ہیں: ام معبد بنت خالد اور ام معبد بنت کعب ابن مالک انصاریہ دونوں صحابیہ ہیں،پہلی ام معبد کے گھر میں بحالت ہجرت کچھ دن قیام فرمایا تھا جن کا واقعہ مشہور ہے،یہاں دوسری ام معبد مراد ہیں۔(اشعہ و مرقات)

۲؎ چونکہ سرکار ان تمام عیبوں سے پاک ہیں اس لیے اس دعا کے یہی معنی کیے جائیں گے کہ پاک رکھ یعنی مجھے اس پر استقامت دے جیسے رب تعالٰی فرماتا ہے:"یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اتَّقِ اللّٰهَ"یعنی اے نبی کریم یونہی اللہ سے ڈرے جاؤ۔

۳؎ خیانت والی آنکھ سے مراد چور نظری کرنے والی آنکھیں ہیں کن انکھیوں سے ناجائز چیزوں کو دیکھنا چور نظری ہے اور سینہ کے سارے عیوب حسد،کینہ،بغض،نفاق مَاتُخْفِی الصُّدُوْرِ میں داخل ہیں۔اس کی اور بہت شرحیں کی گئی ہیں مگر یہ شرح مختصر بھی ہے اور قوی بھی۔

2502 - [21] صحیح وعن إنس: إن رسول الله صلى الله عليه وسلم عاد رجلا من المسلمين قد	روایت ہے حضرت انس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مسلمان کی بیمار پرسی فرمائی جو بہت کمزور ہو گیا تھا ۱؎ کہ چوزہ کی

خفت فصار مثل الفرخ فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم: " هل كنت تدعو الله بشيء او تسأله إياه؟ " . قال: نعم كنت أقول: اللهم ما كنت معاقبي به في الآخرة فعجله لي في الدنيا. فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " سبحان الله لا تطيقه ولا تستطيعه أفلا قلت: اللهم آتنا في الدنيا حسنة وفي الآخرة حسنة وقنا عذاب النار " . قال: فدعا الله به فشفاه الله. رواه مسلم	طرح ہوگیا تھا اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تو اللہ سے کوئی خاص دعا کرتا تھا یا کوئی مانگتا تھا۲ وہ بولا میں یہ کہتا تھا الٰہی تو جو سزا مجھے آخرت میں دینے والا ہو وہ مجھے دنیا میں ہی دے دے ۳ تب اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سبحان اللہ تو اس کی طاقت اور قدرت نہیں رکھتا ۴ تو نے یہ کیوں نہ کہا خدایا ہمیں دنیا میں بھلائی دے اور آخرت میں بھلائی دے اور ہم کو آگ کے عذاب سے بچالے ۵ فرماتے ہیں اس نے اللہ سے یہ ہی دعا مانگی تو اللہ نے اسے شفا بخشی ۶ (مسلم)

۱ خفت کے معنی ہیں کمزور آواز جو بمشکل سنائی دے،اہل عرب کہتے ہیں **خفت المیت** مرنے والا خاموش ہوگیا یعنی وہ بیمار بوجہ کمزوری کے ضعیف الآواز والا ہوگیا تھا جس سے بطور لزوم اس کی کمزوری جسم بھی معلوم ہوگئی لہذا اگلا کلام اس سے پورا ربط رکھتا ہے۔

۲ یہاں راوی کو شک ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یا تو یہ فرمایا کہ تو خاص چیز مانگتا تھا۔خیال رہے کہ اللہ تعالٰی نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں کا حکیم مطلق بنا کر بھیجا، حضور علیہ الصلوۃ والسلام ہمارے ظاہری و باطنی امراض اور ان کے اسباب جانتے ہیں۔

۳ ان صحابی کی یہ عرض و معروض خوف آخرت اور خوف عذاب کی بنا پر ہے وہ سمجھے یہ تھے کہ گناہوں پر سزا ضرور ملتی ہے،اگر آخرت میں ملی تو سخت اور دیر پا ہوگی اور اگر دنیا میں ملی تو ہلکی اور عارضی ہوگی کہ موت ہر مصیبت کی انتہا ہے۔ان کی نظر اللہ کی معافی کی طرف نہ گئی۔معلوم ہوا کہ ہمیں تو رب تعالٰی سے مانگنا بھی نہیں آتا جب تک کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نہ سکھائیں۔

۴ یعنی نہ تو تو دنیا کے عذاب کی طاقت رکھتا ہے اور نہ آخرت کے عذاب کی لہذا یہ کلمہ ممکن نہیں اگرچہ خطاب ان صاحب ہی سے ہے مگر روئے سخن سب کی طرف ہے یعنی ساری مخلوق اس کے عذاب کی طاقت نہیں رکھتی وہ اپنا کرم ہی کرے۔

۵ اس دعا کی شرح پہلے کی جاچکی ہے۔ظاہر یہ ہے کہ یہاں بھلائی سے مراد گناہوں کی معافی، نعمتوں کی عطاء اور دونوں جہاں کی عافیت و امان ہے۔

۶ یا تو اس دعا ہی کی برکت سے بغیر دوا شفا دی یا کسی دوا کے ذریعہ۔ صحیح دوا کا میسر آنا اور اس کی تاثیر رب تعالٰی کے کرم سے ہے،دوسرے معنے مرقات نے اختیار فرمائے مگر پہلے معنی زیادہ قوی ہیں۔

2503 - [22] لم تتم دراسته وعن حذيفة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " لا ينبغي للمؤمن إن يذل نفسه " . قالوا: وكيف يذل نفسه؟ قال: "يتعرض من البلاء لما لا يطيق " رواه الترمذي وابن ماجه والبيهقي في شعب الإيمان . وقال الترمذي: هذا حديث حسن غريب	روایت ہے حضرت حذیفہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان کو یہ لائق نہیں کہ اپنے کو ذلیل کرے ۱ لوگوں نے پوچھا حضور ذلیل کیسے کرے فرمایا اپنے کو ان آفتوں پر پیش کرے جن کی طاقت نہ رکھتا ہو ۲ (ترمذی،ابن ماجہ، بیہقی شعب الایمان) اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے غریب ہے۔

۱ یعنی اپنی خواہش اور مرضی سے اپنے کو ذلت میں نہ ڈالے لہذا یہ فرمان اس حدیث کے خلاف نہیں کہ مؤمن علت و قلّت یا ذلت سے خالی نہیں رہتا، یہاں ذلت سے مراد عزت کے مقابلے میں ذلت نہیں بلکہ بے بسی مراد ہے

۲؎ یعنی یا تو رب سے سختیاں مانگ لے یا اپنے آپ کو بلا ضرورت سختیوں میں ڈال لے لہذا یہ حدیث احکام جہاد کے خلاف نہیں۔بدر میں ۳۱۳ بے سامان صحابہ ہزار ہتھیار بند کفار کے مقابلہ میں ڈٹ گئے کہ وہاں دینی ضرورت تھی۔

2504 - [23] لم تتم دراسته وعن عمر رضي الله عنه قال: علمني رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: " قل: اللهم اجعل سريرتي خيرا من علانيتي واجعل علانيتي صالحة اللهم إني إسائك من صالح ما تؤتي الناس من الأهل والمال والولد غير الضال ولا المضل " رواه الترمذي	روایت ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا سکھائی فرمایا کہو الله میرا باطن میرے ظاہر سے اچھا کردے اور میرے ظاہر کو نیک و صالح بنادے۱؎ اے اللہ میں تجھ سے وہ اچھا گھر بار،مال،اولاد جو نہ گمراہ ہو اور نہ گمراہ گر مانگتا ہوں جو تو لوگوں کو دیتا ہے۲؎ (ترمذی)

۱؎ سبحان اللہ! کیسی پیاری دعا ہے یعنی خدایا مجھے جسمانی پرہیزگاری بھی عطا فرما اور دلی تقویٰ ظاہری پرہیزگاری سے اعلیٰ ہو،ظاہر کا باطن سے اعلیٰ ہونا غضب الٰہی ہے کہ یہ ریاء ہے،نیز ظاہر خراب ہونا دل کا اچھا ہونا بھی برا کہ یہ فسق ہے،غذا بھی اچھی و اعلیٰ چاہیے اور برتن بھی صاف ستھرا۔

۲؎ ظاہر یہ ہے کہ گمراہ اور گمراہ گر ولد کی صفت ہے کیونکہ مال اگرچہ گمراہ گر تو ہوتا ہے مگر گمراہ نہیں ہوتا اور ہوسکتا ہے کہ ضال سے مراد خبیث اور برا ہو تو یہ تینوں کی صفت ہے یعنی خدایا ہمیں ایسی بیوی بچے اور مال نہ دے جو خود بھی خبیث ہوں اور ہمیں بھی خبیث کردیں۔

الحمدللہ کہ دعاؤں کا باب بخیر و بخوبی ختم ہوا،دعاؤں کے متعلق آخری گزارش یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ارشاد فرمودہ دعائیں بفضلہٖ تعالٰی تیر بہدف ہیں مگر دعاؤں کی قبولیت کے لیے چند چیزیں ضروری ہیں:سچی زبان،حلال روزی،دل حاضر،آنکھیں تر،قبولیت کی امید،تقویٰ و پرہیزگاری،رات کے آخری حصہ کی دعائیں جلد قبول ہوتی ہیں،اگر کبھی کسی دعا کے ظہور میں دیر لگے تو یقین کرنا چاہیے کہ ہم میں کچھ کوتاہی ہے،رب سچا،اس کے محبوب سچے ہم جھوٹے ہمارے اعمال کھوٹے ہیں۔ شعر

مری رات کی دعائیں جو نہیں قبول ہوتیں　　　میں سمجھ گیا یقینًا ابھی مجھ میں کچھ کمی ہے

کبھی دعا اس لئے بھی قبول نہیں ہوتی کہ کسی کی بد دعا ہمارے پیچھے پڑی ہوتی ہے پہلے بد دعاؤں کو بند کروں تاکہ دعائیں قبول ہوں،رب تعالٰی مقبول دعائیں نصیب کرے۔احمد یار خاں!

کتاب المناسک

کتاب حج کے ارکان[1]

الفصل الاول

پہلی فصل

[1] مناسك منسك کی جمع ہے جو نسیکه سے بنا،نسیکه کے معنی ہیں عبادت اسی لیے قربانی کو نسیکه اور قربانی کے وقت یا جگہ کو منسك کہا جاتا ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"لِکُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَکًا"۔اب شریعت میں مناسک ارکان حج کو کہتے ہیں یعنی اس باب میں حج کا ذکر ہوگا۔حج کے معنی ہیں قصد اور ارادہ،عبادت کی نیت سے کعبہ شریف کا ارادہ کرنا حج ہے۔حج کا سبب کعبہ معظّمہ ہے،کعبہ شریف سب سے پہلے فرشتوں نے بنایا بیت المعمور کے مقابل اسی کا نام فرشتوں کے ہاں ضراح تھا،آدم علیہ السلام کی پیدائش سے دو ہزار برس پہلے سے فرشتے اس کا حج کرتے تھے،پھر آدم علیہ السلام سے لے کر ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک صرف انبیائے کرام نے حج کعبہ کیا،کسی امت پر حج فرض نہ تھا، ۵ھ یا ۶ھ یا ۹ھ میں مسلمانوں پر حج فرض فرمایا گیا،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرضیت حج سے پہلے قبل ہجرت جو حج کیے وہ بطور عادتِ کریمہ تھے،آدم علیہ السلام نے ہندوستان سے پیدل چل کر چالیس حج کیے،حضور علیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حج میں حضرت موسیٰ علیہ السلام و یونس علیہ السلام و عیسیٰ علیہ السلام نے بھی شرکت کی اور حضور علیہ السلام کے ساتھ حج کیا۔معلوم ہوا کہ انبیائے کرام زندہ ہیں عبادتیں کرتے ہیں مگر ان کی یہ عبادتیں شرعی تکلیف سے نہیں ان کی خود اپنی خوشی سے ہے جیسے موسیٰ علیہ السلام کو حضور علیہ السلام نے ان کی قبر میں نماز پڑھتے دیکھا۔(مرقات و لمعات و اشعہ)

2505 - [1](صحیح) عن ابی ہریرۃ قال::خطبنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال:"یاایہا الناس قد فرض علیکم الحج فحجوا" فقال رجل:اکل عام یارسول اللہ؟فسکت حتی قالہا ثلاثا فقال:"لو قلت:نعم لوجبت ولما استطعتم"ثم قال:ذرونی ما ترکتکم فانما ہلک من کان قبلکم بکثرۃ سؤالہم واختلافہم علی انبیائہم فاذا امرتکم بشیء فاتوا منہ ما استطعتم واذا نہیتکم عن شیء فدعوہ".رواہ مسلم	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں ہم پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ پڑھا[1] تو فرمایا اے لوگو!تم پر حج فرض کیا گیا لہذا حج کرو[2] ایک شخص نے عرض کیا[3] یارسول اللہ کیا ہر سال حضور خاموش رہے حتی کہ اس شخص نے تین بار کہا[4] تو فرمایا کہ اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال واجب ہوجاتا اور تم نہ کرسکتے[5] پھر فرمایا مجھے چھوڑے رہو جس میں میں تم کو آزادی دوں[6] کیونکہ تم سے اگلے لوگ اپنے نبیوں سے زیادہ پوچھ گچھ اور زیادہ جھگڑنے کی وجہ سے ہی ہلاک ہوئے[7] لہذا جب میں تمہیں کسی چیز کا حکم دوں تو جہاں تک ہوسکے کر گزرو اور جب تمہیں کسی چیز سے منع کروں تو اسے چھوڑ دو[8](مسلم)

[1] یہ خطبہ حج فرض ہونے کے سال مدینہ منورہ میں تھا، ۸ھ میں فتح مکہ ہوئی تو بعض لوگوں نے حج کیا، ۹ھ میں حضرت ابوبکر صدیق نے لوگوں کو حج کرایا اور ۱۰ھ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حج فرمایا،ابن ہمام فرماتے ہیں کہ حج کی فرضیت ۵ھ یا ۶ھ یا ۹ھ میں ہے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اتنے عرصہ تک حج نہ کرنا اس لیے تھا کہ آپ کو اپنی زندگی اور اپنے حج کرنے کا علم تھا۔حق یہ ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت سے پہلے بھی دو یا تین حج کیے ہیں جیسا کہ ترمذی، ابن ماجہ و حاکم نے حضرت جابر وغیرہم سے روایت کی۔(مرقات)

۲؎ اگر حج کی فرضیت فتح مکہ سے پہلے ۵ھ یا ۶ھ میں ہوئی تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ جب تمہیں مکہ معظّمہ پہنچنا میسر ہوجائے تو حج کرنا، فرض تو ابھی ہوگیا ہے مگر اس کی اداواجب لازم ہوگی اور اگر فتح مکہ کے بعد ۹ھ میں فرض ہوا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس سال ہی حج کرو۔

۳؎ یہ عرض کرنے والے حضرت اقرع ابن حابس تھے، وہ سمجھے یہ کہ ہر رمضان میں روزے فرض ہوتے ہیں تو چاہیے کہ بقرعید میں حج فرض ہو کہ پھر یہ سوچا کہ اس میں لوگوں کو بہت دشواری ہوگی کیونکہ روزے تو اپنے گھر میں ہی رکھ لیے جاتے ہیں مگر حج کے لیے مکہ معظّمہ جانا پڑتا ہے اور اطراف عالم سے ہر سال بیت اللہ شریف پہنچنا بہت مشکل ہوگا اس لیے آپ نے یہ سوال کیا اور بار بار کیا تاکہ مسئلہ واضح ہوجائے۔

۴؎ اس سوال پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاموشی اس لیے تھی کہ سائل سوال سے باز آجائے تاکہ ہم کو جواب کی ضرورت نہ ہو مگر سائل شوق کی زیادتی سے یہ اشارہ نہ سمجھ سکا۔

۵؎ یعنی پورا جواب تو کیا معنی، اگر ہم صرف ہاں کہہ دیتے تب بھی ہر سال حج فرض ہوجاتا۔اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ اللہ تعالٰی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو احکام شرعیہ کا مالک بنایا ہے کہ آپ کی ہاں اور نہ میں تاثیر ہے جس کے قوی دلائل موجود ہیں کیوں نہ ہو کہ آپ کا کلام وحی الٰہی ہے، رب تعالٰی فرماتا ہے: "وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْىٌ يُّوْحٰى"۔اس کی پوری تحقیق ہماری کتاب "سلطنت مصطفٰی" میں ملاحظہ فرمائیے۔دوسرے یہ کہ بزرگوں سے اعمال اور وظیفوں میں قید یا پابندی نہ لگوانی چاہیے بلا قید عمل کرنا چاہیے۔

۶؎ یعنی ہمارے احکام میں کیوں، کیسے اور کب کہہ کر قید نہ لگائیں ہم شرعی احکام کی تبلیغ ہی کے لیے تو بھیجے گئے ہیں ضروری چیزیں ہم خود بیان فرمادیں گے۔(لمعات)

۷؎ اس طرح کہ انہوں نے زیادہ پوچھ پوچھ کر پابندیاں لگوالیں، پھر ان پابندیوں پر عمل نہ کرسکے یا انہوں نے عمل تو کیا مگر بہت مشکل سے جیسے ذبح گائے کا واقعہ ہوا۔

۸؎ یعنی میرے احکام پر عمل کرنا فرض ہے اور ممنوعات سے بچنا لازم، یہ دونوں کام بقدر طاقت ہیں اگر نماز کھڑے ہوکر نہ پڑھ سکو تو بیٹھ کر پڑھ لو، اگر جان پر بن جائے تو مردار کھالو۔اس سے معلوم ہوا کہ جیسے وجوب و فرضیت کے لیے امر ضروری ہے ایسے ہی حرمت و ممانعت کے لیے نہی لازم، جس چیز کا حکم بھی نہ ہو اور ممانعت بھی نہ ہو وہ جائز ہے، رب تعالٰی فرماتا ہے: "وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا"۔بعض جو کہتے ہیں کہ جو کام حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے نہ کیا ہو وہ حرام ہے غلط ہے قرآن شریف کے بھی خلاف ہے اور اس قسم کی احادیث کے بھی۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کون سا عمل بہتر ہے فرمایا اللہ رسول پر ایمان لانا ۱؎ عرض کیا گیا پھر کون سا فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا، عرض کیا گیا پھر کون سا فرمایا مقبول حج ۲؎ (مسلم، بخاری)

۱؎ افضل سے مراد درجہ اور ثواب میں زیادہ، چونکہ ایمان عقائد کا نام ہے اور عقیدہ دل کا عمل ہے اس لیے ایمان کو اعمال میں داخل کیا گیا، نحوی لوگ جاننے پہچاننے اور ماننے کو افعال قلوب کہتے ہیں، چونکہ سارے اعمال کی صحت و قبولیت ایمان پر موقوف ہے اس لیے ایمان کا سب سے پہلے ذکر کیا گیا۔
۲؎ اللہ کی راہ کا جہاد وہ جنگ ہے جس میں محض رب کو راضی کرنا اور اسلام کی اشاعت منظور ہو، مال، ملک، عزت حاصل کرنے کے لیے جنگ کرنا فتنہ ہے جہاد نہیں۔ شعر

جنگ شاہاں فتنہ و غارت گری است　　　　جنگ مؤمن سنت پیغمبری است

چونکہ حج بدنی و مالی عبادات کا مجموعہ ہے اس لیے اس کا بھی بڑا درجہ ہے۔ حج مقبول و مبرور وہ ہے جو لڑائی جھگڑے گناہ وریاء سے خالی ہو اور صحیح ادا کیا جائے۔ خیال رہے کہ بعض احادیث میں ایمان کے بعد نماز کا ذکر ہے مگر یہاں جہاد کا ذکر آیا اس لیے کہ جہاد فی سبیل اللہ اکثر نمازی ہی کرتے ہیں یا بعض ہنگامی حالات میں جہاد نماز سے افضل ہو جاتا ہے، دیکھو حضور صلی اللہ علیہ و سلم نے غزوۂ خندق میں زیادہ مشغولیت کی بنا پر پانچ نمازیں قضاء فرمادیں لہٰذا احادیث میں تعارض نہیں۔ ہنگامی حالات اور ہوتے ہیں معمول پر پہنچنے کے بعد دوسرے حالات۔

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے کہ جو اللہ کے لیے حج کرے تو نہ فحش کلامی کرے نہ فسق کی باتیں تو ایسا لوٹے گا جیسے اسے ماں نے آج جنا ۱؎ (مسلم، بخاری)	

۱؎ حج کے بیان میں رفث سے مراد ہوتا ہے بیوی سے صحبت یا صحبت کے اسباب پر عمل یا صحبت کی گفتگو اور فسق سے مراد ہوتا ہے ساتھیوں سے لڑائی جھگڑا یعنی جو رضائے الٰہی کے لیے حج کرے اور حج کو فحش باتوں، لڑائی جھگڑوں سے پاک و صاف رکھے تو گناہ صغیرہ سے تو یقیناً اور کبیرہ سے احتمالاً بالکل صاف ہو جائے گا حقوق العباد تو ادا ہی کرنا پڑیں گے۔ حق یہ ہے کہ تاجر حاجی کو بھی ثواب ملے گا مگر مخلص حاجی سے کم۔ (مرقات)

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے عمرہ سے دوسرے عمرہ تک درمیان کے گناہوں کا کفارہ ہے ۱؎ اور مقبول حج کا بدلہ جنت کے سوا کچھ نہیں ۲؎ (مسلم، بخاری)	

۱؎ علماء فرماتے ہیں کہ دو عمروں کے درمیان کے گناہ صغیرہ معاف ہو جاتے ہیں اور حج مقبول میں گناہ کبیرہ کی معافی کی بھی قوی امید ہے۔
۲؎ یعنی حج مقبول کی جزاء تو یقیناً ہے اس کے علاوہ دنیا میں غنا، دعا کی قبولیت بھی عطا ہو جائے تو رب کا کرم ہے حصر ایک جانب میں ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول صلی اللہ علیہ و سلم نے کہ ماہ رمضان میں عمرہ کرنا حج کے برابر ہے ۱؎ (مسلم، بخاری)	

۱؎ یعنی ماہ رمضان میں کسی وقت عمرہ دن یا رات میں اس کا ثواب حج کے برابر ہے۔ معلوم ہوا کہ جگہ اور وقت کا اثر عبادت پر پڑتا ہے۔ اعلیٰ جگہ اور اعلیٰ وقت میں عبادت بھی اعلیٰ ہوتی ہے۔ (مرقات) حضور صلی اللہ علیہ و سلم کے سارے عمرہ ذیقعدہ میں ہوئے۔

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم مقام روحاء میں ایک قافلہ سے ملے ۱؎ تو فرمایا یہ کون قوم ہے وہ بولے ہم مسلمان ہیں، پھر بولے آپ کون ہیں فرمایا اللہ کا رسول ۲؎ تب آپ کی خدمت میں کسی عورت نے ایک بچہ آپ کی طرف اٹھایا بولی کیا اس کا بھی حج ہو سکتا ہے ۳؎ فرمایا ہاں تجھے ثواب ہے ۴؎ (مسلم)	

۱؎ روحاء مدینہ منورہ سے چھتیس[36] یا چالیس میل دور مکہ معظّمہ کے راستہ پر ایک منزل ہے،یہاں ہی حضرت آمنہ خاتون کا انتقال ہوا۔
۲؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حجۃالوداع کے لیے تشریف لے جارہے تھے ادھر سے کوئی اور قافلہ بھی حج کے لیے آرہا تھا کہ ملاقات ہوگئی اور یہ سوال و جواب واقع ہوئے۔
۳؎ غالبًا یہ بچہ شیر خوار تھا اس نے عرض کیا کہ اگر میں اس کا احرام بندھوادوں اور اسے گود میں لے کر سارے ارکان حج ادا کروں تو کیا میرے حج کے ساتھ اس کا حج بھی ہوجائے گا۔
۴؎ یعنی بچہ کو بھی اس کا ثواب ملے گا حج کرنے کا اور تجھے بھی اس کے حج کا ثواب ملے گا حج کرانے کا۔فقہاء فرماتے ہیں کہ اگرچہ نابالغ بچہ کا حج ثواب کے لحاظ سے تو ہوجائے گا مگر اس سے حجۃالاسلام ادا نہ ہوگا،بالغ ہونے پر پھر حج کرنے پڑے گا لیکن اگر فقیر یا غلام حج کرے تو ان کا حجۃالاسلام ادا ہوجائے گا کہ امیری یا آزادی کے بعد انہیں دوبارہ حج کرنا ضروری نہیں کہ ہر شخص مکہ معظّمہ پہنچ کر وہاں کا ہی مانا جاتا ہے،مکہ کا فقیر یا غلام حج اسلام کرسکتا ہے مگر معظّمہ کے چھوٹے بچوں کے حج سے حجۃالاسلام ادا نہیں ہوتا۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بچوں کی نیکیوں کا ثواب ماں باپ کو بھی ملتا ہے لہذا انہیں نماز روزہ کا پابند بناؤ۔

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں کہ قبیلہ خثعم کی ایک عورت نے عرض کیا ۱؎ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے فریضہ نے جو حج کے متعلق بندوں پر ہے میرے باپ کو بہت بڑھاپے میں پایا ہے جو سواری پر بیٹھ نہیں سکتا تھا ۲؎ تو کیا میں اس کی طرف سے حج کردوں فرمایا ہاں یہ واقعہ حجۃالوداع میں ہوا ۳؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ یہ وہ عورت ہے جس کے متعلق بیہقی شریف میں ہے کہ ایک حسینہ عورت نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ہی مسئلہ پوچھا حضرت فضل ابن عباس جو اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹ پر سوار تھے اسے دیکھنے لگے اور وہ انہیں دیکھنے لگی،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فضل کا منہ دوسری طرف پھیر دیا اور فرمایا کہ زمانہ حج میں جو شخص اپنے آنکھ کان زبان کی حفاظت کرے ان کا مالک رہے تو اس کی ضرور بخشش کی جاتی ہے۔(مرقات وغیرہ)حضرت فضل ابن عباس بھی بہت خوبصورت جوان تھے اس لیے وہ عورت بھی اس طرف دیکھتی تھی۔(اشعہ)
۲؎ یعنی میرے باپ پر بڑھاپے میں حج فرض ہوا ہے یا اس طرح کہ اسلام میں فرضیت حج کا حکم جب آیا تو بڈھے تھے یا اس طرح کہ ان کے پاس مال بڑھاپے میں ہی آیا ہے،یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ اس نے حج نہ کیا حتّٰی کہ بڈھا ہوگیا،پہلے معنی پر یہ حدیث امام شافعی کی دلیل ہے۔خیال رہے کہ اگر بہت بڑھاپے و معذوری کی حالت میں مسلمان صاحب نصاب ہو جب کہ سواری پر بھی سفر نہ کرسکے تو امام ابوحنیفہ کے ہاں اس پر حج فرض نہ ہوگا کہ وہ "مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیۡہِ سَبِیۡلًا" میں داخل نہیں۔امام شافعی کے ہاں فرض ہوجائے گا،ہاں صاحبین کے ہاں اگر یہ بڈھا دوسرے ساتھی مددگار کے خرچہ پر بھی قادر ہو تو حج فرض ہوجائے گا۔
۳؎ اس جواب سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ ایسا معذور شخص جس میں طاقت آنے کی امید نہ ہو حج بدل کراسکتا ہے،حج نفل میں طاقتور آدمی بھی کراسکتا ہے۔دوسرے یہ کہ عورت مرد کی طرف سے حج کرسکتی ہے اگرچہ مرد و عورت کے طریقہ حج میں قدرے فرق ہوتا ہے۔

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا بولا کہ میری بہن نے حج کی منت مانی تھی اور	

وہ مر گئی ۱؎ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر اس پر قرض ہوتا تو تو ادا کرتا بولا ہاں ضرور فرمایا تو اللہ کا قرض بھی ادا کر ۲؎ وہ تو زیادہ ادا کے لائق ہے ۳؎ (مسلم، بخاری)	

۱؎ یعنی وہ بہن حج نذر ادا کیے بغیر مر گئی، کیا میں اس کی طرف سے حج کروں یا کسی سے کرادوں۔ غالبًا یہ شخص اس بہن کے مال کا وارث ہوا تھا۔

۲؎ امام شافعی کے ہاں میت کا حج فرض اصل مال سے کرایا جائے گا کہ حج ایک قسم کا قرض ہے اور قرض میراث پر مقدم ہوتا ہے۔ ہمارے امام صاحب کے ہاں اگر میت حج بدل کرانے کی وصیت کر گیا ہے تو تہائی مال سے حج کرایا جائے گا۔ غرضکہ امام شافعی کے ہاں میت کے ذمہ کا حج قرض کی طرح ہے اور ہمارے ہاں وصیت۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فقہی قیاس برحق ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حق اللہ کو حق العبد پر قیاس فرمایا، یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی بھی قیاس کرسکتے ہیں۔

۳؎ کیونکہ خدا تعالٰی کا حق بندوں کے حق سے زیادہ ہے کہ وہ ہمارا مالک و مولٰی ہے۔ خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان استحباب پر مبنی ہے یعنی بہتر ہے کہ تو اس کی طرف سے حج کردے ورنہ اگر میت کی ذمہ زکوۃ یا کفارہ قسم وغیرہ رہ گئے ہوں تو وہ کسی کے ہاں میراث پر مقدم نہیں بلکہ وصیت کی صورت میں تہائی مال سے ادا کیے جائیں گے لہذا مذہب حنفی نہایت قوی ہے، بندوں کے قرض میراث پر مقدم نہیں کہ بندہ محتاج ہے رب غنی۔

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کوئی شخص کسی عورت سے خلوت نہ کرے ۱؎ اور کوئی عورت اس کے بغیر سفر نہ کرے کہ اس کے ساتھ کوئی محرم ہو ۲؎ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ میں فلاں جہاد میں لکھ لیا گیا ہوں اور میری بیوی حج کو جارہی ہے فرمایا جا اپنی بیوی کے ساتھ حج کر ۳؎ (مسلم، بخاری)	

۱؎ یعنی جس عورت سے نکاح جائز ہو اس کے ساتھ تنہائی میں نہ بیٹھے کہ فتنہ کا اندیشہ ہے، ماں، بہن، بیٹی کا یہ حکم نہیں۔

۲؎ محرم عورت کا وہ عزیز ہے جس سے نسب یا رضاعت یا صہریت کی وجہ سے ہمیشہ نکاح حرام ہو لہذا رضاعی بھائی سسر و داماد وغیرہ کے ساتھ سفر جائز ہے لہذا اگر عورت مکہ معظّمہ سے تاحدِ سفر دور ہو اس پر بغیر محرم حج فرض نہ ہوگا، یہ ہی مذہب احناف ہے۔

۳؎ اس وقت جہاد فرض عین نہ تھا فرض کفایہ تھا کہ تھوڑے مسلمان کفار کا مقابلہ کرسکتے تھے اس لیے اس کا نام مجاہدین کی فہرست سے خارج کردیا گیا۔ خیال رہے کہ امام شافعی کے ہاں چند عورتیں ثقہ مل کر حج کرسکتی ہیں، امام مالک کے ہاں ثقہ مرد کے ساتھ بھی حج جائز ہے جیسے ہجرت، بعض اماموں کے ہاں اگرچہ چند عورتیں مل کر حج کریں اور ان میں سے ایک عورت کا محرم ساتھ ہو تو سب کا حج درست ہے مگر مذہب احناف قوی ہے، چونکہ اس شخص کی جگہ دوسرا آدمی جہاد کرسکتا تھا مگر دوسرا آدمی اس کی بیوی کو حج نہیں کراسکتا تھا اس لیے مجاہدین سے نکال کر حج کرانے کا حکم دیا گیا کہ ابھی انکی بیوی حج کو روانہ نہ ہوئی تھی بلکہ تیاری کررہی تھی۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جہاد کے متعلق اجازت مانگی ۱؎ تو فرمایا عورتوں کا جہاد حج ہے ۲؎ (مسلم، بخاری)	

۱؎ کہ مجھے بھی میدان جہاد میں اپنے ساتھ لے چلیں، مجاہدین کی مرہم پٹی و دیگر خدمات کروں گی اور اگر ضرورت پڑی تو کفار سے لڑوں گی بھی۔

۲؎ یعنی عورتوں پر جہاد فرض نہیں حج فرض ہے اگر ان میں اس کی طاقت ہو۔خیال رہے کہ کبھی ہنگامی حالات ایسے نازک ہو جاتے ہیں کہ عورتوں کا بھی جہاد کرنا پڑتا ہے جب کہ مرد جہاد کے لیے ناکافی ہوں، کفار کا دباؤ بڑھ جائے، یہ حدیث نارمل (Normal) حالات کی ہے۔اور جن احادیث میں عورتوں کا جہاد میں جانا ثابت ہے وہ ہنگامی حالات میں ہے لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔اس حدیث سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو جوان لڑکیوں کو تعلیم کے بہانہ اکیلی پردیس میں بھیج دیتے ہیں جہاں اسکولوں میں مخلوط تعلیم دی جاتی ہے،وہ بھی عبرت پکڑیں جو جہاد پریڈ (Prade) کے بہانہ عورتوں کو بے پردہ پھراتے ہیں۔شعر

کر اب یہ فکر کہ بیٹا حج خفیفہ ہو یہ فکر چھوڑ کہ بیٹی تیری عفیفہ ہو

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کوئی عورت ایک دن ورات کا سفر اس کے بغیر نہ کرے ۱؎ کہ اس کے ساتھ اس کا محرم ہو ۲؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ اس ممانعت کے حکم سے مہاجرہ اور کفار کی قید سے چھوٹنے والی عورت خارج ہے کہ یہ دونوں عورتیں بغیر محرم اکیلی ہی دارالسلام کی طرف سفر کرسکتی ہیں بلکہ یہ سفر ان پر واجب ہے،اس کی دلیل وہ حدیث ہے کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریب ہے کہ عورت اکیلی بصرہ سے بیت اللہ آئے گی اور بجز رب تعالٰی کے کسی سے خوف نہ کرے گی۔(بخاری) لہذا یہ حدیث نہ تو اس حدیث کے مخالف ہے نہ حکم فقہاء اس حدیث کے خلاف۔(مرقات وغیرہ)

۲؎ محرم کے معنی پہلے بیان کیے گئے کہ جس عورت سے نسبتی ورضاعی رشتہ کی بنا پر نکاح ہمیشہ کے لیے حرام ہو لہذا بہنوئی کے ساتھ سالی،دیور کے ساتھ بھاوج،یوں ہی بالشبہ ہو، موطوہ کی ماں اس داماد کے ساتھ سفر نہیں کرسکتی کہ دیور اور بہنوئی سے نکاح دائمًا حرام نہیں اور بالشبہ موطوہ کی ماں سے اگرچہ ہمیشہ کے لیے نکاح حرام ہے مگر وہ محرم نہیں ان سے پردہ فرض ہے۔خیال رہے کہ یہاں تو ایک دن رات کا ذکر ہوا اور بعض روایات میں دو دن دو رات کا ذکر ہے،بعض میں تین دن تین رات کا ذکر ہے۔معلوم ہوا کہ ان احادیث میں حد بندی مقصود نہیں۔مطلب یہ ہے کہ چھوٹا بڑا کوئی سفر اکیلے نہ کرے یا یہ احکام مختلف حالات میں ہیں، نازک حالات میں ایک دن رات کا سفر بھی اکیلے نہ کرے، بعض نارمل (normal) حالات میں تین دن سے کم کا سفر اکیلے کرسکتی ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ والوں کے لیے جو ذوالحلیفہ کو (میقات) احرامگاہ بنایا اور شام والوں کے لیے حجفہ کو ۱؎ اور نجدیوں کے لیے قرن منازل کو ۲؎ اور یمن والوں کے لیے یلملم کو ۳؎ یہ میقات ان کے باشندوں کے لیے بھی ہیں اور ان کے لیے بھی جو ان کا باشندہ نہ ہو مگر ان پر سے گزرے ۴؎ جو حج یا عمرہ کا ارادہ کرتا ہو ۵؎ پھر جو ان میقاتوں کے اندر کا باشندہ ہو تو اس کا احرام اپنے گھر سے ہے اور اسی طرح حتی کہ مکہ والے مکہ سے ہی احرام باندھیں ۶؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ میقات وہ جگہ کہلاتی ہے جہاں سے حاجی یا عمرہ کرنے والے کو بغیر احرام آگے بڑھنا حرام ہے۔مکہ مکرمہ کے چار راستے ہیں،ان چاروں راستوں کے لیے یہ چار حدود ہیں۔چنانچہ مدینہ والوں کے لیے مقام ذوالحلیفہ میقات ہے جو مدینہ طیبہ سے قریبًا تین میل ہے جسے اب بیر علی کہتے ہیں فقیر نے

زیارت کی ہے بعض روافض کہتے ہیں کہ یہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کنوئیں میں جنات سے جنگ کی تھی اس لیے اسے بیر علی کہا جاتا ہے مگر یہ محض جھوٹ ہے۔(مرقات)اب شام کے لوگ مدینہ منورہ کے راستے جاتے ہیں لہذا ان کا میقات بھی یہ ہی ہے ان کے پرانے راستے پر جحفہ میقات تھا،جحفہ مکہ معظّمہ سے پچاس ۵۰ کوس جانب شام ہے۔جحفہ کے معنی ہیں سیلاب کا بہاؤ،یہاں ایک دفعہ زبردست سیلاب آیا تھا اس لیے جحفہ نام ہوا،اصلی نام مہیعہ ہے اسے ایک شخص مہیعہ نامی نے آباد کیا تھا۔(مرقات)

۲؎ نجد کے معنی ہیں اونچی زمین غور کا مقابل،اب یہ عرب کا ایک صوبہ ہے جو یمامہ سے عراق تک پھیلا ہوا ہے قرن منازل کے معنی ہیں منزلوں کے ملنے کی جگہ یہ ایک گول پہاڑ ہے چکنا۔

۳؎ یلملم یا الملم بھی ایک پہاڑ ہے،ہندی اور پاکستانیوں کا میقات بھی یہ ہی ہے جو کامران سے نکل کر سمندر میں آتا ہے وہاں ہی ہم لوگ احرام باندھتے ہیں کیونکہ ہم لوگ براستہ عدن مکہ معظّمہ جاتے ہیں،عدن یمن کا مشہور شہر ہے۔

۴؎ یعنی جو حاجی ان مقامات سے گزرے وہ ان ہی جگہوں سے احرام باندھے خواہ یمن کا باشندہ ہو۔

۵؎ یعنی احرام باندھنا ان مقامات پر اسے لازم ہے جو بارادہ حج یا عمرہ یہاں سے گزرے مگر جو مکہ معظّمہ جاہی نہ رہا ہو تو ان میقاتوں پر اسے احرام باندھنا لازم نہیں جیسے اب جو حجاج پہلے مدینہ منورہ جانا چاہیں وہ میقات سے بغیر احرام گزر جائیں،پھر زیارت مدینہ منورہ کے بعد جب مکہ معظّمہ چلیں تو ذوالحلیفہ سے احرام باندھیں۔امام شافعی اس جملہ کے معنی یہ کہتے ہیں کہ جو شخص مکہ معظّمہ تو جارہا ہو مگر حج یا عمرہ کے لیے نہیں بلکہ کسی اور کام کے لیے وہ بغیر احرام میقات سے گزر سکتا ہے،ہمارے مذہب میں بیرون میقات رہنے والا کسی نیت سے مکہ معظّمہ جائے میقات پر اسے احرام لازم ہے،ہاں خود مکہ والا اگر کسی وجہ سے میقات سے باہر گیا پھر مکہ معظّمہ لوٹا اسے احرام باندھنے کی ضرورت نہیں جیسے دن رات مکہ معظّمہ سے لوگ طائف آتے جاتے ہیں ہماری دلیل وہ حدیث ہے "لایجاوز احد المیقات الا محرما" کوئی شخص میقات سے بغیر احرام آگے نہ بڑھے اور اس جملہ کے دو معنی ہیں جو عرض کیے گئے کہ مکہ معظّمہ جانے کا ارادہ کرے تو احرام باندھے۔

۶؎ یعنی میقات کے اندر رہنے والے حج کا احرام اپنے گھر سے باندھیں حتی کہ مکہ والے بھی اپنے گھر سے باندھیں لہذا جدہ والے حج یا عمرہ کا احرام گھر باندھ کر ہی چلیں۔خیال رہے کہ مکہ والے عمرہ کا احرام حرم شریف کی حدود سے باہر آکر باندھیں گے اور حج کا احرام گھر سے کیونکہ عمرہ مکہ معظّمہ میں ادا ہوتا ہے اور حج بیرون حرم عرفات میں ادا ہوتا ہے تو کچھ سفر کرانے کے لیے شریعت نے مکہ کے عمرہ کے لیے یہ پابندی لگائی،اب مقام تنعیم مسجد عائشہ سے عمرہ کا احرام باندھا جاتا ہے۔

روایت ہے حضرت جابر سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا مدینہ والوں کا احرام گاہ ذوالحلیفہ سے ہے اور ان کا دوسرا راستہ جحفہ ہے ۱؎ اور عرق والوں کا احرام گاہ ذات عرق سے ہے ۲؎ اور نجد والوں کا احرام گاہ قرن ہے اور یمن والوں کا احرام گاہ یلملم ہے۔(مسلم)	

۱؎ یعنی مدینہ والے اگر براستہ شام مکہ معظّمہ جائیں کہ ان کی راہ میں ذوالحلیفہ بھی آئے اور جحفہ بھی تو ان پر جحفہ سے احرام باندھنا واجب ہے لیکن اگر ذوالحلیفہ سے ہی احرام باندھ لیں تو بہتر ہے،یہ حدیث احناف کی قوی دلیل ہے کہ جو شخص دو میقاتوں سے گزرے اس پر آخری میقات سے احرام باندھنا فرض ہے نہ کہ پہلے میقات پر،امام شافعی کے ہاں پہلے میقات پر احرام باندھنا فرض ہے،یہ حدیث ہماری تائید فرمارہی ہے۔

۲؎ عرق کے لغوی معانی ہیں کنارہ دریا،چونکہ عراق کا علاقہ دجلہ وفرات کے کناروں پر ہے اس لیے اسے عراق کہتے ہیں عراق کی لمبائی عبادان سے موصل تک ہے اور چوڑائی قادسیہ سے حلوان تک۔ذات عرق،قرن منازل کے مقابل واقع ہے،عراق کے مشہور مقامات

بصرہ،بغداد،کربلا،نجف،موصل ہیں۔اگرچہ عراق وشام عہد فاروقی میں فتح ہوئے مگر چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علم تھا کہ یہ علاقے فتح ہوں گے اور یہاں سے حجاج آیا کریں گے اسی لیے ان کے میقات مقرر فرمادیئے،ان پر عمل عہد فاروقی سے ہوا،جن روایات میں ہے کہ ان دونوں میقاتوں کو حضرت عمر نے مقرر فرمایا وہاں عملی تقرر مراد ہے۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار عمرے کیے[1] جو سب ذیقعدہ میں تھے سوائے اس عمرہ کے جو آپ کے حج کیساتھ تھا[2] حدیبیہ کا عمرہ ذیقعدہ میں سال آئندہ کا عمرہ ذیقعدہ میں ہی[3] اور جعرانہ کا عمرہ جہاں حنین کی غنیمتیں تقسیم فرمائیں وہ بھی ذیقعدہ میں[4] اور ایک عمرہ آپ کے حج کے ساتھ والا[5] (مسلم،بخاری)	

[1] یعنی ہجرت کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کل چار عمرے کیے بیرون مکہ سے آکر۔(مرقات)

[2] یعنی حج کے ساتھ والا عمرہ تو ذی الحجہ کے مہینہ میں ہوا باقی تین ذیقعدہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں قران کیا تھا یہ ہی قوی ہے۔

[3] مکہ معظّمہ سے نو میل دور جانب مدینہ منورہ ایک میدان اور وہاں کے ایک درخت کا نام حدیبیہ ہے اس کا اکثر حصہ حرم شریف میں داخل ہے،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم شروع ذی قعدہ ۶ھ پیر کے دن مدینہ منورہ سے چودہ سو صحابہ کے ہمراہ عمرہ کی نیت سے روانہ ہوئے جب حدیبیہ میں پہنچے تو قریش مکہ نے مسلمانوں کو عمرہ سے روک دیا،آخر کار اس پر صلح ہوئی کہ سال آئندہ عمرہ کریں،اس سال ویسے ہی بغیر عمرہ کیے واپس جائیں،پھر ۷ھ ذیقعدہ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ قضاء کیا اگرچہ ۶ھ میں عمرہ نہ ہوسکا مگر اسے عمرہ ہی شمار کیا گیا کہ ثواب تو عمرہ کامل ہی گیا۔غرضکہ بعد ہجرت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین عمرے حقیقی کیے اور ایک عمرہ حکمی کیا۔اس سے مذہب حنفی ثابت ہوا کہ نفلی عبادت شروع کردینے سے واجب ہوجاتی ہے کہ اگر پوری نہ ہوسکے تو قضاء کرنی پڑتی ہے کیونکہ یہ عمرہ نفل تھا جس کے رہ جانے پر قضا کرنی پڑتی ہے۔

[4] یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا تیسرا عمرہ وہ ہے جو جنگ حنین میں فتح فرمانے کے بعد تقسیم غنیمت فرما کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا کہ بارہ ذیقعدہ ۸ھ میں بعد نماز عشاء مقام جعرانہ سے احرام باندھ کر روانہ ہوئے اور راتوں رات عمرہ کر کے واپس آئے،نماز فجر جعرانہ میں ہی ادا کی،جعرانہ مکہ معظّمہ سے قریبًا تین میل طائف کے راستہ پر واقعہ ہے،اب اسے سہل کہتے ہیں،فقیر نے اس میدان کی زیارت کی ہے۔

[5] یعنی چوتھا عمرہ ۱۰ھ میں حج کے ساتھ کیا یہ عمرہ شروع ذی الحجہ میں ہوا مگر حجۃ الاسلام حضور نے ایک ہی کیا،ہجرت سے پہلے قریش کے ساتھ بہت حج کیے جن کی تعداد معلوم نہیں۔(اشعہ)

روایت ہے حضرت براء ابن عازب سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج سے پہلے ذیقعدہ میں دوبار عمرے کیے[1] (بخاری)	

[1] یہاں حقیقی عمرے مراد ہیں یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حقیقتًا کل تین عمرے کیے:دو تو حج سے پہلے،ایک حدیبیہ کی قضاء کا،دوسرا فتح حنین کے بعد جعرانہ سے احرام باندھ کر،تیسرا حج کے ساتھ جس کا احرام ذیقعدہ کی آخری تاریخوں میں باندھا اور افعال عمرہ چار ذی الحجہ کو ادا کیے جن راویوں نے چار عمروں کی روایت کی وہ حکمی عمرے کو بھی شامل کر کے ہے یعنی خود صلح حدیبیہ کے سال کا عمرہ لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اے لوگو اللہ نے تم پر حج فرض کیا تو اقرع بن حابس کھڑے ہوگئے [1] عرض کیا یارسول اللہ کیا ہر سال فرمایا اگر ہم ہاں کہہ دیتے تو اسی طرح فرض ہو جاتا [2] اور اگر یہ فرض ہوتا تو تم نہ عمل کرتے اور نہ کرسکتے پس حج تو ایک بار ہی ہے جو زیادہ کیا تو نفل کیا [3] (احمد، نسائی، دارمی) [4]

[1] اس کی شرح پہلے گزر چکی کہ اقرع ابن حابس نے حج کو روزہ اور زکوۃ پر قیاس کیا کہ جب وہ ہر سال ہوتے ہیں تو یہ بھی ہر سال چاہیے مگر چونکہ حج ہر سال واجب ہونے میں انہیں دشواری ہوگی اس لیے یہ سوال کیا۔ خیال رہے کہ حضرت اقرع بن حابس فتح مکہ کے موقعہ پر بنی تمیم کے وفد میں حاضر ہو کر اسلام لائے اسلام سے پہلے بھی اور بعد اسلام بھی بہت شاندار بتائے گئے۔

[2] قُلْتُهَا میں هَا کلمہ اقرع کی طرف لوٹ رہی ہے اور یہاں مضاف پوشیدہ ہے یعنی اگر ہم کلمہ اقرع کے جواب میں ہاں کہہ دیتے تو ایسا ہی ہو جاتا۔ معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مالک احکام ہیں جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا۔

[3] یعنی مکہ والوں اور غیر مکی پر عمر میں ایک بار ہی حج فرض ہے اس کے علاوہ نفل، بعض شافعی لوگ کہتے ہیں کہ ایک بار حج فرض عین ہے اس کے سواء فرض کفایہ۔ یہ حدیث ان کے صراحتًا خلاف ہے اور اس کی احکام شرعیہ میں نظیر بھی نہیں ملتی ہاں جسے خدا قدرت دے اسے ہر پانچ سال میں ایک بار حج کرنا مستحب ہے۔ ابن حبان نے مرفوعًا روایت کی کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جسے خدا تندرستی، مال اور قدرت دے، پھر وہ پانچ سال تک حج نہ کرے وہ محروم ہے، بعض لوگوں نے اس حدیث کی بنا پر پانچ سال میں ایک بار حج واجب مانا ہے مگر یہ خلاف اجماع ہے۔ (مرقات)

[4] اسے دار قطنی، حاکم، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا علی شرط شیخین فرمایا۔ (مرقاۃ)

روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص توشہ اور سواری کا مالک ہو جو اسے بیت اللہ تک پہنچا سکے [1] پھر حج نہ کرے تو اس میں فرق نہیں کہ وہ یہودی ہو کر مرے یا عیسائی ہو کر [2] اور یہ اس لیے ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ لوگوں پر اللہ کے لیے بیت اللہ کا حج فرض ہے جو وہاں تک کا راستہ طے کرسکے [3] (ترمذی) اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے جس کی اسناد میں کچھ گفتگو ہے، ہلال ابن عبداللہ مجہول آدمی ہے اور حارث حدیث میں ضعیف مانا جاتا ہے [4]

[1] زاد سے مراد بقدر ضرورت اپنا اور اپنے بچوں کا خرچ ہے یعنی اپنا تو سفر کا خرچ اور اپنے لوٹنے تک بچوں کا گھر کا خرچ، یہ مصارف مکہ معظّمہ سے قریب و بعد اور زمانہ کے لحاظ سے مختلف ہوتا ہے اس لیے اس کا تقرر نہیں ہو سکتا اور سواری سے مراد ہر قسم کی ضروری سواری ہے جیسے آج کل

ریل، جہاز، موٹر کار کا خرچ۔ملکیت سے مراد سواری کے نفع کی ملکیت کی ہے لہذا جو سواری کے کرایہ پر قادر ہو اس پر حج فرض ہے۔اس کی تفصیل کتب فقہ میں ملاحظہ فرمایئے۔سواری میں جانے آنے کا خرچ مراد ہے نہ کہ صرف جانے کا۔

۲؎ یعنی اس تارک حج کی موت اور یہودی و عیسائی کی موت میں فرق نہیں کہ اللہ تعالٰی نہ اس سے راضی ہو گا نہ ان سے اگرچہ دونوں پر ناراضگیوں میں فرق ہے یا یہ مطلب ہے کہ اگر یہ شخص حج کا منکر ہو کر مرا تو اس میں اور اہلِ کتاب میں کفر میں فرق نہیں اور اگر حج کا تارک ہو کر مرا تو کفران یعنی ناشکری میں فرق نہیں۔بہر حال اس کلام میں انتہائی غضب کا اظہار ہے اور اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حج نہ کرنا کفر ہے۔

۳؎ اس آیت کے آخر میں "وَمَنۡ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ عَنِ الۡعٰلَمِيۡنَ" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری آیت کریمہ تلاوت فرمائی ہو گی کہ محل استدلال آخر میں ہے مگر راوی نے صرف اس قدر تلاوت کی۔

۴؎ یعنی اس حدیث کا ایک راوی تو مجہول ہے جس کے حالات کا پتہ نہیں اور دوسرا ضعیف ہے۔مرقات نے فرمایا کہ یہ حدیث مرفوع بہت اسنادوں سے مروی ہے،اس کی روایت ابوامامہ سے بھی ہے اور اسے ابن عدی نے ابوہریرہ سے بھی روایت کیا اور جب ضعیف حدیث مختلف اسنادوں سے مروی ہو جائے تو اس میں قوت آجاتی ہے اور حضرت عمر پر موقوف صحیح ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اسلام میں ترک دنیا نہیں ۱؎(ابوداؤد)	

۱؎ صرورت بروزن ضرورت،صرٌّ سے مشتق ہے بمعنی روکنا یا منع کرنا یا باز رہنا۔ترک دنیا یعنی تَبَتُّلُ کو بھی صرورۃ کہتے ہیں اور ترک حج کو بھی یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں یعنی اسلام میں تارک الدنیا ہو جانا منع ہے کہ کوئی نکاح کرنے یا اچھا کھانا پینا ترک کرنے کا عہد کرے یا اسلام میں قادر و مالدار کو حج نہ کرنا منع ہے۔غالبًا صاحب مشکوٰۃ کے نزدیک صرورت کے یہ ہی معنی ہیں اسی لیے وہ یہ حدیث حج کے بیان میں لائے۔

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حج کا ارادہ رکھتا ہو تو جلدی کرے ۱؎(ابوداؤد،دارمی)۲؎	

۱؎ کیونکہ موت آجانے اور مال یا قوت چلے جانے کا ہر وقت اندیشہ وخطرہ ہے اور ایک حج رہ جانے پر سال بھر تک انتظار کرنا ہے سال کس نے دیکھا ہے۔فقہا فرماتے ہیں کہ حج علی الفور واجب ہے کہ بلاوجہ دیر لگانا منع ہے،بلکہ امام ابویوسف و امام مالک کے ہاں یہ شخص فاسق ناقابل گواہی ہے،دیگر اماموں کے ہاں فاسق نہیں۔خیال رہے کہ تمام آئمہ کے ہاں حج علی الزمان واجب ہے یعنی جب بھی کرے گا ادا ہی ہو گا،قضاء نہ ہو گا کہ اس کا وقت عمر بھر ہے۔اس میں اختلاف ہے کہ بلاوجہ دیر لگانا فسق ہے یا نہیں۔اس حدیث سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو مالدار ہوتے ہیں بچوں کی شادیاں وغیرہ کے لیے حج نہیں کرتے۔بعض جہلاء میں مشہور ہے کہ حج بڑھاپے میں کرنا چاہیے حالانکہ حج تو جوانی کا ہے جب کہ طواف و سفر بہ آسانی کرسکے اکثر لوگ بڑھاپے کے انتظار میں بغیر حج مر جاتے ہیں۔

۲؎ اسے حاکم نے بھی روایت کیا،بعض روایات میں ہے کہ اس سے پہلے حج کرلو جب کہ حج نہ کرسکو۔

روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ حج و عمرہ ملا کر کرو ۱؎ کہ یہ دونوں غریبی اور گناہوں کو ایسے مٹادیتے ہیں جیسے بھٹی لوہے اور سونے چاندی کے میل کو۲؎ اور مقبول حج کا ثواب جنت کے سوا اور کچھ نہیں ۳؎(ترمذی،نسائی)اور	

احمد،ابن ماجہ نے حضرت عمر سے لوہے کے میل تک روایت کی ۴	

۱؎ یعنی ایک سفر میں حج و عمرہ دونوں ادا کرلو خواہ قران کرو یا تمتع،یہ تو باہر والے کے لیے ہوا یا اے مکہ والو حج کے بعد عمرہ بھی کرلو کیونکہ مکہ والوں کو زمانہ حج میں عمرہ منع ہے۔بہرحال یہ حدیث سارے ہی مسلمانوں کے لیے ہے مکی ہوں یا غیر مکی اور اس پر یہ اعتراض نہیں کہ مکہ والے اس پر کیسے عمل کریں۔

۲؎ خبث،خ،ب کے زبر سے بھی پڑھا گیا ہے اور خ کے پیش ب کے زبر سے بھی مگر دوسری قرأت زیادہ موزون ہے یعنی قران یا تمتع یا حج و عمرہ ملا کر کرنے سے دل کی اور ظاہری فقیری بھی بفضلہٖ تعالٰی دور ہوتی ہے اور گناہ بھی معاف ہوتے ہیں اس کا تجربہ بھی ہے۔خیال رہے کہ گناہ و فقر دور کرنا رب کا کام ہے مگر یہاں اسے حج و عمرہ کی طرف نسبت کیا گیا ہے کہ یہ اس کا سبب ہے لہذا کہہ سکتے ہیں کہ اللہ رسول غنی کردیتے ہیں،رب فرماتا ہے:"اَغۡنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗ مِنۡ فَضۡلِهٖ"۔

۳؎ حج مبرور کی تعریف پہلے ہوچکی کہ یہ وہ ہے جو حلال کمائی اور صحیح طریقہ سے ادا کیا جائے،اخلاص کے ساتھ اور مرتے دم تک کوئی ایسی حرکت نہ ہو جس سے حج باطل ہوجائے یعنی مقبول کا بدلہ صرف دنیاوی غذا اور گناہوں کی معافی یا دوزخ سے نجات یا تخفیف عذاب نہ ہوگا،بلکہ جنت ضرور ملے گی۔

۴؎ منذری کی روایت میں ہے کہ جو حج کے لیے اخلاص سے جائے تو اس کی بخشش بھی ہوگی اور اس کی شفاعت بھی قبول ہوگی اور حاجی گھر واپس آنے تک اللہ کی امان میں رہتا ہے،حج میں ایک درہم خرچ کرنا دوسرے مقامات پر دس لاکھ درہم خرچ کرنے سے افضل ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کیا یارسول اللہ کون چیز حج فرض کرتی ہے فرمایا توشہ اور سواری ۱؎(ترمذی،ابن ماجہ)	

۱؎ توشہ سے مراد اپنا سفر کا سامان نان ونفقہ و دیگر خرچ ہے اور اپنے بال بچوں کے گھر کا خرچ اس کی واپسی تک اور سواری میں وہ ساری سواریاں داخل ہیں جن سے مکہ معظّمہ کا راستہ طے ہو جیسے ہم پاکستانیوں کے لیے کراچی تک ریل پھر کراچی سے جدہ تک جہاز اور جدہ سے مکہ معظّمہ تک لاری بس،یہ سواریاں مختلف فاصلوں کے لیے مختلف ہیں،یہ حدیث امام مالک کے خلاف ہے کہ ان کے ہاں پیدل چلنے کی طاقت رکھنے والے پر پیدل حج فرض ہے۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا عرض کیا حاجی کون ہے فرمایا میلا بُو والا ۱؎ پھر دوسرا کھڑا ہوا عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کون سا حج افضل ہے ۲؎ فرمایا خون بہانا شور مچانا ۳؎ پھر دوسرا اٹھا عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سبیل کیا چیز ہے ۴؎ فرمایا توشہ اور سواری ۵؎ اسے شرح سنہ میں روایت کیا اور ابن ماجہ نے اپنی سنن میں مگر انہوں نے آخری چیز بیان نہ کی۔	

۱؎ سوال یہ تھا کہ کامل حاجی کون ہے؟ فرمایا جس پر دو علامتیں ہوں پراگندگی بال سر میلا کیونکہ بحالت احرام بال ٹوٹنے کے اندیشہ سے سر کم دھوتے ہیں اور بو والا کیونکہ بحالت احرام خوشبو لگانا منع ہے اور بسا اوقات پسینہ اور لوگوں کے اژدہام سے کچھ بُو سی محسوس ہونے لگتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ حاجی بحالت حج دنیاوی تکلفات سے ایک دم کنارہ کش ہو جاتا ہے۔

۲؎ یعنی ارکان حج کے بعد کون سا عمل حج میں بہتر ہے، زیادہ کون سی صفات ہیں جن سے حج افضل ہو جاتا ہے، ارکان تو سب ہی ادا کرتے ہیں۔ شعر

حاجی تو سارے کہلاویں حج کرے کوئی ایک ہزاروں میں تو ہے نہیں لاکھوں میں جا دیکھ

۳؎ یعنی احرام باندھتے ہی بلند آواز سے تلبیہ کہتے رہنا اور دسویں ذوالحجہ کو قربانی دینا۔ بعض شارحین نے فرمایا کہ اس سے سارے اعمال حج مراد ہیں کیونکہ شور مچانا، تلبیہ کہنا اول عمل ہے اور قربانی آخر عمل، درمیان کے اعمال ان میں خود ہی آگئے یعنی تلبیہ سے قربانی تک سارے عمل افضل ہیں۔

۴؎ یعنی رب تعالٰی نے جو فرمایا: "وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا" کہ بیت اللہ کا حج اس پر فرض ہے جو وہاں تک راستہ کی طاقت رکھتا ہو، راستہ سے کیا مراد ہے۔

۵؎ بعض اماموں نے اس حدیث کی بنا پر فرمایا کہ فرضیت حج کے لیے صحت و تندرستی ضروری نہیں اگر مدقوق مریض یا بہت بوڑھے کے پاس مال آیا جو سواری پر بیٹھتا تو کیا حرکت بھی نہیں کر سکتا اس پر بھی حج فرض ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے تندرستی کا ذکر نہ فرمایا مگر یہ استدلال کچھ ضعیف سا ہے اس لیے کہ یہاں تو راستہ کے امن کا بھی ذکر نہیں حالانکہ اگر امن نہ ہو تو بالاتفاق حج فرض نہیں، اگر کہا جائے کہ سواری میں راستہ کا امن بھی داخل ہے تو جواب یہ ہے کہ سواری میں اس پر بیٹھ سکنے کی طاقت بھی داخل ہے لہذا یہ حدیث احناف کے خلاف نہیں، ہاں جو پہلے سے مالدار تھا مگر حج نہ کیا پھر بیمار یا بہت بوڑھا ہو گیا تو اس پر حج فرض ہے۔

روایت ہے حضرت ابورزین عقیلی سے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے والد بہت بوڑھے ہیں جو نہ حج و عمرہ کی طاقت رکھتے ہیں نہ سوار ہونے کی ۱؎ فرمایا اپنے باپ کی طرف سے حج و عمرہ کرو ۲؎ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی) اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔	

۱؎ یعنی میرے والد زیادہ بوڑھے ہونے کی وجہ سے نہ تو حج و عمرہ کے ارکان ادا کر سکتے ہیں طواف سعی وغیرہ اور نہ سواری پر بیٹھ سکتے ہیں جو مکہ معظمہ تک پہنچائے لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔ غالبًا ان کے والد پر پہلے سے حج فرض تھا کسی مجبوری کی وجہ سے حج نہ کیا تھا ورنہ ایسے بوڑھے پر اگر اس کمزوری میں مال آئے تو حج فرض نہیں۔

۲؎ یا تو ان کی طرف سے حج و عمرہ خود کر دو یا کسی سے کرادو۔ خیال رہے کہ حج بدنی و مالی عبادات کا مجموعہ ہے لہذا بوقت مجبوری دوسرا اس کی طرف سے کر سکتا ہے یعنی حج بدل مگر قدرت ہوتے ہوئے خود ہی کرنا ہوگا، محض بدنی عبادات میں نیابت مطلقًا ناجائز ہے اور محض مالی عبادت میں مطلقًا جائز لہذا کوئی کسی کی طرف سے نماز روزہ کبھی ادا نہیں کر سکتا اور زکوۃ قربانی بہرحال ادا کر سکتا ہے اس کی اجازت سے۔ خیال رہے کہ عمرہ فرض یا واجب نہیں سنت ہے لہذا حدیث میں دونوں کا حکم دینا استحبابًا ہے، یعنی بہتر یہ ہے کہ دونوں ہی باپ کی طرف سے ادا کرو، آیت کریمہ "وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ" میں عمرہ شروع کر دینے کے بعد اس کے پورا کر دینے کا حکم ہے یعنی جب حج و عمرہ شروع کر دیا تو انہیں ضرور پورا کروں کیونکہ ہر نفل شروع کر دینے سے فرض ہو جاتا۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو یوں کہتے سنا لبیك (حاضر ہوں) شبرمہ کی طرف سے ۱؎ (فرمایا شبرمہ کون،عرض کیا میرا بھائی ہے یا عزیز ہے فرمایا کیا تم اپنا حج کرچکے ہو عرض کیا نہیں فرمایا اپنا حج کرو پھر شبرمہ کی طرف سے حج کرو ۲؎ (شافعی،ابوداؤد،ابن ماجہ) ۳؎	

۱؎ وہ صاحب شبرمہ کی طرف سے حج بدل کررہے تھے اس لیے ان ہی کے نام سے تلبیہ کہہ رہے تھے۔

۲؎ اس حدیث کی بنا پر امام شافعی،امام اوزاعی فرماتے ہیں کہ جس نے اپنا حج نہ کیا ہو وہ حج بدل ہرگز نہیں کرسکتا،اگر کرے گا تو وہ خود اس کا اپنا حج ادا ہوگا نہ کہ بدل والے کا مگر امام اوزاعی،امام مالک،امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ حج بدل ادا تو ہوجائے گا مگر ایسا کرنا بہتر نہیں۔چاہیے یہ کہ پہلے اپنا حج کرے پھر حج بدل اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کو اپنے باپ کی طرف سے حج کرنے کی اجازت دی اور یہ نہ پوچھا کہ تو اپنا حج کرچکی ہے یا نہیں لہذا وہ حدیث بیان جواز کے لیے تھی اور یہ حدیث بیان استحباب کے لیے ہے۔

۳؎ امام ابن ہمام نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح نہیں مضطرب ہے کیونکہ اس کے راوی سعید ابن عروبہ اولًا بصرہ میں تو اسے حضرت ابن عباس پر موقوفًا روایت کرتے تھے پھر بعد میں کوفہ آکر مرفوعًا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرنے لگے۔معلوم ہوا کہ ان پر یہ حدیث مشتبہ ہے،نیز اس میں تدلیس ہے۔(مرقات) لہذا اس سے استدلال درست نہیں۔

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پورب والوں کے لیے عقیق کو میقات بنایا ۱؎ (ترمذی،ابوداؤد)	

۱؎ اہل مشرق سے مراد عراق والے ہیں۔**عقیق** **عق** سے بنا بمعنی قطع ہوجانا،چونکہ اس جگہ پانی کا سیلاب آتا رہتا ہے جس سے یہ علاقہ دوسری زمین سے کٹ جاتا ہے اس لیے اسے عقیق کہتے ہیں یہ عقیق وہ عقیق نہیں ہے جو مدینہ منورہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے،بلکہ یہ عقیق مکہ معظمہ سے شرقی جانب ہے ذات عرق کے مقابل۔امام طیبی نے فرمایا کہ صحیح تر یہ ہے کہ یہ میقات حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے عراق فتح فرماکر مقرر کیا یہ حدیث مرفوعًا صحیح نہیں۔(اشعہ،مرقات) بلکہ عراق والوں کے لیے میقات ذات عرق ہے جیسے اگلی حدیث میں آرہا ہے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عراق والوں کے لئے ذات عراق کو میقات بنایا ۱؎ (ابوداؤد،نسائی) ۲؎	

۱؎ اس حدیث سے بعض لوگوں نے فرمایا کہ عراق والوں کے لیے دو میقات ہیں: عقیق اور ذات عرق،جس سے عقیق پہلے ہے اور ذات عرق بعد میں لہذا اگر عراق والے حجاج عقیق سے ہی احرام باندھ لیں تو بہت بہتر ہے اور اگر ذات عرق سے احرام باندھیں تو گنہگار نہیں۔

۲؎ یہ حدیث دارقطنی نے بھی روایت کی جس کی سند علٰی شرط بخاری ہے اور یہ حدیث مسلم شریف کے موافق ہے جو پہلی فصل میں گزر چکی۔بخاری نے حضرت ابن عمر سے روایت کیا کہ جب عہد فاروقی میں عراق فتح ہوا تو عراقیوں نے فاروق اعظم کی خدمت میں عرض کیا کہ امیر المؤمنین ہمارا میقات کیا ہے کیونکہ نجد کا میقات قرن ہم سے بہت دور ہے تو آپ نے قرن کے مقابل ذات عرق مقرر کیا کہ انہیں حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے مقرر فرمادینے کی خبر نہ تھی۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ام سلمہ سے فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو مسجد اقصٰی سے مسجد حرام تک حج یا عمرہ کا	

احرام باندھے ۱؎ تو اسکے اگلے پچھلے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں یا اس کے لیے جنت واجب ہو جاتی ہے ۲؎ (ابوداؤد،ابن ماجہ) ۳؎	

۱؎ اس طرح کہ پہلے بیت المقدس کی زیارت کرے،پھر وہاں سے حج یا عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ معظّمہ حاضر ہو کر حج یا عمرہ کرے۔

۲؎ یہ شک راوی کا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مغفرت کا وعدہ فرمایا یا جنت کی عطاء کا۔اس سے معلوم ہوا کہ جس قدر دور سے احرام بندھے گا اسی قدر زیادہ ثواب ملے گا۔خیال رہے کہ اشھر حرم سے پہلے حج کا احرام باندھنا ہمارے ہاں مکروہ ہے۔امام شافعی کے ہاں وہ احرام عمرہ کا ہو جائے گا یا بندھے گا ہی نہیں مگر میقات سے پہلے حج کا احرام باندھ لینا حتی کہ اپنے گھر سے ہی احرام باندھ کر نکلنا افضل ہے بشرطیکہ احرام کی پابندیاں پوری کرسکے الشھر حج یعنی حج کے مہینہ شوال،ذیقعدہ اور دس دن ذی الحجہ کے ہیں کل دو ماہ دس دن۔

۳؎ حاکم نے مستدرک میں عبداللہ ابن سلمہ مری سے روایت کیا۔حضرت علی سے کسی نے اس آیت کے متعلق پوچھا "وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَۃَ لِلّٰہِ" کہ حج و عمرہ کا پورا کرنا کیا ہے فرمایا یہ ہے کہ تم اپنے گھر سے احرام باندھ کر نکلو،مشکوۃ کی اس حدیث کو بیہقی وغیرہ نے بھی روایت کیا،امام نووی نے فرمایا کہ یہ حدیث قوی نہیں،دیگر محدثین نے فرمایا حسن ہے،غرضکہ یہ حدیث حسن لغیرہ ہے اور دونوں کلاموں میں تعارض نہیں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ یمن کے لوگ حج کرنے آتے تو توشہ ساتھ نہ لاتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم متوکل لوگ ہیں ۱؎ پھر جب مکہ معظّمہ پہنچے تو لوگوں سے سوال کرتے تھے ۲؎ اس پر اللہ تعالٰی نے یہ آیت اتاری کہ توشہ ساتھ لو کیونکہ بہترین توشہ سوال سے بچنا ہے ۳؎ (بخاری)	

۱؎ یا تو یہ لوگ بالکل ہی توشہ ساتھ نہ لاتے تھے مانگتے کھاتے آتے تھے یا اس قدر تھوڑا توشہ لاتے تھے جو راستہ میں ہی خرچ ہو جاتا اور مکہ معظّمہ پہنچ کر بے خرچ رہ جاتے،وہ اپنے کو متوکل کہتے تھے مگر درحقیقت متاکل تھے یعنی مانگنے والے وہ کہتے تھے کہ ہم اللہ کے گھر جارہے ہیں،اس کے مہمان ہیں،مہمان ساتھ کھانا کیوں لائے۔

۲؎ بلکہ جب بھیک مانگنے سے کام نہ چلتا تو چوری ڈکیتی کرتے تھے۔(مرقات) یہ غلط توکل آج بھی بعض نکموں کے دل میں سمایا ہوا ہے کہ بیکار رہنے بھیک مانگنے کو توکل کہتے ہیں حالانکہ توکل کے معنی یہ ہیں۔شعر

گر توکل مے کنی دو کار کن — کسب کن پس تکیہ بر جبار کن

۳؎ یعنی دنیا میں حج وغیرہ کے موقعہ پر بقدر ضرورت توشہ تو ساتھ لو،یہ توشہ توکل کے خلاف نہیں۔پرہیزگاری اسی میں ہے کہ بھیک،چوری،ڈکیتی،قرض اور غضب سے بچا جائے۔صوفیائے فرماتے ہیں کہ دنیا کے سفر کا توشہ مال ہے اور آخرت کے سفر کا توشہ نیک اعمال،رب تعالٰی تک پہنچنے کا توشہ کمال۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا عورتوں پر جہاد ہے فرمایا ہاں ان پر وہ جہاد ہے جس میں جنگ نہیں۱ یعنی حج و عمرہ۔(ابن ماجہ)

۱؎ بلکہ ان کے جہاد میں سفر تھکن اور مشقت ہے جنگ نہیں،اسی مناسبت سے حج کو جہاد فرمایا،اس حدیث کی بنا پر بعض شوافع نے عمرہ کو واجب فرمایا کہ علیٰ وجوب کے لیے آتا ہے اس کی بحث پہلے ہوچکی ہے۔

	روایت ہے حصرت ابوامامہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کو حج سے کوئی ظاہری ضرورت ہے یا ۱ظالم بادشاہ ۲ یا روکنے والی بیماری نہ روکے ۳پھر وہ حج کئے بغیر مرجائے تو چاہے یہودی ہوکر مرے اور چاہے عیسائی ہوکر مرے ۴(دارمی)

۱؎ جیسے فقیری یعنی توشہ و سواری پر قدرت نہ ہونا کہ ہر دونوں چیزیں وجوب حج کی شرطیں ہیں۔

۲؎ یا تو خود اپنے ملک کا بادشاہ ظالم ہو کہ ظلمًا حج کو جانے کی اجازت نہ دیتا ہو یا راستہ میں کسی سلطان کی حکومت ہو وہ حجاج کو گزرنے نہ دیتا ہو یا مکہ معظّمہ کا بادشاہ ظالم ہو کہ حجاج کو داخل نہ ہونے دے۔ان تینوں صورت میں راستہ کا امن مفقود ہے اور راستہ کا امن وجوب ادائے حج کی شرط ہے۔ظالم کی قید سے معلوم ہوا کہ اگر بادشاہ حجاج کو مہربانی و محبت سے روکے تو اس کا اعتبار نہیں حج فرض ہوگا۔(مرقات)

۳؎ بیماری سے وہ بیماری مراد ہے جو سفر سے مانع ہو۔تندرستی بعض کے نزدیک شرط وجوب ہے اور بعض کے ہاں شرط ادا،پہلی صورت میں بیمار کی طرف سے حج بدل کرانا لازم ہوگا دوسری صورت میں نہیں،ہمارے امام صاحب کا ہاں شرط ادا ہے کہ اگر کسی کے پاس مال سخت بیماری یا معذوری کی حالت میں آیا اس پر حج فرض نہیں۔(مرقات)

۴؎ یعنی اس کی موت یہود و نصاریٰ کی سی ہے کہ وہ لوگ کتاب اللہ پڑھتے تھے مگر عمل نہ کرتے تھے ایسے ہی یہ قرآن شریف پڑھتا رہا اور حج کی آیت پر بلا عذر عمل نہ کیا لہٰذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ بدعملی فسق ہے کفر نہیں،پھر اس کی موت کو یہودیوں عیسائیوں کی موت کیوں فرمایا۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ آپ نے فرمایا حج و عمرہ کرنے والے اللہ کی جماعت ہیں۱ اگر یہ خدا سے دعا کریں تو رب ان کی قبول کرلے اور اگر اس سے مغفرت مانگیں تو انہیں بخش دے ۲(ابن ماجہ)

۱؎ جو اللہ تعالٰی کے گھر جارہے ہیں رب سے ملنے جارہے ہیں اور سلطان اپنے ملاقاتیوں کی بات مانتا ہے،ان کی سفارش قبول کرتا ہے اس لیے یہ لوگ بھی مقبول الدعا ہیں۔ان شاءاللہ!

۲؎ مسلمانوں کا طریقہ ہے کہ حجاج کو پہنچانے،وداع کرنے اور واپسی پر ان کا استقبال کرنے کے لیے اسٹیشن تک جاتے ہیں ان سے دعا کراتے ہیں۔یہ اس حدیث پر ہی عمل ہے کہ حاجی گھر سے نکلتے ہی مقبول الدعا ہے اور واپس گھر میں داخل ہونے تک مستجاب الدعوات رہتا ہے۔خیال رہے کہ حاجی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے واحد فرمایا اور عمرہ کرنے والوں کو جمع تاکہ پتہ لگے کہ عمرہ والے سے حج والے کا درجہ زیادہ ہے کہ ایک حاجی عمرہ والوں کی جماعت کے برابر ہے کیوں نہ ہو کہ حج فرض ہے اور عمرہ سنت،یہ ہی مذہب احناف ہے۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کو فرماتے سنا کہ اللہ کی جماعتیں تین ہیں ۱؎ غازی حاجی اور عمرہ کرنے والا ۲؎ (نسائی، بیہقی شعب الایمان)	

۱؎ یعنی تین شخص یا تین قسم کے لوگ ہیں۔ وفد وہ جماعت کہلاتی ہے جو اپنی قوم کی نمائندہ بن کر سلطان کی خدمت میں عرض معروض کرنے پر حاضر ہو۔

۲؎ چونکہ یہ حضرات راہِ الٰہی میں بہت محنت و مشقت اٹھاتے ہیں اور ان کی دعائیں تمام مسلمانوں کو کام آتی ہیں اسی لیے انہیں وفد اللہ فرمایا گیا یعنی اللہ تعالٰی کی بارگاہ میں مسلمانوں کی طرف سے نمائندہ بن کر آنے والے لوگ۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم حاجی سے ملو ۱؎ تو اسے سلام کرو اور اس سے مصافحہ کرو ۲؎ اور اس کے گھر میں داخل ہونے سے پہلے اپنی دعائے مغفرت کے لیے کہو کیونکہ وہ بخشا ہوا ہے ۳؎ (احمد)	

۱؎ ایک حاجی یا حاجیوں کی جماعت سے کہ حاجّ دونوں پر بولا جاتا ہے۔ (اشعہ) مراد وہ ہے جو حج کرکے واپس وطن آیا، عمرہ یا زیارت مدینہ منورہ کرنے والا، غازی طالب علم بھی اسی حکم میں ہیں۔ (مرقات) ان سب سے دعا کرانا چاہیے۔

۲؎ یعنی کوشش کرو کہ تم ہی سلام و مصافحہ کی ابتداء کرو، اگر حاجی غریب ہے اور تم امیر تو اسے سلام و مصافحہ کرنے میں اپنی توہین محسوس نہ کرو۔

۳؎ اور ابھی اس نے کوئی گناہ نہیں کیا ہے کہ گھر میں نہیں پہنچتا ہے، سفر ختم نہیں کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ حاجی کے آتے جاتے ہوئے راستہ کے گناہ بھی معاف ہیں، گھر میں آکر گناہ شروع ہوں گے، یہ بھی معلوم ہوا کہ مغفور لوگوں سے دعا کرانی چاہیے لہٰذا اولیاء اللہ اور چھوٹے بچوں سے دعا کرانی چاہیے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو حاجی یا غازی یا عمرہ کرنے والا ہو کر نکلا پھر راستہ میں مر گیا ۱؎ تو اس کے لیے غازی، حاجی اور عمرہ والے کا ثواب لکھ دیا گیا ۲؎ (بیہقی شعب الایمان)	

۱؎ یعنی جاتے ہوئے مر گیا، حج یا عمرہ یا غزوہ نہ کرسکا جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔

۲؎ اس کی تائید اس آیت سے ہے "وَمَنۡ یَّخۡرُجۡ مِنۡۢ بَیۡتِہٖ مُہَاجِرًا اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوۡلِہٖ ثُمَّ یُدۡرِکۡہُ الۡمَوۡتُ فَقَدۡ وَقَعَ اَجۡرُہٗ عَلَی اللّٰہِ" جو اپنے گھر سے مہاجر ہو کر نکلا پھر اسے موت آگئی تو اس کا ثواب اللہ کے ذمہ کرم پر ثابت ہوگیا مگر جو حج فرض ہونے کے بعد برسوں حج کو نہ گیا، پھر بڑھاپے میں گیا اور راہ میں مر گیا تو وہ ضرور اس دیر لگانے کا گنہگار ہے۔ یہ حدیث اس کے لیے ہے جو بلا عذر حج میں دیر نہ لگائے کیونکہ حج فورًا ادا کرنا چاہیئے اور ہوسکتا ہے کہ یہ شخص بھی دیر لگانے کا گنہگار ہو مگر اس کا یہ حج ہوجائے اللہ تعالٰی کریم ہے۔ (مرقات)

باب الاحرام و التلبية

تلبیہ کہنے کا باب[1]

الفصل الاول

پہلی فصل

[1]احرام و تحریم دونوں کے معنے ہیں حرمت میں یا حرمت والی چیز میں داخل ہوجانا،نماز کی پہلی تکبیر کو تحریمہ اور حج یا عمرہ کی نیت و تلبیہ کو احرام اس لیے کہتے ہیں کہ تکبیر تحریمہ کہتے ہی مسلمان پر کھانا،پینا،بولنا وغیرہ حرام ہوگیا۔اور وہ حرمت والی چیز یعنی نماز میں داخل ہوگیا اور حج و عمرہ کا احرام باندھتے ہی اس پر شکار،سلا کپڑا،سر ڈھکنا وغیرہ حرام ہوگیا اور وہ زمین حرم میں داخل ہونے کے لائق ہوگیا۔احرام ہمارے امام صاحب کے ہاں شرط حج وعمرہ ہے،بعض اماموں کے ہاں رکن۔تلبیہ کے معنی ہیں لبیک کہنا،جیسے تکبیر کے معنی ہیں اللہ اکبر کہنا۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خوشبو تیار کررہی تھی آپ کے احرام کے لیے احرام باندھنے سے پہلے[1] اور آپ کے کھولنے کے لیے طواف بیت اللہ سے پہلے ایسی خوشبو جس میں مشک ہوتا تھا[2] گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مانگ میں خوشبو کی چمک بحالت احرام دیکھ رہی ہوں[3] (مسلم،بخاری)[4]	

[1]یعنی جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم حج یا عمرہ کے احرام کا ارادہ فرماتے تو میں خوشبو تیار رکھتی،آپ غسل فرما کر بغیر سلے کپڑے پہن کرخوشبو ملتے،پھر نفل پڑھ کر تلبیہ کہتے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ صدیقہ حجۃ الوداع میں بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھیں اور اس سے پہلے عمروں میں بھی تب ہی ماضی استمراری فرمارہی ہیں۔

[2]بقرعید کے دن حاجی جمرہ عقبہ کی رمی کرکے کچھ حلال ہوجاتا ہے،پھر طواف زیارت کرکے پورا حلال ہوجاتا ہے کہ اسے اپنی عورت سے صحبت بھی جائز ہوجاتی ہے،فرماتی ہیں کہ میں ناقص حل پر ہی خوشبو حضور کو لگادیتی تھی،اس کے بعد آپ زیارت کرتے تھے۔

[3]یعنی احرام باندھتے وقت جو خوشبو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم استعمال کرتے تھے وہ بعینہٖ آپ کی مانگ شریف میں بعد احرام بھی باقی رہتی تھی گویا میں تصور میں اب بھی اسے دیکھ رہی ہوں۔اس سے معلوم ہوا کہ بحالت احرام خوشبو لگانا حرام ہے مگر احرام سے پہلے کی خوشبو کا بقا جائز ہے خواہ خوشبو کا جرم باقی رہے یا اثر،یہ ہی امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مذہب ہے اور یہ حدیث امام اعظم کی دلیل ہے۔امام مالک و شافعی کے ہاں پہلی خوشبو کا بقا بھی حرام ہے بلکہ اس میں بھی فدیہ واجب ہے یہ حدیث ان کے صراحۃً خلاف ہے،حضرت عبداللہ ابن عمر نے جو اس کے خلاف فرمایا تھا انہیں حضرت عائشہ کی

یہ حدیث نہ پہنچی تھی،یہ حدیث سن کر انہوں نے اپنا فتویٰ واپس لے لیاتھا۔(مرقات) لہذا امام شافعی رضی اللہ عنہ کا اس حدیث سے استدلال درست نہیں،مذہب حنفی بہت قوی ہے۔
۴؎امام مالک کی دلیل وہ حدیث ہے جو بخاری،مسلم شریف میں ہے کہ ایک شخص خوشبو میں لتھڑا ہوا احرام باندھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضور انور نے اس سے فرمایا کہ خوشبو دھو ڈال،اپنا جبہ اتار دے،پھر عمرہ کے ارکان ادا کر،وہ فرماتے ہیں کہ احرام میں خوشبو لگی رہنا،حضور انور کی خصوصیات سے ہے،ورنہ اس شخص کو خوشبو دھونے کا حکم کیوں دیتے مگر یہ استدلال کمزور ہے کیونکہ اس شخص نے بعد احرام خوشبو لگائی تھی۔(ابن ہمام و مرقات)

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بال چمٹائے تلبیہ کہتے سنا۱؎ کہ فرماتے تھے حاضر ہوں یا اللہ حاضر ہوں،حاضر ہوں ۲؎ تیرا کوئی شریک نہیں حاضر ہوں،یقینًا حمد و نعت تیری ہے اور ملک تیرا ہے تیرا کوئی شریک نہیں ان کلمات پر زیادتی نہ فرماتے تھے ۳؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ یھل اھلال سے بنا بمعنی چیخنا،شور مچانا،لغوی معنی ہیں چاند دکھانا مگر چونکہ چاند دکھاتے وقت شور مچاتے ہیں کہ وہ ہے چاند اس لیے اب اس کے معنی ہیں چلانا۔ملبد تلبید سے بنا بمعنی بال چپکانا کسی گوند وغیرہ سے تاکہ بال نہ اڑیں اور ان میں گردو غبار نہ بھرے،امام شافعی کے ہاں بحالت احرام تلبید جائز ہے،امام اعظم کے ہاں ممنوع کہ یہ سر ڈھکنے کے حکم میں ہے،یہ حدیث امام شافعی کی دلیل ہے،اما م اعظم کے ہاں یہ تلبید لغوی معنی میں ہے یعنی بالکل مطلقًا جمع کرلینا،انہیں پریشان نہ رکھنا۔

۲؎ لبیك کا ترجمہ ہے حاضر جناب،یہ لفظ کسی پکارنے والے کے جواب میں بولا جاتا ہے،پکارنے والے حضرات ابراہیم خلیل اللہ تھے کہ انہوں نے تعمیر کعبہ کے بعد چار آوازیں رب تعالٰی کے حکم سے دی تھیں "عباداللہ تعالوا الی بیت اللہ" اے اللہ کے بندو اللہ کے گھر کی طرف آؤ،حاجی احرام باندھ کر اس پکار کا جواب دیتا ہوا جاتا ہے کہ حاضر جناب حاضر جناب،بعض نے فرمایا کہ پکارنے والے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں،بعض نے فرمایا کہ خود رب تعالٰی ہے مگر پہلی بات قوی ہے۔(مرقات)
۳؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اوقات تلبیہ میں ان الفاظ پر زیادتی نہ فرماتے تھے کبھی زیادتی بھی فرماتے تھے،امام طحاوی کے ہاں زیادتی کرنا مکروہ ہے اسی بنا پر مگر دوسرے اماموں کے ہاں زیادتی جائز بلکہ مستحب ہے۔چنانچہ صحابہ و تابعین تلبیہ یوں کہتے تھے لَبَّیْكَ وَسَعَدَیْكَ وَالْخَیْرُ کُلُّهٗ فِی یَدَیْكَ وَالرُّغْبَاءُ اِلَیْكَ وَالْعَمَلُ لَكَ لَبَّیْكَ اور بہت زیادتیاں فرماتے تھے جیساکہ کتب احادیث میں موجود ہے،ہاں منقولہ الفاظ سے کمی کرنا مکروہ ہے،مرد کو تلبیہ بلند آواز سے کہنا چاہیے اور عورت کو آہستہ آواز سے۔

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنا پاؤں شریف رکاب میں داخل فرمایا اور آپ	

کو لے کر آپ کی اونٹنی سیدھی کھڑی ہوئی ۱؎ تو آپ نے ذوالحلیفہ کی مسجد کے پاس بآواز تلبیہ کہا ۲؎ (مسلم،بخاری) ۳؎	

۱؎ یعنی حضور علیہ السلام نے ذوالحلیفہ (بیر علی) پہنچ کر احرام کے نفل ادا کیے،پھر مکہ کی طرف روانگی کے لیے اونٹنی قصواء پر سوار ہوئے،جب اونٹنی آپ کو لے کر کھڑی ہوگئی۔

۲؎ یہ دوسری بار تلبیہ کہا پہلی بار نفل پڑھتے ہی کہا تھا کیونکہ احرام کے نفل پڑھتے ہی تلبیہ کہنا چاہیے،پھر بار بار کہتا رہے لہٰذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں،نہ یہ حدیث ان احادیث کے خلاف ہے جن میں فرمایا گیا کہ آپ نے بعد نفل بیٹھے ہوئے تلبیہ کہا۔

۳؎ بیہقی و ترمذی میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام کے نفل پڑھتے ہی تلبیہ ہی کہا اسے بیہقی نے توضعیف کہا مگر ترمذی نے حسن فرمایا،ابوداؤد نے حضرت عبداللہ ابن عباس سے ان دونوں حدیثوں کی تطبیق یوں روایت کی،بعض لوگوں نے حضور کا نفل کے بعد والا تلبیہ سنا انہوں نے وہ روایت کردیا اور دوسروں نے ناقہ پر سوار ہوتے وقت کا تلبیہ سنا انہوں نے وہ روایت کردیا،دونوں وقت تلبیہ کہنا سنت ہے۔(ازمرقات)امام شافعی کے ہاں پہلے تلبیہ اونٹ پر سوار ہوکر کہے،امام اعظم کے ہاں نفل سے فارغ ہوتے ہی کہے،امام مالک و احمد،امام ابوحنیفہ رحمۃاللہ علیہم کے ساتھ ہیں،یہ ہی عمل بہتر ہے۔(لمعات)

روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے فرماتے ہیں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے کہ حج کا خوب شور مچاتے تھے ۱؎ (مسلم)	

۱؎ کیونکہ صحابہ نے اولًا صرف حج کا احرام باندھا تھا پھر انہیں حکم دیا گیا تھا کہ اس احرام میں عمرہ بھی داخل کرلیں اور بجائے افراد کے قران کریں یہ اول حالت کا ذکر ہے لہٰذا یہ حدیث آئندہ احادیث کے خلاف نہیں۔اولًا ان حضرات نے تلبیہ میں صرف حج کا ذکر کیا پھر حج وعمرہ دونوں کا۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں میں حضرت ابو طلحہ کا ردیف تھا ۱؎ تمام صحابہ حج و عمرہ دونوں کا شور مچاتے تھے ۲؎ (بخاری)	

۱؎ حضرت ابوطلحہ جناب انس کے سوتیلے والد ہیں،ایک گھوڑے یا اونٹ پر دو شخص سوار ہوں تو پیچھے والے کو ردیف کہا جاتا ہے یعنی میں اپنے والد کے پیچھے ایک ہی اونٹ پر سوار تھا۔

۲؎ یعنی خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ تلبیہ میں حج و عمرہ دونوں میں تلبیہ کا نام پکارتے تھے "لبیك اللھم لبیك بالحج والعمرۃ "۔اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور عام صحابہ کرام نے حجۃ الوداع میں قران کیا اور قران افراد و تمتع دونوں سے افضل ہے۔دوسرے یہ کہ قارن تلبیہ میں بار بار حج و عمرہ کا نام لے یہ ہی امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے،امام شافعی کے ہاں افراد قران سے افضل ہے اور صرف پہلے تلبیہ میں حج و عمرہ کا ذکر کرے پھر نہیں،یہ حدیث ان کے مخالف ہے امام اعظم کی مؤید ہے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں ہم رسول اللہ صلی	

	اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حجۃ الوداع کے سال نکلے تو ہم میں بعض وہ تھے جنہوں نے صرف عمرہ کا احرام باندھا[1] اور ہم میں بعض وہ تھے جنہوں نے حج و عمرہ کا احرام باندھا اور بعض وہ تھے جنہوں نے صرف حج کا احرام باندھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے حج کا احرام باندھا تھا[2] تو جس نے عمرہ کا احرام باندھا تھا وہ تو کھل گئے[3] لیکن جس نے حج کا احرام باندھا تھا یا حج و عمرہ جمع کیا تھا وہ دسویں تاریخ تک نہ کھلے[4] (مسلم،بخاری)

[1] مرقات نے اَھَلَّ کے معنی کئے لبّٰی یعنی،بعض لوگ تلبیہ میں حج کا نام لے رہے تھے اور بعض صرف عمرہ کا اور بعض حج و عمرہ دونوں کا مگر احرام عموماً سب کا حج و عمرہ دونوں کا تھا یعنی قران کا اور ہوسکتا ہے کہ اَھَلَّ کے معنی احرام باندھنا ہوں یعنی بعض صحابہ نے صرف عمرہ کا احرام باندھا کیونکہ وہ حج اس سے پہلے سال کرچکے تھے یا انہوں نے تمتع کیا ہو۔

[2] خیال رہے کہ بعض راویوں نے حضور سے صرف عمرہ کی روایت کی ہے بعض نے صرف حج کی،بعض نے حج و عمرہ دونوں کی،حضرت ام المؤمنین نے یہاں صرف حج کی روایت کی،وجہ یہ ہے کہ حضور انور نے قرآن کیا تھا لہذا آپ تلبیہ میں کبھی صرف حج کا نام لیتے تھے کبھی صرف عمرہ کا اور کبھی حج و عمرہ دونوں کا جیساکہ قارن کو اختیار ہے،ہر راوی نے جو سنا اسی کی روایت کی لہذا احادیث میں تعارض نہیں لہذا اس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضور انور نے افراد کیا تھا جیساکہ شوافع نے سمجھا اور نہ یہ امام اعظم کے خلاف ہے۔

[3] طواف وسعی کرکے عمرہ سے کھل گئے،پھر بعد کو حج کا احرام باندھا اس درمیان میں حلال رہے۔

[4] یعنی جن حضرات نے اول ہی سے حج و عمرہ کا احرام باندھا تھا وہ اور جنہوں نے صرف حج کا احرام باندھا تھا بعد میں عمرہ بھی شامل فی الاحرام کرلیا تھا وہ یہ دونوں قسم کے حضرات دسویں ذی الحجہ کو احرام سے فارغ ہوئے،جمرہ عقبہ کی رمی کرکے سوائے عورتوں کے تمام چیزیں انہیں حلال ہوگئیں اور طواف زیارت کرکے بیوی سے صحبت بھی حلال ہوگئی۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں عمرہ کا حج کے ساتھ تمتع کیا[1] ابتداء عمرہ کا احرام باندھا پھر حج کا احرام باندھ لیا[2] (مسلم،بخاری)

[1] یہاں تمتع لغوی معنی میں ہے یعنی ایک سفر میں حج و عمرہ سے فائدہ اٹھانا،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کا احرام باندھا،پھر عمرہ کرنے سے پہلے حج کا احرام باندھ لیا اور قران فرمالیا لہذا یہ حدیث عبداللہ مزنی رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کے خلاف نہیں کہ انہوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یوں تلبیہ فرماتے سنا لَبَّیْكَ عُمْرَۃً وَحَجًّا۔امام ابن حزم نے ایک مستقل کتاب اس بارے میں لکھی ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے قران فرمایا۔خیال رہے کہ امام اعظم کے ہاں قران افضل ہے،امام شافعی کے ہاں افراد بہتر،امام احمد کے ہاں تمتع افضل،یہ اختلاف اس بنا پر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کونسا حج کیا

جن امام کے ہاں جس حج کا ثبوت ہوا انہوں نے اسی کو افضل کہا،ہمارے ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قران کا ثبوت ہے لہذا وہ ہی افضل ہے،مذہب حنفی قوی ہے(از مرقات ولمعات)

۲؎ عمرہ کرنے سے پہلے ہی لہذا قران کیا۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت زید ابن ثابت سے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے احرام کے لیے کپڑے اتارے اور غسل کیا ۱؎(دارمی،ترمذی)

۱؎ یعنی آپ نے سلے کپڑے اتار دیئے اور غسل کرکے بغیر سلے کپڑے پہنے،پھر نفل پڑھ کر تلبیہ کہا۔معلوم ہوا کہ احرام کے وقت غسل سنت ہے اگرچہ وضو بھی جائز ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام کے لیے اپنے سر کے بال شریف خطمی سے چپکائے ۱؎(ابوداؤد)

۱؎ یہاں غسل غین کے کسرہ سے ہے،مَایُغْسِلُ بِہٖ جس سے غسل کیا جائے،چونکہ خطمی سے نہاتے ہیں اس لیے غسل کہہ دیتے ہیں۔احناف کے نزدیک یہ غسل اور بال شریف چپکانا احرام کے وقت نہ تھا بلکہ احرام سے پہلے تھا کیونکہ بحالت احرام بال چپکانا منع ہے،بعض لوگوں نے اسے عسل پڑھا بمعنی شہد مگر یہ غلط ہے۔

	روایت ہے حضرت خلاد ابن سائب سے وہ اپنے والد سے راوی فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے پاس جبریل آئے مجھے حکم پہنچایا کہ میں اپنے صحابہ کو حکم دوں ۱؎ کہ احرام یا تلبیہ اونچی آواز سے کریں ۲؎(مالک،ترمذی،ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ،دارمی)

۱؎ یہ ترجمہ نہایت موزوں ہے کہ جبریل نے مجھے حکم پہنچایا خود حکم دیا نہیں بلکہ حکم الٰہی بطور قاصد پہنچایا کیونکہ حضرت جبرئیل حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص اور پیغام رساں ہیں،خدام حکم دے نہیں سکتے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے نبی مطاع ہیں حضور انہیں حکم دیں گے اسی لیے جبرئیل امین خود صحابہ سے نہیں کہتے تھے کہ میں جبرئیل تمہیں یہ حکم دیتا ہوں،بلکہ حضور سے کہلواتے تھے۔

۲؎ شک راوی کو ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اھلال فرمایا یا تلبیہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شک نہیں ہے۔اصحاب سے مراد ساری امت کے مرد ہیں،عورتوں کو اونچی آوا زسے تلبیہ کہنا منع ہے،وہ اتنی پست آواز سے کہیں کہ خود اپنی آوا زسن

سکیں،مرد بھی اتنی اونچی آواز نہ کریں کہ مشقت میں پڑھ جائیں بلکہ درمیانی اونچی آواز سے کہیں۔(مرقات)یہ بلند آواز سنت ہے جس کا ثواب زیادہ ہے اگر پست آواز سے کہیں تو گنہگار نہیں ہاں ثواب کم ہوجائے گا۔

روایت ہے سہل ابن سعد سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کوئی مسلمان نہیں جو تلبیہ کہے مگر انتہا زمین تک ادھر ادھر یعنی دائیں بائیں کے تمام پتھر درخت ڈھیلے تلبیہ کہتے ہیں ۱؎(ترمذی،ابن ماجہ)	

۱؎ اس طرح کہ حاجی کے قریب کے درخت و پتھر اور کنکر تلبیہ کہتے ہیں۔ان سے سن کر ان کے قریب کے کنکر پتھر وغیرہ ان سے سن کر ان کے قریب کے یہاں تک کہ ساری دنیا کے کنکر پتھر ڈھیلے تلبیہ کا شور مچاتے ہیں۔یہ تلبیہ بزبان قال کہتے ہیں صرف زبان حال سے نہیں،اللہ نے پتھر لکڑیوں میں احساس بھی دیا ہے،گویائی بھی بخشی ہے جس سے وہ رب تعالٰی کی تسبیح کرتے ہیں،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَاِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمۡدِہٖ"بلکہ بزرگانِ دین نے ان کی تسبیح وغیرہ سنی بھی ہیں۔(مرقات)مولانا فرماتے ہیں۔شعر

نطق آب و نطق خاک و نطق گل — ہست محسوس حواس اہلِ دل

فلسفی کو منکر حنانہ است — از حواس اولیاء بیگانہ است

ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان چیزوں کا تلبیہ سنتے تھے۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذوالحلیفہ میں دو رکعت نفل پڑھتے تھے ۱؎ پھر جب مسجد ذوالحلیفہ کے پاس آپ کی اونٹنی آپ کو لے کر سیدھی کھڑی ہوجاتی تو ان کلمات سے تلبیہ کہتے کہ فرماتے ۲؎ حاضر ہوں میں یا اللہ حاضر ہوں حاضر ہوں خدمت میں حاضر ہوں اور ساری بھلائی تیرے قبضہ میں ہے ۳؎ حاضر ہوں رغبت و اعمال تیرے لیے ہیں ۴؎(مسلم،بخاری)اور لفظ مسلم کے ہیں ۵؎	

۱؎ احرام کے لیے دو نفل جس کے اول رکعت میں سورۂ کافرون،دوسری میں قل ھو اللہ۔غالبًا غسل و تبدیلی لباس گھر پر ہی کرلیتے تھے،ظاہر یہ ہی ہے۔

۲؎ پہلی بار تو نفل پڑھتے ہی کہتے تھے،پھر اونٹنی پر سوار ہوکر جیساکہ پہلے عرض کیا گیا۔غالبًا حضرت ابن عمر نے یہ ہی تلبیہ سنا اس لیے اس طرح روایت کی لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نفل کے بعد ہی تلبیہ کہتے تھے۔

۳؎ اگرچہ تمام خیروشر اللہ تعالٰی ہی کے قبضہ میں ہے،اس کے ارادہ سے ہے مگر ادب یہ ہے کہ بندہ خیر کو رب کی طرف اور شر کو اپنی طرف نسبت کرے۔

۴؎ یعنی ہر حال میں تیری طرف راغب اور تجھ سے راضی ہوں اور میری نیکیاں تیرے قبضہ میں ہی ہیں،قبول فرمایئے یا نہ فرمائے تو مالک ہے۔

۵؎ نسائی شریف میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ظہر یعنی قصر پڑھی پھر ناقہ پر سوار ہوئے اور تلبیہ کہا،اس بناء پر بعض علماء نے فرمایا کہ فرض نماز کے بعد احرام باندھے مگر جمہور علماء کا فرمان ہے کہ احرام کے لیے مستقل نفل پڑھے یہ ہی بہتر ہے،بعض علماء نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ رکعتیں نماز فجر تھی مگر حق یہ ہی ہے کہ نفل نماز تھی۔(مرقات)

روایت ہے حضرت عمارہ ابن خزیمہ ابن ثابت سے وہ اپنے والد سے ۱؎ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ آپ جب تلبیہ سے فارغ ہوتے تو اللہ سے اس کی رضا اور جنت مانگتے اور اس کی رحمت کے وسیلہ سے آگ سے پناہ مانگتے تھے ۲؎ (شافعی)	

۱؎ عمارہ تابعی ہیں ان کے والد خزیمہ ابن ثابت مشہور صحابی ہیں،انہی کی گواہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو گواہیوں کے برابر قرار دی تھی،آپ جنگ صفین میں حضرت علی کے ساتھ تھے،اسی جنگ میں شہید ہوئے۔(مرقات)

۲؎ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تلبیہ کے الفاظ ادا فرما کر پھر یہ دعائیں آہستہ مانگتے تھے اسی لیے علماء فرماتے ہیں کہ حاجی تلبیہ کہہ کر آہستہ آواز سے درود شریف پڑھے،پھر یہ دعائیں مانگے اور ہر بار تین دفعہ تلبیہ کہے مسلسل کہے جن میں دنیاوی بات کا فاصلہ نہ ہو۔تلبیہ کہنے والے کو کوئی سلام بھی نہ کرے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت جابر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حج کا ارادہ فرمایا تو لوگوں میں اعلان فرمایا ۱؎ پھر لوگ جمع ہوگئے پھر جب میدان میں پہنچے تو احرام باندھا ۲؎ (بخاری)	

۱؎ سارے عرب میں اپنے حج کا اعلان فرمایا کہ ہم فلاں تاریخ کو مدینہ منورہ سے روانہ ہورہے ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ حج وہ عبادت ہے جس کا اعلان کرنا افضل ہے تاکہ دوسروں کو بھی شوق ہو اور لوگ آکر اس سے دعا وغیرہ کرالیں،حرمین شریفین کو تحفے صدقے،دانہ اس کی معرفت بھیج دیں آج کل جو رواج ہے کہ حاجی کو جلوس کی شکل میں اسٹیشن پہنچانے جاتے ہیں،گلے میں ہار پھول ڈالتے ہیں ان تمام کاموں کا ماخذ یہ حدیث ہے کہ یہ سب اعلان کی صورتیں ہیں۔

۲؎یوں تو بیداء ہر میدان کو کہتے ہیں مگر یہاں ذوالحلیفہ کا خاص میدان ہے۔احرام کے معنی ہیں حضور علیہ السلام نے یہاں اپنے احرام کا اظہارفرمایاورنہ اصل احرام تو مسجد ذوالحلیفہ میں بندھ چکا تھا جیسا کہ پچھلی روایتوں میں گزر چکا۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ مشرکین کہتے تھےحاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھےتمہیں خرابی ہو بس کرو بس کرو۱؎وہ کہتے مگر تیرا ایک شریک ہے کہ تو اس کا اور اس کی ملک کا مالک ہے ۲؎یہ کہتے جاتے تھے اور بیت اللہ کا طواف کرتے تھے۔(مسلم)

۱؎یعنی جب مشرکین لاشریك لك پر پہنچتے تو سرکار فرماتے بس اسی پر رہو آگے شرکیہ لفظ نہ بولو یعنی الاشریکا الخ نہ کہو،مگر وہ کب باز آتے تھے۔

۲؎ایک شریک سے مراد ایک قسم کا شریک ہےاس سے وہ اپنے سارے بت مراد لیتے تھے،ان بتوں کو وہ خدا کا بندہ بھی مانتے تھے اور اس کا مملوک بھی،پھر خدا کی برابر و مثل بھی،رب تعالٰی فرماتا ہے:"اِذْ نُسَوِّیْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ"گویا یہ بت ان کے عقیدے میں پارلیمنٹ کے ممبر تھے کہ رب تعالٰی ان کی مدد کے بغیر اکیلا دنیا کا انتظام فرماسکتا ہی نہ تھااور بعض مشرکین فرشتوں کو رب کی بیٹیاں مانتے تھےلہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ جب وہ بتوں کو رب کا بندہ اور مملوک مانتے تھے تو مشرک کیوں تھے،کوئی مسلمان کسی نبی ولی کو الٰہی پارلیمنٹ کا نہ ممبر مانتا ہے نہ رب کی اولاد بلکہ کہتا ہے عبدہ ورسولہ اس کی تحقیق ہماری کتاب"علم القرآن"ملاحظہ فرمایئے۔

باب قصة حجة الوداع

باب وداعی حج کا قصہ[1]

الفصل الاول

پہلی فصل

[1] وداع واؤ کے فتح یا کسرہ سے بمعنی رخصت ہے،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حج اسلام صرف ایک یہ ہی کیا ہے جو ۱۰ھ میں ہوا،چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حج میں لوگوں کو وداعیہ کلمات فرمائے اور اپنی وفات شریف کی خبر دی اس لیے اسے حجۃ الوداع کہتے ہیں۔حجۃالوداع کا تفصیلی واقعہ حضرت جابر ہی سے مروی ہے۔امام محمد باقر نے بھی حضرت جابر سے احادیث اور حجۃ الوداع کا واقعہ روایت کیا،حضور انور نے فرمایا تھا کہ اے جابر میرے اہل بیت میں سے ایک شخص تم سے علم لے گا۔(اشعہ)

روایت ہے حضرت جابر ابن عبداللہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نو برس مدینہ پاک میں مقیم رہے کہ حج نہ کیا[1] پھر دسویں سال لوگوں میں حج کا اعلان کیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حج کو تشریف لے جانے والے ہیں چنانچہ بہت ہی لوگ مدینہ پاک میں آگئے[2] ہم آپ کے ہمراہ نکلے[3] حتی کہ جب ذوالحلیفہ میں پہنچے تو حضرت اسماء بنت عمیس کے ہاں محمد ابن ابوبکر صدیق پیدا ہوئے[4] ان بی بی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کہلا بھیجا کہ اب میں کیا کروں[5] فرمایا نہالو اور کوئی کپڑا باندھ لو اور احرام باندھ لو[6] پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں نماز ادا کی پھر قصواء اونٹنی پر سوار ہوئے[7] حتی کہ جب اونٹنی آپ کو لے کر میدان میں سیدھی کھڑی ہوئی تو حضور نے کلمہ توحید بلند آواز سے پکارا[8] حاضر ہوں الٰہی میں حاضر ہوں حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں میں حاضر ہوں[9] بے شک تعریف نعمت ملک تیرے ہیں تیرا کوئی شریک نہیں حضرت جابر کہتے ہیں کہ ہم صرف حج ہی کی نیت سے تھے عمرہ کو جانتے بھی نہ تھے[10] حتی کہ ہم جب کعبہ شریف میں حضور انور کے	

ساتھ پہنچے ۱۱؎تو حضور نے رکن کو بوسہ دیا پھر سات پھیرے طواف کیا جس میں تین چکروں میں رمل فرمایا اور چار میں معمولی چال چلے۱۲؎پھر مقام ابراہیم پر تشریف لائے تو یہ آیت تلاوت کی کہ مقام ابراہیم کو جائے نماز بناؤ پھر دو رکعتیں اس طرح پڑھیں کہ مقام کو اپنے اور بیت اللہ کے درمیان کرلیا ۱۳؎ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے ان دونوں رکعتوں میں قل ھو اللہ احد اور قل یا ایھا الکافرون پڑھیں ۱۴؎پھر رکن اسود کی طرف لوٹے اسے چوما پھر دروازے سے صفا پہاڑ کی طرف تشریف لے گئے جب صفا سے قریب ہوئے تو یہ آیت تلاوت کی کہ صفا و مروہ اللہ کی دینی نشانیوں میں سے ہیں ہم اس سے ابتداء کریں گے جس سے رب نے ابتداء کی چنانچہ آپ نے صفا سے سعی شروع کی ۱۵؎ اس پر چڑھے حتی کہ کعبہ معظّمہ کو دیکھ لیا تو کعبہ کو منہ کیا اللہ کی توحید و تکبیر بیان کی ۱۶؎اور فرمایا اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا کوئی شریک نہیں اسی کا ملک ہے اسی کی تعریف ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے ۱۷؎اللہ اکیلے کے سوا کوئی معبود نہیں جس نے اپنا وعدہ پورا کردیا اپنے بندے کی مدد کی اس اکیلے نے احزاب کو بھگایا۱۸؎پھر ان ذکروں کے درمیان دعا مانگی ۱۹؎تین بار یہ فرمایا ۲۰؎پھر اترے پھر مروہ کی طرف چلے حتی کہ بطن وادی میں آپ کے قدم شریف برابر سیدھے ہوگئے ۲۱؎پھر دوڑے حتی کہ جب آپ کے قدم چڑھنے لگے تو معمولی چال چلے ۲۲؎حتی کہ مروہ پہنچے پھر مروہ پر وہ ہی کیا جیسا صفا پر کیا تھا ۲۳؎حتی کہ جب مروہ پر آخری چکر ہوا تو آپ نے آواز دی حالانکہ آپ مروہ پر تھے اور لوگ آپ سے نیچے تو فرمایا اگر ہم اس کام کا پہلے سے خیال کرتے جس کا بعد میں خیال آیا تو ہم ہدی نہ لاتے اور اسے عمرہ قرار دیتے ۲۴؎لہذا تم میں سے جس کے ساتھ ہدی نہ ہو وہ احرام کھول دے اور اسے عمرہ بنالے ۲۵؎تب حضرت سراقہ ابن مالک بن جعشم کھڑے ہو کر بولے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ و

سلم کیا یہ حکم ہمارے اس ہی سال کے لیے ہے یا ہمیشہ کے لیے ۲۶؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں داخل فرمائیں اور دوبارہ فرمایا کہ عمرہ حج میں داخل ہوگیا یہ حکم ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے ۲۷؎ جناب علی یمن سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہدی کے اونٹ لے کر آئے ۲۸؎ تو ان سے حضور نے پوچھا کہ جب تم نے حج کی نیت کی تو کیا کہا تھا عرض کیا میں نے کہا تھا الٰہی میں اس کا احرام باندھتا ہوں جس کا احرام تیرے رسول نے باندھا ۲۹؎ فرمایا میرے ساتھ تو ہدی ہے لہٰذا تم حلال نہ ہونا ۳۰؎ راوی فرماتے ہیں کہ مجموعہ ان ہدیوں کا جو جناب علی یمن سے لائے اور جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لائے کل سو تھا ۳۱؎ فرماتے ہیں پھر تمام لوگ حلال ہوگئے اور بال کٹوالیے ۳۲؎ سوائے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اور ان حضرات کے جن کے ساتھ ہدی جانور تھا ۳۳؎ پھر جب آٹھویں بقرعید ہوئی تو لوگوں نے منی کا رخ کیا تب حج کا احرام باندھا ۳۴؎ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوئے تو منی میں ظہر،عصر،مغرب،عشاء اور فجر پڑھی ۳۵؎ پھر تھوڑا ٹھہرے حتی کہ سورج نکل آئے اور حضور نے حکم دیا تھا تو نمرہ میں حضور کے لیے اونی خیمہ لگادیا گیا تھا ۳۶؎ چنانچہ رسول اللہ چلتے رہے قریش کو اس میں شک و تردد ہی نہ تھا کہ آپ مشعر حرام کے پاس قیام کریں گے ٹھہر جائیں گے ۳۷؎ جیسے اسلام سے پہلے قریش کرتے تھے ۳۸؎ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم وہاں سے آگے بڑھ گئے حتی کہ عرفہ پہنچ گئے تو آپ نے مقام نمرہ میں خیمہ لگا ہوا پایا وہاں ہی اتر پڑے ۳۹؎ حتی کہ سورج ڈھل گیا تو اونٹنی قصواء کا حکم دیا اسے کجاوا کس دیا گیا آپ بطن وادی میں تشریف لائے ۴۰؎ لوگوں کو خطبہ دیا اور فرمایا کہ تمہارے خون تمہارے آپس کے مال تم پر یوں ہی حرام ہیں جیسے تمہارے اس دن کی اس مہینہ اور اس شہر میں حرمت ۴۱؎ خبردار رہو زمانہ جاہلیت کی تمام رسمیں میرے قدم

کے نیچے روند دی گئیں ۴۲؎ اور جاہلیت کے زمانہ کے خون ختم کردیئے گئے ۴۳؎ میں اپنے خونوں میں سے پہلا خون ختم کرتا ہوں وہ ابن ربیعہ ابن حارثہ کا خون ہے ۴۴؎ یہ بنی سعد میں شیر خوار تھے تو انہیں قوم ہذیل نے قتل کردیا تھا ۴۵؎ اور جاہلیت کے زمانہ کے سود ختم ہیں میں اپنے سودوں میں سے پہلا سود ختم کرتاہوں وہ عباس ابن عبدالمطلب کا سود ہے وہ سارا ہی ختم ۴۶؎ عورتوں کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو کہ تم نے انہیں اللہ تعالٰی کی امان میں لے لیا ہے اور کلمہ الٰہیہ سے ان کی شرمگاہوں کو حلال کیا ہے ۴۷؎ تمہارے ان پر یہ حقوق ہیں کہ وہ تمہارے بستروں کو ان سے پامال نہ کرائیں جنہیں تم ناپسند کرتے ہو ۴۸؎ پھر اگر وہ عورتیں ایسا کریں تو تم انہیں غیر مہلک مار مارو ۴۹؎ اور عورتوں کی تم پر بھلائی سے ان کی روزی اور بھلائی سے ان کا کپڑا ہے ۵۰؎ میں تم میں وہ چیز چھوڑتا ہوں کہ اس کے ہوتے تم کبھی گمراہ نہ ہو گے جب تک تم اسے تھامے رہے یعنی قرآن کریم ۵۱؎ اور تم سے میرے متعلق پوچھا جائے گا تو تم کیا کہو گے،سب بولے ہم گواہی دیں گے کہ آپ نے تبلیغ فرمادی اور امانت ادا کردی اور خیر خواہی فرمائی ۵۲؎ تو آپ نے اپنے کلمہ کی انگلی آسمان کی طرف اٹھائی اور لوگوں کی طرف جھکائی فرمایا خدایا گواہ ہو جاؤ خدایا گواہ ہو جاؤ (تین بار) ۵۳؎ پھر حضرت بلال نے اذان دی پھر تکبیر کہی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ظہر پڑھی پھر تکبیر کہی تو عصر پڑھ لی ان دو نمازوں کے درمیان کچھ نہ پڑھا ۵۴؎ پھر سوار ہوئے حتی کہ عرفات کے جائے قیام پر تشریف لائے تو اپنی قصواء کا پیٹ بڑے پتھروں کی طرف کردیا اور جبل مشاۃ کو اپنے سامنے لیا اور قبلہ کو منہ کیا ۵۵؎ پھر وہاں اتنا ٹھہرے رہے کہ سورج ڈوب گیا اور کچھ زردی غائب ہوگئی تاآنکہ سورج کی ٹکیہ پوری چھپ گئی ۵۶؎ اور حضرت اسامہ کو ردیف بنایا اور روانہ ہوگئے حتی کہ مزدلفہ پہنچ گئے ۵۷؎ پھر وہاں ایک اذان اور دو تکبیروں سے نماز مغرب و عشاء پڑھی درمیان

میں نوافل کچھ نہ پڑھے ۵۸؎ پھر کچھ لیٹ گئے ۵۹؎ حتی کہ فجر طلوع ہوگئی تو سویرا چمکتے ہی اذان و تکبیر کے ساتھ فجر پڑھی ۶۰؎ پھر قصواء پر سوار ہولیے حتی کہ مشعر پہاڑ کے پاس تشریف لائے پھر قبلہ کو منہ کیا اور رب سے دعا مانگی تکبیر وتہلیل و توحید کہتے رہے وہاں ٹھہرے رہے حتی کہ خوب اجیالا ہوگیا ۶۱؎ تو سورج نکلنے سے پہلے روانہ ہوگئے اور حضرت فضل ابن عباس کو اپنے پیچھے سوار کرلیا ۶۲؎ حتی کہ بطن وادی میں آئے تو اپنی اونٹنی کو کچھ حرکت دی ۶۳؎ پھر درمیانی راستے پر پڑ گئے جو بڑے جمرے پر نکلتا ہے ۶۴؎ حتی کہ اس جمرہ پر پہنچے جو درخت کے پاس ہے ۶۵؎ تو اسے سات کنکر مارے جن میں سے ہر کنکر کے ساتھ تکبیر کہتے تھے جو کنکر ٹھیکری جیسے تھے ۶۶؎ بطن وادی سے رمی کی ۶۷؎ پھر قربانی گاہ کی طرف لوٹے تو تریسٹھ اونٹ اپنے ہاتھ سے قربانی کئے پھر حضرت علی کو مرحمت فرمائے تو بقیہ انہوں نے قربانی کئے ۶۸؎ اور حضور نے انہیں اپنی ہدی میں شریک کر لیا ۶۹؎ پھر حکم دیا تو ہر اونٹ کی ایک بوٹی لے کر ہانڈی میں ڈالی اور پکائی گئی تو ان دونوں صاحبوں نے وہ گوشت کھایا اس کا شوربا پیا ۷۰؎ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوئے اور بیت اللہ شریف چلے تو نماز ظہر مکہ میں پڑھی ۷۱؎ پھر بنی عبدالمطلب کے پاس تشریف لائے جو زمزم پر پانی کھینچ رہے تھے فرمایا اے بنی عبدالمطلب کھینچے جاؤ ۷۲؎ اگر یہ خطرہ نہ ہوتا کہ سب لوگ تمہارے پاس کھینچنے میں تم پر غلبہ کرلیں گے تو میں تمہارے ساتھ پانی کھینچتا ۷۳؎ لوگوں نے حضور کو ڈول پیش کیا آپ نے اس سے پیا ۷۴؎ (مسلم) ۷۵؎	

۱؎ حج ۶ھ یا ۹ھ میں فرض ہوا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرض ہوتے ہی نہ کیا کہ آپ کو اپنی زندگی شریف کی خبر تھی کہ ابھی وفات نہیں ہے، ہم پر فورًا اس لیے فرض ہوتا ہے کہ ہمیں زندگی کی خبر نہیں، ۱۰ھ میں حج کیا، اسی کا نام حجۃ الوداع ہے لہذا حضور انور نے بعد فرضیت حج صرف ایک حج کیا، حضور نے عمرے کل چار کئے ہیں۔

۲؎ مرقات نے فرمایا کہ کل ایک لاکھ تیس ہزار حجاج جمع ہوگئے۔اشعہ میں ہے کہ وہ حضرات ایک لاکھ تھے یا ایک لاکھ چودہ ہزار یا ایک لاکھ چوبیس ہزار، ہوسکتا ہے کہ اولًا تھوڑے ہوں، آگے جاتے ہوئے ملتے ہوں گے۔خیال رہے کہ کل صحابہ ایک

لاکھ چوبیس ہزار ہیں جن میں سے اصحاب بدر تین سو تیرہ،پھر ان میں خلفائے راشدین چار،ان میں سے حضرت ابوبکر صدیق افضل الخلق بعد الانبیاء ہیں جیسے نبی ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں،رسول تین سو تیرہ،مرسلین چار،ان میں سے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم افضل الخلق ہیں۔دیکھو ہماری کتاب "امیر معاویہ"۔یہ حضرات اپنے گھر سے سیدھے مکہ معظّمہ نہ پہنچ گئے بلکہ پہلے مدینہ منورہ حاضر ہوئے تاکہ کعبہ ایمان کے ساتھ کعبہ اجسام کی طرف سفر کریں،اب بعض عشاق پہلے مدینہ منورہ حاضر ہوتے ہیں،پھر مکہ معظّمہ اسی سنت پر عمل کرنے کے لیے،بعض اس کے برعکس کرتے ہیں وللناس فیما یعشقون مذاھب۔

۳؎ یہ روانگی ۲۵ ذیقعدہ ۱۰ھ؁ بعد ظہر ہوئی جیساکہ ترمذی،ابن ماجہ نے حضرت انس سےاور طبرانی نے حضرت ابن عباس سے روایت کی جس کجاوے پر حضور انور سوار تھے اس کی قیمت چار درہم یعنی ایک روپیہ دو آنے تھی۔(مرقات)

۴؎ اسماء بنت عمیس پہلے حضرت جعفر بن ابی طالب کی زوجہ تھیں،ان کی شہادت کے بعد حضرت ابوبکر صدیق کے نکاح میں آئیں،آپ کے بعد حضرت علی مرتضٰی نے نکاح کیا،محمد ابن ابی بکران سے پیدا ہوئے،پھر حضرت علی سے یحیٰی ابن علی انہیں کے بطن سے پیدا ہوئے۔(مرقات)محمد ابن ابوبکر صدیق صغر سن صحابی ہیں، ۳۸ھ؁ میں اصحاب امیر معاویہ کے ہاتھوں شہید ہوئے۔(مرقات)

۵؎ یعنی میں اس حالت میں احرام یا حج کیسے ادا کروں۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالحلیفہ میں عصر،مغرب،عشاء اور اگلی فجر و ظہر پڑھیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام ازواج پاک آپ کے ساتھ تھیں۔(مرقات) حضرت اسماء کا جوش ایمانی اور شوق حج قابل داد ہے کہ اس حالت میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روانہ ہوگئیں۔

۶؎ یعنی نفاس نہ تو احرام سے مانع ہے نہ ادائے حج و عمرہ سے صرف طواف ممنوع ہے کہ وہ مسجد میں ہوتا ہے اور نفساء کو مسجد میں آنے کی اجازت نہیں اور احرام کے وقت یہ عورت نفل نہ پڑھے کہ نفاس میں نماز پڑھنا حرام ہے۔

۷؎ ظاہر یہ ہے کہ حضور انور نے احرام کے نفل علاوہ فرض ظہر کے ادا کئے،پھر قصواء پر سوار ہوئے۔قصواء قصی بمعنی دوری سے بنا،یا قصوٌ بمعنی کان کٹنے سے بنا،چونکہ یہ اونٹنی بہت تیز رفتار اور دور تک جانے والی تھی یا چونکہ اس کے ایک کان کا کچھ حصہ کٹا ہوا تھا اس لیے اسے قصواء کہتے تھے،یہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کی خاص اونٹنی تھی۔

۸؎ یہاں اھل کے معنی ہیں بلند آواز سے پکارا،توحید سے مراد ہے رب تعالٰی کی وحدانیت یعنی رب کی توحید پکاری،چونکہ تلبیہ میں لاشریك لك بھی ہوتا ہےاس لیے بالتوحید فرمایا۔بعض شوافع نے توحید کے معنی اذا وحج کئے یعنی صرف حج کا تلبیہ فرمایا اور اس سے ثابت کیا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے افراد کیا مگر یہ معنی بہت ہی بعید ہیں،قوی وہ ہی ہے جو عرض کیا گیالہٰذا یہ جملہ شوافع کی تائید نہیں اور احناف کے خلاف نہیں۔

۹؎ یہاں مرقات نے فرمایا کہ حاجی کا لبیك کہنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پکار اور بلاوے کا جواب ہے۔چنانچہ حاکم نے حضرت ابن عباس سے روایت فرمایا کہ جب جناب خلیل بناء کعبہ سے فارغ ہوئے تو رب نے فرمایا لوگوں کو حج کے لیے بلاؤ،عرض کیا مولٰی میری آواز سب تک کیسے پہنچے گی فرمایا پکارنا بلانا تمہارا کام ہے تمہاری آواز سب تک پہنچانا ہمارا کام۔چنانچہ آپ نے پکارا زمین وآسمان میں آپ کی آواز پہنچی اور یہ لَبَّیْك اسی پکار کا جواب ہے۔(مرقات)معلوم ہوا کہ بحکم پروردگار نبی کی آواز زمین و آسمان

میں پہنچ سکتی ہے،آج بذریعہ ریڈیو(Radio)تار(Telegraph)کی طاقت سے لاکھوں میل دور آواز پہنچادی جاتی ہے تو نور کی طاقت نار سے کہیں زیادہ ہے۔

۱۰؎ کفار عرب اسلام سے پہلے حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا سخت گناہ اور بدترین جرم سمجھتے تھے ماہ صفر سے عمرہ جائز مانتے تھے۔چنانچہ حضرات صحابہ کا اس موقعہ پر عمرہ کی طرف دھیان بھی نہ گیا۔بخاری نے حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت کی کہ حضور انور نے احرام کے وقت ہی لوگوں کو احرام کے اقسام بتا کر فرما دیا تھاکہ جو حج کا احرام باندھنا چاہے وہ یہ احرام باندھے،جو عمرہ کرنا چاہے وہ عمرہ کا احرام باندھے۔(مرقات)

۱۱؎ اس طرح کہ تین ذی الحجہ ہفتہ کے دن ذی طوی پہنچ گئے وہاں رات گزاری اور ۴ ذی الحجہ اتوار کے دن صبح کے وقت باب السلام کی طرف سے مسجد حرام میں داخل ہوئے اور سب سے پہلے طواف قدوم کیا،بیت اللہ شریف کی تحیۃ طواف ہے دوسری مسجدوں کی تحیۃ دو رکعت نفل۔

۱۲؎ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم دروازہ سلام سے سیدھے رکن اسود پر پہنچے اس کو بوسہ دے کر طواف قدوم کیا،طواف میں اکڑکر چلنے کو رمل کہتے ہیں۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین چکروں میں رمل کیا یعنی پہلوان کی طرح اظہار قوت دکھاتے چلے،رمل کی وجہ اور جگہ بیان ہوگی۔ان شاء اللہ اور چار چکر آہستہ معمولی رفتار پر۔

۱۳؎ مقام ابراہیم وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر جناب خلیل اللہ نے کعبہ کی دیواریں اونچی فرمائیں ہر -طواف کے بعد دو نفل پڑھے جاتے ہیں،یہ نفل اسی جگہ پڑھنا سنت ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ جس پتھر پر نبی کے قدم پڑ جائیں وہ پتھر بھی قابل احترام ہوجاتا ہے،یہ بھی معلوم ہوا کہ عین نماز میں بزرگوں کے تبرکات کی تعظیم کرنا ثواب ہے شرک نہیں تو جو کہے نماز میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال کرنا شرک ہے وہ دراصل حضور کی اہانت کرتا ہے،جب جناب خلیل اللہ کے نشانِ قدم والے پتھر کو آگے رکھ کر نماز پڑھنا درست ہوا تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ تو بہت اعلیٰ ہے۔

۱۴؎ واؤ ترتیب کے لیے نہیں صرف جمع کے لیے ہے یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان نفل طواف کی پہلی رکعت میں قل یاایھا الکفرون اور دوسری رکعت میں قل ھو اللہ احد پڑھی کہ یہ جگہ پہلے بت خانہ بنی ہوئی تھی۔اب رب تعالیٰ کے کرم سے پاک و صاف ہوئی تو پہلی رکعت میں شرک سے بیزاری کا اظہار اور دوسری رکعت میں توحید الٰہی کا اعلان فرمایا،چونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم آہستہ قرأت میں بھی بعض لفظ اونچی آواز سے پڑھ دیتے تھے۔اس لیے لوگوں کو پتہ چل جاتا تھا کہ فلاں رکعت میں فلاں سورت پڑھی۔

۱۵؎ باب الصفا سے صفا پہاڑ کی طرف گئے اور یہ آیت پڑھ کر صفا پر کچھ چڑھے وہاں دعائیں مانگیں۔خیال رہے کہ صفا مروہ وہ پہاڑ ہیں جن پر بی بی ھاجرہ رضی اللہ عنہا تلاش پانی میں سات بار چڑھیں،چونکہ ان پہاڑوں کو اس بی بی پاک کی قدم بوسی میسر ہوئی اس لیے انہیں رب تعالیٰ نے شعائراللہ یعنی اللہ کے دین کی نشانیاں قرار دیا۔معلوم ہواکہ بزرگوں کے مزارات ان کے تبرکات شعائر اللہ بن جاتے ہیں،ان کی تعظیم ثواب ہے شرک نہیں۔سعی میں صفا سے شروع کرنا سنت ہے اور حج میں صفا مروہ کے درمیان سعی واجب ہے رکن نہیں،یہ ہی مذہب احناف ہے۔

۱۶؎اس زمانہ میں صفا اور کعبہ معظّمہ کے درمیان کوئی آڑ نہ تھی اس لیے صفا پر کچھ چڑھنے میں کعبہ معظّمہ نظر آتا تھا،اب آڑ واقع ہوچکی ہے اب کعبہ معظّمہ نظر نہیں آتا لیکن نظر آنا ضروری نہیں صرف کعبہ کو منہ کرنا ضروری ہے۔اب تو صفا پہاڑ پر حرم مسجد وسیع کردی گئی ہے کہ سعی مسجد ہی میں ہوتی ہے۔

۱۷؎اب بھی سنت یہ ہے کہ صفا شریف پر یہ ہی دعا پڑھی جائے۔

۱۸؎اس کلمہ میں غزوہ خندق کی طرف اشارہ ہے جب کہ ہر قسم کے کفار نے متفقہ طور پر مدینہ طیبہ پر یلغار کی تھی،رب تعالٰی نے تیز سرد ہوا کے ذریعہ انہیں بھگادیا۔اس سے معلوم ہوا کہ سخت مصیبت کا وقت یاد رکھنا اور اس کے دفعیہ پر رب تعالٰی کا شکر کرتے رہنا سنت ہے،یہ واقعہ بہت پہلے ہوچکا تھا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم آخر دم تک وقتًا فوقتًا اس کا ذکر فرماتے رہے رب تعالٰی کی حمد وشکر کے لیے۔

۱۹؎اس طرح کہ پہلے بھی اللہ کا ذکر کیا بعد میں بھی اور درمیان میں دعائیں مانگیں،سنت یہ ہی ہے کہ دعا اللہ کے ذکر سے گھری ہو کہ ایسی دعا ان شاءاللہ رد نہیں ہوتی۔

۲۰؎اولًا ذکر الٰہی پھر دعا پھر ذکر الٰہی یہ ایک بار ہو،اس طرح تین دفعہ عمل کیا،حاجی اسی پر عمل کرے۔

۲۱؎یعنی صفا کی ڈھلائی اور مروہ کی چڑھائی کے درمیان جو ہموار زمین ہے جسے بطن وادی کہتے ہیں وہاں سعی کی۔سعی کے معنی ہیں دوڑ لگانا،چونکہ اسی جگہ حضرت ہاجرہ دوڑی تھیں اس لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی جگہ سعی فرمائی،اس مقبول بی بی کی پوری نقل اتارنا سنت ہے،مقبولوں کی نقل بھی اچھی کہ اللہ تعالٰی اصل کے طفیل نقل پر کرم فرمادے،بطن وادی لغۃً پہاڑ یا ٹیلے کے درمیان شگاف کو کہتے ہیں۔

۲۲؎یعنی جب مروہ شریف کی چڑھائی شروع ہوئی تو پھر معمولی رفتار سے چلنا شروع فرمادیا،دوڑ ختم کردی۔

۲۳؎یعنی اس قدر چڑھنا کہ کعبہ معظّمہ سامنے آجائے،کعبہ معظّمہ کو منہ کرنا اللہ کا ذکر و دعائیں کرنا۔غرضکہ جو کچھ صفا پر کیا وہ ہی مروہ پر بھی کیا،وہ ہی دعائیں و ذکر جو صفا پر کیا تھا وہ ہی مروہ پر کیا۔اس سے معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم نے پیدل سعی فرمائی سواری پر نہ کی،یہ ہی سنت ہے بلاعذر سواری پر سعی کرنا خلاف سنت ہے۔مسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جو روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سواری پر سعی فرمائی وہ عمرہ قضاء کا واقعہ ہے اور وہ سوار ہونا بھی دشواری و معذوری کی وجہ سے تھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے کے لیے مکہ والے ہجوم بن کر آئے اور حضور کے پاس سے ہٹتے نہ تھے،پیدل سعی ناممکن ہوگئی تھی لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔(مرقات)

۲۴؎یعنی ہم نے قران کا احرام باندھ لیا اور ہدی ہمارے ساتھ ہے،اب ہم کو عمرہ کرکے احرام کھول دینا جائز نہ رہا۔اور ہم نے تم کو حکم دیا کہ عمرہ کرکے احرام کھول دو شاید تم کو احرام کھولنا گراں گزرے کہ تم ہماری سنت پر عمل کرنے کے دلدادہ ہو تم ہمارے سے اعمال کرنا چاہتے ہو اگر ہمیں احرام سے پہلے یہ خیال آجاتا تو ہم ہدی ساتھ نہ لاتے اور نہ قران کا احرام باندھتے اور ہم بھی عمرہ کرکے کھل جاتے تاکہ تم کو عمرہ پر کھل جانا گراں نہ ہوتا۔اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے قران کیا اور قران ہی افضل ہے۔دوسروں کو عمرہ کرکے کھل جانے کا حکم ایک مصلحت کی بناء پر دیا جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ زمانہ جاہلیت میں حج کے زمانہ میں عمرہ کرنا اور حج کے قریب تک حلال رہنا سخت گناہ سمجھا جاتا تھا،وہ رسم توڑنا تھی۔دوسرے یہ کہ صحابہ کرام حضور کی ہر ادا کی نقل کرنا سعادت سمجھتے تھے۔

۲۵؎ یعنی صرف حج یا عمرے کا احرام بندھا ہو اور اس کے ساتھ ہدی ہو تو ہدی کی قربانی کے بعد احرام کھولے دسویں ذی الحجہ کو مگر جس نے حج یا عمرہ کا احرام باندھا ہو اور اس کے ساتھ ہدی نہ ہو تو وہ عمرے کے افعال ادا کرکے احرام کھول دے اس طرح کہ حج کے احرام کو عمرہ بنادے،اسے فتح حج الی العمرۃ کہتے ہیں۔یہ فتح صرف اس سال ہی صحابہ کے لیے جائز ہوا،اب تاقیامت کسی کو جائز نہیں اب حج کا احرام بعد حج ہی کھل سکتا ہے۔چنانچہ روایات میں ہے کہ بلال ابن حارث نے عرض کیا یارسول اللہ فتح ہمارے لیے خاص ہے یا آئندہ بھی ہوگا،فرمایا صرف تمہارے لیے خاص طور پر ہے۔(مرقات)

۲۶؎ چار وجہ سے یہ حکم حاضرین پر گراں ہوا:ایک تو زمانہ حج میں عمرہ کرنا کیونکہ اسلام سے پہلے زمانہ حج میں عمرہ گناہ کبیرہ سمجھا جاتا تھا۔دوسرے حج کا احرام عمرہ کرکے کھول دینااور تیسرے یوم عرفات کے قریب احرام کھولنا۔چوتھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میسر نہ ہونا کہ حضور تو احرام میں ہیں اور ان حضرات کے احرام کھل گئے،سرکار کا یہ حکم صرف اس لیے تھا کہ لوگ اس زمانہ میں عمرہ کو گناہ نہ سمجھیں۔حضرت سراقہ ابن مالک نے بھی پہلے مسئلہ کے متعلق سوال کیا کہ یارسول اللہ زمانہ حج میں عمرہ کا جواز صرف اس سال کے لیے ہے یا ہمیشہ کے لیے ہے،بقیہ تین مسائل کے متعلق نہیں ہے جیساکہ جواب عالی سے معلوم ہورہا ہے لہٰذا اب فتح حج ہرگز جائز نہیں۔

۲۷؎ یعنی عمرہ کا جواز زمانہ حج میں قیامت کے لیے ہے،امام احمد اس کے معنی یہ کرتے ہیں کہ **فتح حج الی العمرۃ** تاقیامت رہے گا۔ان کے ہاں اب حج کا احرام عمرہ کرکے کھول سکتے ہیں مگر امام ابوحنیفہ شافعی،مالک و جمہور علماء رضی اللہ عنہم کے ہاں نہیں کرسکتے،ان کی دلیل مسلم کی یہ حدیث ہے کہ متعہ یعنی فتح حج صرف صحابہ کے لیے تھااور نسائی کی وہ روایت ہے کہ یارسول اللہ فتح حج صرف ہم لوگوں کے لیے خاص ہے یا تمام مسلمانوں کے لیے فرمایا صرف ہم لوگوں کے لیے۔(مرقات و لمعات)ہاں یہ جائز ہے کہ عمرہ کا احرام والا جب عمرہ نہ کرسکے کہ تنگ وقت میں مکہ معظمہ پہنچے یا عورت کو حیض آجائے جس سے وہ طواف نہ کر سکے تو اس پر حج کا احرام باندھ لے پہلے حج کرے بعد میں عمرہ جیساکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس موقعہ پر کیا تھا۔

۲۸؎ اس زمانہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ یمن کے قاضی بنا کر بھیجے گئے تھے انہیں وہاں ہی اطلاع دے دی گئی تھی کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم حج کو جارہے ہیں تم مکہ معظمہ پہنچواور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کچھ ہدیٰ ساتھ لیتے آؤ کچھ اونٹ تو حضور خود لے گئے تھے اور بہت سے اونٹ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جناب علی رضی اللہ عنہ لے کرآئے تھے کل سو اونٹ ہوگئے تھے۔

۲۹؎ اس سے معلوم ہوا کہ حج میں تعلیقًا نیت کرسکتے ہیں کہ خدایا جو فلاں بزرگ کی نیت وہ میری نیت،نماز میں تعلیق نیت درست نہیں جیساکہ فقہ میں مصرح ہے۔

۳۰؎ یعنی ہماری طرح تمہارا احرام بھی قران کا ہوگیا اور ہمارے ساتھ بھی ہدی ہے تمہارے ساتھ بھی لہٰذا ہماری طرح تم بھی عمرہ کرکے احرام پر قائم رہنا۔خیال رہے کہ جناب علی اپنے لیے بھی ہدی لائے تھے۔

۳۱؎ یہ نہیں پتہ لگا کہ حضور انور مدینہ منورہ سے اپنے ہمراہ کتنے اونٹ قربانی کے لیے لائے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کتنے لائے،بعض نے فرمایا کہ چالیس اونٹ سرکار لائے تھے اور ساٹھ اونٹ حضرت علی۔**واللہ اعلم!**

۳۲؎ اس سے حضرت عائشہ صدیقہ علیحدہ ہیں کہ آپ کے ساتھ ہدی نہ تھی پھر بھی آپ کو حلال ہوجانے کا حکم نہ دیا گیا بلکہ عمرہ کے احرام پر حج کا احرام بندھوادیا گیا۔(مرقات)خیال رہے کہ احرام کھولتے وقت سرمنڈانا افضل ہے مگر صحابہ نے اس موقع پر بال کٹوائے تھے منڈائے نہیں کیونکہ عنقریب ہی انہیں حج کا احرام باندھ کر کھولنا تھا،اس وقت تک منڈے ہوئے بال بڑھ نہ سکتے تھے،نیز انہوں نے چاہا کہ ہم **محلقین رؤسکم و مقصرین** دونوں پر عمل کریں،اس وقت بال کٹوالیے اور حج کا احرام کھولتے وقت منڈوادیئے۔(اشعہ)

۳۳؎ کہ وہ حضرات حلال نہ ہوئے مگر وہ تھوڑے تھے،زیادہ تر بغیر ہدی والے تھے۔

۳۴؎ آٹھویں ذی الحجہ کو ترویہ کہتے ہیں بمعنی سیراب کرنا یا بمعنی غور کرنا،چونکہ اہل عرب حج کے لیے آٹھویں ذی الحجہ کو اونٹ کو پانی پلالیتے تھے یا حضرت خلیل اللہ نے آٹھویں ذی الحجہ کو اپنی خواب کے متعلق غور کیا تھا کہ قربانی کس چیز کی دوں اس لیے اسے ترویہ کہتے ہیں۔غرضکہ ترویہ یا روئٌ سے ہے یا رائٌ سے۔منٰی کے معنی ہیں بہانا،چونکہ اس میدان میں قربانیوں کا خون بہایا جاتا ہے لہذا منے کہا جاتا ہے۔

۳۵؎ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابہ آٹھویں ذی الحجہ کی نماز فجر پڑھ کر سورج نکلتے مکہ معظّمہ سے منٰی روانہ ہو گئے،منٰی کا یہ قیام احناف کے ہاں واجب نہیں سنت ہے۔

۳۶؎ **نمرہ** عربی میں چیتے کو کہتے ہیں،عرفات کے قریب کنارہ حرم پر ایک پہاڑی کا نام **نمرہ** ہے جس پر حضرت عمر نے مینار بنایا تھا تاکہ حد حرم کی علامت رہے،چونکہ اس پر سیاہ و سفید پتھر ہیں جو چیتے کے داغ کے مشابہ ہیں اس لیے اسے **نمرہ** کہتے ہیں۔(لمعات و اشعہ)اس جگہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام کے لیے خیمہ لگادیا گیا تھا۔معلوم ہوا کہ عرفات وغیرہ میں پہلے سے اپنے واسطے خیمہ لگالینا جگہ پر قبضہ کرلینا جائز ہے جیساکہ عمومًا معلم حضرات آج کل کرتے ہیں اس عمل کا ماخذ یہ حدیث ہے۔

۳۷؎ اسلام سے پہلے کفار عرب کا دستور تھا کہ قریش مکہ تو مزدلفہ میں ہی ٹھہر جاتے تھے،عرفات نہ پہنچتے تھے اور عوام حجاج عرفات شریف جاتے تھے،تمام مسلمانوں کو یقین تھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بھی مزدلفہ میں ہی قیام کریں گے عرفات تشریف نہ لے جائیں گے کہ آپ تو قریش کے سردار ہیں،قرشی ہی، ہاشمی ہیں،مطلبی ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔مرقات نے فرمایا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہور نبوت سے پہلے جو حج کیے ان میں عوام کے ساتھ عرفات شریف میں ہی قیام فرماتے رہے۔

۳۸؎ قریش کہتے تھے کہ ہم حرم شریف کے کبوتر ہیں حرم سے باہر نہ جائیں گے عرفات حرم سے باہر ہے،نیز اس میں اپنا شرف بھی ظاہر کرتے تھے کہ ہم سردار معلوم ہوں۔

۳۹؎ یعنی اس قبہ میں قیام پذیر ہوئے۔معلوم ہوا کہ بحالت احرام چھت،چھتری،خیمہ وغیرہ کا سایہ لینا جائز ہے،امام مالک و احمد کے ہاں ممنوع ہے،یہ حدیث ان کے خلاف نہیں۔

۴۰؎ بطن وادی عرفات میں ایک میدان کا نام ہے جسے بطن عرفہ بھی کہتے ہیں،یہ جگہ عرفات میں داخل نہیں ہے،یہاں مسجد ابراہیم ہے۔صحیح یہ ہے کہ ابراہیم قتیبس عباسی کی طرف منسوب ہے،اب بھی نماز ظہر و عصر وہاں ہی ہوتی ہے،اسی میدان میں ہی مسجد شریف واقع ہے جسے مسجد نمرہ کہتے ہیں۔

۱؎ یعنی جیسے ماہ ذی الحجہ خصوصًا عرفہ کے دن حرم شریف کی زمین میں گناہ کرنا بدترین جرم ہے کہ اس میں تین جرموں کا مجموعہ ہے:گناہ جرم محترم جگہ کی بے حرمتی جرم،حرمت والی تاریخ و مہینہ کی بے ادبی جرم،ایسے ہی مسلمان کا خون بہانا،مال مارنا کئی جرموں کا مجموعہ ہے کہ یہ ظلم بھی ہے اور اللہ تعالٰی کی ناراضی کا باعث بھی اور میری تکلیف و ایذاء کا سبب بھی ہے،بعض نے فرمایا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے نفس یعنی خون کی حرمت کو حرم شریف کی حرمت سے تشبیہ دی جو دائمی و باقی ہے اور حرمت مال کو اس زمانہ کی حرمت سے تشبیہ دی جو عارضی ہے مگر پہلی توجیہ قوی ہے اور یہ کلام شریف بہت ہی بلیغ ہے۔

۲؎ یعنی ہم نے اسلام سے پہلے والی تمام بری رسمیں مٹا دیں،نوحہ،ماتم،بتوں کے نام کے ذبیحہ وغیرہ تمام مٹادیں،اب کوئی وہ رسوم ادا نہ کرے۔

۳؎ یعنی اسلام سے پہلے جو ظلمًا خون کردیئے گئے تھے اور ان کا قصاص باقی تھا وہ تمام خون معاف کردیئے گئے اب ان میں سے کسی قاتل پر قصاص نہیں،اب نیا راج ہے نیا راجہ،نیا دور ہے نئے دور والا محبوب صلی اللہ علیہ وسلم۔

۴؎ اس بچے کا نام ایاس ابن ربیعہ ابن حارث ابن عبدالمطلب ہے،حارث حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ہیں،ان کے بیٹے ربیعہ صحابی ہیں جنہوں نے خلافت فاروقی میں وفات پائی۔

۵؎ اس طرح کہ بنی سعد و ہذیل قبیلوں میں جنگ ہوئی تھی۔ہذیل کا ایک پتھر ایاس کے لگا جس سے وہ وفات پاگئے۔ مشکوۃ کے بعض نسخوں میں دم ربیعہ ہے بغیر ابن کے،خون سے مراد ربیعہ کے خون کا مطالبہ ہے جس کے وہ ولی ہیں ورنہ مقتول ایاس ابن ربیعہ ہیں نہ کہ خود ربیعہ۔

۶؎ یعنی زمانہ جاہلیت کے تمام غصب کئے ہوئے لوٹے ہوئے اور سودی کاروبار کے مال معاف ہیں جن کے ذمہ کسی کا قرض ہے اور سود بھی چڑھا ہوا ہے ان کے سود معاف،وہ اصل رقم ادا کردے۔حضرت عباس اسلام سے پہلے سود لیتے تھے،ان لوگوں پر بہت قرض و سود تھے جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے معاف فرمادیئے۔اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے جان و مال کے مالک ہیں،دیکھو آپ بذات خود خون بھی معاف فرمارہے ہیں اور مال بھی ان حق والوں سے معاف نہیں کرایا۔دوسرے یہ کہ قانون پر پہلے بادشاہ اور اس کے اہل قرابت عمل کریں پھر رعایاء سے عمل کرائیں تب قانون چلتا ہے اگر خود عمل نہ کریں تو رعایا عمل نہ کرے گی جیسے آج دیکھا جارہا ہے کہ قانون فٹ بال(Foot Ball) بن کر رہ گئے ہیں۔دیکھو سرکار نے یہ دونوں قانون پہلے اپنے اور اپنے اہل قرابت پر جاری فرمائے۔

۷؎ یہ ف عاطفہ ہے یعنی مال و خون کے معاملات میں ظلم نہ کرو،پھر اپنی بیویوں پر بھی زیادتی نہ کرو۔امان بمعنی امانت و عہد ہے یعنی تم نے انہیں اللہ کی ضمانت پر اپنے نکاح میں لیا ہے۔کلمتہ اللہ سے مراداللہ کا حکم ہے کہ **فانکحوھن** یعنی اللہ تعالٰی کے فرمان کے ماتحت تمہارے لیے وہ حلال ہوئی ہیں،ہمارے ہاں بوقت نکاح دولہا دلہن کو کلمہ پڑھاتے ہیں،اس کا ماخذ یہ حدیث ہوسکتی ہے تاکہ دونوں کا معاہدہ مضبوط رہے،کلمہ پڑھ کر عہد و پیمان کریں۔

۸؎ یعنی تمہارے گھروں میں کسی ایسے کو نہ آنے دیں اور تمہارے بستروں پر کسی ایسے کو نہ بیٹھنے دیں جن کا آنا بیٹھنا تم ناپسند کرتے ہو۔فقہاء فرماتے ہیں کہ عورت کے میکے والے حتی کہ اس کے ماں باپ بھی بغیر خاوند کی اجازت اس کے گھر

نہ جائیں،اگر خاوند کا آنا اپنے گھر میں ناپسند کرے تو عورت انہیں نہ بلائے بلکہ میکے جاکران سے مل آئےاس کا ماخذ یہ حدیث ہے،ہاں مرد عورت کو ماں باپ کے ملنے سے منع نہیں کرسکتا کہ اس میں قطعیت رحم ہے۔

۴۹؎ یعنی انہیں اس قصور پر سزا دے سکتے ہو۔معلوم ہوا کہ مرد عورت کو سزاءً معمولی طور پر مار سکتا ہے کیونکہ مرد عورت کا حاکم ہے جیسے ماں،باپ،استاد اپنی اولاد شاگرد کو تنبیہًا مار پیٹ سکتے ہیں ایسے ہی خاوند بیوی کو مگر مار معمولی ہو اس لیے غیر مبرّح فرمایا کہ اس مار سے ایذاء مقصود نہیں اصلاح مقصود ہے۔

۵۰؎ بھلائی سے روٹی کپڑے کے معنے یہ ہیں کہ خوشدلی سے دوان کے خرچ کو بوجھ نہ سمجھو اور جیسا خود کھاؤ پہنو ویسا ہی انہیں کھلاؤ پہناؤ۔

۵۱؎ یعنی میں جارہا ہوں اور قرآن کریم تم میں چھوڑے جاتا ہوں،اگر تم نے اپنے عقائد و اعمال اس کے مطابق رکھے تو گمراہ نہ ہوگے۔خیال رہے کہ پورے قرآن پر عمل ضروری اور قرآن شریف میں تو یہ حکم بھی ہے کہ اللہ و رسول کی اطاعت کرواور یہ بھی ہے کہ جس نے رسول اللہ کی اطاعت کی،اس نے اللہ کی اطاعت کی،لہذا سنت پر عمل لازم ہوا،اب یہ اعتراض نہیں ہوسکتا کہ سنت پر عمل ضروری نہیں قرآن کافی ہے۔

۵۲؎ معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ایمان کی گواہی دیں گے اور ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ کی گواہی دیں گے،ہاں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ کا کوئی بے ایمان انکار نہ کرسکے گا تاکہ پھر اس کی تحقیق کی جائے لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں "**لَا تُسْـَٔلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِیْمِ**"یہ سوال اور ہے اور جس سوال کی نفی ہے وہ اور سوال ہے۔

۵۳؎ یعنی مولیٰ تو ان کی گواہی کا گواہ ہوجا،رب تعالیٰ فرماتا ہے:"**وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِیْدًا**"رب تعالیٰ احکم الحاکمین بھی ہے اور گواہوں کا گواہ بھی،ہر حاکم گواہوں کا گواہ ہوتا ہے لہذا یہ گواہی رب تعالیٰ کی حاکمیت کے خلاف نہیں،بعض نسخوں میں **ینکبھا** ب سے ہے **نکب** بمعنی جھانکنا اور **نکت** ت سے بمعنی کریدنا۔

۵۴؎ یہ جمع صلوتین ہے،عرفات میں ظہر و عصر ایک اذان اور دو تکبیروں سے ظہر کے وقت میں ادا کی جاتی ہے،ظہر کی سنتیں و نفل چھوڑ دی جاتی ہیں تاکہ عرفات پہاڑ پر جلد پہنچیں اور دعاؤں کے لیے کافی وقت ملے۔

لطیفہ معمہ: سوال:وہ کون سی جگہ ہے جہاں نفل کی وجہ سے فرض چھوڑ دیا جاتا ہے؟

جواب: وہ عرفات ہے جہاں نفل یعنی دعاؤں کی وجہ سے عصر کا وقت جو فرض ہے چھوڑ دیا جاتا ہے،امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ہاں یہ جمع صلوتین حج کی وجہ سے ہے،امام شافعی کے ہاں سفر کی وجہ سے مذہب حنفی قوی ہے کیونکہ خود مکہ والے جو مسافر نہیں ہوتے وہ بھی یہاں جمع صلوتین کرتے ہیں اب امام مکہ معظّمہ میں رہتا ہے مگر جمع کرتا ہے۔

۵۵؎ حبل ریگ رواں کو کہتے ہیں جس پر رسیوں کی طرح سلوٹیں پڑی ہوتی ہیں **مشاۃ ماش** کی جمع بمعنی چلنے والے،چونکہ ریگ کی وجہ سے یہاں سواری پر نہیں چل سکتے پیدل چلنا پڑتا ہے اس لیے اسے **حبل مشاۃ** کہتے ہیں۔یہ ایک میدان ہے عرفات شریف میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے پتھریلے علاقہ پر اونٹنی کھڑی کی،اس طرح کہ ریگستانی خطہ حضور انور صلی اللہ

علیہ وسلم کے سامنے آگیا اور قبلہ کو آپ کا منہ ہوگیا،حجاج کو اس جگہ کھڑے ہونے کی کوشش کرنی چاہیے،شاید کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جائے قیام پر کھڑا ہونا نصیب ہوجائے۔

۵۶؎ پہلے غائب ہونے سے مراد تھا سورج کا کچھ حصہ غائب ہونا اوراس غائب ہونے سے مراد ہے پورا سورج ڈوب جانا۔بیان میں ترتیب نہیں کیونکہ زردی سورج ڈوب چکنے کے بعد غائب ہوجاتی ہے۔راوی نے غروب آفتاب کا ذکر دو بار کیا تاکید کے لیے تاکہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ غروب سے قریب غروب ہونا مراد ہے۔

۵۷؎ یعنی آفتاب عرفات ہی میں غروب ہوگیا،اس کے بعد آپ مزدلفہ کی طرف اس طرح روانہ ہوئے کہ حضرت اسامہ ابن زید کو اپنی اونٹنی پر اپنے پیچھے سوار کرلیا۔مزدلفہ زلف بمعنی قریب سے ہے یا زَلَفٌ،بمعنی ہموار زمین سے،چونکہ یہ جگہ منٰے سے قریب ہے،نیز اسی جگہ حضرت آدم علیہ السلام و حواعلیہاالسلام کی ملاقات کاقرب ہوا اور یہاں کی زمین ہموار ہےاس لیے اسے مزدلفہ کہتے ہیں۔مزدلفہ میں رات گزارنا ہمارے ہاں اور امام احمد کے ہاں سنت ہے،بعض شوافع کے ہاں فرض ہے۔(لمعات و اشعہ)بعض کے ہاں واجب۔

۵۸؎ امام احمد و زفر کے ہاں یہ ہی طریقہ ہے،ہمارے ہاں یہ دونوں نمازیں ایک ہی اذان اورایک ہی تکبیر سے ہوں گی کیونکہ عرفات میں تو عصر وقت سے پہلے ہوئی تھی اسی لیے اس کی علیحدہ اطلاع ضروری تھی مگر یہاں عشاء اپنے وقت میں ہورہی ہےاس کی نئی اطلاع کی ضرورت نہیں۔مسلم و ترمذی نے حضرت ابن عمر سے ایک تکبیر کی روایت کی،ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح فرمایا۔(اشعہ)

۵۹؎ عشاء کی سنتیں و وتر و نفل پڑھ کر لیٹے اس لیے ثم ارشاد فرمایا اب بھی حاجی کو مزدلفہ میں پوری عشاء مع سنت وتر پڑھنا چاہیے۔(مرقات)مرقات نے فرمایاکہ سنت مغرب بھی پڑھنا بہتر ہے۔اس صورت میں یہاں نوافل اوابین کی نفی ہوگی۔

۶۰؎ آپ ہمیشہ تو فجر اجیالے میں پڑھا کرتے تھے مگر آج مزدلفہ میں فجر اول وقت پو پھٹتے ہی پڑھی۔اس سے معلوم ہوا کہ ہمیشہ فجر اجیالے میں پڑھنا چاہیے،معلوم ہوا کہ مزدلفہ کی شب میں حاجی کو سونا سنت ہےاگرچہ عموماً عید کی رات کو جاگنا بہتر ہے۔

۶۱؎ مشعر حرام مزدلفہ میں ایک خاص جگہ کا نام ہے جہاں اب مسجد بنی ہوئی ہے۔یہ جگہ قزح پہاڑ کے قریب ہےاسی جگہ حاجی کو ٹھہرنا چاہیے۔

۶۲؎ کفار مکہ سورج نکلنے کے بعد مزدلفہ سے روانہ ہوتے تھے جب کہ پہاڑ کی چوٹی چمک جاتی تھی۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج نکلنے سے پہلے روانگی فرمائی اور یہاں سے حضرت فضل ابن عباس کو اپنے پیچھے سوار کرلیا۔

۶۳؎ وادی محسر مزدلفہ و منٰی کے درمیان ایک جنگل ہے۔محسر کے معنی ہیں تھک جانے کی جگہ،رب تعالٰی فرماتا ہے:"**خَاسِئًا وَّ هُوَ حَسِيْرٌ**"اصحاب فیل کا ہاتھی اس جنگل میں پہنچ کر تھک گیا تھااس لیے **محسر** کہتے ہیں،بعض علماء نے فرمایا کہ یہاں ہی اصحاب فیل پر عذاب آیا تھا اس لیے یہاں سے جلد گزرجانا چاہیے جیسے قوم ثمود و عاد کی زمین سے جلد گزرجانا چاہیے،بعض نے فرمایا کہ یہاں مشرکین ٹھہر جاتے تھے ان کی مخالفت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہاں سے جلد گزرے۔**واللہ اعلم**(اشعہ)

۶۴؎ یعنی عرفات کو جاتے وقت اور راستہ اختیار کیا تھا واپسی پر دوسرا راستہ اختیار فرمایا،یہ راستہ جمرہ عقبہ پر نکلتا ہے۔معلوم ہوا کہ عرفات کو جاتے آتے علیحدہ راستے اختیار کرنا سنت ہے۔

۶۵؎ یہ جمرہ عقبہ ہے شاید اس زمانہ میں یہاں کوئی درخت ہوگا اب وہاں کوئی درخت نہیں ہے،یہ جمرہ مسجد حنیف سے دور ہے مکہ معظمہ کی جانب ہے،آخری جمرہ ہے،چونکہ اس پہاڑ کے پیچھے ہے جہاں بیعت عقبہ ہوئی اسی لیے اسے جمرہ عقبہ کہتے ہیں۔

۶۶؎ خذف کے لفظی معنے ہیں انگلیوں سے کنکر پھینکنا،یہ کنکر باقلا کے دانہ کے برابر تھے جو کلمہ کی انگلی اور انگوٹھے سے پکڑ کر جمرہ(ستون)پر مارے جاتے تھے اب بھی ایسے ہی کنکر مارنا چاہئیں،بعض جہلا بڑے بڑے پتھر مارتے ہیں،بعض جوتے مارتے ہیں یہ غلط بھی ہے اور حماقت بھی۔

۶۷؎ یعنی جمرہ کے سامنے کھڑے ہو کر ہموار زمین سے رمی کی جسے بطن وادی کہتے ہیں،اوپر کے حصہ سے رمی نہ کی،بطن وادی کا پتہ وہ جگہ دیکھ کر ہی لگتا ہے۔

۶۸؎ قربانی گاہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام گاہ سے قریب ہی تھا مسجد حنیف کے قبلہ کی طرف جمرہ عقبہ سے قریب اگرچہ منٰی سارا ہی قربانی گاہ ہے مگر بہتر یہ ہے کہ حضور انور کی قربانی گاہ میں پہنچ کر کی جائے۔(ازمرقات)

۶۹؎ اس طرح کہ اپنی ہر قربانی میں حضرت علی مرتضٰی کا بھی حصہ رکھا،یہ جناب علی کی بڑی عظمت ہے۔

۷۰؎ یعنی حضرت علی مرتضٰی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دیگچی سے بوٹیاں بھی کھائیں اور شوربا بھی پیا۔معلوم ہوا کہ اپنی قربانی کا گوشت کھانا سنت ہے،بعض نے واجب کہا ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"فَكُلُوْا مِنْهَا"۔

۷۱؎ حق یہ ہی ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ پہنچ کر زوال سے پہلے طواف زیارت کیا پھر وہاں ہی ظہر پڑھی۔جن روایات میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منٰی سے واپس ہوکر پڑھی وہاں راوی کو دھوکا ہوگیا وہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نوافل پڑھے علاوہ فرض ظہر کے،ورنہ ظہر غیر وقت مستحب میں پڑھنا لازم ہوگا،اب بھی مستحب یہ ہی ہے کہ دسویں ذی الحجہ کو ہی طواف زیارت کرے اور ظہر حرم شریف میں ہی پڑھے مگر یہ بمشکل میسر ہوتا ہے کہ اس دن کا م زیادہ ہوتے ہیں اور قربانی میں بہت دیر لگ جاتی ہے اکثر حجاج مکہ معظمہ میں پڑھتے ہیں۔

۷۲؎ یہ لوگ حضرت عباس کی اولاد اور کچھ دوسرے حضرات تھے وہاں چاہ زمزم سے ہر شخص پانی نہیں بھر سکتا یہ بھی خاص لوگوں کا حق ہے۔

۷۳؎ یعنی اگر ہم نے یہ پانی کھینچا تو یہ عمل سنت ہوجائے گا اور ہر شخص اس سنت پر عمل کرے گا تمہیں یہاں سے نکلنے پڑے گا اس لیے ہم خود نہیں کھینچتے۔

۷۴؎ آپ نے کھڑے کھڑے ہی ڈول سے زمزم پیا،بقیہ پانی چاہ زمزم میں ڈال دیا گیا،اب اس پانی میں دو برکتیں ہیں:ایک تو حضرت ذبیح اللہ کے پاؤں شریف کا دھوون ہے اور دوسرے حبیب اللہ کا پیا ہوا پانی اس میں ہے،مبارک ہیں وہ جنہیں اس کا پینا نصیب ہو۔

۷۵؎ یہ حدیث ابن ابی شیبہ،ابوداؤد،نسائی،عبدابن حمید بزاز،دارمی نے بھی حضرت امام جعفر صادق عن ابیہ عن جابر روایت کی۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں ۱؎ ہم نبی صلی اللہ علیہ و	

سلم کے ساتھ حجۃالوداع میں روانہ ہوئے تو ہم میں سے بعض نے عمرہ کا احرام باندھا اور بعض نے حج کا ۲؎ہم جب مکہ آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے عمرہ کا احرام باندھا ہو اور ہدی نہ لایا ہو وہ حلال ہوجائے اور جس نے عمرہ کا احرام باندھا ہو اور ہدی لایا ہو وہ عمرہ کے ساتھ حج کا احرام باندھ لے۳؎پھر حلال نہ ہو حتی کہ ان دونوں سے حلال ہو اور ایک روایت میں یوں ہے کہ پھر حلال نہ ہو حتی کہ ہدی کی قربانی کرلے۴؎اور جس نے حج کا احرام باندھا ہو وہ اپنا حج پورا کرے۵؎فرماتی ہیں کہ میں کپڑوں سے ہوگئی حالانکہ میں نے بیت اللہ کا طواف نہ کیا تھا نہ صفا اور مروہ کی سعی تو میں کپڑوں سے ہی رہی،حتی کہ عرفہ کا دن آگیا ۶؎اور میں نے صرف عمرہ کا ہی احرام باندھا ہوا تھا تو مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ میں اپنے بال کھول دوں اور کنگھی کرلوں اور حج کا احرام باندھ لوں عمرہ چھوڑ دوں ۷؎میں نے ایسا ہی کیا حتی کہ میں نے اپنا حج پورا کرلیا ۸؎میرے ساتھ عبدالرحمان ابن ابوبکر صدیق کو بھیجا اور مجھے حکم دیا کہ میں اپنے چھوٹے ہوئے عمرہ کی جگہ مقام تنعیم سے عمرہ کروں ۹؎فرماتی ہیں کہ جن لوگوں نے عمرہ کا احرام باندھا تھاانہوں نے بیت اللہ کا طواف اور صفا مروہ کے درمیان سعی کی پھر حلال ہوگئے ۱۰؎پھر منٰی سے لوٹنے کے بعد ایک طواف کیا ۱۱؎لیکن جنہوں نے حج وعمرہ جمع کیا تھا انہوں نے ایک ہی طواف کیا۱۲؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ ہم تمام ازواج نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام۔

۲؎صرف حج کا یا حج مع عمرہ کا یا بعض نے صرف حج کا بعض نے حج و عمرہ دونوں کا۔غرضکہ صحابہ کے حالات مختلف تھے۔(مرقات)

۳؎یعنی یہ دونوں قسم کے حضرات تمتع کریں،ہدی لانے والے تو ہدی کا تمتع کریں کہ درمیان میں حلال نہ ہوں اور ہدی نہ لانے والے بغیر ہدی کا تمتع کرے کہ درمیان میں حلال ہوجائیں۔خیال رہے کہ حج چار قسم کا ہوتا ہے:افراد،قران،تمتع ہدی والا،تمتع بغیر ہدی۔

۴؎ دونوں عبارتوں کا مطلب قریبًا یکساں ہے کیونکہ قارن اور ہدی والا تمتع دسویں بقرعید کو ہی قربانی کرتے ہیں اور اسی دن دونوں احراموں سے کھلتے ہیں۔
۵؎ یعنی افراد بالحج والا خواہ ہدی لایا ہو یا نہ لایا ہو بقر عید کے دن ہی احرام کھولے جیساکہ مفرد کرتے ہیں۔
۶؎ یعنی میں نے صرف عمرہ کا احرام باندھا تھا مگر حج سے پہلے عمرہ نہ کرسکی کیونکہ میں ایام آجانے کی وجہ سے طواف نہ کرسکی اور بغیر طواف صفا مروہ کی سعی ہوتی نہیں لہذا عمرہ کا کوئی رکن ادا نہ کرسکی۔خیال رہے اگر عورت کو طواف کے بعد ایام آجائیں تو وہ سعی کرسکتی ہے،اگر طواف سے پہلے آجائیں تو نہ طواف کرسکتی ہے نہ سعی۔
۷؎ اسے فسخ عمرہ یا رفض عمرہ کہتے ہیں کہ عمرہ کا احرام باندھ کر بغیر عمرہ کئے کھل جانا یعنی خلاف احرام افعال کر لینا۔
۸؎ اس طرح کہ حج کا احرام باندھ کر بغیر طواف قدوم کئے عرفات چلی گئی،پھر عرفات مزدلفہ منٰی کے افعال سے فارغ ہوکر طواف زیارت کرلیا کہ اب میں ایام سے فارغ ہوچکی تھی طواف قدوم ایام کی وجہ سے نہ کرسکی تھی،اب بھی عورت کو عارضہ آجانے پر یہ ہی حکم ہے کہ اسے طواف قدوم بلکہ طواف وداع بھی معاف ہوجاتا ہے۔
۹؎ تنعیم مکہ معظّمہ سے تین میل کے فاصلہ پر حدود حرم سے باہر جگہ ہے،اب وہاں مسجد عائشہ بنی ہوئی ہے،عام حجاج وہاں جاکر نفلی عمروں کا احرام باندھتے ہیں،یہ جگہ قریب ترین حد حرم ہے۔یہ حدیث احناف کی دلیل ہے کہ حائضہ عورت اپنا عمرہ چھوڑ دے اور بعد حج اس کی جگہ دوسرا عمرہ یعنی عمرہ قضا کرے۔حضرت عائشہ صدیقہ کا تمتع ہوا نہ کہ قران اور یہ بعد والا عمرہ عمرہ واجبہ تھا نہ کہ عمرہ نفلی جیساکہ شوافع نے سمجھا۔
۱۰؎ یہ حضرات ۷ ذی الحجہ تک حلال رہے آٹھویں کو احرام باندھ کر منٰی روانہ ہوگئے جیساکہ تمتع والے اب بھی کرتے ہیں
۱۱؎ طواف زیارت جس کا وقت دسویں بقر عید سے بارھویں بقر عید کی شام تک ہے،یہ طواف فرض ہے۔
۱۲؎ یعنی قران والوں نے بھی منٰی سے واپس ہوکر صرف ایک طواف ہی کیا،طواف زیارت انہوں نے قران کی وجہ سے اب دو طواف نہ کئے لہذا یہ حدیث نہ تو احناف کے خلاف ہے نہ شوافع کی دلیل۔خیال رہے کہ قارن احناف کے نزدیک بعد ادائے عمرہ عرفات جانے سے پہلے طواف قدوم اور صفا مروہ کی سعی کرے گااور بعد عرفات طواف زیارت کرے گا،امام شافعی کے ہاں قارن طواف قدوم نہیں کرتا،صرف بعد عرفات طواف زیارت کرتا ہےان کی دلیل یہ حدیث ہے،ہماری دلیل یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم قارن تھے مگر آپ نے عمرہ کے بعد طواف قدوم کیا،نیز دارقطنی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قارن تھے مگرآپ نے عرفہ سے دو طواف کئے اور دو سعی،ایک طواف وسعی عمرہ کا،دوسرا طواف وسعی حج کا،نیز طحاوی نے عمران ابن حصین،علی،عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے روایت کی کہ قارن دو طواف کرے اور دو سعی لہذا اس حدیث عائشہ کے یہ ہی معنی ہیں کہ عرفات کے بعد قارن صحابہ رضی اللہ عنھم نے ایک طواف کیا تاکہ تمام احادیث جمع ہوجائیں اور یہ حدیث ہماری پیش کردہ احادیث کے خلاف نہ ہو۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وداعیہ حج میں حج و عمرہ کا تمتع کیا ۱؎ تو اپنے ساتھ ذوالحلیفہ سے ہدی لے گئے تو ابتداء یوں فرمائی کہ پہلے عمرہ کا پھر حج کا احرام باندھا ۲؎ لوگوں نے بھی نبی کریم صلی اللہ

	علیہ وسلم کے ساتھ حج و عمرہ کا تمتع کیا ۳؎ بعض لوگ تو ہدی لے گئے تھے اور بعض نہ لے گئے تھے تو جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو لوگوں سے فرمایا کہ تم سے جو ہدی لایا ہو وہ کسی حرام شدہ چیز سے حلال نہ ہو۴؎ تا آنکہ حج پورا کرلے اور جو ہدی نہ لایا ہو وہ کعبہ کا طواف کرے اور صفا مروہ میں دوڑے اور بال کٹوائے حلال ہوجائے۵؎ پھر حج کا احرام باندھے اور قربانی دے جو قربانی نہ پائے وہ تین روزے زمانہ حج میں رکھے اور سات روزے گھر لوٹتے وقت ۶؎ پھر جب حضور انور مکہ آئے تو طواف کیا سب سے پہلے سنگ اسود چوما پھر تین چکروں میں رمل فرمایا اور چار میں عام رفتار سے چلے۷؎ پھر جب طواف کعبہ پورا کرچکے تو مقام ابراہیم کے پاس دو رکعتیں پڑھیں پھر سلام پھیرا پھر لوٹے تو صفا پر آئے صفا مروہ کا سات بار طواف کیا پھر آپ کسی حرام شدہ چیز سے حلال نہ ہوئے۸؎ حتی کہ حج پورا فرمالیا اور قربانی کے ہدی ذبح کردیئے اور منٰی سے چلے بیت اللہ کا طواف کیا پھر تمام حرام شدہ چیزوں سے حلال ہوگئے ۹؎ اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سے کام تمام ہدی لانے والے لوگوں نے کئے۱۰؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یہاں **تمتع** بمعنی لغوی میں ہے حج و عمرہ دونوں سے نفع حاصل کرنا تمتع عرفی یعنی قران کا مقابل مراد نہیں تاکہ یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہ ہو جن میں قران ثابت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اولًا حج کا احرام باندھا پھر عمرہ کا بھی باندھ لیا جس سے قران ہوگیا۔(اشعہ،مرقات،لمعات) یا اس کے برعکس دوسری صورت زیادہ ظاہر ہے۔

۲؎ بعض علماء نے فرمایا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے حج کا احرام باندھا تھا پھر عمرہ کا مگر چونکہ قران میں عمرہ پہلے ہوتا ہے حج بعد میں اس لیے عمرہ کا پہلے ذکر ہے۔بعض نے اس کو ظاہری معنی پر رکھا اور کہا کہ جن روایات میں اس کے برعکس ہے وہاں حج کے فرض کی وجہ سے اس کا ذکر پہلے ہے۔واللہ اعلم!(مرقات)

۳؎ یعنی بعض صحابہ نے بھی قران کیا،یہاں بھی تمتع لغوی معنی میں ہے یعنی حج و عمرہ سے نفع حاصل کرنا۔

۴؎ یعنی ہدی والے تو احرام پر قائم رہیں اور بغیر ہدی والے عمرہ کرکے احرام کھول دیں اس کی وجہ پہلے عرض کی جاچکی ہے۔شیخ نے یہاں فرمایا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے حج کا احرام باندھا تھا پھر عمرہ کا جن لوگوں نے پہلا احرام دیکھا انہوں نے افراد کی روایت کی اور جنہوں نے بعد کا حال دیکھا انہوں نے قران کی روایت کی،تمتع والی روایات میں تمتع سے لغوی معنی مراد ہیں،قران بھی لغۃً تمتع ہے لہذا تمام احادیث درست ومطابق ہیں۔(اشعہ)

۵؎ خلاصہ یہ ہے کہ حج کا احرام والا بھی عمرہ کرکے کھل جائے حج کو فسخ کردے،پھر بعد میں نئے احرام سے حج کرے تاکہ لوگوں کا یہ خیال ٹوٹ جائے کہ حج کے زمانہ میں عمرہ حرام ہے یا احرام کھولنا حرام،اب یہ درست نہیں کہ حج کا احرام باندھ کر عمرہ کرکے کھول دے۔جن صحابہ کرام نے تمتع کا انکار کیا ان کی یہ ہی مراد ہے یعنی حج فسخ کرکے عمرہ کرنا پھر حج کرنا،یہ بات خوب ذہن میں رکھیئے۔

۶؎ متمتع یا قارن اگر قربانی کے لیے جانور میسر نہ پائیں تو دس روزے رکھیں تو حج سے پہلے اشہر حج میں شوال،ذیقعدہ اور ذوالحجہ کے دس دن میں،مگر بہتر یہ ہے کہ تیسرا روزہ نویں ذوالحجہ کو ہواور سات روزے حج کے بعد گھر پہنچ کر یا ایام تشریق کے بعد مکہ معظّمہ میں۔(مرقات وکتب فقہ)

۷؎ رمل یا خوب اکڑکر چلنے یا بہادروں کی رفتار سے چلنے کو کہتے ہیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے عمرہ قضا کے طواف میں تین چکروں میں رمل کیا تھامشرکین مکہ کو اپنی طاقت و قوت دکھانے کے لیے،پھر یہ رمل دائمی سنت ہوگیا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے طواف قدوم میں بھی کیا اب بھی حجاج رمل کرتے ہیں۔معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال و افعال کی نقل عبادت ہے،اس رب کے گھر میں طواف جو عبادت ہے اس کی حالت میں اکڑنا عقل کے خلاف معلوم ہوتا ہے،بارگاہِ الٰہی میں عجزو انکسار چاہیے مگر چونکہ یہ اکڑنا سنت ہے لہذا محبوب ہے،یہ بھی معلوم ہوا کہ عین عبادت کی حالت میں کفار کو اپنی طاقت دکھانا بہتر ہے کہ اسلامی قوت کا اظہار بھی عبادت ہے،اب بھی فوجی پریڈ و فوجی سلاموں میں پھرتی و طاقت کا اظہار ہوتا ہے ۔

۸؎ بلکہ احرام پر قائم رہے کیونکہ آپ قارن تھے اور قران میں بقر عید کے دن ہی احرام کھولا جاتا ہے،یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کے بعد حج کا احرام باندھالہٰذا یہ ہی ظاہر ہے کہ حج و عمرہ کے احرام ایک ساتھ ہی باندھے تھے اور قران ہی کیا تھا،یہ احناف کا مذہب ہے کہ قران افضل ہے۔

۹؎ اس طرح کہ بقر عید کے دن رمی جمرہ سے تو حل ناقص ہوا جس سے سواء جماع باقی تمام چیزیں حلال ہوگئیں اور طواف زیارت سے حل کامل ہوگیاکہ صحبت بھی درست ہوگئی۔

۱۰؎ یعنی ہدی والے صحابہ کرام تو احرام سے بقر عید کے دن فارغ ہوئے اور بغیر ہدی والے صحابہ خواہ انہوں نے عمرہ کا احرام باندھا تھا یا حج کا عمرہ کرکے احرام سے کھل گئے پھر آٹھویں ذی الحجہ کو محرم ہوئے جیساکہ گزر گیا۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ وہ عمرہ ہے جس سے ہم نے تمتع کرلیا ۱؎ تو جس کے پاس ہدی نہ ہو وہ پورا پورا حلال ہوجائے ۲؎ کیونکہ اب قیامت تک کو عمرہ حج میں داخل ہوگیا ۳؎ (مسلم) یہ باب دوسری فصل سے خالی ہے۔	

۱؎ یہاں بھی **تمتع** لغوی معنی میں ہے یعنی حج و عمرہ سے نفع اٹھالے دونوں ایک سفر میں کرنا قران کا مقابل نہیں یعنی الگ الگ احرام سے حج و عمرہ کرنا جیساکہ بعض شارحین نے سمجھا۔

۲؎پورا حلال ہونا یہ ہے کہ بیوی سے صحبت بھی جائز ہوجائے،ناقص حل یہ ہے کہ سلا کپڑا،خوشبو،سر ڈھانپنا تو حلال ہوجائے مگر صحبت حرام رہے اس حکمت سے یہاں پورے حلال کا حکم دیا۔

۳؎یعنی عمرہ حج کے مہینوں میں داخل ہوگیا،کفار عرب کا عقیدہ تھا کہ شوال سے محرم تک عمرہ کرنا حرام ہے ماہ صفر سے جائز ہوتا ہے یہ عقیدہ ختم فرمادیا گیا،بعض علماء جو فرماتے ہیں کہ مکہ والے حج کے زمانہ میں عمرہ نہ کریں اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ان کے عمرہ کرنے سے ہجوم زیادہ ہوجائے گا اور باہر والوں پر طواف وسعی میں دشواری ہوگی،یہ لوگ تو ہمیشہ عمرہ کرسکتے ہیں،باہر کے حجاج کو اس زمانہ میں عمرہ آسانی سے کرنے دیں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت عطاء سے فرماتے ہیں میں نے اپنے ساتھی لوگوں کی جماعت میں حضرت جابر بن عبداللہ کو سنا فرماتے تھے ۱؎کہ ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے خالص حج کے لیے احرام باندھا ۲؎عطاء کہتے ہیں کہ حضرت جابر نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چاربقر عید کی تاریخ کی صبح مکہ معظّمہ پہنچے تو ہم کو کھل جانے کا حکم دیا عطا کہتے ہیں کہ فرمایا حلال ہوجاؤ،عورتوں سے صحبت کرو۳؎عطا کہتے ہیں صحبت ان پر واجب نہ کی لیکن ان کے لیے عورتیں حلال فرمادیں ۴؎ہم نے سوچا کہ جب ہمارے اور عرفہ کے درمیان صرف پانچ دن باقی رہ گئے تو ہم کو بیویوں کے پاس جانے کی اجازت دے دی تو کیا ہم عرفہ کو اس حال میں جائیں کہ ہمارے ذکر منی ٹپکاتے ہوں ۵؎راوی کہتے ہیں حضرت جابر اپنے ہاتھ سے اشارہ کرتے تھے گویا میں ان کا ہاتھ ہلتا دیکھ رہا ہوں ۶؎فرماتے ہیں توہم میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے فرمایاتم جانتے ہو کہ میں تم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا سب سے زیادہ سچا اور نیک اعمال ہوں ۷؎اگر میری ہدی نہ ہوتی تو جیسے تم حلال ہورہے ہو میں بھی حلال ہوجاتا اور جو بات بعد میں کھلی اگر پہلے سے ہم جانتے تو ہدی لاتے ہی نہیں ۸؎لہذا حلال ہوجاؤ چنانچہ ہم حلال ہوگئے ہم نے آپ کا حکم سنا اور بجا لائے ۹؎عطاء فرماتے ہیں کہ حضرت جابر نے	

کہا پھر حضرت علی اپنے دارالعمالہ سے آئے ۱۰؎ حضور انور نے پوچھا کون سا احرام باندھا عرض کیا وہ جو اللہ کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے باندھا حضور نے فرمایا ہدی ذبح کرو اور احرام میں ٹھہرو حضرت علی ہدی لائے تھے ۱۱؎ حضرت سراقہ ابن مالک ابن جعشم نے عرض کیا یارسول اللہ کیا یہ ہمارے اسی سال کے لیے ہے یا ہمیشہ کے لیے فرمایا ہمیشہ کے لیے ۱۲؎ (مسلم)	

۱؎ آپ کا نام عطاء ابن ابی رباح ہے، جلیل القدر تابعی ہیں،مکہ معظّمہ کے رہنے والے ساتھیوں کی جماعت کا ذکر قوت استدلال کے لیے کیا یعنی میں نے اکیلے یہ حدیث نہ سنی اس کے سننے والے دوسرے لوگ بھی ہیں۔

۲؎ اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم نے یا ہدی نہ لے جانے والے صحابہ نے حج کا احرام باندھا یا حضرت جابر نے اپنے اندازے سے یہ فرمایاورنہ بہت سے صحابہ نے صرف عمرہ کا احرام باندھا تھا۔خیال رہے کہ یہاں صحابہ کا ذکر ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو قران کیا تھا جیسے کہ پہلے عرض کیا گیا،بہرحال یہ حدیث دیگر احادیث کے خلاف نہیں۔

۳؎ یعنی پورے حلال ہوجاؤ جس میں بیوی سے صحبت بھی جائز ہےاس موقعہ پر کھل جانے کاحکم تو وجوبی تھا اور صحبت کا حکم اباحت کا،زیادہ سے زیادہ استحباب کا بہرحال دونوں حکم یکساں نہیں ہیں۔

۴؎ علماء فرماتے ہیں کہ اگرچہ امر اباحت کا تھا مگر اس وقت ان لوگوں پر اپنی بیویوں سے صحبت مستحب ہوچکی تھی کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم تھا۔

۵؎ یہ کہنا یا سوچنا انکار کے لیے نہ تھا بلکہ حیرت کے لیے تھا جیساکہ فرشتوں نے خلیفہ الٰہی کا اعلان سن کرعرض کیا تھا **اتجعل فیھا**،لہذا حدیث پر اعتراض نہیں کہ نبی کے فرمان کا انکار تو کفر ہے،چونکہ یہ عمل صدیوں کے مروجہ عقیدے و عمل کے خلاف تھا اس لیے انہیں حیرت ہوئی اس کا پہلے سے اعلان ہوا کبھی نہ تھا اچانک حکم پہنچا۔

۶؎ یہ حضرت عطاء کا قول ہے وہ کہتے ہیں کہ حضرت جابر نے یہ کلام ہاتھ ہلاکر کیا جیساکہ عادتًا بات کرتے ہیں ہاتھ ہلاتے جاتے ہیں یا بقیہ مدت کی کمی بیان کرنے کے لیے ہاتھ ہلایا کہ جب اتنی سی رتی بھر گھڑیاں باقی رہ گئیں عرفہ کا دن بالکل قریب ہی آگیا تو صحبت حلال کی گئی،بعض شارحین نے فرمایا کہ ہاتھ کی حرکت ذکر کر کے منی ٹپکانے کی طرف اشارہ ہے مگر یہ درست نہیں معلوم ہوتا،ورنہ پھر انگلی ہلائی جاتی نہ کہ ہاتھ،پہلی دو توجیہیں بہت قوی ہیں۔ (مرقات)

۷؎ سرکار کے اس فرمان سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان عالی کی درستی میں کچھ شبہ نہ ہوا تھا نہ انہیں قبول حکم سے سرتابی تھی،صدیوں کے عقیدے کے خلاف پر تعجب تھا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کا شوق تھا کیونکہ حضور عالی خود حلال نہ ہوئے تھے تو گویا اس وقت حلال نہ ہونا انہوں نے سنت جانا حلال ہوجانا بالکل ناجائز مانا،شوق تھا کہ افضل پر عمل کریں لہذا اس سے روافض دلیل نہیں پکڑ سکتے۔

۸؎ اس جملہ نے معاملہ صاف کردیا کہ صحابہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا شوق تھا نہ کہ حکم سے سرتابی اگر مجھے تمہارے اس شوق کا پہلے سے اندازہ ہوتا تو میں بھی نہ لاتا اور تمہارے ساتھ میں بھی حلال ہوجاتاتاکہ تمہیں حلال ہونے میں

تکلف نہ ہوتا۔خیال رہے کہ لَوِاسْتَقْبَلْتُ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کی نفی نہیں ہوتی،یہاں ظہور واقعہ مراد ہے جیسے رب تعالٰی فرماتاہے:"وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا" یا جیسے"وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ"الخ اب تک رب نے انہیں نہ جانا یا یہ کلام اظہار افسوس کے لیے ہوتاہے کہ اگر ہمیں پہلے سے یہ اندازہ ہوتا کہ تمہیں اتباع سنت کا اتنا شوق ہے تو ہم بھی ہدی نہ لاتے۔

۹؎ اس سے معلوم ہوا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و عمل میں تعارض ہو تو قول کو ترجیح ہوتی ہے کہ عمل میں خصوصیت کا احتمال ہے،یہ احناف کا مذہب ہے صحابہ کرام نے اطاعت خوشی سے کی نہ کہ ناراضگی سے،جو کچھ تامّل تھا وہ پہلے ہی ظاہر کردیا۔اس لیے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو کہتے ہیں کہ یہ اطاعت منافقت سے تھی۔

۱۰؎ اس موقعہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ یمن کے ساعی تھے جو صدقات وصول فرمانے وہاں تشریف لے گئے تھے،غالبًا اس گفتگو کے بعد حضرت علی یمن سے یہاں پہنچے۔

۱۱؎ یعنی تم بھی ہماری طرح قارن ہو اور تمہارے ساتھ بھی ہماری طرح ہدی ہے لہذا تم بھی احرام نہ کھولو حج سے فارغ ہوکر کھولنا۔

۱۲؎ یعنی تا قیامت حج کے زمانہ میں عمرہ کرنا درست ہوگیا وہ دستورختم کردیا گیا کہ شوال سے صفر تک عمرہ حرام ہو مگر حج کا فتح صرف اس سال کے لیے تھا آئندہ کبھی جائز نہ ہوگا۔یہ اشارہ جواز عمرہ کی طرف ہے نہ کہ فتح حج کی جانب،یہ ہی جمہور علماء کا قول ہے۔(مرقات ولمعات)

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بقرعید کے چار پانچ دن گزر گئے تو مکہ معظّمہ میں داخل ہوئے تو میرے پاس غصہ کی حالت میں تشریف لائے میں نے عرض کیا یارسول اللہ آپ کو کس نے رنجیدہ کیا خدا اسے دوزخ میں ڈالے ۱؎ فرمایا کیا تمہیں خبر نہیں کہ ہم نے لوگوں کو ایک حکم دیا تو وہ اس میں تردد کرتے ہیں ۲؎ اور اگر ہم پہلے سے وہ جانتے جو بعد میں جانا تو ہم اپنے ساتھ ہدی نہ لاتے حتی کہ یہاں سے ہی قربانی خریدلیتے پھر جیسے یہ حلال ہورہے ہیں ہم بھی حلال ہو جاتے ۳؎(مسلم)	

۱؎ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ناراضگی ان حضرات کے فتح حج میں تامّل کرنے کی وجہ سے تھی کہ ان لوگوں نے ہمارے حکم پر عمل کرنے میں دیر کیوں لگائی۔حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی یہ بددعا اظہار ناراضی کے لیے ہے،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس غصے اور حضرت عائشہ کی اس ناراضی سے حضرات صحابہ اسلام سے خارج نہ ہوگئے ورنہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اپنے ساتھ حج نہ کراتے بلکہ پہلے انہیں دوبارہ کلمہ پڑھواکر مسلمان کرتے،ان کے نکاح نئے کراتے کیونکہ کافر

حج نہیں کرسکتا نہ مکہ معظّمہ حج کے لیے جاسکتا ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:" فَلَا یَقۡرَبُوا الۡمَسۡجِدَ الۡحَرَامَ بَعۡدَ عَامِہِمۡ ھٰذَا" کوئی کافر اس سال کے بعد مکہ معظّمہ سے قریب بھی نہ ہو،یہ ناراضی ایسی ہی ہے جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی پر ناراض ہوئے تھے جبکہ انہوں نے ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کرنا چاہا تھا حتی کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اگر علی کو ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کرنا ہے تو فاطمہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دیں،باپ بیٹے پر غصہ کرتا ہے عداوت نہیں کرتا،سعید بیٹا باپ پر ضد کرتا ہے دشمنی نہیں کرتا۔

۲؎ تردد اعتقاد میں نہیں عمل میں تھا وہ بھی حضور علیہ السلام کی سنت پر عمل کے شوق میں،اگر اس موقعہ پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی احرام کھول دیا ہوتا تو کسی صحابی کو کوئی تردد و تامّل نہ ہوتا۔

۳؎ اور ہمارے حلال ہو جانے کی صورت میں ان حضرات کو حلال ہوجانے میں کوئی تأمّل نہ ہوتا۔

باب دخول مكة و الطواف

باب مکہ کا داخلہ اور طواف ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎اس باب میں دو باتیں ہوں گی:مکہ معظّمہ میں داخلہ کے آداب کہ کس وقت آئے،کس طرف سے آئے اور کدھر سے جائے اور طواف کعبہ کا طریقہ کہ طواف کس عمل سے شروع کرے اور کس پر ختم کرے۔مکہ **مکٌّ** سے بنا بمعنی ہلاکت اور سر کچل ڈالنا،چونکہ اللہ تعالٰی نے کئی بار مکہ معظّمہ کے دشمنوں کو ہلاک کیا،انہیں کچل ڈالا اس لیے اسے مکہ کہتے ہیں یا چونکہ مکہ معظّمہ متکبرین و غرور والوں سے مجاہدے ریاضات کراکے ان کے تکبر کو کچل ڈالتا ہے لہذا مکہ کہلاتاہے۔مکہ معظّمہ کے نام و فضائل ان شاءاللہ آخرباب حج میں بیان ہوں گے،صاحب مشکوۃ خود اس کا ایک باب باندھیں گے۔

روایت ہے حضرت نافع سے فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر کبھی مکہ معظّمہ داخل نہ ہوتے مگر پہلے صبح تک ذی طوی میں رات گزار لیتےغسل کرتے،نماز پڑھتے پھر دن میں مکہ معظّمہ میں داخل ہوتے ۱؎ اور جب مکہ سے واپس ہوتے تو ذی طوی پر گزرتے وہاں رات گزارتے حتی کہ صبح ہوجاتی اور فرماتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ عمل کرتے تھے ۲؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ذی طوٰی مکہ معظّمہ سے قریب مدینہ کے راہ ایک چھوٹی سی بستی یا کنواں کا نام ہے،نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں رات میں پہنچ گئے تھے،رات وہاں گزارکر بعد نماز فجر وہاں سے چلے تھےاور دن میں مکہ معظّمہ داخل ہوئے تھے، حضرت ابن عمر اس سنت پر عامل رہے۔علماء فرماتے ہیں کہ مکہ معظّمہ دن میں داخل ہونا کہ کعبہ معظّمہ پر پہلی نظر ہیبت و جلال سے پڑے اور دعا خوب دل سے مانگی جائے،اول نظر پر دعا بہت قبول ہوتی ہے،کعبہ کی تجلی دن میں خوب نظر آتی ہے۔بہتر یہ ہے کہ چاشت کے وقت داخل ہو۔(اشعہ)غسل کرکے مکہ معظّمہ میں داخل ہونا بہت بہتر ہے۔(مرقات)نسائی شریف میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حج کے موقعہ پر دن میں مکہ معظّمہ تشریف لائے اور عمرہ کے وقت رات میں۔سیدنا عبداللہ ابن عمر رات کے وقت مکہ معظّمہ میں داخل ہونے سے منع فرماتے تاکہ حجاج کا سامان گڑبڑ نہ ہو۔ابن حبان میں حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ انبیاءکرام مکہ معظّمہ میں پیدل برہنہ پا داخل ہوتے تھے،عبداللہ ابن عمر سے روایت ہے کہ حج کعبہ سات لاکھ بنی اسرائیل نے کیا جو مقام تنعیم سے ننگے پاؤں ہوجاتے تھے۔(مرقات)

۲؎ واپسی پر ذی طویٰ میں رات گزارنا اس لیے تھا کہ تمام صحابہ جمع ہوجائیں اور اب یہاں سے سفر مدینہ کی تیاری کرلی جائے غرضکہ آتے جاتے دونوں بار ذی طویٰ میں قیام فرمایا مگر مختلف مصلحتوں سے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ معظّمہ آئے تو مکہ کے اوپر کے حصہ سے داخل ہوئے اور اس کے نچلے حصے سے تشریف لے گئے ۱؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع میں جس میں حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھیں،مکہ معظّمہ اس طرف سے داخل ہوئے جس کا نام کداء تھا،مکہ معظّمہ کے قبرستان جنت معلٰی کی طرف جسے اب **حجون** کہتے ہیں اور واپسی کے وقت اس طرف سے نکلے جسے ہدی کہتے تھے۔اب اسے **باب الشبیکه** کہا جاتا ہے،فتح مکہ میں بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں راستوں سے داخل و خارج ہوئے،یہ تبدیلی راہ انہیں مصلحتوں سے فرمائی جو عید کے دن عیدگاہ جاتے آتے وقت ہوا کرتی تھیں کہ تبدیلی راہ تبدیلی حال کی علامت ہو دونوں راستے گواہ ہوجاویں،سارے شہر کی برکتیں میسر ہو جائیں وغیرہ وغیرہ۔

روایت ہے حضرت عروہ ابن زبیر سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کیا تو مجھے حضرت عائشہ نے خبر دی ۱؎ کہ پہلا وہ کام جس سے حضور انور نے مکہ معظّمہ آتے وقت ابتداء کی یہ تھا کہ آپ نے وضو کیا پھر بیت اللہ کا طواف کیا ۲؎ پھر عمرہ نہ ہوا ۳؎ پھر حضرت ابوبکر نے حج کیا تو پہلا وہ کام جس سے ابتداء کی یہ تھا کہ بیت اللہ کا طواف کیا پھر عمرہ نہ ہوا پھر حضرت عمر نے حضرت عثمان نے اسی طرح عمل کیا ۴؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ عروہ ابن زبیر ثقہ تابعین میں سے ہیں،حضرت عائشہ صدیقہ کے بھانجے یعنی اسماء کے صاحبزادے،آپ نے حضرت عائشہ صدیقہ سے روایات کیں۔

۲؎ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم غسل تو ذی طویٰ میں فرماچکے تھے اب بھی باوضو تھے یہ وضو پر وضو فرمایا۔خیال رہے کہ احناف کے نزدیک طواف کے لیے طہارت واجب ہے،دوسرے اماموں کے ہاں شرط ہے،ان کی دلیل وہ حدیث ہے کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ طواف نماز ہی ہے،ہاں طواف میں رب نے کلام جائز فرمادیا ہے۔جب طواف نماز ہے تو نماز میں طہارت شرط ہے لہذا طواف میں بھی شرط ہے مگر استدلال ضعیف ہے اوّلًا تو وہ حدیث ہی صحیح نہیں،دوم تشبیہ ہر بات میں نہیں ہوتی،دیکھو نماز میں کھانا پینا مفسد ہے مگر طواف میں کھانا پینا بالاتفاق طواف نہیں توڑتا۔

۳؎ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے سوا حج کے ساتھ والے عمرہ کے اور دوسرا عمرہ نہ کیا،آپ سے دوسرا عمرہ ثابت نہ ہوا،بعض شارحین نے اس جملہ کے اور معانی بھی کیے ہیں مگر یہ معنی بہت قوی ہیں۔

۵؎ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرات خلفائے راشدین نے بھی اسی طرح عمل کیا کہ مکہ معظّمہ میں آتے ہی طواف کیا اور حج سے پہلے صرف یہ ہی ایک عمرہ کیا جس کا احرام حج کے احرام کے ساتھ باندھا تھا،بعض حجاج حج سے پہلے اور حج کے بعد بہت سے عمرے کرتے رہتے ہیں یہ بھی اچھا ہے۔بعض شارحین نے فرمایا کہ مکہ معظّمہ سے عمرہ کے لیے باہر جانا صحابہ سے ثابت نہیں بجز حضرت عائشہ صدیقہ کے کہ آپ رہے ہوئے عمرہ کو پورا کرنے کے لیے تنعیم سے احرام باندھ کر آئیں۔(مرقات)**لم تکن عمرۃ** حضرت عروہ کا قول ہے نہ کہ عائشہ صدیقہ کا۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب حج یا عمرہ کا آتے ہی طواف کرتے تو تین چکروں میں تیز چلتے اور چار میں درمیانی چال چلتے ۱؎ پھر دو رکعتیں پڑھتے پھر صفا و مروہ کا طواف فرماتے ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎ ایک طواف میں سات چکر ہوتے ہیں،پہلے طواف میں تین چکروں میں سینہ تان کر اکڑتے ہوئے بہادری دکھاتے ہوئے چلنا،بقیہ چار چکروں میں معمولی رفتار پر چلنا سنت ہے،باقی طوافوں میں رمل نہ کرے۔

۲؎ ہر طواف کے بعد دو نفل پڑھنا سنت ہے،بہتر یہ ہے کہ یہ نفل مقام ابراہیم کے سامنے پڑھے،اگر فجر یا عصر کے بعد طواف کرے تو ان وقتوں میں نفل نہ پڑھے،جتنے طواف کرلیے ہوں اتنے نوافل بعد میں پڑھے۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سنگِ اسود تک تین تین چکروں میں رمل فرماتے اور چار میں معمولی رفتار ۱؎ اور جب صفا مروہ کا طواف کیا تو بطن مسیل میں دوڑتے تھے ۲؎(مسلم)

۱؎ اس میں ان لوگوں کی تردید ہے جو کہتے ہیں کہ رکن یمانی و رکن اسود کے درمیان رمل نہ کرے معمولی رفتار سے چلے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پورے چکر میں رمل کرے،طواف کا ہر چکر رکن اسود سے شروع ہوتا ہے اور وہاں ہی ختم ہوتا ہے۔

۲؎ یعنی صفا مروہ کے درمیان سعی کرتے ہوئے دوہرے میلوں کے درمیان تو دوڑتے تھے آگے پیچھے راستہ میں رفتار سے چلتے تھے۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ معظّمہ تشریف لائے تو حجر اسود پر پہنچے اسے چوما ۱؎ پھر اس کی داہنی طرف چلے تو تین چکروں میں رمل کیا اور چار میں معمولی چال اختیار کی ۲؎(مسلم)

۱؎ سنگ اسود چومنے کے چار طریقے ہیں:خود اس پر لب لگا کر بوسہ دینا،اسے ہاتھ سے چھوکر ہاتھ چوم لینا،چھڑی وغیرہ لگا کر چھڑی چوم لینا،دور سے سنگِ اسود کی طرف ہاتھ کرکے ہاتھ چوم لینا۔پہلی صورت بہت بہتر ہے اگر میسر ہو باقی دو

صورتیں بھی جائز ہیں،یہاں پہلی صورت مراد ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تینوں طرف سنگ اسود چوما ہے،منہ لگا کر چومنا کبھی کبھی میسر ہوتا ہے اکثر چوتھی صورت ہی میسر ہوتی ہے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ طواف شروع کرتے وقت سنگِ اسود چومنا سنت ہے۔

۲؎ظاہر یہ ہے کہ اگلے تین چکروں میں پورے چکر میں رمل فرمایا،سنگِ اسود سے سنگِ اسود تک۔

روایت ہے حضرت زبیر ابن عربی سے۱؎فرماتے ہیں کہ کسی شخص نے حضرت ابن عمر سے سنگ اسود چومنے کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسے ہاتھ لگاتے اور چومتے دیکھا ۲؎(بخاری)	

۱؎زبیر ابن عربی تابعی بصری ہیں،حضرت ابن عمر سے سماع ثابت ہے ان سے صرف یہ ہی ایک حدیث مروی ہے۔(اشعہ)اور زبیر ابن عدی کوفی ہیں،تابعی ہیں،انہوں نے حضرت انس ابن مالک سے سنا ہے۔(مرقات)

۲؎کہ یہ چومنا جائز ہے یا ناجائز،اگرجائز ہے تو سنت بھی ہے یا نہیں،بعض جہلاء کو خیال ہوگیا تھا کہ یہ پتھر پرستی ہے،ان پر شیطانی توحید کا زور ہوگیا تھااس لیے صحابہ کرام سے یہ سوالات ہوتے تھے اس طرح کہ کبھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ لگا کر چوما اور کبھی ہاتھ سے سنگ اسود چھوا اور ہاتھ شریف چوم لیا۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت اللہ کے دو گوشوں یمانیوں کے سوا کسی اور چیز کو چومتے نہ دیکھا۱؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎خانہ کعبہ کے چار گوشہ ہیں،ہر گوشہ کو رکن کہتے ہیں رکن اسود،رکن یمانی،رکن عراقی،رکن شامی۔رکن اسود کو دو عظمتیں حاصل ہیں:ایک یہ بناء ابراہیمی پر ہے،دوسرے اس میں سنگ اسود واقع ہے اس لیے اسے منہ یا ہاتھ لگا کر چومنا سنت ہے۔رکن یمانی کو صرف ایک عظمت حاصل ہے بنیاد ابراہیمی پر ہونااس لیے اسے صرف ہاتھ لگا کر چومنا سنت ہے منہ نہ لگانا بہتر۔(مرقات)باقی دو رکن عراقی،شامی کو ان دونوں میں سے کوئی عظمت حاصل نہیں کیونکہ یہ درمیان کعبہ میں ہیں،حطیم شریف بھی داخل کعبہ ہے اس لیے اسے چومنا سنت نہیں۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃالوداع میں اونٹ پر طواف کیا۱؎اور رکن اسود کو چھڑی سے چومتے تھے۲؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ بلامجبوری و معذوری سواری پرطواف کرنا ممنوع ہے،طواف میں چلنا واجب ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا اونٹ پر طواف لوگوں کی تعلیم کے لیے تھا تاکہ تمام لوگ یہ طواف دیکھ کر طواف کرنا سیکھ لیں لہذا یہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات سے ہے اور یہ حضور کا معجزہ ہے کہ اونٹ نے اس وقت پیشاب پائخانہ نہ کیا۔ہم لوگ مجبوری کی حالت میں بھی اونٹ،گھوڑا حرم شریف میں نہیں لے جاسکتے،ڈولی میں طواف کریں گے جیسا کہ بیمارو بڈھے لوگ کرتے ہیں۔خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے طوف قدوم تو پیدل کیا اور طواف زیارت سواری پر لہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں

کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف میں رمل کیا اور سواری پر رمل ناممکن ہے۔بعض شارحین نے فرمایا کہ حضور انور اس وقت بیمار تھے اس لیے سواری پر طواف کیا مگر یہ غلط ہے،ہاں بعض روایات میں ہے کہ حضور انور نے ایک عمرہ میں صفا مروہ کی سعی سواری پر کی مگر بیماری کی وجہ سے اس سعی میں حضور ان پہاڑوں پر چڑھے بھی نہیں،صفا مروہ کی سعی سواری پر کرنا ممنوع ہے۔(از مرقات)

۲؎ کوئی بڑی چھڑی حضور انور کے ہاتھ شریف میں تھی جو اونٹ سے سنگ اسود تک پہنچ جاتی تھی اس طرح چومنا جائز ہے۔

	روایت ہے ان ہی سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ کا طواف اونٹ پر کیاجب بھی رکن پر آتے تو اپنے ہاتھ کی کسی چیز سے اس کی طرف اشارہ کردیتے ۱؎(بخاری)

۱؎ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ سواری پر طواف کرنے والا صرف رکن اسود پر اشارہ سے بوسہ دے گا۔رکن کی طرف اشارہ کرنا نہیں چاہیے اسے صرف ہاتھ لگا کر چومنا ہی سنت ہے۔دوسرے یہ کہ رکن اسود سے کوئی لمبی چیز لگاکر اسے چومنا بھی سنت سے ثابت ہے اور صرف اشارہ کرکے ہاتھ چومنا لینا بھی درست ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوطفیل سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت اللہ کا طواف کرتے دیکھا ۱؎ آپ اپنے پاس ہاتھ کی چھڑی سے سنگ کو چھوتے اور چھڑی چوم لیتے۔(مسلم)

۱؎ یعنی میں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو سواری پر طواف کرتے دیکھاتب ہی تو حضور علیہ السلام نے چھڑی سے سنگ اسود کو مس کرکے چھڑی چوم لی۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روانہ ہوئے حج کے سواء کسی چیز کا خیال بھی نہ کرتے تھے ۱؎ جب ہم مقام سرف میں پہنچے تو میں کپڑوں سے ہوگئی ۲؎ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آئے تو میں رو رہی تھی فرمایا شاید تم مہینے سے ہوگئی میں نے عرض کیا ہاں ۳؎ فرمایا کہ یہ تو وہ شے ہے جو اللہ تعالٰی نے عورتوں پر مقرر فرمادی ۴؎ جو کچھ حجاج کریں تم بھی کرو بجز اس کے کہ طواف بیت اللہ نہ کرنا حتی کہ پاک ہوجاؤ ۵؎(مسلم،بخاری)

۱؎ کیونکہ صدیوں سے اہل عرب کا عقیدہ تھا کہ شوال سے محرم تک عمرہ جائز نہیں یہ حج کے مہینے ہیں،ہم بھی یہ ہی خیال لیے ہوئے حج کو گئے تھے مگر یہ فرمان پچھلی روایت کے خلاف ہے جہاں آپ نے فرمایا تھا کہ میں نے صرف عمرہ کا احرام باندھا تھا،ممکن ہے کہ یہاں عوام کا خیال مراد ہو نہ کہ اپنا۔

۲؎ سرف مکہ معظّمہ سے چھ میل کے فاصل پر جانب مدینہ منورہ پر ایک مقام ہے،اب مدینہ منورہ کا راستہ بدل چکا ہے سرف نہیں،یہاں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا مزار ہے۔

۳؎ نفست نون کے فتح سے بمعنی حضت ہے اور نون کے پیش سے ولادت کے خون کے معنی میں آتا ہے،یہاں پہلے معنی میں ہے حضرت عائشہ صدیقہ سمجھی تھیں کہ ماہواری کی حالت میں عورت حج نہیں کرسکتی کیونکہ طواف حج کا رکن اعلیٰ ہے جب وہ ہی نہ ہوسکا تو باقی ارکان بھی ادا نہ ہوسکیں گے اس لیے آپ روئیں کہ اب کیا کروں۔

۴؎ بنات آدم سے ساری عورتیں مراد ہیں جن میں حضرت حوا بھی داخل ہیں کہ انہیں بھی ماہواری آتی تھی،بعض علماء نے فرمایا کہ حضرت مریم کو اور بعض نے کہا فاطمہ زہرا کو بھی ایام نہ آتے تھے،یعنی اے عائشہ اس میں رونے کی کیا بات ہے یہ عارضہ تو ساری عورتوں کو ہوا ہی کرتا ہے۔

ع مرگ،انبوہ جشنے دارد

۵؎ کیونکہ طواف مسجد میں ہوتا ہے اور حائضہ عورت مسجد میں جا نہیں سکتی،نیز بعد والی سعی بھی نہیں کرسکتی سعی طواف کے بعد میں چاہیے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں حضرت ابو بکر نے اس حج میں جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں امیر الحج بنایا تھا یعنی حجۃ الوداع سے پہلے ۱؎ بقرعید کے دن مجھے ایک جماعت میں بھیجا جسے آپ نے حکم دیا کہ لوگوں میں یہ اعلان کردو ۲؎ کہ خبردار اس سال کے بعد کوئی کافر حج نہ کرے اور کوئی ننگا طواف نہ کرے ۳؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ فتح مکہ کے بعد ۹ھ میں حج فرض ہوا مگر اس سال حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم حج کو تشریف نہ لے گئے کیونکہ حضور کو علم تھا کہ ابھی ہماری وفات ہونے والی نہیں اور دینی امور میں بہت مشغولیت تھی بلکہ حضرت صدیق اکبر کو مع حضرت علی چند صحابہ کے امیر الحج بنا کر بھیجا تاکہ وہ مسلمانوں کو حج بھی کرادیں اور یہ اعلان بھی کردیں اس میں خلافت صدیقی کی طرف اشارہ ہے۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق اکبر ہی کو حج کا امام بنایا اور انہیں کو نماز کا امام بناکر اپنے مصلےٰ پر کھڑا کیا عمل استخلاف ہوگیا۔

۲؎ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب صدیق کو حج کا امیر بنایااور جناب صدیق نے مجھے اس کا اعلان کا حکم دیا،چونکہ اس جماعت مؤذن میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ امیر تھے دوسرے حضرات مامور اس لیے ضمیر واحد ارشاد ہوئی۔

۳؎ سوائے قریش کے باقی تمام کفار عرب بالکل ننگے طواف کرتے تھے کہتے تھے کہ قریش تو ہوئے بے گناہ ہم ہیں گنہگار،ہم ان کپڑوں میں طواف نہ کریں گے جن میں گناہ کرتے رہے ہیں یا آئندہ گناہ کریں لہذا نہ تو پرانے کپڑوں میں طواف کرتے تھے نہ نئے سلوا کر ان نئے کپڑوں میں،ہاں اگر کسی کو قرشی کرایہ پر کپڑا دے دیتا وہ پہن کر طواف کرسکتا تھا،ان کپڑوں کے کرایہ سے انہیں بہت آمدنی تھی،اس اعلان میں دو چیزوں سے روکا گیا:مشرکوں و کفار کو حج کرنے سے،رب تعالٰی فرماتا

ہے:"اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا"مشرک و کفار گندے ہیں اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب نہ آئیں۔دوسرے ننگے طواف کرنے سے،رب تعالٰی فرماتاہے:"خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ"۔اس سے معلوم ہوا کہ عام مسجدوں میں کفار کو اپنی عبادات کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔خیال رہے کہ ننگے طواف کرنا ہمیشہ ہی کے لیے منع فرمادیا گیا حج میں ہو یا بعد حج،یہ حکم دائمی ہے غیر منسوخ۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت مہاجر مکی سے فرماتے ہیں کہ حضرت جابر سے اس شخص کے متعلق پوچھا گیا جو بیت اللہ کو دیکھ کر اپنے ہاتھ اٹھائے فرمایا ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کیا ہم تو یہ نہ کرتے تھے[1](ترمذی،ابوداؤد)	

[1]یعنی بیت اللہ کو دیکھ کر ہاتھ اٹھاکر دعا مانگنا بدعت ہے سنت نہیں،امام ابوحنیفہ و شافعی و مالک رضی اللہ عنہم کا یہ مذہب ہے،امام احمد کے ہاں ہاتھ اٹھانا سنت ہے۔مرقات نے فرمایا کہ ان تین اماموں کے ہاں بھی کعبہ دیکھ کر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا سنت ہے،فتح القدیر و مرقات میں بیہقی سے ہے کہ فاروق اعظم فرماتے ہیں کہ جب بیت اللہ شریف کو دیکھو تو ہاتھ اٹھا کرپڑھو اللھم انت السلام شافعی نے حضرت ابن جریج سے روایت کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ معظّمہ کو دیکھ کر ہاتھ اٹھاتے اور یہ دعا کرتے تھے"اَللّٰهُمَّ زِدْ هٰذَا الْبَيْتَ تَشْرِيْفًا وَّتَعْظِيْمًا"الٰہی اس گھر کی عزت و شرف اور بڑھادے،بیہقی نے بھی اس کی مثل روایت کی جب کہ ثبوت و نفی کی روایات میں تعارض ہوا تو ثبوت کی روایت کو ترجیح ہوگئی،نفی کرنے والوں کو اس کی خبر نہ ہوئی یا یوں کہو کہ اول نظر پر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگے پھر جب بھی کعبہ نظر آئے بغیر ہاتھ اٹھائے دعا کرے،اس طرح دونوں روایتیں جمع ہیں۔بہرحال ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا ممنوع نہیں بلکہ سنت سے ثابت ہے۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو مکہ معظّمہ میں داخل ہوئے،حجراسود کے سامنے آئے اسے چوما پھر بیت اللہ کا طواف کیا پھر صفا پر تشریف لائے[1]تو اس پر اتنا چڑھے کہ بیت اللہ نظر آگیاتو اپنے ہاتھ اٹھائے تو اس قدر اللہ کا ذکر و دعا کرتے رہے جتنا رب نے چاہا[2](ابوداؤد)	

[1]یہ واقعہ یا تو حجۃالوداع کا ہے یا کسی عمرہ کا اور صفا کی طرف جانا طواف اور طواف کی نماز ادا کرکے ہے۔

۲؎ اس زمانہ میں صفا پر بہت اوپر چڑھ کر کعبہ نظر آتا تھا،اب تو زمین پر ہی نظر آجاتا ہے کہ زمین بہت اونچی ہوچکی ہے اور مروہ پر بالکل نظر نہیں آتا مگر ادائے سنت کے لیے کچھ چڑھ جانا چاہیے۔بہتر یہ ہے کہ وہاں جو دل چاہے دعا مانگے کوئی خاص مقرر نہ کرے کہ اس مقرر کرنے میں دل میں خشوع نہیں پیدا ہوتا۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا بیت اللہ کے گرد طواف نماز کی طرح ہے ۱؎ بجز اس کے کہ تم اس میں بات کرسکتے ہو تو جو طواف میں کلام کرے تو اچھا ہی کلام کرے ۲؎ (ترمذی،نسائی،دارمی)اور ترمذی نے اس جماعت کا ذکر کیا جنہوں نے اسے ابن عباس پر موقوف کیا۔	

۱؎ طواف بھی نماز کی طرح بہترین عبادت ہے۔علماء فرماتے ہیں کہ مکہ والوں کے لیے نماز طواف سے افضل ہے اور باہر والوں کے لیے طواف نماز سے افضل کہ انہیں اس خاص زمانہ ہی میں طواف میسر ہوتاہے۔(اشعہ)

۲؎ یعنی طواف کی حالت میں دنیاوی کلام بھی جائز ہے لیکن جائز کلام کرلے ناجائز باتیں،غیبت،جھوٹ وغیرہ نہ کرے۔اس حدیث کی بناء پر بعض اماموں نے طواف میں وضو فرض مانا کہ نماز میں وضو فرض ہے اور طواف نماز کی طرح ہے لہذا اس میں بھی وضو فرض ہو،امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ہاں وضو فرض نہیں۔اولًا تو اس لیے کہ یہ حدیث ظنی ہے اور ظنیات سے فرضیت ثابت نہیں ہوتی۔دوسرے اس لیے کہ کپڑوں کی پاکی،کعبہ کومنہ، قرأت قرآن،رکوع سجود وغیرہ ان اماموں کے ہاں بھی طواف میں فرض نہیں،حالانکہ یہ چیزیں نماز میں فرض ہیں۔ معلوم ہواکہ طواف کو نماز سے صرف عبادت ہونےمیں تشبیہ دی گئی ہے،نہ کہ شرائط وارکان کے اشتراط میں۔(اشعہ)

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ حجر اسود جنت سے آیا ۱؎ وہ دودھ سے زیادہ سفید تھا،اسے آدمیوں کے گناہوں نے سیاہ کردیا ۲؎ (احمد،ترمذی)ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے ۳؎	

۱؎ حدیث بالکل ظاہری معنی میں ہے بلاوجہ کسی تاویل و توجیہ کی ضرورت نہیں،واقعی یہ پتھر جنت سے آیا۔ہوسکتا ہے کہ وہ گھر جو آدم علیہ السلام کے طواف و سجدوں کے لیے جنت سے آیا تھا جو طوفان نوح کے وقت اٹھالیا گیا اسی کا یہ پتھر ہو جو باقی رکھا گیا یا مستقل طور پر وہاں سے یہ پتھر لایا گیا ہو۔

۲؎ یعنی یہ پتھر شفاف آئینہ یا سیاہی چوس کاغذ کی طرح ہے جیسے شفاف آئینہ گردو غبار سے میلااور سیاہی چوس کاغذ گیلے حرفوں پر لگنے سے سیاہ ہوجاتا ہےایسے ہی یہ پتھر ہم گنہگاروں یا گزشتہ مشرکوں کے ہاتھ لگنے سے برابر سیاہ ہوتا چلا گیا۔صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ جب ہمارے گناہوں سے سنگ اسود سیاہ ہوگیا توگناہوں سے دل بھی میلا ہوجاتا ہے اور

بدکاروں گنہگاروں کی صحبت سے اچھے برے بن جاتے ہیں،بروں کی صحبت سے پر ہیز چاہیے،رب تعالٰی فرماتا ہے فرماتا ہے:"فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ"صحبت کی تاثیر ضروری ہے۔

۳؎یہ حدیث احمد،نسائی،ابن عدی،بیہقی،طبرانی وغیرہ نے مختلف اسنادوں سے روایت کی،غرضکہ حدیث بہت قوی ہے۔

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجر کے متعلق فرمایا رب کی قسم اللہ اسے قیامت کے دن ایسے اٹھائے گا کہ اس کی دو آنکھیں ہوں گی جن سے وہ دیکھتا ہوگا اور ایک زبان ہوگی جس سے بولتا ہوگا حق سے چومنے والوں کو گواہی دے گا۱؎(ترمذی،ابن ماجہ،دارمی)	

۱؎حدیث بالکل ظاہر ہےکسی تاویل و توجیہ کی ضرورت نہیں،قیامت میں قرآن،ہمارے نیک اعمال وغیرہ تمام کی شکلیں ہوں گی اور سب کلام کریں گے بلکہ ہمارے اعضاء بھی بولیں گے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَ تُكَلِّمُنَاۤ اَيْدِيْهِمْ وَ تَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ"۔جو رب تعالٰی ان چیزوں کو گویائی بخش سکتا ہے وہ سنگ اسود کو بھی گویائی،آنکھ وغیرہ بخش سکتا ہے۔اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ سنگ اسود حاجیوں کی شفاعت کرے گا۔دوسرے یہ کہ سنگ اسود بحکم الٰہی نافع ہے۔تیسرے یہ کہ سنگ اسود کا چومنا مفید ہے،قیامت میں کام آئے گا۔چوتھے یہ کہ کروڑوں آدمیوں نے اسے چوما یہ ان سب کو جانتا پہچانتا ہے۔پانچویں یہ کہ سنگ اسود ہمارے دلوں کے اخلاص و نفاق کو بھی جانتا ہے کہ کون اخلاص سے چوم رہا ہے اور کون نفاق سے۔چھٹے یہ کہ سنگ اسود حاجیوں کے اچھے برے خاتمہ کو جانتا ہےکہ کون ایمان پر مرا اور کون کفر پر،تب ہی تو وہ مؤمن مخلص کی شفاعت کرے گا مرتد منافق کی شفاعت نہ کرے گا۔جب ایک پتھر کے علم و نفع کے یہ حال ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم جن کو رب نے سید الخلق بنایا ان کے علوم کا کیا پوچھنا،جو لوگ حضور انور کے لیے علوم خمسہ نہیں مانتے وہ اس حدیث میں غور کریں۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ رکن اسود اور مقام ابراہیم جنت کے یاقوتوں میں سے یاقوت ہیں جن کی روشنی اللہ نے چھپالی ہے۱؎اگر ان کی روشنی نہ چھپاتا تو یہ پورب و پچھم کے درمیان کو جگمگادیتے۲؎(ترمذی)	

۱؎یعنی ان دونوں جنتی یاقوتوں کو دنیا میں بھیجنے سے پہلے ان کا اصل نور چھپالیا گیاتاکہ جنت پر ایمان بالغیب رہے،حجر اسود اور مقام ابراہیم دونوں ہی جنت کے جواہرات میں سے ہیں۔

۲؎اور ان کی جگمگاہٹ سورج کو خیرہ کردیتی،سنگ اسود کو کفار قرامطہ اٹھالے گئے تھے،انہوں نے مکہ معظّمہ میں اتنا قتل و خون کیا تھا کہ حرم شریف اور چاہ زمزم لاشوں سے بھر گیا تھا،حجر اسود سے بولے کہ تو ہی شرک کا سرچشمہ ہے خدا کے سواء تو کب تک بنا رہے گا،پچیس سال تک یہ ان کے قبضہ میں رہا،پھر مکہ والوں نے انہیں بہت سا مال دے کر سنگِ اسود مانگا،وہ

بولے کہ وہ پتھر دوسرے پتھروں سے مخلوط ہوگیا ہے آؤ پہچان کر لے جاؤ،مکہ معظّمہ کے علماء نے کہا کہ جس پتھر پر آگ اثر نہ کرے وہ سنگ اسود ہے کیونکہ جنتی چیز میں آگ اثر نہیں کرتی۔چنانچہ پتھر آگ سے تپ گئے یہ گرم بھی نہ ہوا،اس علامت سے واپس لائے،جاتے وقت اس پتھر کے بوجھ سے کئی سو اونٹ دب کر مر گئے تھے مگر واپسی کے وقت ایک دبلا اونٹ اسے مکہ لے آیا۔غرضکہ سنگ اسود عجیب نورانی بابرکت پتھر ہے۔(مرقاۃ)

روایت ہے حضرت عبید ابن عمیر سے ۱؎ کہ حضرت ابن عمر دورکنوں میں اس قدر بھیڑ میں گھستے ۲؎ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے کسی کو وہاں اس قدر گھستے نہ دیکھا ۳؎ فرماتے ہیں کہ اگر میں یہ کرتا ہوں تو درست ہے کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ ان کا چھونا گناہوں کا کفارہ ہے ۴؎ اور میں آپ کو فرماتے سنا کہ جو اس بیت اللہ کا ایک ہفتہ نہایت حفاظت و احتیاط سے طواف کرے ۵؎ تو غلام آزاد کرنے کی طرح ہوگا اور میں نے آپ کو فرماتے سنا کہ طواف کرنے والا ایک قدم نہیں رکھتا اور دوسرا نہیں اٹھاتا مگر رب تعالٰی ان کی برکت سے ایک گناہ مٹاتا ہے اور ایک نیکی لکھتا ہے ۶؎ (ترمذی)	

۱؎ آپ جلیل القدر تابعین سے ہیں،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ پاک میں پیدا ہوئے تھے مگر زیارت نہ کر سکے،آپ کی کنیت ابوعاصم ہے،قبیلہ بنی لیث سے ہیں،حجازی ہیں،مکہ معظّمہ کے قاضی رہے،حضرت ابن عمر کی وفات سے کچھ پہلے ہی وفات پاگئے۔

۲؎ یعنی ہر طواف کے اول و آخر میں حضرت ابن عمر سنگ اسود و یمانی چومنے کی بہت کوشش کرتے تھے بھیڑ میں گھس کر چومتے تھے مگر اس طرح کہ کسی کو آپ سے ایذاء نہ ہو کہ وہاں ایذاء دینا ممنوع ہے۔

۳؎ حتی کہ کبھی حضرت ابن عمر کی ناک شریف اس بھیڑ میں زخمی ہوجاتی تھی دیگر صحابہ کرام اس ایذاء کو دیکھ کر بھیڑ میں نہ گھستے تھے بلکہ اشارہ سے چوم لیتے تھے آج کل ان صحابی کی سنت پر عمل کرنا چاہیے۔اگر چومنے کا شوق ہو تو رات کے آخری حصہ میں یا دوپہری میں طواف کرلے ان اوقات میں آسانی سے بوسہ نصیب ہوجاتا ہے،فقیر کا تجربہ ہے۔

۴؎ گناہ صغیرہ کا نہ کہ حقوق العباد کا،بعض لٹیرے بدّو حجاج کو قتل،ان کا مال لوٹ کر،سنگ اسود چوم جاتے،طواف کر جاتے تھے اور کہتے یہ تھے کہ جو ہم کر آئے تھے وہ معاف ہوگیا یہ ان کی جہالت و حماقت تھی،اب تو وہاں بہت امن ہے۔

۵؎ اس طرح کہ مسلسل ایک ہفتہ طواف کرے کوئی دن ناغہ نہ ہو اور طواف کی تمام سنتیں و مستحبات ادا کرے یہ دونوں چیزیں احصاہ سے ثابت ہوئیں۔

۶؎ اس طرح کہ ایک قدم رکھنے پر گناہ کی معافی دوسرا قدم اٹھانے پر بلندی درجہ میسر ہوتی ہے اور بے گناہ آدمی کو دونوں قدموں پر بلندی درجات ہے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن سائب سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو رکنوں کے درمیان فرماتے سنا الٰہی ہم کو دنیا میں بھلائی دے اور آخرت میں بھلائی دے اور ہم کو آگ کے عذاب سے بچالے ا (ابوداؤد)	

ا یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم طواف کی حالت میں رکن یمانی اور رکن اسود کے درمیان ہوتے تو یہ جامع دعا مانگتے تھے کیونکہ اس جگہ ستر۷۰ فرشتے مقرر ہیں جو طواف والے کی دعاؤں پر آمین کہتے ہیں اور یہاں فاصلہ بھی اتنا ہی ہے کہ یہ مختصر دعا پڑھ لی جائے اس لیے سرکار یہاں یہ جامع دعا پڑھتے تھے۔شیخ نے اشعہ میں فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بحالت طواف اس دعا کے سواء کوئی اور دعا منقول نہیں۔اب جو طواف کے ساتھ چکروں کی الگ الگ دعائیں مانگی جاتی ہیں وہ سلف صالحین سے منقول ہیں۔اس دعا کی شرح ہم کتاب الدعوات میں کرچکے ہیں،یہاں اتنا سمجھ لو کہ دنیا و آخرت کی بھلائی کی ستر شرحیں کی گئی ہیں مگر مختصر و جامع و لذیذ شرح یہ ہے کہ دنیا کی بھلائی اتباع آقا و اطاعت مولیٰ ہے،آخرت کی بھلائی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب،رب کا دیدار ہے اور عذاب نار،حجاب یار ہے،اللہ تعالٰی یہ نعمتیں نصیب کرے اور حجاب سے بچائے۔آمین۔

روایت ہے حضرت صفیہ بنت شیبہ سے ا فرماتے ہیں مجھے ابی تجارہ کی بیٹی نے خبر دی فرماتی تھیں کہ میں چند قرشی بیبیوں کے ساتھ ابی حسین کے خاندان کے گھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے گئی ۲ جب کہ آپ صفا و مرہ کے درمیان سعی کر رہے تھے تو میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ کا تہبند شریف تیز دوڑنے کے باعث گردش کررہا تھا ۳ اور میں نے آپ کو فرماتے سنا کہ لوگو سعی کرو اللہ نے تم پر سعی واجب کی ۴ (شرح سنہ)اور احمد نے کچھ اختلاف سے روایت کی۔	

ا یہ صفیہ تابعین میں سے ہیں،ان کا نام صفیہ بنت شیبہ ابن عثمان ابن طلحہ حجبی ہے یعنی عثمان ابن طلحہ جو کعبہ شریف کے کلید بردار ہیں ان کی پوتی ہیں اور بنت ابی تجراۃ کا نام حبیبہ ہے،بنی عبدالدار سے ہیں،تجراۃ ت کے زبر یا پیش سے جیم کے سکون ر کے زبر سے ہے۔

۲ آل حسین کا یہ گھر سعی کے کنارے پر تھا جہاں سے سعی بخوبی دیکھی جاسکتی تھی یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سعی دیکھنے اس لیے گئیں کہ سعی کا طریقہ سیکھ لیں اور حضور انور کی زیارت سے شرف حاصل کریں جو تمام عبادات سے بہتر عبادت ہے کہ کعبہ کے دیکھنے سے انسان حاجی بنتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے سے صحابی اور ایک صحابی تمام جہان کے حاجیوں غازیوں سے افضل ہے،کوئی شخص صحابی کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَّ اٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ"یعنی دوسرے مسلمان صحابہ کو نہیں مل سکتے۔

۳؎ اس حدیث سے صراحۃً معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے سعی پیدل کی نہ کہ سواری پر،یہ ہی سنت ہے بلا عذر سواری پر سعی کرنا مکروہ و خلاف سنت ہے۔جن روایات میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سواری پر سعی کی وہ کسی عمرے میں تھی جو بیماری وغیرہ کسی عذر کی وجہ سے یا لوگوں کی تعلیم کے لیے تھی جیسے حضور انور نے بغرض تعلیم سواری پر طواف بھی کیا۔

۴؎ حج میں سعی امام شافعی و احمد و امام رحمہم اللہ تعالٰی کے ہاں فرض ہے کہ اس کے رہ جانے پر حج باطل ہوگا مگر امام اعظم قدس سرہ کے ہاں واجب ہے کہ اس کے رہ جانے پر دم واجب ہوگا،ان اماموں کی دلیل یہ حدیث ہے۔امام اعظم فرماتے ہیں کہ یہ حدیث واحد ہے اور خبر واحد سے فرضیت ثابت نہیں ہوتی،بعض علماء کے ہاں سعی نفل ہے،ان کی دلیل یہ آیت ہے"**فَلَا جُنَاحَ عَلَیۡهِ اَنۡ یَّطَّوَّفَ بِهِمَا**"مگر یہ دلیل کمزور ہے۔(مرقات و لمعات وغیرہ) حضرت ابن عباس،ابن زبیر،انس ابن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہم سعی کو نفل ہی مانتے ہیں۔

روایت ہے حضرت قدامہ ابن عبداللہ ابن عمار سے ۱؎ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صفا مروہ کے درمیان اونٹ پر سعی کرتے دیکھا ۲؎ جس میں نہ اونٹ کا مارنا پیٹنا تھا نہ لوگوں کو ہٹانا نہ ہٹو بچو فرمانا ۳؎ (شرح سنہ)	

۱؎ آپ قدیم الاسلام صحابی ہیں،ضعفاء مکہ معظّمہ سے تھے اس لیے وہاں سے ہجرت نہ کرسکے۔(اشعہ)

۲؎ یہ سعی حجۃ الوداع کی سعی نہیں بلکہ کسی عمرہ کی سعی ہے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا سواری پر سعی کرنا کسی سخت مجبوری یا بیماری کی وجہ سے ہے لہذا یہ حدیث گزشتہ اس حدیث کے خلاف نہیں کہ حضور انور کا تہبند شریف زیادہ تیز دوڑنے کی وجہ سے گھوم رہا تھا کہ یہ واقعہ حجۃ الوداع کا ہے۔

۳؎ اس میں ان امراء و سلاطین پر طعن ہے جو سعی میں راستہ خالی کراتے تھے یا ہٹو بچو کہتے تھے،چاہیے یہ کہ امیر و فقیر ایک ساتھ سعی کریں،وہاں ہٹو بچو کیسی،موت،نماز،حج و عمرہ دنیاوی فرق مٹاتے ہیں۔

روایت ہے حضرت یعلی ابن امیہ سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سبز چادر بغل سے نکالے ہوئے بیت اللہ کا طواف کیا ۲؎ (ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ، دارمی)	

۱؎ آپ صحابی ہیں،فتح مکہ کے دن ایمان لائے،غزوہ حنین،طائف و تبوک میں حاضر ہوئے، حضرت عمر کی طرف سے نجران کے حاکم تھے،جنگ صفین میں حضرت علی کے ساتھ رہے،اسی جنگ میں شہید ہوئے۔

۲؎ **اضطباع** کے معنی عرض کیے جاچکے ہیں کہ احرام کی چادر داہنی بغل کے نیچے سے نکال کر داہنا کندھا کھلا رکھنا اور بایاں کندھا ڈھکا رکھنا،چادر بردیمانی تھی،یہ ہی حضور انور کا محبوب کپڑا تھا۔علماء فرماتے ہیں کہ سبز چادر سے مراد مخطط بسبز ہے نہ کہ خالص سبز کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی خالص سبز یا سرخ کپڑا نہیں پہنا،**اضطباع** یعنی داہنا کندھا کھولنا صرف اس

طواف کے وقت مستحب ہے،بعض حجاج احرام کے وقت سے ہی کندھا کھلا رکھتے ہیں یہ غلط ہے اس طرح نماز مکروہ ہوگی۔(مرقات)بعض وارثی فقراء ہمیشہ احرام کا لباس پہنتے ہیں اس میں حرج نہیں لیکن اضطباع نہ کریں اور نہ ننگے سر رہیں۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ نے جعرانہ سے عمرہ کیا[۱]تو بیت اللہ شریف کا تین بار رمل کیا اور اپنی چادروں کو اپنی بغلوں کے نیچے سے لیا پھر انہیں اپنے بائیں کندھے پر ڈالا[۲](ابوداؤد)

[۱]جعرانہ مکہ معظّمہ سے جانب طائف ایک منزل فاصلہ پر ہے وادی حنین سے وھوازن سے متصل اسی جگہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ حنین کی غنیمتیں تقسیم فرمائیں اور یہاں سے ہی عمرہ کیا،یہاں سترہ دن یا کچھ کم و بیش قیام فرمایا،اب بھی بعض عشاق مکہ معظّمہ سے یہاں آکر عمرہ کا احرام باندھتے ہیں جسے بڑا عمرہ کہتے ہیں،فقیر نے اس مقام کی زیارت کی ہے۔اشعہ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عمرہ راتوں رات کیا تھا،کسی کو اطلاع نہ تھی،صحابہ کرام نے اس کے بعد دوسرے وقت میں عمرہ کیا۔

[۲]اس سے معلوم ہوا کہ اضطباع صرف طواف میں کیا جائے گا نہ سعی میں ہوگا نہ کسی اور وقت یہی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے،امام شافعی کے ہاں سعی میں اضطباع سنت ہے طواف پر قیاس کرتے ہوئے مگر یہ استدلال کمزور ہے کیونکہ طواف میں اضطباع رمل کی طرف شجاعت ظاہر کرنے کے لیے تھا،حضور انور نے اور کسی موقع پر نہ اضطباع کیا نہ رمل۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں ہم نے رکن یمانی و اسود کا چومنا چھونا سہولت یا دشواری میں کبھی نہ چھوڑا جب سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انہیں چومتے دیکھا[۱](مسلم،بخاری)

[۱]نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنگِ اسود کو منہ مبارک لگا کر چوما مگر رکن یمانی کو ہاتھ لگا کر البتہ بیہقی و حاکم سند ضعیف اور امام احمد نے بسند صحیح منہ لگا کر بوسہ دینے کی بھی روایت کی ہے اسی لیے امام محمد فرماتے ہیں کہ اسے بھی منہ لگا کر چومے ہوسکتا ہے کہ یہ منہ لگانا شاذونادر ہوا ہو۔(مرقات)

	اور ان کی دوسری روایت میں یوں ہے کہ حضرت نافع فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر کو دیکھا کہ آپ سنگِ اسود کو اپنا ہاتھ لگاتے پھر ہاتھ چوم لیتے اور فرمایا کہ جب سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کرتے دیکھا تب سے کبھی نہ چھوڑا[۱]

۱؎ یعنی طواف کے کسی چکر میں اس کا بوسہ نہ چھوڑا موقعہ ہوا تو منہ لگا کر چوما،ورنہ ہاتھ لگا کر اور اگر نہ بن پڑا تو اشارہ کرکے۔اس سے معلوم ہوا کہ رکن عراقی و شامی کو نہ چوما جائے گا،یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی سنت پر ہمیشگی کرنا برا نہیں۔بیہقی میں ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عباس نے سنگ اسود کو چوما بھی اور اس پر سجدہ بھی کیا اور فرمایا کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سنگ اسود پر سجدہ کرتے دیکھا،جناب عمر فرماتے ہیں کہ میں نے حضور کو اس پر سجدہ کرتے دیکھا،حاکم نے باسناد صحیح حضرت عبداللہ ابن عمر سے روایت کی کہ آپ نے سنگ اسود پر پیشانی رکھ کر سجدہ کیالہٰذا امام مالک کا یہ فرمانا کہ اس پر سجدہ کرنا بدعت ہے درست نہیں۔(مرقات)ان روایات سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو کہتے ہیں کہ حضرت فاروق اعظم سنگ اسود کے بوسہ سے ناراض تھے۔

روایت ہے حضرت ام سلمہ سے فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ میں بیمار ہوں تو فرمایا کہ تم لوگوں کے پیچھے سے سوار ہو کر طواف کرلو ۱؎ تو میں نے طواف کیا جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ سے متصل نماز پڑھ رہے تھے اور سورۂ وَالطُّورِ وَ كِتٰبٍ مَّسْطُوْر پڑھ رہے تھے ۲؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ بیماری سے وہ مرض مراد ہے جس میں چلنا پھرنا اور طواف دشوار ہوجائے اور سواری سے ڈولی پر سواری مراد ہے جسے لوگ اپنے کندھوں پر اٹھا کر مریض کو طواف کرادیں نہ کہ جانور پر سواری،جانور پر طواف کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات سے ہے ہم کو حرم شریف میں جانور لے جانا جائز نہیں۔لوگوں کے پیچھے کی قید اس زمانہ کے لحاظ سے ہے کہ اس وقت مسجد حرام اتنی ہی بڑی تھی جتنا اب مطاف ہے(طواف کی جگہ)اب جب کہ مسجد چوطرفہ بہت دور تک پھیل گئی ہے تو صرف جماعت کے وقت مطاف میں نماز ہوتی ہے اس کے بعد پورا مطاف طواف والوں کے لیے خالی کردیا جاتا ہے اور وہ لوگ باقی حصوں میں نماز پڑھتے رہتے ہیں،وہاں نمازی کے آگے سے گزرنا جائز ہے۔

۲؎ یہ نماز فجر تھی،چونکہ حضرت ام سلمہ فجر پڑھ چکی تھیں اور بعد فجر نفل جائز نہیں اس لیے آپ اس وقت طواف کرتی ہیں۔غالب یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں رکعتوں میں سورت **والطور** پڑھی۔

روایت ہے حضرت عابس ابن ربیعہ سے فرماتے ہیں میں نے حضرت عمر کو دیکھا کہ آپ سنگِ اسود چومتے تھے اور کہتے تھے میں جانتا ہوں تو پتھر ہے نہ نفع دے نہ نقصان ۱؎ اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے چومتے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے نہ چومتا ۲؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ یعنی اے سنگ اسود میں تجھے پوجتا نہیں بلکہ چومتا ہوں،تجھے عبادت کا بوسہ نہیں دیتا بلکہ تعظیم کا بوسہ دیتاہوں کیونکہ عبادت اس اللہ کی ہے جو بذات خود نفع نقصان کا مالک ہے یہ اس لیے فرمایا کہ عہد فاروقی کے نو مسلم لوگ جواب تک پتھر پوجتے تھے وہ اس تعظیم کو پتھر کی عبادت نہ سمجھ لیں۔مرقات میں ہے کہ یہاں نفع نقصان سے مراد بالذات نفع پہنچانا ہے ورنہ اسود بحکم پروردگار بہت نافع ہے کہ اس کا چومنا عبادت اور باعث ثواب ہے اور ابھی کچھ پہلے عبداللہ ابن عباس کی روایت گزر چکی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت میں اس کی آنکھیں بھی ہوں گی اور زبان بھی،اپنے اخلاص سے چومنے والوں کے ایمان کی گواہی دے گا۔

۲؎ یعنی تجھے چومنا ایک تعبدی چیز ہے اور حضور انور کی اتباع میں ہے اس جگہ ملا علی قاری نے مرقاۃ میں اور شیخ عبدالحق نے اشعۃ اللمعات میں،مولانا عبدالحئی لکھنوی نے فدایۃ الھدایہ اور ابن حمام نے بروایت حاکم فرمایا کہ فاروق اعظم کے اس فرمان پر حضرت علی مرتضٰی نے فرمایا اے امیر المؤمنین یقینًا سنگ اسود مفید بھی ہے اور مضر بھی،رب العالمین نے تمام روحوں سے جو اپنی وحدانیت کا اقرار لیا تھا وہ اقرار نامہ اسی پتھر میں محفوظ ہے اور یہ قیامت میں اس طرح آئے گا کہ اس کی آنکھیں و ہونٹ ہوں گے،مخلصین کی گواہی دے گا،یہ اللہ کا امین ہے تو حضرت عمر نے فرمایا کہ ابوالحسن جس زمین میں تم نہ ہو مجھے خدا و ہاں نہ رکھے۔مرقات نے فرمایا کہ حدیث بشرط شیخین نہیں ہے کیونکہ اس کی اسناد میں ابو ہارون عبدی ہیں جن سے مسلم و بخاری حدیث نہیں لیتے(یعنی حدیث صحیح ہے اگرچہ بشرط شیخین نہیں)اسی جگہ مرقات نے فرمایا مستحب یہ ہے کہ سنگ اسود کو چومنے کے بعد اس پر پیشانی رکھ کر سجدہ بھی کرےاور ابن حمام نے فرمایا کہ ابن ماجہ میں بروایت حضرت ابن عمر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنگِ اسود پر ہونٹ مبارک رکھے اور بہت دیر تک روتے رہے پھر فاروق اعظم سے فرمایا کہ اے عمر اس جگہ آنسو بہائے جاتے ہیں۔(مرقات)فقیر حقیر احمد یار کہتا ہے کہ حضرت عمررضی اللہ عنہ نے اس زمانہ کے جہلا کا انتظام فرماتے ہوئے سنگ اسود سے یہ فرمایا اور حضرت علی مرتضٰی نے قیامت تک کے وہابیوں کا انتظام فرماتے ہوئے اس کے یہ فضائل بیان فرمائے دونوں بزرگوں کے کلام برحق ہیں اور مسلمانوں کو مفید۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس پر یعنی رکن یمانی پر ستر فرشتے مقرر ہیں ۱؎ تو جو کہتا ہے الٰہی میں تجھ سے معافی اور امن و عافیت دینی و دنیاوی مانگتا ہوں ۲؎ اے رب ہمارے ہمیں دنیا میں بھلائی دے اور آخرت میں بھلائی دے اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچالے تو فرشتے کہتے ہیں آمین ۳؎(ابن ماجہ)	

۱؎ یعنی بِہٖ کی ضمیر کا مرجع رکن یمانی ہے،یہ تفسیر غالبًا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہے۔

۲؎ ذنوب کی معافی عفو ہے اور عیوب کی معافی عافیت یا دنیا میں معافی عفو ہے اور آخرت میں معافی عافیت،رکن یمانی اور سنگِ اسود کے درمیان بحالت طواف یہ دعا ضرور مانگے۔

۳؎ یعنی چونکہ اس جگہ کی دعا پر رکن یمانی والے یہ فرشتے آمین کہتے ہیں اس لیے یہاں جامع دعا مانگنی چاہیے،یہ مطلب نہیں کہ اس دعا پر تو آمین کہتے ہیں اور اگر کوئی اور دعا مانگی جائے تو آمین نہ کہیں۔مرقات نے یہاں فرمایا کہ طواف کے چکروں

میں دعائیں مقرر نہیں کہ فلاں چکر میں یہ دعا مانگے فلاں میں یہ،ہاں بحالت طواف قرآن مجید حضور انور سے ثابت نہیں،بہتر یہ ہے کہ دعائیں ہی مانگے۔

	روایت ہے ان ہی سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص بیت اللہ کا طواف سات چکر کرے اور اس کے سوا اور بات چیت نہ کرے ۱؎ کہ اللہ پاک ہے،اللہ کی تعریف ہے،اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں،اللہ بہت بڑا ہے، اللہ کے سوا نہ طاقت ہے نہ قوت تو اس کے دس گناہ مٹادیئے جائیں گے اور اس کے لیے دس نیکیاں لکھی جائیں گی اور اس کے دس درجے بلند ہوں گے ۲؎ اور جو شخص طواف کرے اور اسی حالت میں باتیں کرے تو رحمت میں اپنے دونوں پاؤں سے ایسے گھس جائے گا جیسے پانی میں پاؤں سے گھس جاتا ہے ۳؎(ابن ماجہ)

۱؎ نہ دنیاوی بات کرے نہ تلاوت قرآن یا یہ مطلب ہے کہ سوائے اس کے اور کوئی دعا ہی نہ مانگے۔خیال رہے کہ رکن یمانی اور سنگ اسود کا درمیانی فاصلہ اس حکم سے علیحدہ ہے،وہاں وہ دعا مانگے جو ابھی گزر چکی لہذا یہ حدیث گزشتہ حدیث کے خلاف نہیں۔

۲؎ یعنی پورے طواف کا یہ فائدہ ہوگا یا ہر چکر کا یا ہر دفعہ یہ دعا پڑھنے کا مگر پہلا احتمال زیادہ قوی ہے۔علماء فرماتے ہیں کہ اللہ کی حمد کرنا بھی دعا ہے،دیکھو ان کلمات میں دعائیہ لفظ ایک بھی نہیں،صرف رب کی حمد و ثناء ہے مگر اس کے اتنے بڑے فائدے ہیں۔خیال رہے کہ یہ فائدے ہم گنہگاروں کے لیے ہیں،بے گناہ بندوں کے لیے تیس درجوں کی بلندی ہوگی۔

۳؎ اس جملے کی بہت شرحیں ہیں۔محقق شرح یہ ہے کہ باتیں کرنے سے مراد یہی کلمات بولنا ہیں،چونکہ ان کلمات کا اب دوسرا فائدہ بیان ہورہا ہے اس لیے اس طرح ارشاد فرمایا،بعض لوگوں نے اس کا مطلب یہ سمجھا ہے کہ جو شخص طواف میں دنیوی باتیں کرے وہ تو گھٹنوں گھٹنوں دریائے رحمت میں آجاتا ہے اور جو گزشتہ کلمات پڑھے وہ دریائے رحمت میں غوطے لگاتا ہے مگر یہ شرح ضعیف سی ہے کیونکہ مسجد میں خصوصًا طواف میں دنیوی باتیں مکروہ ہیں جن سے نیکیاں برباد ہوتی ہیں اس پر ثواب کا وعدہ کیسا،حضرت آدم علیہ السلام نے جب بیت اللہ کا طواف کیا تو آپ سے فرشتوں نے مصافحہ کرکے عرض کیا کہ ہم دو ہزار سال سے یہاں طواف کررہے ہیں،آپ نے پوچھا کہ تم طواف میں کیا پڑھتے ہووہ بولے سُبۡحَانَ اللہِ وَالۡحَمۡدُلِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ وَاللہُ اَکۡبَرُ تو آپ نے فرمایا کہ ہم اس پر یہ زیادہ کیا کریں گے وَلَا حَوۡلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللہِ۔(مرقات)

باب الوقوف العرفۃ

باب عرفہ میں ٹھہرنا [1]

الفصل الاول

پہلی فصل

[1] عرفہ عرفٌ سے بنا بمعنی پہچاننا،نویں تاریخ کو بھی عرفہ کہتے ہیں اور عرفات میدان کو بھی مگر لفظ عرفات صرف میدان کو کہا جاتا ہے نہ کہ اس دن کو،رب فرماتاہے:"فَاِذَآ اَفَضۡتُمۡ مِّنۡ عَرَفٰتٍ"۔چونکہ اس جگہ کا ہر حصہ عرفہ ہےاس لیے اسے جمع عرفات کہا جاتا ہے۔اس جگہ کو چند وجہ سے عرفہ کہتے ہیں:(۱)اسی جگہ حضرت آدم و حوا کی ملاقات تین سو برس کے فراق کے بعد ہوئی اور ایک دوسرے کو پہچانا(۲)اسی جگہ جبرئیل امین نے جناب خلیل کو ارکان حج سکھائےاور آپ نے فرمایا عَرَفْتُ میں نے پہچان لیا(۳)یہ جگہ تمام دنیا میں جانی پہچانی ہے کہ یہاں حج ہوتا ہے یعنی مشہور ہے(۴)رب تعالٰی اس دن حاجیوں کو مغفرت کا تحفہ دیتا ہے۔عرف بمعنی عطیہ،رب فرماتاہے:"عَرَّفَهَا لَهُمۡ"(۵)تمام حجاج وہاں پہنچ کر اپنے گناہوں کا اقرار و اعتراف کرتے ہیں۔خیال رہے کہ قیام عرفہ حج کا رکن اعلٰی ہے جسے یہ مل گیا اسے حج مل گیا۔

روایت ہے حضرت محمد ابن ابی بکر ثقفی سے کہ انہوں نے منٰی سے عرفہ جاتے ہوئے حضرت انس ابن مالک سے پوچھا کہ آپ حضرات اس دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ کیا کہا کرتے تھے [1] تو وہ بولے کہ ہم میں تلبیہ کہنے والا لبیك کہتا تھا اور اس پر اعتراض نہ ہوتا تھا اور ہم میں سے تکبیر والا اللہ اکبر کہتا تھا اس پر اعتراض نہ ہوتا تھا [2] (مسلم،بخاری)	

[1] شاید سائل کا خیال تھا کہ حجاج کو عرفات پہنچ کر کوئی خاص عبادت کرنا ہوتی ہوگی اس لیے یہ سوال کیا حالانکہ کچھ پڑھنے کا نام حج نہیں ہے بلکہ حاجی کا اس دن میں اس جگہ پہنچ جانے کا نام حج ہے۔

[2] عرفہ میں حاجیوں کا تلبیہ کہنا سنت ہے اور تکبیر کہنا جائز،تلبیہ دسویں بقرعید جمرہ عقبی کی رمی پر خاتم ہوتاہے۔ خیال رہے کہ نماز پنج گانہ کے بعد تکبیر تشریق کہنا اور جگہ واجب ہے عرفات میں نہیں۔(مرقات)لہذا صحابہ کرام کا یہ تکبیر کہنا ذکر اللہ کی بناء پر تھا،یہ تکبیر تشریق نہ تھی۔

روایت ہے حضرت جابر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم نے یہاں قربانی کرلی ہےمگر سارا منٰی ہی	

قربانی گاہ ہے لہذا اپنی منزلوں میں قربانی کرسکتے ہو ۱؎ اور ہم نے یہاں قیام فرمایا ہے مگر سارا عرفہ ہی قیام گاہ ہے ۲؎ اور ہم نے یہاں وقوف مزدلفہ کیا ہے مگر سارا مزدلفہ ٹھہرنے کی جگہ ہے ۳؎ (مسلم)	

۱؎ ھھنا سے منٰی کی اس جگہ کی طرف اشارہ ہے جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کی یعنی صرف یہاں ہی قربانی کرنا واجب نہیں بلکہ سارا ہی منٰے قربانی گاہ ہے جہاں بھی کرلو گے ہوجائے گی حتی کہ اپنے خیموں میں بھی قربانی کرسکتے ہو،اب حکومت نے منی میں قربانی کے لیے الگ جگہ خاص کردی تاکہ خیموں اور راستوں میں خون نہ بہے اور بیماری نہ پھیلے،یہ حکم انتظامی ہے نہ کہ شرعی اور سرکار کا یہ فرمان اباحت کے لیے ہے نہ کہ وجوب کے لیے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد حنیف کے پاس قربانی کی تھی وہاں اب مسجد بنی ہوئی ہے جسے مسجد نحر کہتے ہیں۔

۲؎ یعنی ہم نے جبل رحمت کے پاس وہاں کی چٹانوں سے متصل اپنا خیمہ ڈالا اور قیام فرمایا،عرفات میں قیام کی جگہ صرف یہی نہیں بلکہ بطن عرفہ کے سواء سارا میدان قیام گاہ ہے۔

۳؎ یعنی ہم نے مزدلفہ میں مشعر الحرام کے پاس قیام کیا مگر وادی محسّر کے سواء سارا مزدلفہ قیام گاہ ہے۔مزدلفہ زَلْفٌ سے بنا باب افتعال کی ت دال بن گئی اس کے معنی ہیں قرب کی جگہ،چونکہ حاجی یہاں پہنچ کر اللہ سے قریب ہوتا ہے،نیز یہ جگہ منٰی سے قریب ہے اس لیے مزدلفہ کہا جاتا ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَ اِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ"۔علماء فرماتے ہیں کہ ان تینوں مقامات میں جس قدر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قیام گاہ سے قرب ہو اتنا ہی اچھا۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عرفہ سے بڑھ کر ایسا کوئی دن نہیں جس میں اللہ اپنے بہت سے بندوں کو آگ سے آزاد کردے ۱؎ رب تعالٰی اس دن بہت ہی قریب ہوتا ہے پھر ان فرشتوں پر فخر فرماتا ہے کہتا ہے کہ یہ لوگ کیا چاہتے ہیں ۲؎ (مسلم)	

۱؎ یعنی سال بھر کے تمام دنوں سے زیادہ نویں ذی الحجہ کو گنہگار بخشے جاتے ہیں۔عبد کے عموم سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالٰی اس دن حاجیوں کے علاوہ اور بندوں کو بھی بخشتا ہے اسی لیے غیر حجاج کے لیے اس دن روزہ سنت ہے۔

۲؎ یعنی اس دن اللہ کی رحمت بندوں سے قریب تر ہوتی ہے اور رب تعالٰی فرشتوں پر حاجیوں کی افضلیت،ان کی شرافت و کرامت ظاہر فرماتا ہے کہ اے فرشتو تم نے کہا تھا کہ انسان خونریزی و فساد کرے گا تم نے اس پر غور نہ کیا کہ انسان اپنا گھر بار وطن چھوڑ کر پردیسی بن کر،پریشان بال،کفن پہنے لبیک لبیک کی صدائیں لگاتا عرفات کے میدان میں بھی آئے گا،بتاؤ ان حاجیوں نے سواء میری رضاء کے اور کیا چاہا ہے،صرف مجھے راضی کرنے کے لیے یہ لوگ ان میدانوں میں مارے مارے پھررہے ہیں یہ شرف نہ ملائکہ کو حاصل ہے نہ جنات کو صرف ان ہی کا حصہ ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت عمرو بن عبداللہ ابن صفوان سے وہ اپنے ماموں سے راوی جنہیں یزید ابن شیبان کہا جاتا تھا[1] فرماتے ہیں ہم عرفات میں اپنی منزل میں تھے عمرو نے فرمایا کہ وہ جگہ امام کی جگہ سے بہت دور تھی[2] تو ہمارے پاس ابن مربع انصاری آئے بولے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تمہاری طرف پیغامبر ہوں[3] حضور تم سے فرماتے ہیں کہ تم لوگ اپنی اپنی جگہ ٹھہرے رہو[4] تم لوگ اپنے والد ابراہیم علیہ السلام کی وراثت پر ہو[5] (ترمذی،ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ)	

[1] حضرت عمرو ثقہ تابعین میں سے ہیں،جمحی ہیں،قرشی ہیں اور یزید ابن شیبان ازدی صحابی ہیں۔

[2] اسلام سے پہلے کفار مکہ نے عرفات کے حصے بخرے کرلیے تھے کہ ہر قبیلہ کے قیام کا الگ ٹھکانہ تھا۔چنانچہ یزید ابن شیبان کے قبیلہ کا بھی ایک مقام تھا،قدیم رسم کے مطابق یہ حضرت اپنی خاندانی قیام گاہ میں ٹھہرے مگر آج دل کی کیفیت کچھ اور تھی،اپنے کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قیام گاہ سے بہت دور دیکھ کر پیشیمان ہوئے اس لیے اگلا واقعہ پیش آیا۔

[3] ان کا نام زید یا یزید ابن مربع ہے۔علماء فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دور افتادگان حجاج کی دلی کیفیت خود معلوم فرمائی اس لیے یہ پیغام بھیجا ان حضرات نے چاہا تھا کہ اس جگہ سے منتقل ہوکر حضور کے قدموں میں جا پڑیں اس لیے یہ پیغام آیا سرکار ہم پر ہمارے ماں باپ سے زیادہ مہربان ہیں۔

[4] مشاعر مشعر کی جمع ہے بمعنی عبادت گاہ یعنی زمانہ جاہلیت سے جو تمہارے مقام مقرر ہوچکے ہیں اور اب تم آکر ٹھہر گئے ہو وہاں سے منتقل نہ ہو کہ اس میں سخت دشواری ہوگی سارا عرفات قیام گاہ ہے،مجھ سے دوری تمہارے لیے مضر نہیں۔(لمعات)

[5] سبحان اللہ! کیسا پاکیزہ فرمان ہے یعنی تم اپنے جاہل باپ دادوں کی پیروی میں یہاں نہ ٹھہرو بلکہ سنت ابراہیمی سمجھ کر یہاں قیام کرو اور میرے پاس آنے کی کوشش نہ کرو،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ"۔

روایت ہے حضرت جابر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عرفات جائے وقوف ہے اور سارا منٰی قربانی گاہ ہے اور سارا مزدلفہ قیام گاہ ہے اور مکہ معظّمہ کی ہر سڑک راستہ اور قربانی گاہ ہے[1] (ابوداؤد،دارمی)	

۱؎ فجاج فج کی جمع ہے بمعنی چوڑا راستہ یعنی اگرچہ ہم براستہ کداء مکہ معظّمہ پہنچے لیکن مکہ معظّمہ تک پہنچنے والے تمام راستے ٹھیک ہیں جس راستہ سے یہاں آؤ درست ہے اور سارا مکہ معظّمہ قربانی گاہ ہے کہ حج کی قربانی حرم میں چاہیے جہاں بھی ہوجائے حجاج اپنی آسانی کے لیے منیٰ میں قربانی کرلیتے ہیں۔علماء فرماتے ہیں کہ اگرچہ حج وعمرہ کی قربانی سارے حرم میں ہوسکتی ہے لیکن حج کی قربانی منٰی میں افضل ہے اور عمرہ کی قربانی مکہ معظّمہ میں خصوصًا مروہ پہاڑ کے پاس بہتر۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت خالد ابن ہوذہ سے فرماتے ہیں میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ عرفات میں اونٹ پر دورکابوں کے درمیان کھڑے ہوئے لوگوں کو خطبہ دے رہے تھے ۱؎ (ابوداؤد)

۱؎ یہ خطبہ حج ہے جو نویں بقرعید کو عرفات میں دیا جاتاہے جس میں عرفات سے چلنے،مزدلفہ میں ٹھہرنے،منٰی میں قربانی اور طواف زیارت وغیرہ کے احکام سکھائے جاتے ہیں۔قَآئِمًا بمعنی وَاقِفًا ہے،یہ مطلب نہیں کہ آپ اونٹ پر کھڑے ہوئے تھے کہ یہ تو بہت مشکل ہے،مطلب یہ ہے کہ آپ وقوف عرفات اونٹ پر کررہے تھے۔فِی الرِّکَابَیْنِ کے معنی یہ ہیں کہ دونوں قدم شریف رکاب میں رکھے ہوئے تھے،چونکہ وہاں منبر تھا نہیں اور منشاء یہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے اونچے رہیں تاکہ دور تک کے لوگ آپ کی زیارت بھی کرسکیں اور آپ کا کلام شریف بھی سن سکیں،اس لیے یہ خطبہ اونٹ پر دیا،اب بھی عرفات شریف میں امام اونٹ پر خطبہ دیتا ہے۔

	روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عرفہ کے دن کی دعاؤں میں سے بہترین ۱؎ اور جو ہم نے اور ہم سے پہلے نبیوں نے عرض کیا ان میں سے بہترین عرض یہ ہے کہ اللہ اکیلے کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں،اسی کا ملک ہے،اسی کی تعریف اور وہ ہر چیز پر قادر ہے ۲؎ (ترمذی)اور مالک نے حضرت طلحہ ابن عبیداللہ سے لاشریك لە تک روایت کی۔

۱؎ کیونکہ اس دن کی دعا جلد قبول ہوتی ہے اور اس پر مانگنے سے زیادہ ملتا ہے،ثواب دعا اس کے علاوہ ہے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نویں بقرعید کی دعا بہترین عمل ہے خواہ کہیں مانگی جائے،اگر حج میسر ہو اور میدان عرفات میں مانگی جائے تو زہے نصیب ورنہ اپنے گھر یا مسجد وغیرہ جہاں ہوسکے مانگے،یہ دن غفلت میں نہ گزار دے اسی لیے سمجھ دار لوگ نویں بقر عید کو روزہ رکھتے ہیں،عبادات و دعاؤں میں مشغول رہتے ہیں اس دن کو لہو و لعب میں نہیں گزارتے۔

۲؎ اس جملہ کے دو مطلب ہوسکتے ہیں:ایک یہ کہ اس دن صرف دعا ہی نہ مانگے بلکہ رب تعالٰی کی حمد و ثناء بھی کرے کہ اللہ کے ذکر سے دل کو چین اور قرار ہے اور ذکروں میں بہترین ذکر یہ ہے کہ اس میں رب تعالٰی کی اعلٰی درجہ کی حمد و ثناء ہے اور سنت انبیاء پر عمل بھی یعنی ذکر اور زبان دونوں کی تاثیریں جمع ہیں اسی لیے لوگ دعائے ماثورہ جو بزرگوں سے

منقول ہوں زیادہ پڑھتے ہیں۔دوسرے یہ کہ تمام دعاؤں میں بہترین دعا یہ ہے کہ کیونکہ حق تعالٰی کی حمد و ثنا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود کہنا یہ دعا ہے،حدیث قدسی میں ہے کہ جسے میرا ذکر دعا مانگنے سے روک دے تو اسے میں مانگنے والوں سے زیادہ دوں گا،نیز اس میں رضاء بالقضاء علے وجہ الکمال ہے،شاعر کہتا ہے۔شعر

وَكَلْتُ اِلَى الْمَحْبُوْبِ اَمْرِیْ كُلَّهٗ　　　فَاِنْ شَاءَ اَحْيَانِیْ وَاِنْ شَاءَ اَتْلَفَ

یہ کلمات چوتھے کلمے کے ہیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوتے ہی یہ پڑھا کرتے تھے جیساکہ گزر چکا۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اعلیٰ تاریخوں میں ذکر الٰہی افضل ہے کہ اس صورت میں ذکر کے ساتھ وقت کی فضیلت بھی جمع ہوجاتی ہے۔

روایت ہے حضرت طلحہ ابن عبیداللہ ابن کریز سے[1] کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عرفہ کے دن سے زیادہ کسی دن شیطان بہت چھوٹا بہت پھٹکارا ہوا اور بہت ذلیل و غمگیں نہ دیکھا گیا[2] یہ صرف اس لیے ہے کہ وہ آج کے دن رحمت باری کا نزول اور اللہ کا بڑے گناہوں کی معافی دینا مشاہدہ کرتا ہے[3] اس کے سواء جو بدر کے دن دیکھا گیا[4] عرض کیا گیا حضور بدر کے دن کیا دیکھا گیا فرمایا اس نے حضرت جبریل کو دیکھا کہ وہ فرشتوں کی صف آرائی کررہے ہیں[5] (مالک)مرسلًا اور شرح سنہ میں لفظ مصابیح سے۔	

[1] یہ طلحہ تابعی ہیں،اہل شام میں سے ہیں اسی لیے مصنف نے ان کے دادا کا نام بھی لے دیا کیونکہ طلحہ ابن عبید اللہ ابن عفان مشہور صحابی عشرہ مبشرہ میں سے ہیں،ان کے دادا عثمان یعنی ابو قحافہ صدیق اکبر کے والد ہیں،فقط طلحہ سے ذہن انہی کی طرف منتقل ہوتا ہے جیسے صرف عبداللہ سے عبداللہ ابن مسعود اور صرف حسن سے خواجہ حسن بصری سمجھ میں آتے ہیں۔

[2] اصغر صغار سے ہے بمعنی حقارت ادحر دحر سے بنا بمعنی ذلت کے ساتھ نکالنا،رب تعالٰی فرماتا ہے:"مِنْ كُلِّ جَانِبٍ دُحُوْرًا"اور فرماتا ہے:"اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا"۔شیطان سے مراد یا تو ابلیس ہے یا وہ اور اس کی ساری ذریت یعنی یوں تو شیطان ہمیشہ ہی ذلیل و خوار اور غمگیں رہتا ہے مگر نویں بقرعید کو حاجیوں کو عرفہ میں دیکھ کر بہت غمگیں ہوتا ہے۔معلوم ہوا کہ نیک کام پر غم کرنا اور نیکیوں سے جلنا شیطانی عمل ہے۔

[3] اس سے معلوم ہوا کہ شیطان کی نگاہ سے غیبی پردے اٹھے ہوئے ہیں جن سے وہ فرشتوں کو بھی دیکھ لیتا ہے،اللہ کی رحمت اترتے ہوئے دیکھتا ہے اور رب تعالٰی کے فیصلوں سے بھی خبردار رہتا ہے ورنہ اس دن اس کے زیادہ غمگیں ہونے کے کیا معنی،جب اس ناری کا یہ حال ہے تو نوری مخلوق کی شان کیا ہوگی۔

[4] کہ اس دن وہ عرفہ کے دن سے بھی زیادہ پریشان غمگیں و ذلیل و خوار تھا۔اس سے معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہوں سے شیطان اور اس کی ذریت چھپی ہوئی نہیں،حضور تو اس کی دلی کیفیتوں تک سے مطلع ہیں کہ اس کے دل پر اس وقت کیا گزررہی ہے۔راى سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور نے اسے آنکھوں سے دیکھا۔

۵؎ یَزَعُ وَزَعٌ سے بمعنی تقسیم وترتیب،رب تعالٰی فرماتا ہے:"فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ"اہل عرب صفیں ترتیب دینے والے کو وازع کہتے ہیں،یہاں فرشتوں سے وہ پانچ ہزار فرشتے مراد ہیں جو مسلمانوں کی امداد کے لیے جنگ بدر کے دن آئے،یہ فرشتے کفار کو ہلاک کرنے نہ آئے تھے ورنہ ایک فرشتہ پورے ملک کو ہلاک کرسکتا ہے بلکہ مسلمانوں کی معیت اور حضور کی ماتحتی کی عظمت حاصل کرنے آئے تھے جیسے بدری صحابہ تمام صحابہ سے افضل ہیں ایسے ہی بدری فرشتے دوسرے فرشتوں سے افضل۔شعر

معلوم ہوا کہ جملہ فرائض فروع ہیں　　　اصل الاصول بندگی اسی تاجور کی ہے

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب عرفہ کا دن ہوتا ہے تو رب تعالٰی دنیاوی آسمان کی طرف نزول کرم فرماتا ہے ۱؎ تو حجاج کے ذریعے فرشتوں پر فخر کرتا ہے ۲؎ فرماتا ہے میرے بندوں کو دیکھو کہ میرے پاس بکھرے بال گرد آلود دور دراز کے راستوں سے شور مچاتے آئے ہیں میں تمہیں گواہ کرتا ہوں کہ میں نے ان سب کو بخش دیا ۳؎ فرشتے عرض کرتے ہیں یارب فلاں مرد اور فلاں عورت تو بدکاری کرتے رہے ہیں ۴؎ فرمایا رب تعالٰی فرماتا ہے میں نے انہیں بھی بخش دیا ۵؎ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ عرفہ سے زیادہ کوئی دن لوگوں کے آگ سے چھٹکارا پانے کا نہیں ۶؎(شرح سنہ)

۱؎ اللہ تعالٰی اترنے چڑھنے آنے جانے سے پاک ہے ایسے مقام پر اللہ کی رحمت اس کی مغفرت کا اترنا مراد ہوتا ہے۔آسمان دنیا سے پہلا آسمان مراد ہے جو زمین سے قریب تر ہے،چونکہ اس آسمان کے فرشتے زمین والوں سے بہت واقف ہوتے ہیں اس لیے رب تعالٰی کی رحمتیں پہلے اس آسمان پر اترتی ہیں پھر زمین پر تاکہ ان فرشتوں کی نگاہ میں خصوصیت سے مسلمانوں کا وقار قائم ہو اور ان کے لیے دعائے مغفرت کیا کریں۔

۲؎ رب کے فخر فرمانے کے معنی ہم پہلے عرض کرچکے ہیں۔**حجاج** سے مراد عرفہ میں ٹھہرے ہوئے حاجی ہیں اور فرشتوں سے مراد عمومًا سارے فرشتے ہیں اور خصوصًا پہلے آسمان کے،چونکہ فرشتے انسانوں کے گناہ دیکھتے رہتے ہیں اس لیے انہیں خصوصیات سے مسلمانوں کی نیکیاں دکھائی جاتی ہیں،یہ رب کی بندہ نوازی ہے کہ ہمارے گناہوں پر فرشتوں کو اس طرح اہتمام سے متوجہ نہیں کیا جاتا مگر نیکیوں پر جو اسی کی توفیق سے ہیں فرشتوں کو متوجہ بھی کیا جاتا ہے اور ثواب بھی انہیں گواہ بناکر دیا جاتا ہے۔

۳؎ سبحان اللہ! کیا پیارے کلمات ہیں بحالت احرام حجاج پراگندہ بال بھی ہوتے ہیں کہ اس حال میں کنگھی کرنا منع ہے اور گردو غبار میں آٹے ہوئے بھی کہ وہ ریگستانی علاقہ ہے،حجاج زیادہ غسل بھی نہیں کرسکتے،دور دراز ملک سے لبیک کا شور کرتے

پہنچتے ہیں۔اس حدیث سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ کسی برکت والی جگہ جانا رب کے پاس جانا ہے،دیکھو عرفات میں پہنچنے والوں کو فرمایا گیا کہ یہ میرے پاس آئے کیونکہ عرفات وہ مقام ہے جہاں انبیائے کرام گزرے یا رہے ہیں لہذا انبیاء و اولیاء کے مزارات پر حاضری دینا رب کے پاس ہی جانا ہے۔دوسرے یہ کہ اللہ کے مقبولوں کو اچھے کام پر گواہ بنالینا چاہیے،ہم نے لوگوں کو کہتے سنا کہ نیکیاں مقبولوں کے سامنے کرو اور گناہ ان سے چھپاؤان سے غیرت کرو۔

۴؎ یہ کلام اظہار تعجب کے لیے ہے کہ خدایا ہم نے فلاں حاجی اور فلاں حجبن کو فسق اور بڑے بڑے گناہ گزشتہ زمانہ میں کرتے دیکھا ہے کیا یہ بھی بخش دیئے گئے۔اس سے معلوم ہوا کہ آسمان کے رہنے والے فرشتے بھی ہمارے ہر عمل سے خبردار ہیں،رب تعالٰی فرماتا ہے:"**یَعۡلَمُوۡنَ مَا تَفۡعَلُوۡنَ**"تو اگر اللہ کے حبیب گنبد خضرا میں رہتے ہوئے ہمارے ہر عمل سے خبردار ہوں اور ہماری بدکاریوں کی ستاری اور ہماری گنہگاریوں کی شفاعت اور نیک کاریوں کی دعائے قبولیت فرماتے ہوں تو کیا تعجب ہے۔

۵؎ کیونکہ یہ اگرچہ برے ہیں مگر اچھی جگہ،اچھوں کی جگہ اور اچھوں کے پاس آگئے،میں نے انہیں بھی بخش دیا کہ اچھوں کا سا تھی بھی مجرم نہیں رہتا،اور لکڑی کے سنگ لوہا بھی تیر جاتا ہے۔

۶؎ چنانچہ حاکم کی روایت میں یوں ہے کہ اے میرے حاجی بندو اگر تمہارے گناہ ریگستانوں کے ذروں،پانی کے قطروں،درختوں کے پتوں کے برابر بھی ہوں جب بھی تمہیں بخش دیا،جاؤ میں نے تمہیں بھی بخشااور جس کی تم سفارش کرو اس کو بھی بخشا۔(مرقات)اس حدیث سے معلوم ہورہا ہے کہ نویں بقر عید کو عام مسلمانوں کی بخشش ہوتی ہے حاجی ہوں یا غیر حاجی۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں قریش اور ان کا طریقہ کرنے والے مزدلفہ میں ہی ٹھہر جاتے تھے ۱؎ اور انہیں حمس(بہادر وغیرہ)کہا جاتا تھا ۲؎ باقی عرب عرفات میں ٹھہرتے تھے پھر جب اسلام آیا تو اللہ تعالٰی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ عرفات پہنچیں وہاں ہی ٹھہریں پھر وہاں سے واپس ہوں ۳؎ یہ حکم ہے اللہ عزوجل کا کہ تم وہاں سے چلو جہاں سے لوگ چلیں ۴؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ یعنی سرداران عرب خواہ قریش یا غیر قریش حج کے موقعہ پر اپنی بڑائی اس طرح ظاہر کرتے تھے کہ غریب حاجی تو عرفات پہنچتے تھے اور یہ لوگ مزدلفہ تک آکر لوٹ جاتے تھے۔

۲؎ حمس ح کے پیش سے احمس کی جمع،**حماسہ** سے بنا بمعنی سختی و بہادری اسی لیے کعبہ کو **حمساء** کہتے ہیں کہ وہ مضبوط پتھروں سے بنایا گیا،نیز وہ کہتے تھے کہ ہم حرم کے کبوتر ہیں حدود حرم سے آگے نہ بڑھیں گے۔

۳؎ کیونکہ حج کی جان اور اس کا رکن اعلیٰ تو حج کا قیام ہی ہے جس سے یہ لوگ تکبر اور فخر کی بناء پر محروم رہے اے محبوب آپ وہاں ہی قیام کریں،صرف مزدلفہ سے واپس نہ ہوں۔معلوم ہواکہ متکبر انسان کبھی بڑی رحمتوں سے محروم رہتا ہے۔
۴؎ یعنی عرفات سے جہاں سے حجاج واپس ہوتے ہیں تاکہ متکبروں کا غرور ٹوٹے۔خیال رہے کہ قبرستان اور عرفات کا میدان،جماعت نماز کی صفیں وہ مقامات ہیں جہاں سب چھوٹے بڑے برابر کردیئے جاتے ہیں۔

روایت ہے حضرت عباس ابن مرداس سے ۱؎ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفہ کی شام اپنی امت کے لیے دعائے مغفرت کی ۲؎ تو جواب ملا کہ حقوق العباد کے سوا باقی گناہ بخش دیئے مظلوم کا حق تو لوں گا ۳؎ عرض کیا یارب اگر تو چاہے تو مظلوم کو جنت دے دے اور ظالم کو بخش دے ۴؎ اس شام کو تو جواب نہ ملا مگر جب مزدلفہ میں حضور نے صبح کی تو وہ ہی دعا دوبارہ کی تب آپ کا سوال پورا کیا گیا ۵؎ راوی فرماتے ہیں تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے یا مسکرائے ۶؎ خدمت عالی میں حضرت ابوبکر و عمر نے عرض کیا ہمارے ماں باپ فدا اس گھڑی حضور ہنسا نہ کرتے تھے اللہ حضور کو خوش و خرم رکھے کیا چیز آپ کو ہنسارہی ہے ۷؎ فرمایا کہ جب اللہ کے دشمن ابلیس نے دیکھا کہ اللہ تعالٰی نے میری دعا قبول کرلی اور میری امت کو بخش دیا ۸؎ تو مٹی اٹھا کر اپنے سر پر ڈالنے لگا اور ہائے وائے پکارنے لگا ۹؎ ہم نے جو اس کی گھبراہٹ دیکھی جس سے ہمیں ہنسی آگئی ۱۰؎ (ابن ماجہ)اور بیہقی نے کتاب البعث والنشور میں اس کی مثل روایت کی ۱۱؎

۱؎ آپ کی کنیت ابوالہیثم ہے،قبیلہ بنی سلیم سے ہیں،بڑے پایہ کے شاعر تھے،فتح مکہ سے کچھ پہلے اسلام لائے،مؤلفۃ القلوب سے تھے،فتح مکہ میں آپ پانچ سو ساتھیوں کے ساتھ شریک تھے،زمانہ جاہلیت میں آپ نے اور آپ کے ساتھیوں نے اپنے پر شراب حرام کرلی تھی اور آپ اپنی قوم کے سردار تھے۔(اشعہ،مرقات)
۲؎ ظاہر یہ ہے کہ امت سے مراد تاقیامت حجاج ہیں کہ جو حج کو آئے بالکل بخشا جائے،بعض شارحین نے ساری امت مراد لی ہے اور بعض نے صرف حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کرنے والے فرمایا مگر پہلی بات قوی تر ہے۔(لمعات،مرقات)
۳؎ مظالم سے مراد حقوق العباد ہیں خواہ مالی حق ہوں یا جانی۔حق العبد وہ ہے جو بندے کے معاف کردینے سے معاف ہوجائے اور حق اللہ وہ ہے جسے بندہ معاف نہ کرسکے لہذا قتل کی سزا حق العبد ہے اور زنا کی سزا حق اللہ اور چوری کی سزا مقدمہ پہنچنے سے پہلے تو حق العبد ہے،پھر حق اللہ بن جاتی ہے یعنی حق اللہ حج سے معاف نہ ہوگا وہ تو ادا ہی کرنا ہوگا۔خیال رہے کہ یہ حج مقبول کی جزا ہے،حج مقبول ہوتا ہی وہ ہے جو نمازیں وغیرہ ادا کرکے کیا جائے لہذا اس حدیث کا مطلب یہ

نہیں ہے کہ عمر بھر تارک نماز اور شرابی،زانی رہو،حج کر آؤ،سب معاف ہوگیابلکہ پہلے ان جرموں سے صحیح توبہ کرو پھر آئندہ ان کے قریب نہ جاؤ،تو ان شاءاللہ گزشتہ کوتاہیوں کی معافی ہوجائے گی۔

۴؎ یعنی مظلوم کو جنت دے کر ظالم سے راضی کرادے کہ مظلوم ظالم کو معافی دے دے۔اپنا حق مظلوم معاف کردے اور اے مولیٰ تو اپنا حق معاف فرما دے۔خیال رہے کہ ہر حق العبد میں حق اللہ بھی داخل ہوتا ہے ہاں غالب حق العبد ہوتا ہے قاتل جیسے مقتول کا مجرم ہے ایسے ہی رب کا بھی مجرم کہ اس نے رب کا قانون توڑالہذا حدیث بالکل ظاہر ہے۔قیامت میں مظلوم کے گناہ ظالم پرڈال دینایا ظالم کی نیکیاں مظلوم کو دلوا دینا عدل ہے مگر مظلوم کو جنت دے کر راضی کردینا اور ظالم کی معافی کرادینایہ رب تعالٰی کا فضل ہے،یہاں یہ تیسری صورت مراد ہے۔

۵؎ یعنی حقوق العباد کا بھی وعدہ کرلیا گیا،اس کا مطلب وہ ہی ہے جو ابھی عرض کیا گیالہذا اگر مقروض نے ادائے قرض میں ٹال مٹول کی تھی پھر ادا کرکے حج کو گیا تو حج کی برکت سے ٹال مٹول کا گناہ معاف ہوگیا اور اگر قرض خواہ لاپتہ ہوگیا تھا یا کسی وجہ سے ابھی قرض ادا نہ کیا تھا کہ حج کرلیا تو بھی اب تک تاخیر کا گناہ معاف ہے لیکن اگر حج کے بعد بھی قرض ادا نہ کیا تو اب ٹال مٹول کا گناہ اب از سر نو شروع ہوگا۔ہاں اگر حج میں مرگیا اور بعد میں ورثاء نے بھی ادا نہ کیا مگر اس حاجی کی نیت ادا کی تھی تو امید ہے کہ معافی ہوجائے۔غرضکہ اس حدیث پر چکڑالویوں کا کوئی اعتراض نہیں،اس قسم کی امید افزاء آیات قرآن کریم میں بھی بہت ہیں،نیز حجاج کو اس حدیث کی بناء پر دلیر ہونا جائز نہیں کیا خبر کس کا حج قبول ہوا اور اس بشارت کا اہل ہو۔

۶؎ یہ شک کسی نیچے کے راوی کو ہے نہ کہ حضرت عباس کو،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام زندگی شریف میں کبھی ٹھٹھا نہ لگایا تبسم فرماتے تھے۔

۷؎ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ادائے عبادت کے موقعہ پر تبسم نہ فرماتے تھے بلکہ اکثر گریہ و زاری فرماتے تھے،اللہ تعالٰی حضور کے دندان عالی کو ہمیشہ ہی خوش رکھے،آج مزدلفہ میں سجدہ فرماکر یہ تبسم کیا۔معلوم ہوتا ہے کہ کسی کی بگڑی بنوادی،اس پر خوشی ہے۔سبحان اللہ! کیا نیارا سوال ہے اور کس خوش اسلوبی سے ہے،دعا دے کر کلام کرنا غلاموں کا طریقہ چاہیے۔

۸؎ معلوم ہوا کہ شیطان جہاں بھی ہو عالم کے ہر حال کی خبر رکھتا ہے اور ہر ظاہر و چھپی باتوں کو سنتا جانتا ہے۔ظاہر ہے کہ ابلیس اس وقت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تو تھا نہیں نہ آپ کے سجدہ کے وقت وہاں کان لگائے ہوئے تھا،وہ مردود اپنی جگہ تھامگر یہاں سے خبردار تھا،جب ناری کی یہ کیفیت ہے تو نوری جماعتوں کے علم و فضل اور باخبری کا کیا پوچھنا،رب تعالٰی ابلیس کے متعلق فرماتا ہے:"اِنَّهٗ یَرٰىكُمْ هُوَ وَ قَبِیْلُهٗ مِنْ حَیْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ"۔

۹؎ ابلیس کی یہ گریہ زاری اپنی نامرادی اور ناکامی پر تھی کہ میں عمر بھر کوشش کرکے بندوں سے گناہ کراؤں گا مگر ایک حج کر کے وہ گناہوں سے پاک و صاف ہوجائیں گے۔

۱۰؎ معلوم ہوا کہ بے دینوں کے ایسے غم پر مؤمنوں کو خوش ہونا چاہیے کہ یہ خوشی بھی عبادت ہے اور سنت بھی ہے۔

۱۱؎ یہ حدیث طبرانی ابو یعلی خطیب وغیرہ محدثین نے مختلف اسنادوں،مختلف عبارتوں سے نقل فرمائیں جن کی تمام اسنادیں ضعیف ہیں،ابن جوزی نے اسے موضوع بتایا،بیہقی نے اس حدیث کے ماتحت فرمایا کہ کوئی حاجی اس حدیث سے دھوکا نہ کھائے اور اپنے کو بالکل مغفور نہ جانے خدا سے خوف رکھے،بعض علماء نے فرمایا کہ یہ وعدہ مشیت الٰہی پر موقوف ہے،رب تعالٰی نے اعلان فرمادیا کہ:"**وَ یَغۡفِرُ مَا دُوۡنَ ذٰلِکَ لِمَنۡ یَّشَآءُ**"۔(مرقات)امام عسقلانی نے ایک کتاب لکھی ہے **قوت الحجاج فی عموم المغفرۃ للحاج** جس میں ابن جوزی کی موضوع کہنے کی تردید کی ہے اور فرمایا کہ اگرچہ اس حدیث کی اسنادیں ضعیف ہیں مگر چند ضعیف اسنادیں مل کرحدیث قوی کردیتی ہیں۔بہرحال حاجی رب تعالٰی کے کرم کی امید تو رکھے مگر مغرور نہ ہوجائے۔ذنوب کی معافی کی امید رکھے اور حقوق فورًا اداکردے خواہ حقوق شرعیہ ہو جیسے قضاء نمازیں یا حقوق عباد جیسے قرض وغیرہ۔(لمعات،اشعہ،مرقات)

باب الدفع من عرفة و المزدلفة

باب عرفہ اور مزدلفہ سے روانگی ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱یا تو دفع سے مراد نکلنا ہے نہ کہ نکالنا یا اپنی سواری کو اژدہام سے نکالنا ہے کہ ان روانگیوں میں ہجوم بہت ہوتا ہے جہاں سے حاجی بڑی ہوشیاری سے اپنی سواری کو نکالتا ہے لہٰذا سے دفع کہتے ہیں۔

روایت ہے حضرت ہشام ابن عروہ سے ۱وہ اپنے والد سے راوی فرماتے ہیں کہ اسامہ ابن زید سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع میں جب عرفہ سے روانہ ہوئے تو کس چال سے چلتے رہے فرمایا آپ قدرے تیز چلتے رہے(دلکی)پھر جب کھلا راہ پاتے تو زیادہ تیز چلتے(میدانی)۲(مسلم،بخاری)	

۱ ہشام بھی تابعی ہیں اور ان کے والد عروہ ابن زبیر ابن اعوام بھی تابعی ہیں،عروہ ابن زبیر مدینہ منورہ کے سات مشہور فقہاء سے ہیں،آپ کا کنواں اور باغ بیر عروہ کی فقیر نے زیارت کی ہے،اس کا پانی بھی پیا ہے۔

۲ **فجوہ** کے معنی ہیں کشادگی اور کھلی جگہ،رب تعالٰی فرماتاہے:"**وَ هُمۡ فِیۡ فَجۡوَۃٍ مِّنۡهُ**"اصحاب کہف غار کی کھلی جگہ میں ہیں،نص اور عنق اونٹ کی رفتاروں کے نام ہیں۔نص عنق سے زیادہ تیز ہوتی ہے جیسے گھوڑے کی رفتاروں کے نام دلکی،میدان،سرپٹ وغیرہ ہیں۔خلاصہ یہ ہے کہ عام حالت میں معمولی رفتا رپر چلایااور اگر کوئی جگہ خالی ملی تو تیز رفتار سے تاکہ حتی الامکان اگلے مقام پر جلد پہنچ کر عبادات کریں یہ بھی سبقت الی الخیرات کی قسم ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ آپ عرفہ کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ واپس ہوئے ۱نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیچھے اونٹوں کو سخت ڈانٹ ڈپٹ اور مار سنی۲تو انہیں اپنے کوڑے سے اشارہ فرمایا اور حکم دیا کہ اے لوگو اطمینان اختیار کرو تیز دوڑنے میں خوبی نہیں۳(بخاری)	

۱عرفات سے مزدلفہ کی طرف چلے دسویں ذوالحجہ کی شب کو،چونکہ یہ شب بھی نویں تاریخ میں داخل ہےاس لیے اسے یوم عرفہ فرمایا گیا،بعض لوگوں نے یوم عرفہ سے دھوکا کھایا اور منٰی سے عرفات کی روانگی سمجھے یہ غلط ہے۔(مرقات)دسویں ذی الحجہ کی شب میں جو عرفات پہنچ جائے اسے حج مل جاتا ہے۔

۲؎ کہ حجاج اونٹوں کو دوڑانے کے لیے انہیں ڈانٹ ڈپٹ و مار کررہے تھے۔
۳؎ یعنی اس جگہ اونٹ دوڑانا ثواب نہیں بلکہ خطرہ ہے کہ گناہ بن جائے کہ ہجوم زیادہ ہے تیز دوڑانے میں حجاج کے کچل جانے چوٹ کھا جانے کا خطرہ ہے،بلکہ ثواب تو اطمینان سے اراکان ادا کرنے میں ہے،اب بھی حجاج کو چاہیے کہ وہ بھاگ دوڑ سے بچیں۔

روایت ہے ان ہی سے کہ حضرت اسامہ ابن زید عرفہ سے مزدلفہ تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ردیف (پیچھے سوار)رہے پھرحضور انور نے مزدلفہ سے منٰی تک حضرت فضل کو پیچھے بٹھالیا۱؎ان دونوں صاحبوں نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جمرہ عقبہ کو کنکر مارنے تک تلبیہ کہتے رہے ۲؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ خلاصہ یہ ہے کہ عرفات سے منٰی تک دو حضرات کو آگے پیچھے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہمرکابی کی سعادت میسر ہوئی،عرفات سے مزدلفہ تک حضرات اسامہ ابن زید ابن حارث رضی اللہ عنہ حضور انور کے ساتھ حاضر تھے اور مزدلفہ سے منٰی تک حضرت فضل ابن عباس کو اس کا شرف ملا،چونکہ حضور انور کی ہمرکابی اعلٰی درجہ کا شرف ہے،نیز اس قرب سے حضور کے اعمال طیبہ بخوبی معلوم ہوسکتے ہیں اس لیے یہ واقعہ بیان فرمایا۔
۲؎ معلوم ہوا کہ حج کا تلبیہ دسویں ذی الحجہ رمی جمرہ عقبہ تک رہتا ہے یہاں پہلا کنکر مارتے ہی تلبیہ ختم ہوجاتا ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدلفہ میں مغرب و عشاء جمع کرکے پڑھیں ۱؎ کہ ان میں سے ہر نماز علیحدہ تکبیر سے ادا کی اور نہ ان کے درمیا ن نفل پڑھے اور نہ ان میں سے کسی نماز کے پیچھے ۲؎(بخاری)	

۱؎ اس طرح کہ مغرب عشاء کے وقت میں پڑھی کہ وہاں آج مغرب کا وقت یہ ہی ہے،اگر کوئی عرفات میں یا راستہ میں نماز مغرب پڑھ بھی لے گا تو نہ ہوگی کہ اس نے وقت سے پہلے پڑھ لی۔خیال رہے کہ عرفات شریف میں تو عصر اپنے وقت سے آگے پڑھتے ہیں کہ ظہر کے وقت میں پڑھی جاتی ہے اس لیے وہاں دونوں نمازوں کے لیے تکبیریں بھی دو ہوں گی اور جو حاجی جماعت امام کے ساتھ پڑھے گا وہ ہی جمع صلوتین کرے گا مگر مزدلفہ میں نماز مغرب پیچھے ہٹ گئی کہ عشاء کے وقت میں پڑھی گئی تو خواہ باجماعت نماز پڑھے یا علیحدہ اور خواہ امام کے ساتھ جماعت پڑھے یا اپنی جماعت علیحدہ کرے،بہرحال جمع صلوتین کرے گا۔خلاصہ یہ ہے کہ عرفات میں دونوں نمازوں کے لیے اذان ایک اور اقامت دو ہوں گی۔
۲؎ یہ مذہب امام زفر کا ہے کہ مزدلفہ میں بھی مغرب و عشاء دو تکبیروں سے پڑھے ان کی دلیل یہ حدیث ہے،باقی آئمہ فرماتے ہیں کہ یہاں اذان بھی ایک ہوگی اور تکبیر بھی ایک،ان کی دلیل وہ احادیث ہیں جو مسلم شریف نے حضرت سعید ابن جبیر سے اور ابن ابی شیبہ نے حضرت جابر سے روایت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں ایک اذان ایک اقامت

سے دونوں نمازیں پڑھیں وہ احادیث مطابق قیاس ہیں اور یہ حدیث بخاری خلاف قیاس لہذا ان روایات کو ترجیح ہے کیونکہ تکبیر لوگوں کو جمع کرنے کے لیے ہوتی ہے لوگ پہلی اذان و تکبیر پر جمع ہوچکے ہیں اور نماز عشاء کا وقت بھی ہے تو ظاہر ہے کہ بغیر عشاء پڑھے نہ متفرق ہوں گے مگر عرفات میں ظہر اپنے وقت میں ہے اندیشہ ہے کہ لوگ سلام پھیرتے ہی چل دیں گے اس لیے تکبیر فورًا ہی کہہ دی جائے کہ عصر بھی ابھی ہورہی ہے جاؤ مت،بہرحال مذہب آئمہ قوی ہے،امام طحطاوی نے امام زفر کا مذہب اختیار کیا ان دونوں نمازوں کے درمیان یا بعد میں نوافل و سنن وغیرہ ہرگز نہ پڑھے کہ یہ ہی سنت ہے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی نہ دیکھا کہ آپ نے کوئی نماز غیر وقت میں پڑھی ہو۱؎ سواء دو نمازوں کے مزدلفہ میں تو مغرب و عشاء ۲؎ اور اس دن نماز فجر اپنے وقت معہود سے پہلے پڑھ لی ۳؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ یہ حدیث امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی دلیل ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی سفر میں جمع بین الصلوتین نہ کیا یعنی چند نمازیں بیک وقت نہ پڑھیں،وہاں جمع صوری تھا کہ ظہر آخر وقت میں پڑھی اور عصر اول وقت میں،رہا غزوۂ خندق میں چند نمازیں یکدم پڑھنا وہ جمع نہ تھا بلکہ قضاء پڑھی گئی تھیں،جمع اور ہے قضاء کچھ اور۔

۲؎ یعنی مزدلفہ میں مغرب و عشاء کو حقیقتًا جمع فرمایا کہ مغرب عشاء کے وقت میں پڑھی اور دوسری عرفات میں کہ وہاں عصر ظہر کے وقت میں پڑھی،چونکہ وہ جمع صلوتین دن میں اور سب کے سامنے ہواتھا اسی لیے اس کا علیحدہ نام نہ لیا اور مزدلفہ میں نمازوں کا اجتماع رات میں تھا جس میں سارے حجاج جمع نہ تھے اس لیے صرف اس کا ذکر صراحۃً علیحدہ بھی کردیا لہذا حدیث واضح ہے دو نمازوں سے مراد عرفہ و مزدلفہ کی نمازیں ہیں۔

۳؎ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ فجر خوب اجیالا میں پڑھتے تھے مگر آج مزدلفہ میں پو پھٹنے کے بعد اندھیرے میں پڑھی،یہ حدیث امام اعظم قدس سرہ کی قوی دلیل ہے کہ ہمیشہ فجر اجیالہ میں پڑھی جائے،صرف مزدلفہ میں اندھیرے منہ پڑھے کیونکہ اگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ ہی نماز فجر پو پھوٹتے ہی پڑھتے ہوتے تو آج وقت معتاد سے پڑھنے کے کیا معنی،کیا وقت سے پہلے پڑھ لی ہرگز نہیں لہذا قول احناف قوی ہے،یہاں تمام آئمہ کے ہاں وقت سے مراد وقت معتاد ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ میں ان لوگوں میں تھا جنہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدلفہ کی رات ضعیف بال بچوں کے ساتھ آگے بھیج دیا ۱؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ **ضعفہ** جمع ضعیف کی ہے بمعنی کمزور،اس سے مراد چھوٹے بچے اور عورتیں ہیں یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دسویں بقر عید کی رات میں اپنے گھر والی بیبیاں اور چھوٹے بچے رات ہی میں مزدلفہ سے منٰی روانہ کردیئے تاکہ صبح کو بھیڑ بھاڑ میں تکلیف نہ ہو اور یہ حضرات منٰی میں پہلے پہنچ کرآرام سے خیمہ میں پہنچ جائیں،اب بھی یہ جائز ہے مگر طاقتور لوگوں کو

یہ ساری رات مزدلفہ میں گزارنی ہوگی،بعد نماز فجر سورج نکلنے سے کچھ پہلے یہاں سے روانہ ہوں گے۔مسلم،بخاری میں ہے کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا بھاری جسم تھیں وہ بھی نصف رات کے بعد مزدلفہ سے روانہ ہوگئیں حضور سے پوچھ کر،یہ عذر کی بنا پر اجازت ہے۔

	روایت ہے انہی سے وہ حضرت فضل ابن عباس سے راوی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ردیف تھے کہ حضور انور نے عرفہ کی شام اور مزدلفہ کے سویرے جب لوگ روانہ ہوئے تو ان سے فرمایا سکون اختیار کرو حضور خود بھی اپنی اونٹنی کی لگام کھینچے ہوئے تھے[1] حتی کہ وادی محسر میں داخل ہوگئے جو منٰی کا ہی حصہ ہے[2] فرمایا کنکریاں چن لو ٹھیکریوں کی طرح جن سے جمرہ کو مارا جائے[3] اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمرہ کی رمی تک تلبیہ کہتے رہے۔(مسلم)

[1] یعنی ان دونوں روانگیوں میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حجاج کو اطمینان سے آہستہ چلنے کا حکم دیا عرفہ سے مزدلفہ آتے وقت اور پھر صبح کو مزدلفہ سے منٰی آتے وقت اگر یہ اطمینان نہ ہو تو بہت لوگ کچل کر مرجائیں،اب تو بسیں چلتی ہیں مگر وہ بھی دو تین میل فی گھنٹہ کی رفتار سے پھر بھی ٹھہرتی ہوئی۔

[2] یہ راوی کی تفسیر ہے علماء کے اس کے متعلق مختلف خیال ہیں۔بعض کے نزدیک یہ منٰی میں داخل ہے بعض کے خیال میں مزدلفہ میں بعض کہتے ہیں کہ یہ ان دونوں کے درمیان برزخ ہے،یہ تیسرا قول ہی قوی ہے اور اس جملے کے معنی یہ ہیں کہ وہ منٰی سے قریب ہے۔(لمعات،اشعہ و مرقات)منٰی جمرہ عقبہ سے وادی محسر تک کے علاقہ کا نام ہے اس طرح یہ دونوں حدود منٰی سے خارج ہیں۔(مرقات)

[3] خذف چٹکی سے پھینکنے کو کہتے ہیں پھر ٹھیکری کو کہنے لگے کہ وہ چٹکی سے ہی پھینکی جاتی ہے ان کنکروں کی مقدار باقلا کے دانہ کے برابر چاہیے۔بہتر یہ ہے کہ وادی محسر سے چنے جائیں اگر مزدلفہ سے ہی چن لیے گئے تب بھی جائز ہے ستر ۷۰ کنکر لیے جائیں جو سات دسویں ذی الحجہ کو کام آویں اور ۶۳ گیارہویں،بارہویں،تیرھویں کو کیونکہ آج صرف جمرہ عقبہ کی رمی ہوگی،ان تواریخ میں تینوں جمروں کی ہر جمرہ پر سات کنکر،بعض بے وقوف بڑے بڑے پتھر بلکہ جوتے مارتے ہیں اور شیطان کو گالیاں دیتے جاتے ہیں،یہ جہالت ہے،خیال رہے کہ یہاں جمرہ سے مراد جنس جمرہ ہے۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مزدلفہ سے یوں روانہ ہوئے کہ آپ پر نہایت سکون و اطمینان تھا اور لوگوں کو بھی سکون کا ہی حکم دیا اور وادی محسر میں سواری کچھ تیز کی[1] اور انہیں حکم دیا کہ ٹھیکریوں کی سی کنکریوں سے رمی کریں اور فرمایا شاید تمہیں اس سال کے بعد نہ دیکھوں گا[2] میں نے یہ حدیث مسلم،بخاری میں نہ

	پائی صرف ترمذی میں پائی وہ بھی کچھ تقدیم و تاخیر سے۳؎

۱؎ یعنی مزدلفہ سے منٰی تک کا بقیہ راستہ تو آہستگی سے طے فرمایا مگر یہ مقام قدرے تیزی سے،اس کی وجہ پہلے بیان کی جاچکی ہے مگر یہ تیزی بھی ایسی نہ تھی جس سے لوگوں کو تکلیف ہو اسی لیے اوضع فرمایا،ایضاع کے معنی ہیں جانور کو ایڑھ لگانا تاکہ وہ قدرے تیز ہوجائے۔

۲؎ یعنی یہ ہمارا آخری حج ہے بلکہ مکہ مکرمہ کی حاضری بھی آخری ہے اور ہماری حیات کا آخری سال ہے،جو کچھ سیکھنا ہے ہم سے جلد سیکھ لو،اے مشتاق آنکھوں دیدار محبوب سیر ہوکر کرلو،پھر ترسو گے۔یہ لَعَلَّ یقین کے لیے ہے جیسے قرآن کریم میں جگہ جگہ لَعَلَّ فرمایا گیا اور دیکھنے سے مراد ان ظاہری آنکھوں سے دیکھنا ہے،ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بعد وفات بھی عالم کے ذرہ ذرہ کو ملاحظہ فرمارہے ہیں جس پر بہت دلائل قائم ہیں،دیکھو ہماری کتاب"جاءالحق"حصہ اول انہی الفاظ کی بنا پر اس حج کا نام حجۃ الوداع ہوا کہ حضور نے اس میں اپنے وداع کی خبر دی اور امت کو وداع فرمایا اور ہوا بھی ایسا ہی کہ چند ماہ بعد یعنی بارہویں ربیع الاول کو وفات ہوگئی۔خیال رہے کہ ذی الحجہ ۱۰ھ میں حجۃ الوداع ہوا اور ربیع الاول ۱۱ھ میں وفات تین مہینہ بعد ۔

۳؎ اس میں مصنف پر دو اعتراض ہیں:ایک یہ کہ مصنف ترمذی کی حدیث فصل اول میں لے آئے،یہ ان کے قاعدہ کے خلاف ہے وہ فصل اول میں صرف شیخین کی روایات لاتے ہیں۔دوسرے یہ کہ روایت ترمذی کی بھی ترتیب الفاظ بدلی ہوئی ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت محمد ابن قیس ابن مخرمہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا تو فرمایا کہ جاہلیت والے جب عرفہ سے چلتے تھے۱؎ جب کہ سورج ایسا ہوجاتا تھا جیسے لوگوں کی پگڑیاں ان کے چہروں میں۲؎ غروب سے پہلے اور مزدلفہ سے آفتاب چمکنے کے بعد جب کہ دھوپ ایسی ہوتی جیسے لوگوں کی پگڑیاں ان کے چہروں میں اور ہم عرفہ سے سورج ڈوبنے تک روانہ ہوں گے اور مزدلفہ سے سورج نکلنے سے پہلے چلیں گے ہمارا طریقہ بت پرستوں اور مشرکوں کے خلاف ہوگا ۳؎ (بیہقی)وہاں یہ بھی روایت کی کہ ہم پر حضور نے خطبہ ارشاد کیا پھر اس کی مثل روایت کی ۴؎

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خطبہ عرفات میں دیا کیونکہ وہاں ارکان حج سکھائے جاتے ہیں اور ہوسکتا ہے کہ حج سے پہلے کسی جمعہ میں ارشاد فرمایا ہوتا کہ حج کو جانے والے ابھی سے احکام سیکھ لیں،اہلِ جاہلیت سے مراد قریش کے سواء دیگر کفار ہیں،قریش توعرفات جاتے ہی نہ تھےمزدلفہ سے ہی لوٹ جاتے تھے۔

۲؎ یعنی آفتاب ڈوبنے سے کچھ پہلے وہ عرفات سے روانہ ہوجاتے تھے جب سورج کنارہ مغرب میں پہنچ جاتا اور اس کی دھوپ چہروں پر ایسی ہلالی پڑتی تھی جیسے پیشانی پر عمامہ کا حصہ یعنی سروں پر دھوپ نہ رہتی صرف چہروں پر اس طرح رہتی یا مطلب یہ ہے کہ پہاڑوں پر دھوپ ایسی پڑتی تھی جیسے چہروں پر پگڑی کا کنارہ،عمامہ کی شکل نصف کرہ کی ہےایسے ہی پہاڑوں پر دھوپ کی شکل ہوجاتی تھی۔

۳؎ خلاصہ یہ ہے کہ مشرکین عرفات سے سورج ڈوبنے سے پہلے چلتے تھے اور مزدلفہ سے سورج نکلنے کے بعد اسلام میں اس کے برعکس ہے کہ عرفات سے سورج ڈوبنے کے بعد چلتے ہیں تاکہ وہاں ہی رات کی ایک ساعت بھی گزر جائےاور مزدلفہ سے سورج نکلنے سے پہلے روانہ ہوجائیں کیونکہ پو پھٹنے پر دن نکل آتا ہے،رات و دن کا اجتماع عرفہ میں بھی کریں گے اور مزدلفہ میں بھی۔مرقات میں ہے کہ اکثر علماء کے ہاں دن چھپے تک عرفہ میں رہنا واجب ہے اور دن نکلتے وقت تک مزدلفہ میں ٹھہرنا سب کے ہاں سخت مکروہ ہے۔

۴؎ یہاں مشکوۃ شریف میں سفیدی چھوڑی ہوئی ہے یعنی مؤلف کو یہ حدیث کہیں نہیں ملی،مگر شیخ ابن حجر اور جزری نے فرمایا کہ یہ حدیث بیہقی شعب الایمان میں ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم بنی عبدالمطلب کے بچوں کو خچروں پر سوار کرکے آگے روانہ کردیا حضور انور ہماری رانوں کو ہاتھ لگاتے ۱؎ اور فرماتے تھے بچو سورج نکلنے سے پہلے جمرہ کو کنکر نہ ماریو ۲؎ (ابوداؤد،نسائی ابن ماجہ)

۱؎ یلطح لطحٌ سے بنا،اس کے معنی ہتھیلی سے تھپکورنا۔اس سے معلوم ہوا کہ خچر پر حج کرنا بلاکراہت جائز ہے۔

۲؎ یعنی تم اگرچہ رات ہی میں منٰی پہنچ جاؤ گے مگر جمرہ کی رمی آفتاب نکلنے کے بعد کرنا۔امام شافعی کے ہاں آدھی رات کے بعد رمی جائز ہےاور امام ابوحنیفہ و احمد کے ہاں پو پھٹنے کے بعد رمی جائز ہے مگر امام صاحب کے ہاں مستحب یہی ہے کہ آفتاب نکلنے کے بعد رمی کی جائے،یہ حدیث امام صاحب کی دلیل ہے اور امام شافعی صاحب کے خلاف۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ کو بقر عید کی رات بھیج دیا ۱؎ انہوں نے فجر سے پہلے جمرہ کے کنکر مارلیے ۲؎ پھر وہ چلی گئیں تو طواف زیارت کرلیا ۳؎ یہ دن وہ تھا جس دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس قیام فرما ہوتے تھے ۴؎ (ابوداؤد)

۱؎ یعنی دسویں بقرعید کی شب مزدلفہ سے منٰی روانہ فرمادیا مع بچوں اور دوسری ازواج کے جیسا کہ پہلے گزر چکا۔
۲؎ ظاہر یہ ہے کہ فجر سے مراد نماز فجر ہے نہ کہ وقت فجر یعنی حضرت ام سلمہ نے پو پھٹنے کے بعد پہلے جمرہ عقبہ کی رمی کی پھر نماز فجر پڑھی لہذا یہ حدیث گزشتہ حدیث کے خلاف نہیں جس میں فرمایا گیا تھا کہ آفتاب نکلنے سے پہلے رمی نہ کرنا کہ وہاں بیان استحباب تھا اور یہاں جواز پر عمل ہے۔ جن بزرگوں نے فرمایا ہے کہ رات میں بھی رمی جائز ہے نصف شب کے بعد یہ حدیث ان کی دلیل نہیں اور نہ حنفیوں کے خلاف،وقت رمی صبح صادق سے شروع ہوتا ہے۔خیال رہے کہ حج کے احکام میں آئندہ راتیں دن میں شمار ہوتی ہیں نہ کہ گزشتہ راتیں،دیکھو نویں تاریخ کے بعد والی شب میں عرفات میں ٹھہر جانے سے حج مل جاتاہے لیکن اس سے پہلی رات میں حج نہیں ملتا،ایسے ہی گیارھویں بقرعید کی شب دسویں میں شمار ہوگی کہ اگر اس میں جمرہ عقبہ کی رمی کی گئی تو ہوجائے گی اگرچہ مکروہ ہوگی مگر دسویں کی شب میں رمی درست ہی نہ ہوگی۔
۳؎ طواف زیارت کا وقت دسویں بقر عید کی صبح سے بارھویں کی مغرب تک ہے مگر دسویں کو کرلینا بہت بہتر ہے۔
۴؎ یعنی حضرت ام سلمہ نے ان کاموں میں جلدی اس لیے کی کہ آج حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام ان کے ہاں تھا تو آپ نے چاہا کہ ان عبادات سے جلد فارغ ہوجائیں تاکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اچھی طرح کرسکیں کہ وہ تمام عبادات سے افضل ہے،دیگر ازواج کی چونکہ باری نہ تھی اس لیے انہوں نے دن چڑھے اطمینان سے رمی کی۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہی کہ مقیم یا عمرہ کرنے والا حجر اسود چومنے تک تلبیہ کہے۱؎(ابوداؤد)ابوداؤد نے فرمایا یہ حضرت ابن عباس سے موقوفًا مروی ہے۔	

۱؎ یہ اَوْ راوی کے شک کی بنا پر ہے کہ سیدنا عبداللہ ابن عباس نے **مقیم** فرمایا یا**معتمر**۔(لمعات)اور ہوسکتا ہے کہ **مقیم** سے مراد وہ شخص ہو جو مکہ مکرمہ میں ٹھہرا ہوا ہوخواہ وہاں کا باشندہ ہو یا باہر کا آدمی ٹھہر گیااور **معتمر** سے مراد وہ ہے جو باہر سے عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ معظّمہ وارد ہوا،دونوں سے مراد عمرہ کرنے والے ہی ہیں یعنی عمرہ والا کوئی بھی ہو مکہ کا یا باہر کا سنگ اسود چومتے ہی تلبیہ ختم کردے جیسے کہ حاجی جمرہ عقبہ کی رمی پر تلبیہ ختم کرتا ہے۔مرقات میں یہ حدیث اس باب میں تبعًالائی گئی کہ اس سے حج کے تلبیہ بند کرنے کا حکم اشارۃً معلوم ہوتا ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت یعقوب ابن عاصم ابن عروہ سے کہ انہوں نے حضرت شرید کو فرماتے سنا۱؎ کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عرفات چلا تو آپ کے قدم شریف زمین سے نہ لگے حتّٰی کہ مزدلفہ میں پہنچ گئے ۲؎(ابوداؤد)	

۱؎ یعقوب ابن عاصم ابن عروہ ابن مسعودتابعی ہیں،ثقفی ہیں اور شرید ابن سوید کا نام مالک ہے،یہ زمانہ جاہلیت میں اپنی قوم کا ایک آدمی قتل کرکے مکہ بھاگ آئے تھےاس لیے ان کا لقب شرید ہوگیا۔(مرقات)

۲؎ یعنی سرکار عرفات سے مزدلفہ تک پیدل چلنے کے لیے کہیں نہ اترے سواری پر ہی رہے لہذا یہ حدیث اس روایت کے خلاف نہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اس راہ میں ایک جگہ پیشاب کے لیے اترے،استنجاء فرماکر وضو کیا،عرض کیا گیا،حضور نماز مغرب ؟ فرمایا نماز آگے ہے،چونکہ یہاں چلنے کے لیے اترنے کی نفی ہے اور وہاں حاجت کے لیے اترنے کا ثبوت۔خیال رہے کہ پیدل حج کا بہت ثواب ہے کہ ہر قدم پر سات کروڑ نیکیاں کا وعدہ ہے اور سواری پر حج سنت رسول ہے ثواب اس کا زیادہ تقرب اس میں زیادہ جیسے بعد وتر نفل کھڑے ہو کر پڑھنے کا ثواب زیادہ اور بیٹھ کر پڑھنے کا تقرب زیادہ کہ سرکار یہ نفل بیٹھ کر ہی پڑھتے تھے،یہاں پیدل حج سے مراد مکہ مکرمہ سے عرفات جانا آنا ہے نہ کہ گھر سے پیدل جانا۔

روایت حضرت ابن شہاب سے فرماتے ہیں مجھے سالم نے خبر دی کہ جس سال حجاج ابن یوسف نے حضرت زبیر پر حملہ کیا ۱؎ تو اس نے حضرت عبداللہ سے پوچھا کہ ہم عرفہ کے دن قیام گاہ میں کیا کریں سالم نے فرمایا کہ اگر تو سنت پر عمل چاہتا ہے تو عرفہ کے دن نماز ظہر دوپہری میں ہی پڑھ ۲؎ اس پر عبداللہ ابن عمر نے فرمایا یہ سچے ہیں صحابہ کرام بطریق سنت ظہر و عصر جمع کرکے پڑھتے ۳؎ تھے تو میں نے سالم سے پوچھا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ عمل کیا ہے تو سالم نے فرمایا کہ صحابہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہی کی پیروی کرتے تھے ۴؎ (بخاری)

۱؎ ابن شہاب امام زہری کی کنیت ہے اور سالم عبداللہ ابن عمر کے فرزند ہیں،حجاج ابن یوسف ثقفی مشہور ظالم حاکم گزرا ہے جو عبدالملک ابن مروان کی طرف سے حجاز کا گورنر تھا،اس نے ایک لاکھ چوبیس ہزار آدمی باندھ کر قتل کرائے۔(مرقات)جو جنگوں میں مارے گئے وہ اس کے علاوہ ہیں،اس نے عبداللہ ابن زبیر پر حملہ کیا تھا جو کہ مکہ مکرمہ اور عراق کے بادشاہ بن چکے تھے انہیں سولی دی،عبدالملک نے اسی سال اسے حکم دیا تھا کہ تو حج پر جا اور عبداللہ ابن عمر کی پیروی کر،ہر کام ان سے پوچھ کر کرنا،کسی کام میں ان کی مخالفت نہ کرنا تب اس نے آپ سے پوچھا۔

۲؎ یعنی روزانہ ظہر ٹھنڈے وقت میں پڑھتے ہیں مگر نویں ذی الحجہ عرفات میں دوپہری میں زوال ہوتے ہی پڑھ لو۔

۳؎ یعنی عرفہ میں دو کام نئے ہوں گے:ایک ظہر جلدی پڑھنا،دوسرے ظہر کے وقت میں عصر پڑھنا۔

۴؎ یعنی ابن شہاب(امام زہری)نے حضرت سالم سے پوچھا کہ عرفات میں ظہر جلد پڑھنا اور عصر و ظہر ملا کرپڑھنا صرف صحابہ کا اپنا اجتہادی عمل تھا یا سنت رسول اللہ بھی ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ سنت ہے۔خیال رہے کہ حضرت سالم اور حضرت عبداللہ ابن عمر کا اس موقعہ پر صحابہ کا عمل پیش فرمانا اس لیے تھا کہ حجاج ظالم کو انکار کی گنجائش نہ رہے۔عمل عام کی مخالفت آسان نہیں ہوتی،سیدنا عبداللہ ابن عمر کو حجاج ہی نے ایک حیلہ سے شہید کرادیا کہ آپ کے پاؤں شریف میں زہر آلودہ برچھی بہانہ سے چبھوادی،علیہ ماعلیہ۔(مرقات)

باب رمی الجمار

باب،رمی جمروں کی۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ جمار جمرہ کی جمع ہے،عربی میں جمرہ چھوٹے کنکر یا سنگریزے کو کہتے ہیں مگر حج کے موقعہ پر ان سنگریزوں کو جمرہ کہا جاتا ہے جو دسویں،گیارھویں،بارہویں بلکہ تیرھویں ذی الحجہ کو تین ستونوں پر مارے جاتے ہیں،پھر خود ان ستونوں کو جمرہ کہا جانے لگاجنہیں یہ کنکر مارے جاتے ہیں کیونکہ وہاں ان کنکروں کا اجتماع ہوتا ہے۔بعض لغت والے کہتے ہیں کہ اجمار کے معنی ہیں جلدی کر نا،تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ جن حجاج کے کنکر قبول ہوجاتے ہیں وہ غائب کردیئے جاتے ہیں صرف غیر مقبول کنکر ہی وہاں رہتے ہیں ورنہ وہاں ہر سال کنکر یوں کے پہاڑ لگ جایا کرتے۔اشعۃ المعات میں لکھا ہے کہ ان مقامات میں آدم علیہ السلام نے ابلیس کو کنکر مارے تھے جس سے وہ تیزی سے دوڑ گیا تھا یہ انہی کی نقل ہے،بعض روایات میں ہے کہ یہاں اسمٰعیل علیہ السلام نے شیطان کو کنکر مارے تھے،بہرحال یہ فعل بھی بزرگوں کی نقل ہے۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بقرعید کے دن اپنی سواری پر رمی کر تے دیکھا۱؎ آپ فرماتے جاتے تھے اپنی ارکان حج سیکھ لو مجھے خبر نہیں شاید میں اس حج کے بعد حج نہ کروں ۲؎ (مسلم)

۱؎ تمام آئمہ کے ہاں سواری پر رمی کرنا جائز ہے البتہ افضلیت میں فرق ہے،امام ابویوسف فرماتے ہیں کہ جس رمی کے بعد اور بھی رمی ہو وہ رمی پیادہ افضل کیونکہ اس وقت دعا مانگنا سنت ہے اور دعا میں خشوع خضوع پیادہ ہونے سے زیادہ ہوگا اور جس رمی کے بعد دوسری رمی نہیں وہ سواری پر افضل کیونکہ اس کے بعد کوئی دعا نہیں،یہ مسئلہ امام ابویوسف نے اپنے نزع کی حالت میں ابراہیم ابن جراح کے سوال پر بیان فرمایا اور اس پر اسی وقت آپ کا انتقال ہوگیا،طرفین کے ہاں تمام رمی اس حدیث کی وجہ سے سوار ہوکر افضل،امام ابویوسف نے اس سواری کو تعلیم پر معمول فرمایا،امام شافعی کے ہاں دسویں ذی الحجہ کو اگر منٰی میں سوار ہوکر پہنچا تو سوار ہوکر رمی افضل اور اگر پیادہ پہنچا تو رمی پیادہ افضل۔گیارہویں،بارہویں کو پیادہ افضل اور تیرھویں کو سوار افضل۔واللہ اعلم!(مرقات،اشعہ و لمعات) خلفاءراشدین کا عمل مختلف رہا ہے،بعض نے پیدل رمی کی بعض نے سواری پر۔

۲؎ یعنی مجھے خبر ہے کہ میری وفات قریب ہے اگلا حج میری زندگی میں نہ آئے گا مگر یہ خبر درایت یعنی اٹکل و قیاس سے نہیں بلکہ وحی الٰہی سے ہے اس لیے لَااَدْرِی بھی فرمایا اور لاحج بھی۔ درایت اٹکل و قیاس کے علم کو کہتے ہیں اسی لیے خدا

کے علم کو درایت نہیں کہا جاتا،رب تعالٰی فرماتا ہے:"مَا كُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْكِتٰبُ وَ لَا الْاِیْمٰنُ"۔تم اٹکل و قیاس سے کتاب و ایمان کو نہیں جانتے تھے ورنہ نبی کبھی ایمان سے بے خبر نہیں ہوتے،عیسٰی علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی فرمایا تھا انی عبداللہ۔

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے جمرہ کو ٹھیکری کے برابر کنکروں سے رمی کیا ۱؎(مسلم)	

۱؎اس کی شرح ابھی گزر چکی کہ یہ کنکر باقلا کے دانہ سے لے کر چھوہارے کی گٹھلی یا انگلی کے پورے کے برابر ہوں اور بہتر یہ ہے کہ اسے کلمہ کی انگلی پر رکھ کر انگوٹھے کے سرے سے پھینکے مگر اب یہ کثرت ہجوم کی وجہ سے مشکل ہے۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بقر عید کے دن دوپہر کے وقت جمرہ کی رمی کی مگر اس کے بعد سورج ڈھل جانے پر ۱؎(مسلم،بخاری)	

۱؎اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دسویں ذی الحجہ کو زوال سے پہلے رمی کرلے اور گیارھویں بارہویں کو زوال کے بعد،فتح القدیر میں ہے کہ ان دو تاریخوں میں زوال سے پہلے رمی کا وقت ہوتا ہی نہیں،ہاں امام ابوحنیفہ رحمۃاللہ علیہ سے ایک غیر مشہور سی روایت ہے کہ ان دو دنوں میں زوال کے بعد رمی افضل ہے اور پہلے بھی جائز۔بخاری شریف میں عبداللہ ابن عمر سے روایت ہے کہ ہم تمام صحابہ سورج ڈھلنے کا انتظار کرتے تھے،ڈھلنے پر رمی کرتے تھے،امام ماوردی نے اس جگہ مسئلہ اجماع بیان فرمایا،تیرھویں ذی الحجہ کو بالاتفاق زوال سے پہلے بھی جائز ہے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے کہ وہ بڑے جمرہ پر پہنچے تو بیت اللہ کو اپنے بائیں اور منٰی کو اپنے دائیں رکھا اور سات کنکریاں ماریں ۱؎کہ ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہتے تھے پھر فرمایا اسی طرح انہوں نے رمی کی جن پر سورۂ بقرہ اتری ۲؎(مسلم،بخاری)	

۱؎آپ نے جمرہ عقبہ کی اس رخ پر کھڑے ہوکر رمی کی اور باقی جمرہ کی روبقبلہ ہوکر،یہی ہمارے ہاں مستحب ہے جمہور کا یہی قول ہے ان کا ماخذ یہ حدیث ہے،بعض کے نزدیک ہر جمر ہ کی رمی رو بقبلہ ہوکر کی جائے،امام شافعی کے ہاں جمرہ عقبہ کی رمی کعبہ کو پشت کرکے کی جائے،یہ حدیث ان سب کے خلاف ہے۔

۲؎ساتھ سے مراد متصل ہے لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جس میں ہے کہ ہرکنکری کے بعد تکبیر کہی، رب تعالٰی بلقیس کا قول نقل فرماتا ہے"اَسْلَمْتُ مَعَ سُلَیْمٰنَ"یہاں بھی معیت سے اتصال مراد ہے،سیدنا عبداللہ ابن عمر ہر کنکر پر یہ پڑھتے تھے "اَللّٰہُ اَکْبَرَ اَللّٰہُ اَکْبَرَ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْہُ حَجًّا مَبْرُوْرًا وَذَنْبًا مَغْفُوْرًا وَ عَمَلًا مَشْکُوْرًا"اور فرماتے تھے کہ میں نے نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا،چونکہ ارکان حج زیادہ سورۂ بقر میں ہیں اس لیے سورۂ بقر کا ذکر کیاورنہ حضور پر سارا ہی قرآن اترا ہے۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے استنجا طاق بار ہے ۱؎ جمروں کی رمی طاق بار اور صفا مروہ کے درمیان دوڑنا طاق بار اور طواف طاق بار ۲؎ اور جب تم میں سے کوئی ڈھیلے لے تو طاق بار ۳؎ (مسلم)	

۱؎ یہ حکم استحبابی ہے یعنی پاخانہ کے استنجاء میں تین ڈھیلے مستحب ہیں یا میت کے کفن کو دھونی تین بار دینا مستحب ہے،استجمار کے دونوں معنی ہیں۔(اشعہ)

۲؎ جمرہ کی رمی اور صفا مروہ کی دوڑ سات بار واجب ہے لیکن طواف کے چار چکر فرض ہیں باقی تین واجب یہ مذہب احناف ہے،دیگر آئمہ کے ہاں ساتوں فرض۔

۳؎ یہ کلام مکرر نہیں کیونکہ پہلے **استجمار** سے دھونی مراد ہے یہاں ڈھیلے یا اس کے برعکس۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت قدامہ ابن عبداللہ ابن عمار سے ۱؎ فرماتے ہیں میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بقرعید کے دن سرخ اونٹنی پر رمی کرتے دیکھا ۲؎ نہ اونٹنی کو مار تھی نہ ہانک اور نہ ہٹو بچو فرمانا ۳؎ (شافعی،ترمذی،ابن ماجہ،نسائی،دارمی)	

۱؎ آپ مکہ معظّمہ کے باشندے قدیم الاسلام صحابی ہیں،ہجرت نہ کرسکے،حجۃالوداع میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے،قبیلہ بنی کلاب یا بنی عامر سے ہیں۔

۲؎ **صہباء اصہب** کا مؤنث ہے۔اصہب وہ اونٹ ہے جس کے بالوں کی نوکیں سرخ ہوں،جڑیں وغیرہ سفید،یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ایسی اونٹنی پر سوار تھے جس کے بال ایسے تھے،غالبًا یہ اونٹنی قصوا تھی۔(لمعات)

۳؎ یعنی جیسے امراء و سلاطین عمومًا لوگوں کو ہٹاتے بچاتے ہوئے اپنی سواری بڑھاتے ہیں،یہ عمل حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا نہ تھا،یہ سب ہم کو مساوات سکھانے کے لیے ہے،حج نماز وہ عبادات ہیں جو شاہ وگدا کو ایک کردیتی ہیں۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ حضور نے فرمایا جمروں کی رمی اور صفا مروہ کے درمیان دوڑ،ذکر اللہ قائم کرنے کے لیے مقرر کی گئی ہے ۱؎ (ترمذی،دارمی) ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے صحیح ہے۔	

۱؎یعنی رمی اور سعی کے درمیان جو تکبیریں اور دعائیں ہوتی ہیں وہی ان عبادتوں کا مغز ہیں،تو جو شخص یہ کام تو کرے اور ان میں اللہ کا ذکر نہ کرے تو اس نے عبادت کا قالب تیار کیا مگر اس میں روح نہ پھونکی یا یہ مطلب ہے کہ یہ کام گزشتہ بزرگوں کی یادگاریں ہیں کہ ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام نے ان مقامات پر شیطان کے کنکر مارےجب اس نے آپ کو قربانی سے روکنے کی کوشش کی اور آدم علیہ السلام نے بھی جمرہ عقبہ کی جگہ شیطان کو کنکر مارے اسی لیے دسویں بقر عید کو صرف جمرہ عقبہ کی رمی کرتے ہیں اور باقی دو یا تین دن میں تینوں جمروں کی تاکہ دونوں بزرگوں کی یادگاریں قائم رہیں،ایسے ہی صفا مروہ کے درمیان دوڑ حضرت ہاجرہ کی اس دوڑ کی یادگار ہے جو آپ نے تلاش پانی میں کی جس کے بعد حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی ایڑی سے پانی کا چشمہ پیدا ہوا،آپ خوشی خوشی آئیں اور اس چشمہ کے آس پاس ریت کی دیوار بنادی اور فرماتی تھیں یَامَاءَ زَمْ زَمْ اے پانی تھم تھم،تو ہر حاجی کو یہ افعال انہی بزرگوں کی نقل میں کر نے چاہئیں کہ اچھوں کی نقل بھی اچھی ہوتی ہے۔(مرقات و اشعہ)ورنہ ان فعلوں کا عبادت ہونا عقل سے وراء ہے۔

روایت ہے ان ہی سے فرماتی ہیں ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ہم منٰی میں آپ کے لیے کوئی گھر نہ بنادیں جو آپ پر سایہ کرے ۱؎فرمایا نہیں،منٰی اس کی جگہ ہے جو پہلے پہنچ جائے ۲؎(ترمذی،ابن ماجہ،دارمی)	

۱؎یعنی آپ کے لیے یہاں پختہ عمارت بنادیں جو ہمیشہ آپ کے اور آپ کی اولاد کے لیے خاص رہے،کسی کو وہاں ٹھہرنے کا حق نہ ہو لہذا اس سے عارضی خیمے ڈال لینا منع نہیں۔سایہ سے مراد قوی سایہ ہے جس میں دھوپ کا اثر نہ ہو وہ چھت ہی کا ہوتا ہے خیمہ کا سایہ ضعیف ہے۔

۲؎ مُنَاخٌ اِنَاخَةٌ کا اسم مفعول ہے بمعنی طرف اِنَاخَةَ کے معنی ہیں اونٹ بٹھانا،یعنی سارا منٰی زمین موقوفہ ہے جس میں سارے مسلمان شریک ہیں اور برابر کے حقدار،اگر یہاں عمارتیں بننا شروع ہوگئیں،تو حجاج پر سخت تنگی ہوگی، سڑکوں راستوں اور بازار کے عمومی مقامات کا یہی حکم ہے،امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک زمین حرم ساری موقوف ہے،اس کے کسی حصہ کا کوئی مالک نہیں۔(مرقات)امام صاحب کی دلیل یہ آیت ہے" سَوَآءً ۨالْعٰكِفُ فِيْهِ وَالْبَادِ"۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت نافع سے فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر پہلے دو جمروں کے پاس بہت دراز ٹھہرتے تھے ۱؎اللہ کی تکبیر،تسبیح اور حمد کرتے رہتے تھے،اللہ سے دعا مانگتے رہتے اور جمرہ عقبہ کے پاس نہ ٹھہرتے ۲؎(مالک)	

۱؎یعنی جمرہ اولیٰ اور جمرہ وسطی کی رمی کے بعد بقدر سورۂ بقر ٹھہر کر دعائیں کرتے تھے،اسی طرح کہ دونوں جگہ کے قیام سورۂ بقر کی تلاوت کے بقدر ہوتے،ان دونوں جگہ میں تمام اماموں کے نزدیک ہاتھ اٹھا کر دعائیں مانگنا سنت ہے،امام مالک کے ہاں ہاتھ اٹھانا منع،شاید انہیں ہاتھ اٹھانے کی حدیث نہ پہنچی،یہ حدیث بخاری میں ہے۔
۲؎یعنی جمرہ عقبہ کی رمی کے بعد ٹھہر کر دعا نہ مانگتے تھے ٹھہرنے کی نفی ہے نہ کہ دعا مانگنے کی،جمرہ عقبہ کی رمی کے بعد نہ دسویں ذی الحجہ کو ٹھہرتے تھے نہ اس کے بعد۔

باب الهدى

ہدی کا باب[1]

الفصل الاول

پہلی فصل

[1]ھدی ھدیۃٌ کی جمع ہے بمعنی پیش کش کی چیز۔شریعت میں ہدی وہ جانور ہے جو بیرون حرم سے حرم شریف میں قربانی کے لیے لایا جائے،اونٹ اور گائے کی ہدی بالاتفاق جائز ہے،بھیڑ بکری کی ہدی ہمارے امام صاحب کے ہاں جائز،دیگر اماموں کے ہاں منع۔خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے ہاں جس جانور کی قربانی جائز ہے اس کی ہدی بھی جائز ہے،ہدی صرف زمین حرم میں ہوسکتی ہے رب تعالٰی فرماتاہے:"ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ"اور قربانی ہر جگہ،رب تعالٰی فرماتاہے:"فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَ انْحَرْ"۔مسلم،بخاری میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حج وداع میں سو اونٹ ہدی لے گئے،بعض روایات میں ہے کہ آپ عمرہ حدیبیہ میں ستر[70] اونٹ اور اس کی قضاء میں ساٹھ[60] اونٹ۔(مرقات واشعہ)

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام ذوالحلیفہ میں ظہر پڑھی[1]پھر آپ نے اونٹنی منگائی اس کے کوہان کے داہنے حصہ میں نیزہ مارا اور اس سے خون لیپ دیا اور دو جوتوں کا اسے ہار پہنایا[2]پھر اپنی سواری پر سوار ہوگئے پھر جب اونٹنی آپ کو لے کر بیداء میدان میں سیدھی ہوئی تو حج کا تلبیہ پڑھا[3](مسلم)

[1]حج وداع کے موقعہ پر اور یہیں سے احرام باندھا،یہ جگہ اہل مدینہ کا میقات ہےجو مدینہ منورہ سے قریبًا تین میل فاصلہ پر ہے،اب اسے بیر علی کہتے ہیں۔

[2]یہ اونٹنی ہدی کی تھی منجملہ دیگر اونٹنیوں کے،اہل جاہلیت ہدی کے جانور کا کوہان چیر کر اس کا کوہان خون سے رنگ دیتے تھے اور گلے میں جوتا ڈال دیتے تھے تاکہ یہ ہدی کی علامت ہو،کوئی ڈاکو و چور اس پر حملہ نہ کرےاور اگر یہ جانور راستہ میں تھک کر رہ جائے کہ اسے وہیں ذبح کرنا پڑ جائےتو اس کا گوشت اس علامت کی بنا پر صرف فقراء کھائیں امیر نہ کھائیں،چونکہ اس کام میں کوئی برائی نہ تھی فائدہ ہی تھااس لیے اسلام نے اسے باقی رکھا،یہ فصد و ختنہ اور زخم پر داغ لگانے کی طرح ہے،ہمارے امام صاحب نے مطلقًا اشعار(کوہان چیرنا)کو منع نہ فرمایا،بلکہ اپنے زمانہ کے اشعار کو منع کیا کہ لوگ اتنا گہرا گھاؤ لگاتے تھےجو ہدی میں سرایت کر جاتا تھا اور مکہ مکرمہ پہنچتے پہنچتے اس میں کیڑے پڑ جاتے تھے،غرضکہ جسے اشعار کرنا نہ آئے اسے مکروہ ہے۔(مرقات،لمعات،اشعہ)دیکھو آج عمومًا اونٹ کو ذبح کرتے ہیں نحر نہیں کرتے کیونکہ نحر جانتے

نہیں حالانکہ اونٹ میں نحر سنت ہے۔خیال رہے کہ اشعار صرف اونٹ اور گائے میں ہوگا بکری میں نہ ہوگا کیونکہ وہ کمزور ہے،اس میں صرف ہار ڈالا جائے گا جیسا کہ آگے آرہا ہے۔
۳؎یعنی احرام کے سارے کام غسل،تبدیلی لباس اور نوافل تو پہلے ادا کرلیے مگر بلند آواز سے تلبیہ اب کہا جائے گا،یہاں فقط حج کا ذکر ہے مگر حضرت انس کی روایت میں جو مسلم،بخاری میں ہے حج و عمرہ دونوں کا ذکر ہے۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے قران کیا تھا شاید اس روای نے لفظ عمرہ سنا نہیں یا اس کا ذکر نہیں کیا کہ حج مقصود ہے اور عمرہ تابع۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ ایک بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ شریف کی طرف بکری ہدی بھیجی جسے ہار پہنادیا ۱؎(مسلم،بخاری)	

۱؎اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ بکری کی ہدی بھی جائز ہے کہ اس کی قربانی جائز ہے۔دوسرے یہ کہ بکری کا اشعار نہ ہوگا بلکہ اسے صرف ہار یعنی رسی میں جوتا ڈال کر پہنایا جائے گا اس پر تمام آئمہ متفق ہیں۔تیسرے یہ کہ بکری کی ہدی میں ہار پہنانا سنت ہے،اس میں امام مالک کا اختلاف ہے۔خیال رہے کہ یہ بکری قربانی کی نہ تھی اسی لیے مکہ معظمہ بھیجی گئی،قربانی ہمیشہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ ہی میں کی ہے،جہلاء نے اس حدیث کی بنا پر کہہ دیا کہ قربانی صرف مکہ معظمہ میں ہوسکتی ہے اور جگہ نہیں ہوسکتی۔**نعوذ باللہ!**

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ کی طرف سے بقر عید کے دن ایک گائے قربانی کی ۱؎(مسلم)	

۱؎غالبًا یہ قربانی ہے جو مدینہ منورہ میں کی گئی۔گائے میں سات آدمی شریک ہوسکتے ہیں مگر ایک کی طرف سے بھی جائز ہے۔اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ گائے کی قربانی بھی سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔دوسرے یہ کہ کسی کا کار مختار اس کی طرف سے قربانی کرسکتا ہے،اذن خصوصی سے بھی اور اذن عمومی سے بھی اس لیے کہ یہاں ام المؤمنین کی خصوصی اجازت لینے کا ذکر نہیں،اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو محض ہندوؤں کو خوش کرنے کے لیے قربانی گائے روکتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ خلاف اسلام ہے،مرقات نے فرمایا کہ افضل قربانی اونٹ کی ہے پھر گائے کی۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حج میں اپنی تمام بیویوں کی طرف سے ایک گائے قربانی کی ۱؎(مسلم)	

۱؎یہ دوسرا واقعہ ہے جو حج میں ہوااور یہ قربانی نہیں کیونکہ مسافر پر قربانی واجب نہیں،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم حج میں مسافر تھے بلکہ یہ حج کا دم ہے نحر بمعنی ذبح ہے کیونکہ گائے کو نحر کرنا منع ہےاگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کی طرف سے ایک گائے دی ہے تو یہ حضور کی خصوصات سے ہے،آپ نے تو اپنی ساری امت کے فقراء کی طرف سے ایک بکری بھی قربانی دی ہے،فقراء کروڑوں ہیں اور اگر یہ گائے کچھ ازواج کی طرف سے تھی اور کچھ ازواج کو ان سو اونٹوں میں

شریک فرما لیا ہو تو عمومی حکم ہے۔امام مالک اس حدیث کی بناء پر فرماتے ہیں کہ ایک گائے تمام گھر والوں کی طرف سے درست ہے اگرچہ سات سے زیادہ ہوں مگر یہ استدلال کچھ کمزور سا ہے کہ اس میں وہ احتمالات ہیں جو عرض کیے گئے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں میں نے اپنے ہاتھوں سے نبی کریم کی ہدیوں کے ہار بٹے حضور نے انہیں پہنائے اور ان کا اشعار کیا اور ان کی ہدی بھیجی۱؎اس سے آپ پر کوئی حلال چیز حرام نہ ہوگی ۲؎(مسلم،بخاری)	

۱؎یہ واقعہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے حج سے ایک سال پہلے کا ہے جب آپ نے حضرت ابوبکر صدیق کو حج کے موقعہ پر مکہ معظّمہ کچھ اعلانات کے لیے امیر حج بنا کر بھیجا۔

۲؎ام المؤمنین کو خبر پہنچی تھی کہ سیدنا عبداللہ ابن عباس ہدی بھیجنے والے کو محرم مانتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جب تک مکہ معظّمہ میں اس کی ہدی ذبح نہ ہوجائے تب تک یہ تمام ممنوعات احرام سے بچے ان کے جواب میں آپ یہ فرمارہی ہیں کہ ہدی بھیجنے سے انسان محرم نہیں ہوجاتا۔سیدنا عبداللہ ابن عمر،عطاء،مجاہد،سعید ابن جبیر کا بھی یہی مذہب تھا،شاید ان بزرگوں کو یہ حدیث پہنچی نہیں۔

روایت ہے انہی سے فرماتی ہیں میں نے اپنے پاس کی اون سے ہدیوں کے ہار بٹے پھر حضور انور نے وہ مکہ معظّمہ میرے والد کے ساتھ بھیج دیئے۱؎(مسلم،بخاری)	

۱؎یہ پہلی حدیث کا ہی بیان ہے،آپ سے جناب مسروق و دیگر تابعین یہ مسئلہ پوچھنے آتے تھے تو آپ مختلف عنوان سے اسے بیان فرماتی تھی،صحاح،ستہ،بزاز،وغیرہ میں مختلف الفاظ سے یہ حدیث منقول ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ ہدی کا ایک اونٹ ہانک رہا ہے۱؎فرمایا اس پر سوار ہوجا وہ بولا یہ تو بدنہ ہے۲؎فرمایا سوار ہوجا وہ پھر بولا یہ بدنہ ہے تو دوسری یا تیسری بار میں فرمایا تجھ پر افسوس ہے ارے سوار ہوجا ۳؎(مسلم،بخاری)	

۱؎کیونکہ خود اس کے پاس سواری نہیں ہے پیدل چل رہا ہے،سخت مشقت میں ہے اور ہدی کو ہانکتا ہوا لے جارہا ہے۔

۲؎یعنی ہدی ہے،ہدی کو بدنہ اس لیے کہتے ہیں کہ مسلمان ایسے جانور کو کھلاپلا کر خوب موٹا کرتے تھے جیسے آج بعض شوقین اپنی قربانی سال بھر تک کھلا پلاکر موٹی کرتے ہیں،بدنہ کے معنی ہیں ڈیل ڈار لحیم شحیم جانوراسی لیے بکری کو بدنہ نہیں کہتے صرف اونٹ یا گائے کو کہتے ہیں،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآىٕرِ اللّٰهِ "الخ وہاں بھی اونٹ اور گائے ہی مراد ہے۔

۳؎اس حدیث کی بنا پر بعض علماء نے فرمایا کہ بدنہ یعنی ہدی کے اونٹ پر سوار ہونا واجب ہے کیونکہ یہ امروجوب کے لیے ہے،بعض نے فرمایا مطلقًا جائز ہے،بعض نے فرمایا جائز ہے مگر اس شرط سے کہ اس سواری سے جانور میں عیب نہ پیدا

ہوجائے مگر امام ابوحنیفہ و شافعی رضی اللہ عنہما کا مذہب یہ ہے کہ مجبورًا و ضرورۃً جائز بلا اجازت منع جیساکہ اگلی حدیث میں آرہا ہے یہاں پر وہ شخص مجبور و معذور تھا جیساکہ لفظ یَسُوْقُ سے معلوم ہورہا ہے۔(ازمرقات)

	روایت ہے حضرت ابوالزبیر سے[1] فرماتے ہیں میں نے حضرت جابر ابن عبداللہ کو سنا کہ ان سے ہدی پر سوار ہونے کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اس پر احتیاط و اعتدال سے سوار ہوجاؤجب تمہیں اس کی ضرورت پڑے حتّٰی کہ دوسری سواری پالو[2] (مسلم)

[1] آپ کا نام محمد ابن مسلم ہے،تابعی ہیں،مکی ہیں،وسیع العلم عالم ہیں،آپ نے صرف حضرت جابر سے احادیث سنی ہیں،۱۲۵ھ؁ میں وفات پائی۔

[2] یہ حدیث گزشتہ حدیث کی شرح ہے کہ دو شرطوں سے ہدی پر سواری جائز ہے:ایک یہ کہ حاجی اس پر مجبور ہو،دوسرے یہ کہ احتیاط سے سواری کرے،اسے دوڑا کر یا مار پیٹ کر ناقص نہ کردے،بعض علماء کے ہاں اگر ناقص کردیا تو اس کا بدل نقصان خیرات کرنا پڑے گا،امام اعظم کے ہاں ہدی پر سامان لادنا ضرورۃً بھی جائز نہیں،امام شافعی،مالک و احمد علیہم الرحمۃ کے ہاں جائز ہے۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کے ساتھ سولہ ہدی کے اونٹ بھیجے کہ اسی شخص کو ان کا منتظم بنایا[1] اس نے عرض کیا یارسول اللہ کہ ان میں سے اس کا کیا کروں جو تھک رہے[2] فرمایا اسے ذبح کردو پھر اس کے جوتے اس کے خون میں رنگ دو پھر وہ جوتے اس کے کوہان کے حصہ پر رکھ دو[3] اور اس سے نہ تم کھاؤ،نہ تمہارے ساتھیوں میں سے کوئی کھائے[4] (مسلم)

[1] ان صاحب کا نام ناجیہ ابن جندب اسلمی ہے،ان کے ذمہ راستہ کی حفاظت اور وہاں پہنچ کر ذبح کا انتظام تھا،یہ واقعہ حضور علیہ السلام کے حج سے ایک سال پہلے ہی کا ہے جس میں ابوبکر صدیق امیر الحج تھے اور یہ صاحب امیر ہدی اس لیے فیھا فرمایا۔

[2] ابداع کے معنی ہیں تھک کر رہ جانا،اگر اس کے بعد ب آئے تو معنے ہوتے ہیں انسان کا بے سواری رہ جانا کہ وہ سواری پر تھا سواری چلنے کے قابل نہ رہی یہ پیدل رہ گیا اور اگر علیٰ آئے تو معنی ہوتے ہیں جانور کارہ جانا چونکہ یہ حضرت ہدی پر سوار نہ تھے اس لیے عَلَیَّ فرمایا یعنی اگر کوئی ہدی جانور راستہ میں تھک کر آگے چلنے کے قابل نہ رہے تو اس کا کیا کروں۔

۳؎ تاکہ بعد میں آنے والوں کے لیے علامت ہو کہ یہ ہدی کا جانور ہے تو کوئی امیر نہ کھالے فقراء کھائیں۔
۴؎ خلاصہ یہ ہے کہ اگر ہدی کا جانور حرم شریف میں پہنچ کروقت پر ذبح ہو تو اسے ہدی والا بھی کھاسکتا ہےاور دوسرے امیروغریب بھی لیکن اگر راستہ ہی میں ذبح کرنا پڑ جائےتو ہدی والا بھی نہ کھائے،کوئی امیر بھی نہ کھائے،یہ صدقہ ہے صرف فقراء کھائیں جیسے قربانی کا جانور اگر قربانی کے دنوں میں ذبح ہو تو قربانی والا اور سارے مسلمان امیر و غریب کھائیں،اگر وقت سے پہلے ذبح کرنا پڑ جائے تو بعض صورتوں میں صرف فقراء کھا سکتے ہیں،قربانی والا اور امراء نہیں کھاسکتےاور بعض صورتوں میں اس کے احکام جداگانہ ہیں۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ناجیہ ابن جندب اور ان کے ساتھیوں کو کھانے سے اس لیے منع فرمایا کہ یہ سب حضرات غنی تھے ان میں فقیر کوئی نہ تھا۔(مرقات)

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حدیبیہ کے سال سات آدمیوں کی طرف سے اونٹ اور سات کی طرف سے گائے ذبح کی ۱؎(مسلم)	

۱؎ یہ حدیث آئمہ کرام کی دلیل ہے کہ اونٹ و گائے میں سات آدمی شریک ہوسکتے ہیں،جنہوں نے کہا کہ اونٹ میں دس اور گائے میں سات ان کے خلاف ہے۔خیال رہے کہ احناف کے ہاں بدنہ اونٹ و گائے دونوں کو کہتے ہیں،امام شافعی کے ہاں صرف اونٹ کو،بظاہر یہ حدیث ان کی دلیل ہےمگر عربی میں تجرید کرکے لفظ کو بعض معنی میں استعمال کرلیتے ہیں،یہاں ایسا ہی ہے کہ بدنہ سے مراد اس کا ایک فرد یعنی اونٹ لیا اور گائے کا ذکر علیحدہ کیاجب کہ یہاں ہی لفظ میں تضمین کرکے نحر و ذبح دونوں مراد لیے گئے،ورنہ نحر صرف اونٹ کا ہوتا ہے،گائے کو ذبح ہی کرنا چاہیے۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ آپ ایک شخص پر گزرے جس نے ہدی کا اونٹ نحر کرنے کے لیے بٹھایا تھا فرمایا اسے اٹھا کر کھڑا کرو پاؤں باندھ دے،یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے ۱؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ خلاصہ یہ ہے کہ اونٹ کی نحر سنت ہےاور ذبح خلاف اولیٰ۔نحر کا طریقہ یہ ہے کہ کھڑے اونٹ کا بایاں پاؤں رسی سے باندھ دیں،پھر سینے سے متصل گردن میں نیزہ ماریں اور اوپر کو کھینچیں تاکہ رگیں و حلقوم طول میں چر جائیں جب گرجائے تو استعمال کریں لیکن جسے نحر نہ آتا ہو وہ ذبح کرے،رب تعالٰی فرماتاہے:"فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ"کے معنے ہیں تین پاؤں پر کھڑا ہوااور فرماتا ہے:"فَإِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا"جب اونٹ کی کروٹ زمین پر گرے۔معلوم ہوا کہ کھڑا کرکے نحر کرو،نحر کے بعد وہ گرے۔گائے بکری وغیرہ میں ذبح چاہیے،ذبح لٹا کر ہوتا ہے رگیں و حلقوم چوڑائی میں کاٹی جاتی ہیں۔(اشعہ و مرقات)

روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ آپ کے قربانی کے اونٹوں کا	

	انتظام کروں ۱؎ اور ان کے گوشت کھالیں اور جھولیں خیرات کردوں ۲؎ اور یہ کہ ان میں سے قصائی کو کچھ نہ دوں فرمایا ہم قصائی کو اپنے پاس سے اجرت دیں گے ۳؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یہ واقعہ حج وداع کا ہے،حضور انور نے سو اونٹ قربان کیے تھےکچھ اپنے دست اقدس سے اور کچھ حضرت علی سے قربانی کرائے،ان اونٹوں کے متعلق یہاں ذکر ہے جو جناب علی سے قربانی کرائے گئے۔

۲؎ اب بھی قربانی اور ہدی وغیرہ کا یہ ہی حکم ہے،جھول سے مراد وہ جھولیں ہیں جو قربانی کے جانور کے لیے خریدی گئی ہوں یا اس کے ساتھ آئی ہوں اور اگر اپنے پالتو جانوروں کی جھول قربانی کے جانور پر عارضی طور سے ڈال دی تو وہ اپنی ملکیت ہے اپنے کام میں لائے،کھال کا خیرات کردینا استحبابی حکم ہے،اگر چاہے تو قربانی والا اپنے کام میں لائے،جوتا یا ڈول،مصلے وغیرہ بنالےلیکن اگر کھال فروخت کردی تو قیمت خیرات ہی کرنی پڑے گی۔

۳؎ قال کا فاعل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یعنی ہم قصائی کی مزدوری اپنی گرہ سے ادا کریں گے۔اس سے معلوم ہوا کہ قصائی کو اجرت میں قربانی کا گوشت،جھول،کھال وغیرہ دینا ہرگز جائز نہیں،اسے اجرت علیحدہ دو،ہاں اجرت کے علاوہ اسلامی رشتہ سے اسے کچھ گوشت دے دو تو حرج نہیں۔ہمارے پنجاب میں قصائی قربانی کی مزدوری بھی لیتے ہیں اور خود ہی گوشت بھی رکھ لیتے ہیں بعض دفعہ وہ گوشت فروخت کرتے بھی دیکھے گئے یہ سخت ناجائز ہے۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں ہم اپنی قربانیوں کے گوشت تین دن سے زیادہ نہ کھاتے تھے ۱؎ پھر ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی فرمایا کھاؤ اور توشہ بچاؤ پھر ہم نے کھایا بھی بچایا بھی ۲؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یہ حکم شروع اسلام میں تھاجب مسلمانوں میں غریبی زیادہ تھی،قربانی کرنے والے امیروں کو حکم تھا کہ تین دن کی بقدر گوشت رکھ لو باقی خیرات کردو تاکہ زیادہ فقراء گوشت کھاسکیں۔

۲؎ اب منیٰ شریف میں عرب لوگ قربانی کے گوشت سکھا کر سال بھر تک کھاتے ہیں بالکل درست ہے کہ وہ ممانعت منسوخ ہوچکی،اللہ تعالٰی نے مسلمانوں کو غنی کردیا،علت گئی حکم بھی گیا۔خیال رہے کہ اگر ہدی حرم میں پہنچنے سے پہلے یا قربانی کے وقت سے پہلے مجبورًا ذبح کرنی پڑ جائے تو اس کا حکم یہ نہیں،پھر وہاں صدقہ کرنا عبادت ہےذبح کرنا عبادت نہیں اور جو اپنے وقت اپنی جگہ میں قربانی ہواس کا ذبح کرنا عبادت ہے،کھائے جس کا جی چاہے کہ عبادت ادا ہوچکی۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے سال ہدی بھیجی ۱؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدیوں میں ابوجہل کا اونٹ بھی تھا جس کے سر میں

چاندی کی بالی تھی اور ایک روایت میں ہے سونے کی بالی تھی جس سے مشرکین کو جلائیں ۲؎(ابوداؤد)	

۱؎یعنی جس سال حضور انور عمرہ کرنے مکہ معظّمہ تشریف لے گئے اور مشرکین مکہ نے مقام حدیبیہ میں آپ کو روک لیا یعنی ۶ھ میں،اسی سال آپ اپنے ہمراہ ہدی لے گئے تھے،بھیجنے سے مراد خود لے جانا ہے کیونکہ حضور انور نے ہدی کے جانور حدیبیہ میں ہی ذبح کردیئے تھے کہ وہ جگہ حدود حرم میں ہے،مکہ معظّمہ نہیں بھیجے تھے،بلکہ بہتر یہ ہے کہ اھدی کے معنے کیے جائیں حضور ہدی لے گئے تاکہ یہ دھوکہ نہ پڑے کہ حضور خود تو حدیبیہ میں رہ گئے اور ہدی مکہ معظّمہ میں بھیج دی۔

۲؎ابوجہل کا یہ اونٹ جنگ بدر میں بطور غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا تھا خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے لیا تھا اس سال مکہ معظّمہ اسے لے جانا مشرکین کو جلانے کے لیے تھا۔اس سے معلوم ہوا کہ اسلامی کاموں سے مشرکوں کو جلانا بھی عبادت ہے،قربانی گائے میں یہ راز بھی ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"لِیَغِیۡظَ بِہِمُ الْکُفَّارَ"۔شعر

غیظ میں جل جائیں بے دینوں کے دل یارسول اللہ کی کثرت کیجئے

بعض روایات میں ہے کہ تانبے کی بالی اس کے سر میں تھی،ہوسکتا ہے کہ اس کی ناک کان وغیرہ میں مختلف سوارخ ہوں کسی سوارخ میں سونے کی بالی ہو،کسی میں چاندی کی،کسی میں تانبے کی،روایات متعارض نہیں۔

روایت ہے حضرت ناجیہ خزاعی سے ۱؎فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ اس ہدی اونٹ کا میں کیا کروں جو تھک کر رہ جائے فرمایا اسے ذبح کردو پھر اس کی جوتی اس کے خون میں بھگو دو پھر اسے لوگوں میں چھوڑو کہ اسے کھالیں ۲؎(مالک،ترمذی،ابن ماجہ)ابوداؤد،دارمی نے یہ حدیث ناجیہ اسلمی سے روایت کی ۳؎	

۱؎آپ کا نام ذکوان ابن جندب یا ابن عمرو ہے،چونکہ آپ نے قریش کے شر سے نجات حاصل کی تھی اس لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا نام ناجیہ رکھا یعنی بہت نجات پانے والا۔امیر معاویہ کے زمانہ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی،آپ کا لقب صاحبِ بدن ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بدنے لے جانے والے۔(اکمال،اشعہ)

۲؎یعنی جو ہدی حرم شریف تک نہ پہنچ سکے راستہ ہی میں مرنے لگے تو اسے وہاں ہی ذبح کردو اور تمہارے ساتھیوں اور دوسرے لوگوں میں جو غریب فقیر ہوں وہ اس کا گوشت کھائیں۔اس سے معلوم ہوا کہ ہدی کا جانور صرف حرم شریف میں ذبح ہوسکتا ہے اور جگہ نہیں،اگر اس کی قربانی دوسری جگہ بھی ہوجاتی تو ہر فقیر وامیر بلکہ خود قربانی والے کو بھی کھانا جائز ہوتا،یہ بھی معلوم ہوا کہ بیمار جانور کا گوشت حلال ہے،حرام یا مکروہ نہیں۔

۳؎تقریب میں ہے کہ ناجیہ ابن جندب ابن عمیر اسلمی اور صاحب ہیں اور ناجیہ ابن حارث خزاعی دوسرے صحابی ہیں،بعض لوگوں نے ان دونوں کو ایک سمجھ لیا یہ غلط ہے۔تہذیب میں ہے ناجیہ ابن جندب ابن کعب ابن جندب یا ناجیہ ابن کعب

ابن عمیر ابن یعمر اسلمی ہیں مگر امام احمد نے انہیں ناجیہ اسلمی فرمایا۔(مرقات)اشعہ نے فرمایا کہ نسبتوں میں فرق ہے ذات ایک ہی ہے،کسی نے انہیں اسلمی کہا کسی نے خزاعی۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن قرط سے ۱؎وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا اللہ کے نزدیک بہت عظمت والا دن بقرعید کا دن ہے ۲؎پھر قرار کا دن،ثور فرماتے ہیں وہ دوسرا دن ہے ۳؎فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پانچ چھ اونٹ ذبح کے لیے پیش کیے گئے تو وہ اپنے کو حضور کے آگے کرنے لگے کہ کس سے حضور ذبح شروع کریں ۴؎پھر جب وہ کروٹوں کے بل گر گئے تو حضور نے آہستہ سے کچھ فرمایا جسے میں سمجھ نہ سکا،میں نے پوچھا ۵؎کہ حضور نے کیا فرمایا تو بتایا کہ یہ فرمایا جو چاہے اسے کاٹ لے ۶؎(ابوداؤد)اور حضرت ابن عباس و جابر کی حدیث قربانی کے باب میں ذکر کی گئی۔	

۱؎ان کا نام زمانہ جاہلیت میں شیطان تھا،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ رکھا۔

۲؎یعنی قربانی کے دنوں میں سب سے افضل دن دسویں بقرعید ہے یا عشرہ ذی الحجہ میں یہ دن افضل ہے لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ بعض روایات میں ہے کہ عرفہ کا دن افضل ہے بعض میں ہے کہ ماہ رمضان کا عشرہ افضل ہے،اور ہوسکتا ہے کہ ان میں سے سب ہی افضل ہوں مختلف جہات سے لہذا حدیث واضح ہے۔

۳؎یعنی بقر عید کی گیارھویں،چونکہ دسویں بقرعید کو حجاج مزدلفہ سے منٰے پہنچتے ہیں اور بارھویں کو منٰے سے مکہ معظمہ روانہ ہوجاتے ہیں اس لیے انہیں یوم النفر کہا جاتا ہے اور گیارھویں کو حجاج منٰے میں ہی ٹھہرے رہتے ہیں اس لیے اسے یوم القرّ کہتے ہیں ۔خلاصہ یہ ہے کہ قربانی کے تین دنوں میں افضل دن دسواں،پھر گیارھواں،پھر بارھواں اور ہفتہ کے دنوں میں جمعہ سال کے ایام میں عرفہ افضل۔(اشعہ)

۴؎یعنی ہر اونٹ چاہتا تھا کہ حضور میری قربانی پہلے کریں اور آپ کے ہاتھ سے ذبح ہونے کا شرف مجھے حاصل ہو،اس لیے ہر ایک اپنی گردن پیش کرتا تھا۔شعر

ہمہ آہوان صحرا سر خود نہا دہ برکف بامید زانکہ روزے بشکار خواہی آمد

اور شکار شکاری سے بھاگتے ہیں مگر محبوب ایسے شکاری ہیں کہ شکار اپنی گردنیں آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں،عشاق تو اپنے دل قربانی کے لیے پیش کرتے ہیں۔مولانا جامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں،شعر

ادیم طائفی در زیر پاکن شراک از رشتہ جانہائے ماکن

حضور کی یہ محبوبیت آپ کا زندہ جاوید معجزہ ہے،جانور بھی حضور کے ہاتھ سے ذبح ہوجانے کو زندگی سے بہتر جانتے ہیں۔

۵؎یعنی جو شخص حضور سے قریب تھا اس سے میں نے پوچھا کیونکہ میں کچھ دور ہونے کی وجہ سے سن نہ سکا تھا۔

۶؎ معلوم ہوا کہ قربانی کے گوشت کی تملیک بھی جائز ہے اور اباحت بھی،بعض علماء نے اس حدیث سے نچھاور بکھیر اور چھوہارے و پیسے لٹانے پر دلیل پکڑی ہے کہ وہاں عملًا اباحت عامہ ہی ہوتی ہے۔(اشعہ)

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے سلمہ ابن اکوع سے فرماتے ہیں فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے جو قربانی کرے تو تیسرے کے بعد سویرا اس حال میں نہ ہو کہ اس کے گھر میں قربانی سے کچھ ہو۱؎ پھر جب اگلا سال ہوا تو لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہم پچھلے سال کی طرح اس سال بھی کریں فرمایا خوب کھاؤ کھلاؤ اور بچاؤ(ذخیرہ کرو) کیونکہ پارسال تو لوگوں کو بھوک تھی اس لیے ہم نے چاہا کہ تم ان کی مدد کرو ۲؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ یعنی اپنی قربانی کرنے سے تین دن اس کا گوشت کھا سکتے ہو،چوتھے دن سے پہلے ہدیہ و خیرات کرکے ختم کردو لہٰذا جس نے بارھویں تاریخ کو قربانی کی ہے وہ چودھویں بلکہ پندرھویں تک اس کا گوشت کھاسکتا ہے۔شئی سے مراد گوشت ہے،کھال و بال اس میں داخل نہیں۔

۲؎ جھد جیم کے فتح سے بمعنی مشقت اور جیم کے پیش سے بمعنی کوشش کرنا،یہاں دونوں بن سکتے ہیں یعنی وہ حکم منسوخ ہے اور ایک ضرورت کی بنا پر عارضی طور پر دیا گیا تھا کہ اس وقت مسلمانوں پر غربت زیادہ تھی بہت کم مسلمانوں نے قربانیاں کی تھیں اگر قربانی والے ہی گوشت کا ذخیرہ کرلیتے تو فقراء کو کیا ملتا،اس سال رب کا فضل ہے قربانیاں عام ہوئی ہیں،لہٰذا خوب کھاؤ خوب بچاؤ۔فَاَرَدْتُّ سے معلوم ہوا کہ حضور احکام شرعیہ کے مالک ہیں،آپ کو حرام و حلال فرمادینے کا رب نے اختیار دیا ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے: "وَلِاُحِلَّ لَکُمۡ بَعۡضَ الَّذِیۡ حُرِّمَ عَلَیۡکُمۡ"اور فرماتا ہے:"وَلَا یُحَرِّمُوۡنَ مَا حَرَّمَ اللّٰہُ وَرَسُوۡلُہٗ وَلَا یَدِیۡنُوۡنَ دِیۡنَ الْحَقِّ"یعنی اے اہل کتاب یہ نبی اس لیے تشریف لائے ہیں تاکہ تم پر بعض حرام کردہ چیزوں کو حلال فرمائیں اور وہ کفار اللہ رسول کی حرام کردہ چیزوں کو حرام نہیں سمجھتے۔اس کی تحقیق ہماری کتاب "سلطنت مصطفٰی" میں دیکھئے۔

روایت ہے حضرت نبیشہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم نے تم لوگوں کو قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ کھانے سے منع کیا تھا تاکہ تم سب کو فراخی ہو۱؎ اب اللہ تعالٰی نے گنجائش و غنا بخش دی لہٰذا اب کھاؤ اور	

	ذخیرہ کرواور ثواب کماؤ ۲؎ یہ کھانے پینے اور ذکر الٰہی کرنے کے دن ہیں ۳؎(ابوداؤد)

۱؎ اس طرح کہ تھوڑے گوشت کو امیر فقیر سب مل بانٹ کر کھائیں،یعنی وہ گوشت تم سب میں کچھ نہ کچھ پہنچ جائے۔

۲؎ یعنی خیرات کرکے ثواب کماؤ یعنی کچھ کھاؤ،کچھ بچاؤ،کچھ خیرا ت کرو،کھانے میں اپنا کھانا بھی داخل ہےاور دوست و احباب کا بھی۔قربانی کے گوشت کے تین حصے کر نا بہتر ہیں:ایک اپنے لیے،دوسرا حباب کے لیے تیسرا فقراء کے لیے،یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ اس گوشت کے کھانے،بچانے،لٹانے سب میں ثواب ہے۔

۳؎ اسی لیے ان دونوں یعنی ایام تشریق میں روزہ رکھنا حرام ہےکیونکہ سب مسلمان اللہ کے مہمان ہیں۔

باب الحلق

سر منڈانے کا باب ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ حج و عمرہ سے فارغ ہونے پر مردوں کو سر منڈانا بھی جائز ہے اور کتروانا بھی مگر منڈانا افضل،لیکن عورتوں کو منڈانا حرام لہذا وہ اپنے بال کی نوکیں کٹوائیں گی چہارم سر کے بال کٹوانا یا منڈوانا ضروری ہے،پورا سر سنت جیسے کہ مسح سر میں ہے۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سواء حج و عمرہ کے کبھی سر نہ منڈایا،داڑھی منڈانا حرام ہے،جسم کے باقی بالوں میں بہت تفصیل ہے۔گنجا شخص بھی ا حرام کھولتے وقت سر پر اُسترہ پھروائے اور جو روزانہ عمرہ کرے وہ بھی ہر دفعہ سر پر اُسترہ پھرالیا کرے۔(از اشعہ)

روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے اور کچھ صحابہ نے حجۃ الوداع میں سر منڈائے اور بعض نے بال کٹوائے ۱(مسلم،بخاری)	

۱ یعنی حجۃ الوداع کے موقع پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور بعض صحابہ کرام نے سر مبارک منڈائے اور بعض صحابہ نے بال کٹوائے عمرہ میں حضور نے بال کٹوائے جیساکہ اگلی حدیث میں آرہا ہے لہذا سر منڈوانا اور کتروانا دونوں جائز ہیں، رب تعالٰی فرماتاہے:"مُحَلِّقِیۡنَ رُءُوۡسَکُمۡ وَ مُقَصِّرِیۡنَ"مگر منڈانا افضل ہے سارا سر منڈانا یا کتروانا چاہیے کہ بعض سر منڈانا کتروانا قزع کہلاتا ہے جو شرعًا مکروہ ہے،امام مالک کے ہاں پورا سر منڈانا یا کتروانا فرض ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضرت معاویہ نے فرمایا کہ میں نے مروہ کے پاس تیر سے ۱نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک کاٹے تھے ۲(مسلم،بخاری)	

۱مشقص کے حقیقی معنے ہیں لمبا دھار،وار تیز۔مجازًا قینچی کو بھی کہہ دیتے ہیں یہاں یا حقیقی معنے میں ہے کیونکہ بڑھے ہوئے بال کسی چیز پر رکھ کر تیر کی نوک سے کاٹ دیتے ہیں یا مجازی معنے میں ہے یعنی قینچی۔(مرقات)

۲محدثین نے اس حدیث کو بہت مشکل فرمایا ہے کیونکہ حجۃ الوداع میں حضور انور نے قران کیا تھااور قارن منٰی میں بال اتروانا ہے نہ کہ مروہ پہاڑ پر اور جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ قضا کیا تھا تو امیر معاویہ اسلام نہ لائے تھے،آپ تو فتح مکہ کے دن ایمان لائےاس لیے بعض شارحین نے کہا کہ شاید یہ عمرہ جعرانہ میں ہوگا،جب غزوہ حنین سے فارغ ہو کر حضور نے راتوں رات عمرہ کیا تھا،ہم نے اپنی کتاب "امیر معاویہ"پر ایک نظرمیں ثابت کیا ہے کہ یہ واقعہ عمرہ قضاء میں ہوا

اور امیر معاویہ صلح حدیبیہ کے دن ایمان لاچکے تھے مگر ایمان کا اظہار فتح مکہ کے دن کیا جیسے حضرت عباس ابن عبدالمطلب قدیم الاسلام تھے مگر اظہار فتح مکہ میں کیا۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے حجۃالوداع میں فرمایا۱؎ اے اللہ سر منڈانے والوں پر رحم کر صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ کترانے والوں پر بھی حضور نے فرمایا الٰہی سر منڈانے والوں پر رحم کر لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ کترانے والوں پر بھی تو فرمایا کترانے والوں پر۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎ یہ دعا یا تو منٰے میں مانگی یا اس دن جس دن صحابہ نے عمرہ کرکے احرام کھولے۔خیال رہے کہ بعض روایات میں ہے کہ حضور نے حدیبیہ کے دن یہ دعا کی،ہوسکتا ہے کہ دونوں موقعہ پر کی ہو۔

۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ احرام کھولتے وقت سرمنڈانا افضل ہے کہ حضور انور نے منڈانے والوں کے لیے تین بار دعا کی۔**والمقصرین** میں منڈانے والوں کا بھی ذکر ہے اور کترانے والوں کے لیے ایک بار،وہ بھی صحابہ کرام کی عرض پر،رب توفیق دے تووہاں منڈائے،رب تعالٰی نے بھی پہلے منڈانے والوں کا ذکر فرمایا پھر کترانے والوں کا۔

	روایت ہے حضرت یحیٰی ابن حصین سے وہ اپنی دادی سے راوی ۱؎ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حجۃالوداع میں سنا کہ آپ نے سر منڈانے والوں کے لیے تین بار دعا کی اور کترانے والوں کے لیے ایک بار ۲؎(مسلم)

۱؎ ان کی دادی صاحبہ کا نام حصین بنت اسحاق ہے،قبیلہ بنی احمس سے ہیں،حجۃالوداع میں حضور کے ہمراہ تھیں،صحابیہ ہیں،مگر یحیٰی ابن حصین تابعی ہیں۔

۲؎ یہ حدیث پچھلی حدیث کی شرح ہے کہ وہاں بھی منڈانے والوں کو تین بار دعا دی گئی ہے،دوبار صراحۃً اور ایک بار **والمقصرین** کے ساتھ کہ واؤ اشتراک کے لیے ہے،چونکہ منڈانے والا بالکل ہی ترک زینت کرتا ہے اور کترانے والا اپنی زینت باقی رکھتا ہے،لہٰذا پہلا شخص ہی زیادہ دعا کا مستحق ہے۔

	روایت ہے حضرت انس سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم منٰی میں تشریف لائے تو جمرہ پر آئے اسے کنکر مارے پھر اپنے منٰی کے خیمہ میں تشریف لائے اور قربانی کا جانور ذبح کیا پھر مونڈنے والے کو بلایا۱؎ اور اسے اپنی داہنی جانب پیش کی اس نے مونڈ دی ۲؎ پھر ابوطلحہ انصاری کو بلایا وہ بال انہیں عطا فرمادیئے پھر بائیں جانب حالق کے سامنے کی فرمایا مونڈدو اس نے مونڈ دی پھر وہ بال ابوطلحہ کو عطا فرماکر فرمایا انہیں

لوگوں میں بانٹ دو ۳؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ ان مونڈنے والے کا نام معمر ابن عبداللہ قرشی عدوی ہے جو قدیم الاسلام صحابی ہیں،مسند امام احمد میں ہے کہ جب معمر نے داہنے ہاتھ میں استرہ لیا اور مونڈنے لگے تو حضور نے فرمایا اے معمر اس نعمت کی قدر کرو،انہوں نے عرض کیا کہ مجھ پر اللہ کی بڑی نعمت یہ ہے کہ آج میرا ہاتھ حضور کے سر مبارک پر ہے۔(اشعہ)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حاجی بقرعید کے دن پہلے رمی،پھر قربانی،پھر حجامت کرے،ہمارے ہاں یہ ترتیب واجب ہے،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن سو قربانیاں کی تھیں،۶۳اپنے دست مبارک سے باقی ۳۷ سیدنا علی سے کرائیں۔

۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ حجامت میں دایاں حصہ پہلے،بایاں حصہ بعد میں منڈانا چاہیے،امام ابوحنیفہ فرمایا کرتے تھے کہ نائی کا دایاں اور بایاں معتبر ہے کہ فاعل وہ ہے،اس صورت میں مخلوق کا بایاں پہلے منڈے گا دایاں بعد میں مگر یہ حدیث سن کر امام صاحب نے اپنے قول سے رجوع کرلیااور فرمایا کہ حدیث قیاس پر مقدم ہے اگر نائی پیچھے کھڑا ہو کر حجامت بنائے تو دونوں کا دایاں بایاں ایک ہی سمت میں ہوگا۔(مرقات)حجامت کے بعد لب و داڑھی بنوانا،پھر ناخن ترشوانا سنت ہے۔(مرقات)

۳؎اس موقعہ پر حضور انور نے اپنے ناخن شریف بھی لوگوں میں تقسیم کرائے،یہ بال و ناخن تبرک کے لیے ساروں میں تقسیم کیے گئے،ان میں سے بعض حضرات تو یہ تبرکات اپنی قبروں میں لے گئے تاکہ وہاں کی مشکلات آسان ہوں جیسے حضرت امیر معاویہ و عمرو ابن عاص وغیرہم اور بعض حضرات چھوڑ گئے تاکہ قیامت تک مسلمان ان کی زیارت کرتے رہیں۔چنانچہ آج تک مختلف جگہ یہ بال شریف موجود ہیں اور ان کی زیارتیں ہورہی ہیں،صحابہ کرام ان بالوں کو پانی میں غوطہ دے کر دواءً پیتے تھے،حضرت شیخ نے یہاں ایک شعر لکھا۔شعر

مرا از زلف تو موئے سند است فضولی مے کنم بوئے سند است

اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ انسان کے بال جدا ہوکر بھی پاک ہیں۔دوسرے یہ کہ اللہ تعالٰی نے حضور کے بعض اجزاء بدن شریف محفوظ رکھے ہیں۔تیسرے یہ کہ بزرگوں کے تبرکات خصوصًا حضور کے بال و ناخن شریف سنبھال کر رکھنا،ان کی زیارت کرنا،ان سے شفا حاصل کرنا،ان کے توسل سے دعائیں مانگنا،قبر میں انہیں ساتھ لے جانا سب جائز و بہتر ہے کہ یہ تقسیم انہی مقاصد کے لیے ہوتی تھی،اس کی تحقیق شامی اور ہماری کتاب"جاءالحق" حصہ اول میں ملاحظہ کیجئے اور ان شاءاللہ اس شرح میں بھی اپنے موقعہ پر اس کا ذکر آئے گا۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو احرام باندھنے سے پہلے اور بقر عید کے دن بیت اللہ کے طواف سے پہلے وہ خوشبو ملتی تھی جس میں مشک ہوتا تھا۱؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ ام المؤمنین اس میں ان لوگوں کی تردید فرمارہی ہیں جو کہتے تھے کہ بقر عید کے دن طواف زیارت سے پہلے حاجی کو خوشبو لگانا حلال نہیں طواف کے بعد حلال ہوگی،فرماتی ہیں کہ میں نے خود حضور انور کے کپڑوں میں طواف زیارت سے پہلے خوشبو ملی ہے۔معلوم ہوا کہ حاجی کو قربانی یا حلق سے ناقص تحلل حاصل ہوجاتا ہے جس سے بیوی بھی حلال ہوجاتی

ہے۔خیال رہے کہ حضورانور نے حج تو صرف ایک ہی کیا مگر عمرہ چار کیے ہیں لہذا ام المؤمنین کا فرمانا کہ خوشبو ملتی تھی مجموعہ کے لحاظ سے ہے،لہذا حدیث واضح ہے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔علما فرماتے ہیں کہ بہترین خوشبو مشک و گلاب ہے کہ اس میں مہک اچھی ہوتی ہے مگر رنگت نہیں ہوتی۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے بقر عید کے دن طواف زیات کیا پھر لوٹ کر نماز ظہر منٰی میں پڑھی ۱؎ (مسلم)	

۱؎ یہاں ارشاد ہوا کہ حضور انور نے منٰے میں ظہر ادا کی اور حضرت عائشہ و جابر رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ حضور انور نے مکہ معظّمہ میں ہی ظہر ادا کی تھی،ہوسکتا ہے کہ ظہر تو مکہ معظّمہ میں ہی پڑھی ہو،منٰی میں واپسی پر جماعت ظہر تیار ہو اور بہ نیت نفل یہاں بھی شرکت فرمالی ہو،لہذا دونوں روایتیں درست ہوگئیں یا فرائض ظہر تو مکہ میں پڑھے ہوں اور سنن و نوافل منی میں،بہرحال احادیث میں تعارض نہیں۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت علی و عائشہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ عورت سر منڈائے ۱؎ (ترمذی)	

۱؎ عورت کو سر منڈانا حج و عمرہ میں بھی حرام ہے ان کے علاوہ بھی،یوں ہی فیشن کے لیے بال کٹوانا حرام ہے،حضور انور نے ان عورتوں پر لعنت فرمائی جو مردوں کی سی شکلیں بنائیں،عورت کو سر منڈانا ایسا حرام ہے جیسا مرد کو داڑھی منڈانا حرام کہ یہ مثلہ یعنی شکل بگاڑنا ہے،ہاں ضرورت و معذوری میں تو اعضاء کٹوانا بھی درست ہوجاتا ہے ضرورت مستثنٰی ہیں۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ عورتوں پر سر منڈانا نہیں عورتوں پر کتروانا ہے ۱؎ (ابوداؤد،دارمی)	

۱؎ یعنی حج و عمرہ سے فارغ ہوکر مرد تو سر منڈائے یا بال کٹوائے اسے اختیار ہے اور کٹوانے میں خواہ بالوں کی نوکیں ایک پورا بھر کٹوائے یا مشین چلا کر بالکل کٹوائے مگر عورت احرام سے فارغ ہونے پر بالوں کی نوکیں ایک پورے بھر کٹوادے چہارم سر کے کٹوانا واجب ہے پورے سر کے کٹوانا بہتر۔(لمعات،ومرقات)لہذا اس سے آج کل کی عورتوں کے فیشنی بال کٹوانا ثابت نہیں ہوتا۔(یہ باب تیسری فصل سے خالی ہے)

باب

باب ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱ یہاں مصنف نے باب کا ترجمہ وعنوان مقرر نہ فرمایا کیونکہ اس میں ارکان حج میں تقدیم وتاخیر ودیگر چیزیں مذکور ہیں لہذا یہ **باب المتفرقات** ہے ترجمہ مقرر نہ فرمانا اس طرف اشارہ ہے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن عاص سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃالوداع کے موقعہ پر منٰی میں لوگوں کے سامنے قیام فرمایا ۱ لوگ آپ سے مسائل پوچھتے تھے کہ ایک آدمی حاضر ہوا عرض کیا مجھے خبر نہ تھی ذبح سے پہلے سر منڈالیا۲ فرمایا اب ذبح کرلو کوئی حرج نہیں پھر دوسرا آیا عرض کیا مجھے مسئلہ معلوم نہ تھا میں نے رمی سے پہلے قربانی کرلی فرمایا اب رمی کرلو کوئی حرج نہیں ۳ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی چیز کے متعلق جو آگے پیچھے کردی گئی ہو سوال نہ ہوا مگر حضور نے یہ ہی فرمایا اب کرلو کوئی حرج نہیں ۴ (مسلم بخاری) مسلم کی روایت میں ہے کہ حضور کی خدمت میں ایک شخص آیا عرض کیا میں نے رمی سے پہلے سر منڈالیا فرمایا اب رمی کرلو کوئی حرج نہیں دوسرا آیا عرض کیا میں نے بیت اللہ کا طواف رمی سے پہلے کرلیا فرمایا اب رمی کرلو کوئی حرج نہیں ۵

۱ صحیح تر یہ ہے کہ **حجۃ** کی ح اور **الوداع** کا واؤ دونوں مفتوح ہیں، حضور انور کسی عام جگہ اپنی ناقہ پر منٰے میں اس لیے کھڑے رہے کہ لوگ حضور سے حج کے مسائل دریافت کرلیں۔ معلوم ہوا کہ علماء کو ایسا وقت نکالنا چاہیے کہ لوگ ان سے مل کر مسائل پوچھ سکیں، یہ بھی سنت ہے۔

۲ یعنی چاہیے تو یہ تھا کہ جمرہ عقبہ کی رمی کے بعد پہلے قربانی کرتا پھر سر منڈاتا مگر میں نے غلطی سے اس کے برعکس کرلیا کہ سر تو پہلے منڈالیا اور قربانی بعد میں کی یا تو مشغولیت ارکان کی وجہ سے خیال نہ رہا یا مسئلہ معلوم نہ تھا۔ خیال رہے کہ اس وقت مسئلہ معلوم نہ ہونا عذر تھا کہ حج نیا نیا فرض ہوا تھا،اس کے مسائل پورے طور پر شائع نہ ہوئے تھے،اب مسائل سے بے خبری عذر نہیں کہ مسائل شائع ہوچکے،لوگوں پر بقدر ضرورت مسائل سیکھنا فرض ہے۔ غرضکہ اب خطا تو عذر ہے جہالت عذر نہیں جیسا کہ تمام کتب میں مذکور ہے۔

۳ یعنی چونکہ تم نے یہ کام خطا یا بے علمی میں کیا لہذا تم پر کوئی گناہ نہیں،حرج بمعنی گناہ ہے۔

۴؎ دسویں ذی الحجہ کو حج کے افعال چار ادا ہوتے ہیں اولًا جمرہ عقبہ کی رمی، پھر قربانی، پھر سر منڈانا، پھر طواف زیارت ان چاروں ارکان میں ترتیب امام شافعی، احمد، اسحاق کے ہاں سنت ہے کہ اس کے بدل جانے سے دم واجب نہیں صرف ثواب میں کمی ہوگی مگر ابن جبیر، امام مالک و امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہم کے ہاں ان بعض میں ترتیب واجب ہے کہ بدل جانے سے دام واجب ہے۔ان بزرگوں کے ہاں لاحرج کے معنے ہیں تم پر گناہ نہیں مگر ان حضرات کے ہاں اس کے معنے ہیں تم پر فدیہ یا قربانی واجب نہیں مگر قول امام ابو حنیفہ قوی ہے کہ سیدنا عبداللہ ابن عباس نے بھی اسی کی مثل روایت فرمائی مگر وہ ترتیب بدلنے سے قربانی واجب فرماتے ہیں، جب راوی کا مذہب یہ ہے تو معلوم ہوا کہ ان کے ہاں بھی اس حدیث کے یہ ہی معنی ہیں۔(مرقات ولمعات)

۵؎ خیال رہے کہ امام اعظم کے ہاں رمی، ذبح، سر منڈانا ان میں ترتیب قارن اور متمتع پر واجب ہے، صاحبین کے ہاں سنت، یوں ہی قربانی حج کا صرف قربانی کے دنوں میں ہونا امام اعظم کے ہاں واجب ہے مگر حرم میں ذبح ہونا بالاتفاق واجب کہ حرم کے علاوہ اور جگہ حج کی قربانی ادا نہیں ہوسکتی مگر حلق و طواف یا رمی و طواف میں ترتیب واجب نہیں یہ فرق بہت خیال میں رہے لہذا اگر کوئی طواف پہلے کرے پھر رمی تو اس پر دم واجب نہ ہوگا، دیکھو اس کی تفصیل کتب فقہ و مرقات میں اسی جگہ۔یہ بھی خیال رہے کہ جیسے نماز کے واجب رہ جانے سے سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے ایسے ہی حج کا واجب رہ جانے سے دم یعنی قربانی واجب ہوتی ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم منٰی میں بقر عید کے دن سوالات کیے جاتے تھے حضور یہ ہی فرماتے تھے ۱؎ کوئی حرج نہیں ایک شخص نے آپ سے پوچھا کہ میں نے شام کے بعد رمی کی فرمایا کوئی حرج نہیں ۲؎(بخاری)	

۱؎ یعنی دن بھر سوالات وجوابات کا سلسلہ قائم رہا کہ لوگ حضور سے پوچھتے تھے۔حضور خندہ پیشانی سے جواب دیتے تھے، یہ مطلب نہیں کہ حضور نے بہت حج کیے اور ہر حج میں یہ سوال وجواب کے واقعات پیش آئے۔

۲؎ ظاہر یہ ہے کہ شام سے مراد سورج ڈوبنے کے بعد کا وقت ہے صبح کا مقابل لہذا یہ حدیث احناف کے موافق ہے اور شوافع کے خلاف کہ ان کے ہاں بقر عید کے دن کی رمی اگر سورج ڈوبے کی جائے تو قربانی واجب ہے، ہمارے ہاں گنہگار ہوگا قربانی واجب نہ ہوگی، البتہ اگر گیارھویں تاریخ کو یہ رمی کرے تو دم واجب ہے۔خیال رہے کہ بقر عید کے دن جمرہ عقبہ کی رمی صبح صادق کے بعد سورج نکلنے سے پہلے مکروہ ہے، سورج نکلنے سے زوال سے پہلے تک سنت، زوال سے سورج چھپنے تک جائز، رات میں جائز مگر مکروہ اور کل کو کرنا خلاف واجب ہے، جس میں قربانی لازم۔گیارھویں، بارھویں بقر عید کو جمروں کی رمی زوال کے بعد سے سورج ڈوبے تک سنت ہے اور رات میں مکروہ تیرہ ۱۳ ذی الحجہ تک ان کی قضا کا وقت ہے، تیرھویں کے بعد نہ ادا کا وقت ہے نہ قضا کا، یہ تفصیل یاد رکھنی چاہیے، یہاں حرج نہیں کہ معنے ہیں قربانی واجب نہیں۔(مرقات)

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص آیا بولا یارسول اللہ میں نے سر منڈانے سے پہلے طواف کرلیا فرمایا کوئی حرج نہیں اب منڈالو یا کتروالو ۱؎ دوسرا آیا عرض کیا میں نے رمی سے پہلے ذبح کرلیا فرمایا کوئی	

	حرج نہیں رمی کرلو۲؎(ترمذی)

۱؎ یعنی طواف سر منڈانے کے بعد سنت تھا لیکن اگر اس کے برعکس ہوگیا تو خیر،نہ اس میں گناہ ہے نہ قربانی،نہ کفارہ نہ کوئی فدیہ جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا۔

۲؎ رمی سے پہلے ذبح کرلینے میں مفرد یعنی صرف حج کرنے والے پر نہ گناہ ہے نہ فدیہ،نہ کفارہ یا نہ قربانی،ہاں بہتر تھا کہ رمی کے بعد کرتا مگر قران و تمتع والے پر عمدًا ایسا کرنے میں گناہ بھی ہے کفارہ بھی اور خطاءً ایسا ہو جانے پر گناہ تو نہیں مگر کفارہ واجب ہے۔اس کی تفصیل کتب فقہ میں اور مرقات میں ملاحظہ کیجئے۔یہ شخص اگر مفرد تھا تب تو گناہ و کفارہ دونوں کی نفی ہے اور اگر قارن یا متمتع تھا اور خطاءً ایسا کر بیٹھا تو گناہ کی نفی ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت اسامہ ابن شریک سے۱؎ فرماتے ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج میں نکلا لوگ آپ کے پاس آتے تھے تو کوئی ملنے والا کہتا یارسول اللہ میں نے طواف سے پہلے سعی کرلی ۱؎ یا کوئی رکن پیچھے کردیا۲؎ یا آگے کرلیا تو آپ فرماتے تھے کوئی حرج نہیں ۳؎ ہاں حرج اس شخص پر ہے جو ظلم کرتے ہوئے کسی مسلمان کی آبروریزی کرے یہ وہ شخص ہے جو نقصان میں گیا اور ہلاک ہوگیا۴؎(ابوداؤد)

۱؎ آپ اسامہ ابن شریک ذیبانی ثعلبی ہیں،کوفہ کے ہیں،صحابی ہیں،ان سے زیادہ ابن علاقہ وغیرہ نے روایات لیں۔

۲؎ یعنی احرام باندھ کر جب مکہ معظّمہ حاضر ہوا تو طواف قدوم سے پہلے سعی کرلی،پھر طواف قدوم کیا،حالانکہ چاہیے یہ تھا کہ پہلے طواف قدوم کرتا پھر سعی۔

۳؎ حرج کے معنے پہلے عرض کردیئے گئے کہ ان تبدیلیوں سے حج باطل نہ ہوگا یا گناہ نہیں جب کہ سہوًا کیا ہو کہ حج میں زیادہ مشغولیت کی وجہ سے غلطیاں ہوجاتی ہیں اگرچہ بعض صورتوں میں دم یا کفارہ ہوجائے گا۔

۴؎ اس جملہ سے معلوم ہوا کہ گزشتہ تمام جگہ حرج سے مراد گناہ تھا نہ کہ کفارہ وغیرہ۔ظلم کی قید اس لیے لگائی کہ ضرورۃً یا سزاءً تو مسلمان کی جان بھی لے سکتے ہیں،آخر قصاص،رجم میں جان لی جاتی ہے۔خلاصہ جواب یہ ہے کہ عبادات کی غلطی کا بدل ہوسکتا ہے۔معاملات درست کرو کہ معاملات میں زیادتی،حقوق العباد سے ہے جو توبہ سے بھی معاف نہیں ہوتے،حاجی کو چاہیے کہ حج کے بعد اپنے معاملات بہت صاف رکھے اور کوئی حرکت ایسی نہ کرے جس سے حج برباد ہوجائے،حج کو سنبھالے رکھنا آسان ہے مگر بچانا مشکل۔

باب خطبۃ یوم النحر و رمی ایام التشریق و التودیع

باب بقر عید کے دن کا خطبہ اور تشریق کے دنوں کی رمی اور رخصتی طواف[1]

الفصل الاول

پہلی فصل

[1] اس باب میں تین چیزیں بیان ہوں گی:بقر عید کے دن کا خطبہ اور گیارھویں اور بارھویں کی رمی اور واپسی کے وقت کا طواف وداع۔**خطبہ** خ کے کسرہ سے بمعنی عورت کو پیغام نکاح دینا،خ کے پیش سے عظیم الشان کام یا اعلیٰ مسجع کلام بشرطیکہ نظم میں نہ ہو نثر میں ہو،بقرعید کے دن یعنی دسویں ذی الحجہ کے بعد والے تین دنوں کو ایام تشریق کہتے ہیں کہ ان دنوں میں اہل عرب قربانی کے گوشت سکھاتے انہیں دھوپ دیتے ہیں۔تشریق بمعنی سکھانا،دھوپ دینا۔بہتر یہ ہے کہ طواف وداع مکہ معظّمہ سے واپس ہوتے وقت کرے پہلے نہ کرے،اہل مکہ پر نہ طواف قدوم ہے،نہ طواف وداع یہ دونوں طواف باہر والوں کے لیے ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابوبکرہ سے فرماتے ہیں کہ بقر عید کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو خطبہ دیا[1] فرمایا کہ زمانہ گھوم پھرکر اپنی اسی حالت پر آگیا[2] جس پر اللہ نے اسے آسمان و زمین بنانے کے دن کیا تھا[3] سال بارہ مہینے کا ہے جن میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں[4] تین تومسلسل ہیں ذیقعدہ،ذی الحجہ،محرم چوتھا قبیلہ مضر کا ماہ رجب جو دو جمادوں اور شعبان کے درمیان ہے[5] فرمایا یہ کون مہینہ ہے ہم نے عرض کیا اللہ ورسول جانیں حضور انور خاموش رہے حتی کہ ہم نے گمان کیا کہ حضور اس کا اس کے نام کے سوا کوئی اور نام رکھیں گے[6] تو فرمایا کیا یہ ذی الحجہ نہیں ہے ہم نے عرض کیا ہاں فرمایا یہ کون سا شہر ہے ہم نے عرض کیا اللہ رسول جانیں حضور خاموش رہے حتی کہ ہم سمجھے آپ اس کے نام کے علاو ہ کوئی اور نام رکھیں گے[7] فرمایا کیا یہ مکہ معظّمہ شہر نہیں ہے ہم نے عرض کیا ہاں فرمایا اچھا یہ کون دن ہے ہم نے عرض کیا اللہ رسول جانیں حضور خاموش رہے حتی کہ ہم سمجھے کہ آپ اس کا کوئی اور نام رکھیں

	گے (اصلی نام کے سوا) فرمایا کیا یہ قربانی کا دن نہیں ہم نے عرض کیا ہاں ۸؎ فرمایا تو تمہارے خون تمہارے مال تمہاری آبروئیں تم میں سے ایک دوسرے پر ایسی حرام ہیں جیسے ہمارے اس دن کی حرمت ہمارے اس شہر اور اس مہینہ میں ۹؎ تم عنقریب اپنے رب سے ملو گے وہ تم سے تمہارے اعمال کے متعلق پوچھے گا ۱۰؎ تو خبردار میرے بعد گمراہ ہوکر نہ لوٹ جانا کہ تم میں سے بعض بعض کی گردنیں مارنے لگیں ۱۱؎ خبردار رہو کیا میں نے تبلیغ کر دی سب بولے ہاں فرمایا الٰہی گواہ ہوجا لازم ہے کہ حاضرین غائبوں کو پہنچادیں بہت سے پہنچائے ہوئے سننے والوں سے زیادہ یاد رکھنے والے ہوں گے ۱۲؎ (مسلم، بخاری)

۱؎ یہ خطبہ بمعنی وعظ و نصیحت ہے نہ کہ وہ خطبہ مسنونہ جو حج میں ہوتا ہے کہ وہ گیارھویں بقرعید کو منیٰ میں ہے، یہ خطبہ اس خطبہ کے علاوہ ہے جو نویں کو عرفات میں دیا جاتا ہے، ان خطبوں میں بقیہ ارکان حج کی تعلیم ہوتی ہے۔ اگلے مضمون سے معلوم ہورہا ہے کہ یہ خطبہ حج نہیں ہے ورنہ اس میں مسائل حج بیان ہوتے، یہ خطبہ بعد نماز ظہر تھا۔

۲؎ زمانہ مطلقًا وقت کو کہتے ہیں، یہاں بمعنی سال ہے جیساکہ اگلے مضمون سے ظاہر ہورہا ہے، سال بھی قمری مراد ہے نہ کہ شمسی۔

۳؎ اہل عرب زمانہ جاہلیت میں دو حرکتیں کرتے تھے ایک تو کبھی سال کو تیرہ ماہ کا بنادینا۔ دوسرے مہینوں کی تبدیلی اگر اُن کی جنگ کے زمانہ میں ماہ حرم مثلًا رجب آجاتا اور ابھی جنگ باقی ہوتی تو اسے کوئی اور مہینہ قرار دے لیتے تاکہ جنگ جاری رکھ سکیں، پھر جنگ ختم ہونے کے بعد کسی اور مہینے کو رجب مان لیتے، یوں ہی بقرعید میں تبدیلی کرلیتے تھے تاکہ حج جس موقعہ پر آسان ہو اس پر کرلیں۔ چنانچہ جس سال جناب آمنہ خاتون حاملہ ہوتی ہیں اسی سال رجب کو بقرعید مان کر حج کیا گیا تھا اسی لیے روایات میں آتا ہے کہ جناب آمنہ کا حاملہ ہونا ایام منٰی میں ہوا، جس سال حضور انور نے حج کیا اسی سال حسن اتفاق سے سال بارہ ماہ کا ہوا اور ہر مہینہ اپنے اصل پر منایا گیا۔ اس فرمان عالی میں یہ ہی ارشاد ہے کہ اس سال ہر مہینہ اس وقت ہوا ہے جس وقت رب نے اسے مقرر کیا تھا مہینے گھومتے پھرتے ہوئے اس سال اپنے صحیح وقت پر گزرے۔ ہماری اس تقریر سے وہ اعتراض اٹھ گیا کہ جب استقرار حمل شریف ایام حج میں ہوا اور ربیع الاول میں ولادت مبارک ہوئی تو نو ماہ کیسے پورے ہوئے۔ معلوم ہوگیا کہ وہ ماہ رجب تھا جسے بقر عید بنا کر حج کیا گیا تھا۔

۴؎ حق یہ ہے کہ السنة جملہ مستقلہ ہے اور اثناعشر بوجہ خبر مبتداء ہونے کے مرفوع ہے، بعض کے خیال میں السنة خلق کا مفعول اولیٰ ہے اثناءعشر مفعول دوم۔ اس فرمان میں اس آیت کی طرف اشارہ ہے "اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ یَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ" الخ۔

۵؎ زمانہ جاہلیت میں یہ چار ماہ بڑی حرمت والے تھے جن میں جنگ حرام تھی،اسلام میں ان مہینوں کی حرمت تو برقرار رکھی کہ ان میں گناہ کو سخت جرم قرار دیا جیسے بحالت احرام حرم شریف میں گناہ سخت جرم ہے مگر جنگ کی حرمت کو منسوخ فرمادیا۔چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ طائف شوال میں اور غزوہ حنین ذی قعدہ میں کیا، حضور انور کے بعد صحابہ کرام ہر مہینہ میں جہاد کرتے رہے۔مضر ایک قبیلہ کے مورث اعلیٰ کا نام ہے جس کے نام سے یہ قبیلہ مضر کہلاتا ہے،چونکہ وہ شخص لسی بہت پسندکرتا تھا اور اس کا رنگ بھی لسی کی طرح سفید تھا اس لیے اسے مضر کہتے تھے،مُضَر کے معنے ہیں مٹھایا لسی،چونکہ یہ قبیلہ ماہ رجب کا بہت ہی ادب و احترام کرتا تھااس لیے رجب اس قبیلہ کی طرف منسوب فرمایا گیا۔خیال رہے کہ مکہ معظّمہ ۸ھ میں فتح ہوا،اس سال حضور انور نے امیر الحج عتاب ابن اسید کو مقرر کیا اور ۹ھ کے حج کا امیر ابوبکر صدیق کو اور ۱۰ھ میں خود حج فرمایا تو یقینًا ۹ھ و ۱۰ھ میں بھی ہر مہینے اپنے موقعہ پر تھا اور حج صحیح وقت پر ادا ہوا تھاورنہ سرکار کبھی غلط وقت پر حج کی اجازت نہ دیتےلہٰذا اس جملہ شریف کے یہ معنے نہیں کہ صرف اس سال ہی سال درست گزرا،بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس سال صحیح حج ہوا گزشتہ سالوں کی طرح اور اب تم مہینے اس حساب سے گزارنا۔(مرقات وفتح الباری)خیال رہے کہ قبیلہ مضر نے ماہ رجب میں کبھی تبدیلی نہ کی تھی اس لیے رجب کو انہیں کی طرف منسوب کیا جاتا تھا اور انہیں کے رجب سے حساب لگتا تھا۔

۶؎ یہ صحابہ کرام کاادب بارگاہ رسالت ہے کہ باوجودیکہ وہ جانتے تھے کہ آج حج ہے،بقر عید کا مہینہ ہے،دسویں ذی الحجہ ہے مگر جواب نہ دیا کیونکہ رب نے فرمایا:"لَا تُقَدِّمُوۡا بَیۡنَ یَدَیِ اللهِ وَ رَسُوۡلِهٖ"حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا کچھ خاموش رہنا اہتمام کے لیے تھا کہ جو چیز انتظار کے بعد معلوم ہو وہ یاد خوب رہتی ہے،اس جواب سے کہ صحابہ کرام نے عرض کیا اللہ رسول جانیں۔معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر رب کے ساتھ کرناشرک نہیں عین ایمان ہے،اللہ رسول کے ملانے کا نام ایمان ہے الگ کرنے کا نام کفر،رب تعالٰی فرماتاہے:"یُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یُّفَرِّقُوۡا بَیۡنَ اللهِ وَرُسُلِهٖ"اورفرماتا ہے:"اُولٰٓئِکَ هُمُ الۡکٰفِرُوۡنَ حَقًّا"۔

۷؎ صحابہ کے اس گمان سے معلوم ہورہا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نام تبدیل کرنے کا اختیار ہےاور آپ ہی کا رکھا ہوا نام باقی رہے گا،دیکھو حضور نے ایک صحابی کا نام رکھ دیا ابوہریرہ یعنی بلیوں والےتو ان کے ماں باپ کا رکھا ہوا نام گم ہوگیا۔

۸؎ بلدہ ہر شہر کو اورنحر ہر ذبح کو کہتے ہیں مگر اب عرف میں بلدہ سے مکہ معظّمہ اور نحر سے قربانی مراد ہوتی ہے جیسے بیت لغۃً ہر گھر ہے مگر اب عرف میں مطلقًا بیت کعبہ معظّمہ یعنی بیت اللہ کو کہتے ہیں اسی بنا پر یہ گفتگو ہورہی ہے۔مکہ معظّمہ ہمیشہ سے شہر رہا ہے اور ان شاءاللہ شہر رہے گا۔جن بزرگوں نے کہا کہ شہر وہ بستی ہے جہاں کے مسلمان اس کی بڑی مسجد میں نہ سماسکیں یہ غلط ہے ورنہ پھر مکہ معظّمہ تو شہر نہ رہے گا کہ حرم شریف میں مکہ والے تو کیا سارے حجاج سما جاتے ہیں اور چھوٹے گاؤں جن کی مسجد چھوٹی سی ہو شہر بن جائے گا۔

۹؎ عام علماء فرماتے ہیں کہ حدود حرم میں جیسے نیکی ایک کی ایک لاکھ بن جاتی ہےویسے ہی گناہ بھی ایک کا لاکھ ہےاس لیے حضور نے ارشاد فرمایا جیسے یہاں کا گناہ دوسرے مقامات کے گناہ سے سخت تر ہےایسے ہی مسلمان کے خون مال آبرو ظلمًا برباد کرنا سخت تر

ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَمَنۡ یُّرِدۡ فِیۡہِ بِاِلۡحَادٍۭ بِظُلۡمٍ نُّذِقۡہُ مِنۡ عَذَابٍ اَلِیۡمٍ"۔ محققین علماء فرماتے ہیں کہ یہ زیادتی کیفیت میں ہے نہ کہ مقدار میں،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَمَنۡ جَآءَ بِالسَّیِّئَۃِ فَلَا یُجۡزٰۤی اِلَّا مِثۡلَہَا"۔

۱۰؎ یعنی قیامت میں رب تعالٰی تمہارے ہر چھوٹے بڑے جانی مالی اعمال کا حساب فرمائے گا ابھی سے اس حساب کا خیال رکھو حضرت علی مرتضٰی فرماتے ہیں"حاسبوا قبل ان تحاسبوا"حساب دینے سے پہلے اپنا حساب خود لیتے رہو۔

۱۱؎ یہاں ضلال فرمایا گیا ضال کی جمع،بعض روایات میں کفار ہے یعنی میرے بعد تم لوگ گمراہ یا کفار جیسے ظالم نہ بن جانا کہ بعض مسلمان بعض کو ظلمًا قتل کرنے لگیں،یہ خطاب صرف صحابہ کرام سے نہیں بلکہ تاقیامت ساری امت سے ہے۔خیال رہے کہ آخری خلافت عثمانیہ اور خلافت مرتضویہ میں جو صحابہ کرام میں لڑائیاں ہوئیں وہ غلط فہمی یا خطاء اجتہادی کی بنا پر تھیں نہ کہ نفسانیت و ظلم سے جیسے حضرت خالد نے خود حضور انور کے زمانہ میں ایک قوم کو جنہوں نے صبانا کہا تھا کافر سمجھ کر قتل کردیا اور حضورانور نے حضرت خالد کو نہ فاسق قرار دیا نہ ظالم یا کافر بلکہ انہیں توبہ کا بھی حکم نہ دیا۔یہاں ظالم قاتل کو کافر یا گمراہ فرمانا عمل کے لحاظ سے ہے نہ کہ عقیدے کے اعتبار سے یعنی یہ قتل و خوں ریزی کفار کا طریقہ ہے،جیسے قرآن کریم فرماتاہے:"وَاَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَلَا تَکُوۡنُوۡا مِنَ الْمُشْرِکِیۡنَ"تم لوگ نماز قائم کرو مشرکوں سے نہ ہو جاؤ حالانکہ نماز نہ پڑھنا شرک نہیں لہذا اس حدیث سے روافض یہ نہیں کہہ سکتے کہ صحابہ حضور کے بعد آپس کی جنگوں کی وجہ سے کافر ہوگئے۔

۱۲؎ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تین چیزیں فرمائیں:اپنی تبلیغ پر تمام کو گواہ بنایا،اب بھی حجاج روضہ اقدس پر عرض کرتے ہیں یارسول اللہ آپ نے پوری تبلیغ فرمادی یہ عرض اس سوال کا جواب ہے۔دوسرے تمام صحابہ کو احادیث کی تبلیغ کا حکم دیا علماء کو چاہیے کہ دین چھپائیں نہیں،یہ حضور کی امانت ہے امت کے حوالہ کردیں۔تیسرے یہ کہ رحمت الٰہی کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہے گا چمن اسلام میں پھول کھلتے رہیں گے میرے بعد بعض علماء آج کل کے بعض صحابہ سے زیادہ ذہین و نکتہ رس ہوں گے،رب نے اپنے حبیب کی اس بات کو کیسا سچا کیا۔سبحان اللہ! چاروں امام مجتہدین دیگر فقہاء صوفیاء بعد میں پیدا ہوئے جنہوں نے ان ہی احادیث سے قیمتی موتی نکالے دین کو واضح کردیا۔

	روایت ہے حضرت وبرہ سے فرماتے ہیں میں نے حضرت ابن عمر سے پوچھا ۱؎ کہ میں جمروں کی رمی کب کروں فرمایا جب تمہارا امام رمی کرے تو تم بھی کر و ۲؎ میں نے پھر یہ ہی سوال کیا تو فرمایا ہم وقت کے منتظر رہتے تھے جب سورج ڈھل جاتا تو ہم رمی کرلیتے تھے ۳؎ (بخاری)

۱؎ وبرہ ابن عبدالرحمٰن تابعی ہیں،حضرت ابن عمرو سعید ابن جبیر سے روایات کرتے ہیں،آپ کی کنیت ابو خزیمہ حارثی ہے۔

۲؎ یعنی تم میں جب بڑے علماء رمی کریں تم بھی کرو،ہر مسئلہ پوچھنے کی ضرورت نہیں،علماء کی پیروی کرنا چاہیے،عالم کی پیروی کرنے والا رب سے سالم ہو کر ملے گا،یہاں یوم النحر کے بعد کی رمی کے متعلق سوال تھا جیساکہ جواب سے معلوم ہورہا

ہے۔پتہ لگا کہ ہر بات عالم سے پوچھنا ہی نہ چاہیے بلکہ ان کو دیکھ کر بھی مسائل حل کرلینا چاہئیں،یہاں عالم باعمل کا ذکر ہے۔

۳؎ یعنی ہم دسویں بقر عید کے بعد کی رمی بعد نماز ظہر کیا کرتے تھے،یہاں بھی آپ نے صحابہ کا عمل ہی بتایا یعنی مسئلہ عمل علماء سے ثابت کیا۔رمی کے اوقات کا ذکر تفصیل وار پہلے ہوچکا ہے۔

	روایت ہے حضرت سالم سے وہ حضرت ابن عمر سے راوی کہ وہ قریبی جمرہ کی ۱؎ سات کنکروں سے رمی کرتے تھے ہر کنکری پر تکبیر کہتے تھے ۲؎ پھر آگے بڑھ جاتے حتی کہ نرم زمین میں آجاتے پھر روبقبلہ دیر تک کھڑے رہتے ہاتھ اٹھائے دعا مانگتے ۳؎ پھر درمیانی جمرہ کی سات کنکریوں سے رمی کرتے ۴؎ جب بھی کنکری پھینکتے تو تکبیر کہتے پھر بائیں طرف ہٹ جاتے نرم زمین میں پہنچ جاتے روبقبلہ کھڑے ہوتے پھر ہاتھ اٹھائے دعاکرتے رہتے دیر تک کھڑے رہتے پھر بطن وادی سے پیچھے والے جمرہ کو سات کنکریاں مارتے ۵؎ کہ ہر کنکری پر تکبیر کہتے تھے مگر اس کے پاس کھڑے نہ ہوتے تھے ۶؎ پھر واپس ہوجاتے حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ عمل کرتے دیکھا ۷؎(بخاری)

۱؎ اس ستون کا نام جمرہ اولیٰ بھی ہے اور جمرہ دینا بھی کیونکہ مسجد حنیف سے قریب ہے،اسی کے قریب نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم نے حج میں قیام فرمایا تھا۔

۲؎ اس جمرہ کی رمی گیارھویں،بارھویں،تیرھویں بقرعید کو ہوتی ہے،دسویں کو صرف جمرہ عقبہ کی رمی ہے،ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہنا چاہیے نہ کہ بعد علی اثر سے یہ ہی مراد ہے،کنکری پھینکنے کی ابتداء اللہ پر اور انتہاء اکبر ہوتی ہے لہذا علی اثر فرمانا درست ہے،صرف اللہ اکبر کہنا کافی ہے،بعض حجاج بسم اللہ اللہ اکبر کہتے ہیں،بعض لوگ کچھ دعا بھی پڑھتے ہیں اس میں حرج نہیں۔(مرقات و فتح القدیر)

۳؎ یعنی زمین کے سخت حصہ پر کھڑے ہو کر تو رمی کرتے پھر بعد رمی وہاں سے ہٹ جاتے تاکہ دوسرے رمی والوں کے لیے جگہ خالی ہوجائے اور نرم حصہ میں آکر روبقبلہ ہو کر دیر تک دعائیں مانگتے رہتے،اب یہ ہی سنت ہے سورۂ بقرہ تلاوت کرنے کی بقدر کھڑے رہ کر دعائیں کرتے رہتے،اب لوگ مختصر ٹھہرتے ہیں۔

۴؎ رمی میں جمروں کی ترتیب احناف کے ہاں سنت ہے شوافع کا ہاں واجب اور لگاتار رمی کرنا کے ہر جمرہ کی رمی دعا کے بعد فورًا دوسرے کی رمی کرنا احناف کے ہاں سنت ہے،امام مالک کے ہاں واجب اسی لیے حجاج کو چاہیئے کہ ترتیب وار اور لگاتار ہی رمی کریں جیسے اعضاء وضو کا دھونا ترتیب وار اور لگاتار چاہیئے۔

۵؎ جمرہ عقبہ کے سامنے کنارہ راہ پر نشیبی زمین ہے اور اس کے مقابل بلند زمین،سنت یہ ہے کہ نشیبی زمین سے رمی کرے تاکہ اوپر والی زمین پر کھڑے ہوئے آدمی کو کنکر نہ لگے،اوپر کی طرف سے رمی کرنے میں نیچے والوں کو لگ جانے سے تکلیف پہنچنے کا اندشیہ ہے،مگر یہ سنت ہے اگر کوئی بلندی کی طرف سے رمی کرے تو بھی جائز ہے،بعض صحابہ نے یہ کیا تو دوسرے حضرات نے اس پر ،نہ اعتراض کیا نہ اعادہ کا حکم دیا خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نشیبی زمین سے رمی کی مگر بلندی کی طرف سے رمی کی ممانعت نہ فرمائی لہذا حق یہ ہے کہ یہ سنت ہے اور وہ جائز ہے۔(مرقات)اس نشیبی زمین کا نام بطن وادی ہے۔

٦؎ جمرہ عقبہ کی رمی کے بعد وہاں نہ ٹھہرنا اور فورًا اپنی منزل وغیرہ پر آجانا سنت ہے یا اس لیے کہ یہ جگہ برسرراہ ہے یہاں کھڑا ہونا اور لوگوں کی تکلیف کا باعث ہے یا اس لیے کہ اب رمی کی عبادت ختم ہوچکی دوران عبادت کی دعا کافی ہوگئی یا اس لیے کہ حاجی پر رحمت الٰہی کا نزول ہوچکا ہے۔اب ٹھہرنے کی مشقت برداشت کرنا ضروری نہیں،بہرحال سنت یہ ہی ہے کہ اس رمی پر نہ ٹھہرے۔واللہ ورسولہ اعلم!(مرقات)

٧؎ یعنی یہ مذکورہ عمل سنت رسول اللہ بھی ہے اور سنت صحابہ بھی۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ حضرت عباس ابن عبدالمطلب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منٰی کی راتوں میں مکہ معظّمہ رہنے کی اجازت مانگی۱؎ زمزم پلانے کی وجہ سے ۲؎ تو حضور نے انہیں اجازت دے دی۳؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ یعنی عرض یہ کیا کہ میں گیارھویں،بارھویں،تیرھویں ذی الحجہ کو دن میں منٰی آکر جمروں کی رمی کر جایا کروں گا باقی اوقات مکہ معظّمہ میں ہی رہوں گا،اس کی وجہ آگے آرہی ہے۔

۲؎ یعنی چونکہ میرے ذمہ کنوئیں سے آب زمزم نکالنے اور لوگوں کو پلانے کی خدمت ہے،لوگ ہر وقت خصوصًا طوافوں کے بعد اور خصوصًا ان دنوں میں طواف زیارت کے بعد زمزم پیتے ہیں اگر میں منیٰ میں رہوں تو یہ خدمت بخوبی انجام نہیں پاسکتا۔خیال رہے کہ یہ زمزم نکالنے اور پلانے کی خدمت قصئے ابن کلاب کو ملی تھی،پھر ان کے بیٹے عبدالمناف کو،پھر ان کے بیٹے ہاشم کو،پھر ان کے بیٹے عبدالمطلب کو ملی،پھر ان کے فرزند عباس کو منتقل ہوئی،ان سے عبداللہ ابن عباس کو ان سے ان کے فرزند علی ابن عبداللہ کو ملی اور اب تک یہ خدمت آل عباس ہی کے قبضہ میں ہے جیسے کہ کعبہ معظّمہ کی کلید برداری طلحہ ابن عبداللہ شیبی کی اولاد کے قبضہ میں ہے وہاں کی خدمات تقسیم ہوچکی ہیں،جو وراثتًہ منتقل ہوتی ہیں۔

۳؎ خیال رہے کہ منٰی کے زمانہ میں راتیں منٰی میں گزارنا ہمارے ہاں سنت ہے،امام شافعی کے ہاں اکثر رات وہاں رہنا واجب مگر ان دونوں اماموں کے ہاں سخت مجبوری یا معذوری میں یہ حکم اٹھ جاتا ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زمزم کے سقایہ(مٹی)پر تشریف لائے پانی مانگا۱؎ تو حضرت عباس نے فرمایا اے فضل اپنی والدہ کے پاس جاؤ ان کے پاس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پانی لے آؤ ۲؎ حضور انور نے فرمایا مجھے پانی پلاؤ ۳؎ عرض کیا یارسول اللہ اس	

میں لوگ ہاتھ ڈالتے ہیں فرمایا ہم کو پانی پلاؤ چنانچہ حضور نے اس ہی سے پیا ۴؎ پھر چاہ زمزم پر تشریف لائے جب کہ وہ پانی بھررہے تھے اور اس میں کام کاج کررہے تھے تو فرمایا کئے جاؤ تم لوگ اچھے کام میں لگے ہوئے ہو ۵؎ پھر فرمایا اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ تم مغلوب ہوجاؤ گے تو ہم خود اترتے حتی کہ رسی اس پر رکھتے اور اپنے کندھے کی طرف اشارہ کیا ۶؎ (بخاری)	

۱؎ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ خود چاہ زمزم پر جانا اور پانی بھرنے والوں سے مانگ کر زمزم پینا بھی سنت ہے جیسے کہ گھر پر منگاکر پینا سنت ہے۔دوسرے یہ کہ پانی وغیرہ مانگنا ممنوع نہیں اور یہ ان سوالات سے نہیں جن میں ذلت ہے اور جن سے شریعت میں ممانعت ہے مسوال ذلت اور ہے سوال خدمت کچھ اور۔غالبًا یہ واقعہ دسویں بقرعید کا ہے جب حضور انور منٰی سے طواف فرمانے مکہ معظّمہ تشریف لائے اور طواف کے بعد منٰی واپس ہوگئے اس لیے علماء فرماتے ہیں کہ طواف زیارت کے بعد زمزم پینا سنت ہے۔

۲؎ یعنی اے فرزند فضل ہم نے تم لوگوں کے لیے زمزم اپنے گھر بھیج دیا ہے جس میں لوگوں کے ہاتھ نہیں پڑے ہیں کسی کے استعمال میں نہیں آیا،حضور انور کے لیے اس میں سے پانی لاؤ۔معلوم ہوا کہ زمزم شریف گھروں میں بھیجنا بھی سنت ہے جیساکہ اب بھی وہاں رواج ہے کہ حجاج کے ٹھکانوں پر معلم لوگ روزانہ زمزم بھجواتے ہیں اس کی اصل یہ حدیث ہے۔

۳؎ یعنی اسی سقایہ سے پلاؤ جہاں سے عام حجاج پی رہے ہیں تاکہ یہاں ہر بڑے چھوٹے کی برابری کا ظہور ہو۔

۴؎ دارقطنی نے اپنے افراد میں حضرت عبداللہ ابن عباس سے مرفوعًا روایت فرمایا کہ تواضع و انکسار سے یہ ہے کہ انسان مسلمان بھائی کا جھوٹا پانی پیئے،بعض روایات میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے وضو سے بچا ہوا پانی پینا پسند فرماتے تھے،غرضکہ عمومًا اور حج میں خصوصًا اپنے کو بڑائی و فخر سے بچائے۔

۵؎ کیونکہ زمزم شریف کنوئیں سے نکالنا بھی عبادت ہے اور پلانا بھی عبادت۔خیال رہے کہ حضرت عباس زمزم کے منتظم تھے،ان کے ماتحت بہت سے لوگ پانی نکالتے اور پلاتے تھے،انتظام ان ہی کا تھا۔

۶؎ یعنی اگر ہم لوگوں کے سامنے زمزم بھرنا شروع کردیں تو لوگ اسی عمل کو سنت سمجھ کر اسی کام کے لیے دوڑ پڑیں گے،پھر ڈول رسی تمہارے ہاتھ نہ آئے گااس لیے ہم یہ نہیں کرتے ورنہ دل چاہتا ہے کہ ہم بھی ڈول بھریں۔بعض روایات میں ہے کہ حضور انور نے ڈول بھرا اور ڈول سے ہی زمزم پیا پھرکچھ پانی ڈول میں ڈالاوہ ڈول کنویں میں ڈال دیا،یہ دوسرے موقعہ پر ہے لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔(مرقات) علماءفرماتے ہیں کہ چاہ زمزم پر چڑھ کر اس میں جھانکنا نفاق کو دور کرتا ہےاورخود ڈول بھرنا بہت بہتر ہے اگر میسر ہواس کی اصل بھی موجود ہے۔

روایت ہے حضرت انس سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام محصب ۱؎ میں ظہروعصر مغرب اور عشاء پڑھی پھر کچھ سوئے پھر بیت اللہ کی طرف سوار ہوگئے تو اس کا طواف کیا	

	۲؎(بخاری)

۱؎محصب عربی میں کنکریلی زمین کو کہتے ہیں،اب ایک جگہ کا نام ہے جو مکہ معظمہ سے سے منٰی جاتے راستہ میں آتی ہے۔جنت معلے یعنی مکہ معظّمہ کے قبرستان سے متصل ہے اسے بطح،بطحا اور خیف بنی کنانہ بھی کہتے ہیں۔یہ واقعہ تیرھویں ذی الحجہ کا ہے جب سرکار عالی منٰی سے فارغ ہو کر مکہ معظّمہ واپس ہورہے تھے،طواف زیارت تو حضور انور دسویں ذی الحجہ کو ہی کرچکے تھے مکہ معظّمہ پہنچنے کی جلدی نہ تھی،اگر رب نصیب کرے تو اب بھی محصب میں ٹھہرے۔

۲؎یہ طواف وداع تھا جو مکہ معظّمہ سے مدینہ منورہ کی طرف روانگی کے وقت کیا گیا،حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ محصب میں یہ قیام ارادۃً نہ تھا اتفاقًا تھا۔(بخاری)حضرت ابورافع فرماتے ہیں کہ مجھے حضور انور نے محصب میں خیمہ لگانے کا حکم نہ دیا تھا میں نے خود ہی اپنے طور وہاں خیمہ لگادیا اور سرکار نے وہاں قیام فرمایا۔(مسلم)حضرت اسامہ ابن زید فرماتے ہیں کہ حضور انور نے مجھ سے منٰی میں فرمایا تھا کہ ہم کل خیف بنی کنانہ میں اتریں گے جہاں قریش نے مسلمانوں کے بائیکاٹ پر حلف اٹھایا تھا،خلفائے راشدین بھی حج کے موقعہ پر اس تاریخ میں یہاں قیام فرماتے تھے۔مقصد تھا رب کی نعمت کا شکر کرنا کہ کل ہمارے بائیکاٹ پر یہاں حلف اٹھائے جاتے تھے اور آج ہم کو اللہ نے یہاں آزادی بخشی ہے،ان روایات سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ محصب میں ٹھہرنا سنت ہے مگر واجب نہیں،میسر ہو تو بہت اچھا۔(مرقات و لمعات وغیرہ)

	روایت ہے حضرت عبدالعزیز ابن رفیع سے فرماتے ہیں میں نے حضرت انس بن مالک سے پوچھا میں نے کہا مجھے وہ چیز بتایئے جو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سمجھی یاد کی ہو،حضور انور نے آٹھویں بقرعید کو ظہر کہاں پڑھی ۱؎فرمایا منٰی میں ۲؎عرض کیا پھر واپسی کے دن عصر کہاں پڑھی فرمایا مقام ابطح میں ۳؎پھر فرمایا جیسا تمہارے امیر کریں ویسا تم بھی کرو ۴؎(مسلم)

۱؎یعنی حضور نے آٹھویں بقرعید کو فجر تو مکہ معظّمہ میں پڑھی،فرمایئے ظہر کہاں پڑھی۔

۲؎معلوم ہوا کہ آٹھویں بقر عید کو بعد نماز فجر مکہ معظّمہ سے منٰی روانہ ہوجانا سنت ہے ظہر منٰی میں پڑھے۔

۳؎واپسی کے دن دو ہیں:نفراول یہ دسویں بقر عید کو ہے جب منٰی سے مکہ معظّمہ طواف کرنے آتے ہیں اور نفردوم تیرھویں بقر عید کو جب منٰی کے افعال سے فارغ ہوکر لوٹتے ہیں،یہاں نفردوم کے متعلق سوال ہے۔جب معلوم ہورہا ہے کہ حضور انور نے آج عصر محصب یعنی ابطح میں پڑھی اور گزشتہ حدیث سے معلوم ہوا کہ ظہر یہاں پڑھی،ہوسکتا ہے کہ آج تیرھویں کو بعد زوال رمی کی ہو اور عصر کے قریب یہاں پہنچ کر ظہر و عصر یہاں ہی پڑھی ہو۔

۴؎یعنی اب جو امیر حج کرے تم بھی کرو،اگر وہ محصب میں ٹھہرے تم بھی ٹھہرو اگر نہ ٹھہرے تم بھی نہ ٹھہرو کہ ان کی مخالفت میں خطرہ ہے،یہاں ٹھہرنا واجب نہیں تاکہ ضرور کیا جائے۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ مقام ابطح میں اترنا سنت نہیں ۱؎وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس لیے

اترے تھے کہ آپ کی روانگی کے لیے آسان تر تھا ۲؎(مسلم، بخاری)	

۱؎یعنی سنت مؤکدہ نہیں یا حج کی سنت نہیں جس کے چھوٹ جانے سے حج ناقص ہوجائے یا سنت ہدی نہیں بلکہ سنت زائد ہے۔خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر کام جو امت کے لیے لائق عمل ہو سنت ہے،اگرچہ حضور انور نے ایک بار ہی کیا ہواور اگرچہ عادت کریمہ کے طور پر ہی ہو،ہاں جو خلاف اولیٰ کام بیان جواز کے لیے کئے ہیں یا تعلیمًا کئے وہ اس سے خارج ہیں۔سنت کی پوری بحث مع اقسام کے ہماری کتاب "جاءالحق" حصہ دوم میں ملاحظہ کیجئے۔

۲؎یعنی منٰی سے واپسی پروادی محصب میں جسے ابطح بھی کہتے ہیں۔اترنا وہاں قیام یا آرام کرنا سنت حج نہیں،حضور انورنے اسی لیے وہاں قیام فرمایا کہ اس قیام میں اپنا سامان وہاں ہی چھوڑ دیا اور مکہ معظّمہ جاکر طواف وداع کیا پھر اسی راستے سے مدینہ منورہ روانہ ہوئے راستہ میں یہاں سے اپنا سامان لے لیا،اس شرح کی بنا پر حدیث بالکل واضح ہے،اس میں کوئی اینچ پینچ نہیں۔خیال رہے کہ حضرات خلفائے راشدین وابن عمر وغیرھم رضی اللہ عنہم اس قیام ابطح کو سنت حج فرماتے تھے،ان کے نزدیک حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادۃً یہاں قیام فرمایا تھا تاکہ مشرکین کا رد عمل ہو اور خدا کا شکر کریں کہ کل تک یہاں اسلام کے خلاف بائیکاٹ کی کمیٹیاں ہوتی تھیں اور آج ہم آزادانہ یہاں نمازیں پڑھ رہے ہیں جیسے طواف میں رمل اور حضرت عائشہ صدیقہ ابن عباس،ابو رافع وغیرہم رضی اللہ تعالٰی عنہم کے ہاں یہ سنت حج نہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اتفاقًا یہاں قیام فرمایا تھا،یہ ہی قول امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا ہے مگر وہاں قیام اگر نصیب ہو تو بہتر ہے کہ اگرچہ یہ سنت حج نہیں مطلقًا سنت تو ہے۔(لمعات و اشعہ)

روایت ہے ان ہی سے فرماتی ہیں میں نے مقام تنعیم سے عمرہ کا احرام باندھا پھر میں مکہ معظّمہ آئی اپنا عمرہ پورا کیا ۱؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام ابطح میں میرا انتظار فرمایا حتی کہ میں فارغ ہوگئی ۲؎پھر لوگوں کو کوچ کا حکم دیا پھر آپ وہاں سے آئے تو بیت اللہ شریف پر گزرے فجر سے پہلے اس کا طواف کیا ۳؎پھر مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوگئے میں نے یہ حدیث مسلم،بخاری کی روایت سے نہ پائی بلکہ آخر میں تھوڑے اختلاف کے ساتھ ابوداؤد کی روایت سے پائی ۴؎	

۱؎ام المؤمنین کا یہ عمرہ وہ ہے جو حج سے پہلے رہ گیا تھا کہ عمرہ کا احرام تھا مگر بوجہ ماہواری عارضہ کے ادا نہ ہوسکا،اب بعد میں کیا گیا،چونکہ عمرہ کا احرام حرم سے باہر باندھتا ہے اس لیے آپ مقام تنعیم گئیں جو حدود حرم سے باہر مکہ معظّمہ سے تین میل دور جگہ ہے،اب یہاں مسجد عائشہ ہے عام حجاج عمرہ کا احرام باندھنے وہاں جاتے ہیں۔

۲؎ام المؤمنین حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے محصب میں قیام فرمانے کی یہ دوسری وجہ بیان فرمارہی ہیں کہ یہاں حضور انور نے میرے عمرہ کے انتظار میں قیام فرمایا تھا مقصد وہی ہے کہ یہ قیام سنت حج نہیں۔

۳؎ یہ طواف وداع تھا جس کو مکہ معظّمہ سے چلتے وقت حجاج اداکرتے ہیں،نہ اس میں رمل ہے نہ اس کے بعد سعی،یہ طواف کرکے وہاں سے روانہ ہوجاتے ہیں۔غالبًا حضور انور نے یہ طواف تو نماز فجر سے پہلے کیا ہوگا مگر وہاں سے روانگی بعد فجر اشراق و سنت،طواف ادا کرکے کی ہوگی۔(مرقات)اور ہوسکتا ہے کہ صرف طواف کرکے روانہ ہوگئے ہوں اور کچھ راستہ طے کرکے فجر پڑھی ہو وہاں ہی نفل طواف ادا کئے ہوں،طواف کے نفل ہر جگہ درست ہیں۔

۴؎ اس جملہ میں صاحب مصابیح پر دو اعتراض ہیں:ایک یہ کہ فصل اول میں وہ مسلم،بخاری کے علاوہ حدیث لائے۔دوسرے یہ کہ حدیث ابوداؤد میں تو ہے مگر اس کے الفاظ بعینہٖ یہ نہیں ان میں کچھ فرق ہے،مصنف یہاں مسلم،بخاری کی روایت لاتے یا ابوداؤد کی روایت بعینہٖ ان ہی الفاظ سے لاتے جن میں وہاں موجود ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ لوگ ہر طرف چل دیتے تھے ۱؎ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی واپس نہ ہو حتی کہ اس کا آخری کام بیت اللہ سے ہو ۲؎ مگر حائضہ سے یہ حکم ہلکا کردیا گیا ۳؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی پہلے حجاج رخصت کے وقت طواف وداع نہ کرتے تھے یوں ہی چلے جاتے تھے۔مِن کُلِّ وجہٍ کے معنے ہیں ہر طرف سے ہر محلّہ سے روانہ ہوجاتے تھے یہ گویا بے قاعدگی سی تھی۔

۲؎ یعنی بیت اللہ کا طواف کرکے مکہ معظّمہ سے روانہ ہوؤ تاکہ تمہاری آمد طواف سے ہو اور روانگی بھی طواف سے،یہی حال مدینہ منورہ کا ہے کہ حجاج پہنچتے ہی سلام عرض کرتے ہیں اور چلتے وقت سلام وداع کرکے چلتے ہیں،اس وقت جو دل کی کیفیت ہوتی ہے بیان نہیں ہوسکتی۔

بدن سے جاں نکلتی ہے آہ سینہ سے ترے فدائی نکلتے ہیں جب مدینہ سے

۳؎ یعنی حائضہ و نفساء عورت طواف وداع کے لیے حیض بند ہونے کا انتظار نہ کرے بلکہ یوں ہی چلی جائے ورنہ بہت دشواری ہوگی۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ حضرت صفیہ واپسی کے دن حائضہ ہوگئیں ۱؎ تو بولیں مجھے معلوم ہوتا ہے کہ میں تم کو روک ہی لوں گی ۲؎ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اری بانجھ منڈی کیا تم نے بقر عید کے دن طواف کرلیا تھا عرض کیا ہاں فرمایا تو چلو ۳؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ حضرت صفیہ بنت حیی ابن اخطب ان کے والد یہودی تھے،خیبر کے باشندے بنی اسرائیل تھے،حضرت ہارون کی اولاد سے،آپ جنگ خیبر میں گرفتار ہوکر آئیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو آزاد فرما کر ان سے نکاح فرمالیا،آپ ام المؤمنین ہیں۔

۲؎ اس طرح کہ میں عارضہ میں مبتلا ہوگئیں اور طواف وداع نہ کرسکوں گی،طواف کے لیے ایام گزرنے کا مجھے انتظار کرنا پڑے گا اور آپ حضرات میری وجہ سے ٹھہریں گے۔

۳؎بانجھ منڈی فرمایا غضب کے لیے نہیں بلکہ محبت کے اظہار کے لیے ہے جیسے بچوں کو ارے پاگل،ارے بےوقوف یا پنجابی اڑ جانیئے وغیرہ کہہ دیتے ہیں ورنہ حضرت صفیہ کا اس میں قصور کیا تھا جو ان پر غصہ آتا۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حائضہ کو طواف زیارت معاف نہیں اس کے لیے اسے ٹھہرنا پڑے گا،طواف وداع معاف ہے۔

مسئلہ:مکہ والوں پر یا جس نے مکہ معظّمہ میں مستقل رہائش کا ارادہ کرلیا تھا مگر اب روانہ ہورہا ہے اس پر جو حج کا احرام باندھ کر حج نہ کرسکا عمرہ کرکے کھل گیا اس پر طواف وداع واجب نہیں،یوں ہی صرف عمرہ کرنے والے پر واجب نہیں۔بہتر یہ ہے کہ طواف کے بعد پھر زیادہ دیر مکہ معظّمہ میں نہ ٹھہرے اور اگر دن میں طواف وداع کیا تھا مگر رات تک وہاں ٹھہرنا پڑ گیا تو بہتر یہ ہے کہ دوبارہ طواف کرے،یہ ہی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے۔(مرقات وغیرہ)

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت عمرو ابن احوص سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حجۃ الوداع میں فرماتے سنا یہ کون دن ہے صحابہ نے عرض کیا حج اکبر کا دن ۱؎ فرمایا تمہارے خون تمہارے مال تمہاری آبروئیں آپس میں ایک دوسرے پر ایسے حرام ہیں جیسے اس شہر میں اس دن کی حرمت ۲؎ خبردار کوئی مجرم اپنی جان پر ظلم نہ کرے ۳؎ خبردار کوئی مجرم اپنی اولاد پر ظلم نہ کرے اور نہ کوئی فرزند اپنے باپ پر ۴؎ خبردار شیطان اس سے تو مایوس ہوچکا کہ تمہارے اس شہر میں کوئی اسے پوجے ۵؎ مگر جن گناہوں کو تم معمولی سمجھتے ہو ان میں اس کی اطاعت ہوجایا کرے گی جس سے وہ راضی ہوتا رہے گا ۶؎(ابن ماجہ،ترمذی)اور ترمذی نے اسے صحیح کہا۔	

۱؎ظاہر یہ ہے کہ بعض صحابہ نے یہ جواب دیا اور بعض نے عرض کیا **اللہ ورسولہ اعلم**! یا یہ کوئی دوسرا واقعہ ہے لہٰذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ صحابہ نے **اللہ و رسولہ اعلم** کہا۔حج اکبر کے بہت سے معانی ہیں:(۱) بقر عید کا دن حج اکبر ہے کیونکہ اکثر ارکان حج اسی دن میں ہوتے ہیں،رب تعالٰی فرماتا ہے:"**وَ اَذٰنٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖۤ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ**"۔یہ اعلان بقرعید کے دن منٰی میں ہوا۔(۲) یا نویں عید کا دن حج اکبر کا دن ہے کہ اسی دن قیام عرفات ہے جو حج کا رکن اعلٰی ہے(۳) یا صرف حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا حج حج اکبر تھا کہ رسول اکبر نے حج فرمایا تھا اور حسن اتفاق سے اس دن یہود،نصارٰی مجوسی وغیرہ کی چھ عیدیں جمع ہوگئیں تھیں (۴) یا جب نویں بقر عید جمعہ کوواقع ہو کہ اس کا ثواب

ستر۷۰ حج کے برابر ہے یہ زیادہ مشہور ہےاور حضورا نور صلی اللہ علیہ وسلم کا حج بھی جمعہ ہی کا ہوا تھا(۵) یا ہر حج اکبر ہے اور عمرہ حج اصغر غرضکہ اس کے بہت معانی ہیں(مرقات،لمعات،اشعہ)

۲؎ یعنی جیسے مکہ معظّمہ میں ان حج کی تاریخوں میں احرام کی حالت میں گناہ کرنا حرام کہ اس گناہ میں حرم شریف،مبارک تاریخ اور احرام کی بے حرمتی تین جرم اور شامل ہوجاتے ہیں،ایسے ہی کسی مسلمان بھائی کا ناحق خون کرنا،مال مارنا،بے آبروئی کرنا بہت سے جرموں کا مجموعہ ہے کہ اس میں اس مظلوم بندہ کی حق تلفی بھی رب تعالٰی کی قانونی شکنی اور میرے مخالفت ہے مجھے اپنی امت بہت عزیز ہے،اسے ستانے والا مجھے کب پیارا ہوسکتا ہے۔

۳؎ یعنی خود کشی نہ کرے کہ یہ اپنی جان پر ظلم و زیادتی ہے یا دوسرے مسلمانوں پر ظلم نہ کرے کہ یہ درحقیقت اپنے پر ظلم ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"لَا تَقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ"یعنی اپنے کو قتل نہ کرو یعنی بعض بعض کو قتل نہ کرے۔لایَجنِی صیغہ تو نفی کا ہے مگر بمعنی نہی ہے،جیسے"لَا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ"یا جیسے رحمہ اللہ یا غفرلہ کہ سب خبریں بمعنی انشاء ہیں۔

۴؎ یہ جملہ یا تو نہی ہے تو معنے یہ ہیں کہ ماں باپ اولاد پر ظلم نہ کریں کہ ان کا حق نہ دیں،انہیں تعلیم وغیرہ سے محروم رکھیں اور اولاد ماں باپ پر ظلم نہ کرے کہ ان کا ادائے حق خدمت نہ کرے یا بمعنی نفی یعنی ماں باپ کے جرم میں اولاد گرفتار نہ ہوگی اور اولاد کے جرم میں ماں باپ کو پکڑ نہ ہوگی اپنی کرنی،اپنی بھرنی"اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی"اہل جاہلیت باپ کا بدلہ اولاد سے اور اولاد کا بدلہ ماں باپ سے لیتے تھے اسی سے ممانعت ہے۔

۵؎ شیطان کو پوجنے سے مراد بت پرستی ہے اور اس میں غیبی خبر ہے،ان شاءاللہ مکہ معظّمہ میں تاقیامت شرک و بت پرستی نہ ہوگی۔مرقات نے فرمایا کہ علانیہ نہ ہوگی کوئی خفیۃً وہاں جاکر چھپ کر بت پرستی کرے تو اس کی بدنصیبی ہے،غرضکہ یہ جگہ شرک سے محفوظ ہے۔

۶؎ یعنی مکہ معظّمہ میں مسلمان گناہ،لڑائی،چوری،غیبت جھوٹ وغیرہ کرلیا کریں گے اور شیطان اس پر خوش ہوجایا کرے گا کہ میں ان سے کفر تو نہ کراسکا یہ غنیمت ہے یا سارے مسلمانوں سے روئے سخن ہے کہ مؤمن کے گناہوں سے شیطان راضی ہے اور کافر کے کفر سے راضی اسی لیے جھوٹ،خیانت دوسرے گناہ مسلمانوں میں زیادہ ہیں دوسری قوموں میں کم کہ شیطان کفار سے جب کفر کرالیتا ہے تو پھر دوسرے گناہ کرانے کی کوشش نہیں کرتا مگر جب مسلمانوں سے کفر نہیں کراسکتا تو ان سے دوسرے گناہ کرانے کی بہت کوشش کرتا ہے،ہمیشہ چور بھرے گھر میں جاتا ہے جس میں ہو ہی کچھ نہیں وہاں چور لے گا کیا۔حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں کہ جس نماز میں وسوسہ نہ آئیں وہ یہود و عیسائیوں کی سی نماز ہے۔(مرقات)مگر وسوسہ آنا اور ہے لانا کچھ اور۔مقصد یہ ہے کہ مسلمان وسوسوں کے باعث نماز سے بددل نہ ہوجائیں،لہٰذا حضرت علی کے فرمان پر کوئی اعتراض نہیں،کھانے پر مکھیاں آتی ہیں مکھیاں اڑائے جاؤ اور کھانا کھائے جاؤ۔

	روایت ہے حضرت رافع ابن عمرو مزنی سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ منٰی میں اپنے چتکبرے خچر پر خطبہ پڑھ رہے تھے جب کہ دن چڑھ

چکا تھا۱اور جناب علی اس کی تفسیر و تعبیر کررہے تھے لوگ کچھ بیٹھے تھے کچھ کھڑے تھے۲(ابوداؤد)	

۱غالبًا یہ وعظ دسویں بقرعید کو فرمایا،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے رمی تو اونٹنی پر کی اور وعظ خچر پر۔
۲یعنی کچھ فاصلہ پر جہاں تک حضور انور کی آواز پہنچ رہی تھی وہاں جناب علی کھڑے ہوکر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام لوگوں تک پہنچا رہے تھے۔مرقات نے یہاں فرمایا کہ اس حج میں ایک لاکھ تیس ہزار مسلمان شریک تھے مگر صواعق محرقہ وغیرہ میں ہے کہ صحابہ کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے،حج میں ایک لاکھ سے زیادہ نے شرکت کی،یہ ہی زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔صحابہ کی تعداد انبیاءکرام کی تعداد کے برابر ہے۔خیال رہے کہ حج میں تین خطبے سنت ہیں:آٹھویں بقرعید کو مکہ معظّمہ میں،نویں کو عرفات میں،دسویں کو منٰی میں۔(اشعہ)

روایت ہے حضرت عائشہ اور ابن عباس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بقرعید کے دن طواف زیارت رات تک مؤخر فرمایا۱(ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ)	

۱یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے دسویں تاریخ کو طواف زیارت کی رات تک اجازت دی کہ جو آج طواف کرنا چاہے وہ رات تک کرلے،رات میں جا کر نہ کرے۔اس کا مطلب نہ تو یہ ہے کہ حضور نے آج رات میں طواف کیا حضور انور نے ظہر سے پہلے طواف کیا اور ظہر مکہ معظّمہ بلکہ منٰی میں واپس آکر ادا کی،نہ یہ مطلب ہے کہ صرف آج رات طواف کا وقت ہے،اس کا وقت احناف کے ہاں دسویں کی فجر سے بارھویں کی غروب آفتاب سے پہلے تک ہے زیادہ تاخیر سے دم واجب ہے،شوافع کے ہاں دسویں کی آدھی رات سے جب تک چاہے۔(مرقات)

روایت حضرت ابن عباس سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف زیارت کے سات چکروں میں رمل نہ کیا ۱(ابوداؤد،ابن ماجہ)	

۱ رمل نہ تو طواف زیارت میں ہے نہ طواف وداع میں صرف طواف قدوم میں ہے۔رمل کے معنے پہلے عرض کئے جاچکے ہیں کہ طواف کے پہلے تین چکروں میں سینہ تان کر اکڑتے ہوئے چلنا رمل کہلاتا ہے۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی جمرہ عقبہ کی رمی کرے تو اس کے لیے بیوی کے سوا ہرچیز حلال ہوگئی۱(شرح سنہ)اور فرمایا کہ اس کی اسناد ضعیف ہے اور احمد و نسائی کی روایت میں حضرت ابن عباس سے یوں ہے کہ خود ان ہی نے فرمایا کہ جب جمرہ کی رمی کرے تو عورتوں کے سوا سب حلال ہے ۲	

۱یعنی جب حاجی دسویں بقرعید کو جمرہ عقبہ کی رمی کرچکے تو جو چیزیں احرام سے حرام ہوچکی تھیں وہ تمام حلال ہو گئیں،ہاں ابھی بیوی سے صحبت حلال نہ ہوئی یہ تو طواف زیارت سے حلال ہوگی۔امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہاں نساء سے

مراد اپنی بیوی سے صحبت ہے،امام شافعی کے ہاں اس سے مراد عورت سے نکاح کرنا ہےکیونکہ ان کے ہاں احرام میں نکاح کرنا بھی حرام ہےطواف زیارت کے بعد حلال ہوتا ہے۔بعض شارحین نے فرمایا کہ جمرہ عقبہ کی رمی سے مراد رمی مع ملحقات ہے،یعنی سر منڈانا و قربانی کرنا کہ ان تین کاموں سے ہر چیز حلال ہوتی ہےاور یہ دونوں چیزیں رمی کی ملحقات سے ہیں لہذا رمی کے بعد سرمنڈانے اور قربانی سے پہلے سلے کپڑے اور خوشبو استعمال نہیں کرسکتا۔

۲؎ یعنی احمد و نسائی نے حضرت عبداللہ ابن عباس کا خود اپنا قول نقل کیا،مرفوع حدیث نقل نہ کی مگر اس قسم کی موقوف حدیث مرفوع کے حکم میں ہوتی ہے۔خیال رہے کہ احرام سے فارغ ہونے پر حجامت ہمارے ہاں واجب ہے،امام شافعی رضی اللہ عنہ کے ہاں سنت،ہماری دلیل رب تعالٰی کا یہ فرمان ہے:"ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ"۔اس سے مراد حجامت ہےاور رب تعالٰی کا یہ فرمان:"اٰمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَ مُقَصِّرِيْنَ"مگر چونکہ یہ استدلال ظنی ہے اس لیے اس سے وجوب ثابت ہے نہ کہ فرضیت۔

روایت ہے ان ہی سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے دن کے آخری حصہ میں جب کہ ظہر پڑھ چکے تو طواف زیارت کیا پھر منٰی لوٹ آئے ۱؎ پھر تشریق کے زمانہ میں وہاں ہی قیام فرمایا کہ سورج ڈھل جانے پر جمرہ کی رمی کرتے تھے ۲؎ ہر جمرہ کی سات کنکریوں سے ہر کنکری پر تکبیر کہتے تھے ۳؎ پہلے اور دوسرے جمروں کے پاس کچھ ٹھہرتے تھے تو دراز قیام کرتے تھے عاجزی زاری کرتے تھے اور تیسرے جمرہ کی رمی کرتے تو وہاں نہ ٹھہرتے ۴؎ (ابوداؤد)

۱؎ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف زیارت نماز ظہر پڑھ کر کیا بلکہ یہ کہ ظہر منٰی میں پڑھی،پھر مکہ معظّمہ تشریف لے گئے مگر پہلے گزرچکا کہ حضور انور نے نماز ظہر سے پہلے طواف کیا بعد میں ظہر پڑھی مکہ معظّمہ میں یا منٰی واپس آکر،اس لیے بعض شارحین نے اس کے معنی یہ کئے ہیں کہ حضور انور نے ظہر سے پہلے تو خود آپ طواف زیارت کیا پھر بعد نماز ظہر اپنی ازواج مطہرات کو طواف کرانے لے گئے،دسویں بقر عید کو دوبارہ مکہ معظّمہ تشریف لائے،ان گزشتہ احادیث میں اپنے طواف کرنے کا ذکر ہے اور یہاں ازواج پاک کو طواف کرانے کا تذکرہ یا ازواج پاک کو یہ طواف گیارھویں یا بارھویں کو کرایا،یہاں اسی کا ذکر ہے،بہرحال یہ حدیث واجب التاویل ہے۔(مرقات وغیرہ)

۲؎ پہلے بتایا جاچکا ہے کہ دسویں بقر عید کو صرف جمرہ عقبہ کی رمی ہوگی اور زوال سے پہلے،پھر باقی گیارھویں بارھویں کو تینوں جمروں کی رمی ہوگی مگر زوال کے بعد آج کل حجاج بارھویں کو زوال سے پہلے ہی جمروں کی رمی کرکے مکہ معظّمہ روانہ ہوجاتے ہیں،یہ سخت برا ہے خلاف سنت ہے،جب حج کرنے اتنی دور سے اتنا خرچ کرکے آئے ہو تو اچھی طرح کرو کہ کوشش کرو کہ دسویں کو طواف زیارت کرلو تاکہ آج بارھویں کو بھاگنا نہ پڑے۔

۳؎ صرف اللہ اکبر یا بسم اللہ اللہ اکبر اس کی تحقیق پہلے ہوچکی ہے۔

۴؎ یہ ہی سنت ہے کہ آخری جمرہ کی رمی کے بعد وہاں نہ ٹھہرے پہلے دو جمروں کی رمی کے بعد ٹھہرے اور وہاں دعائیں مانگے،اس کی حکمتیں پہلے عرض ہوچکی ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابو البداح ابن عاصم ابن عدی سے ۱؎ وہ اپنے والد سے راوی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے اونٹ چرانے والوں کو شب گزاری کی اجازت دی ۲؎ کہ بقر عید کے دن رمی کرلیں پھر بقر عید کے بعد دو دن کی رمی جمع کرلیں اس طرح کہ ان دونوں میں سے ایک ہی رمی کریں ۳؎(مالک،ترمذی،نسائی،)اور ترمذی نے فرمایا حدیث صحیح ہے۔

۱؎ مرقات نے فرمایا کہ ابن عاصم ابوالبداح کا بدل ہے اور ان کی کنیت ابو عمرو ہے،ابوالبداح لقب ہے،آپ اپنے لقب میں مشہور ہوگئے ہیں،بعض کے خیال آپ تابعی ہیں مگر حق یہ ہے کہ صحابی ہیں جیسا کہ ابن عبدالبر نے فرمایا۔

۲؎ کہ منٰی کے زمانہ میں راتیں اپنے گھر گزاریں،منٰے میں رات گزارنا ان پر لازم نہیں۔

۳؎ اس کی صورت یہ ہے کہ بقرعید کے دن جمرہ عقبہ کی رمی کرلیں،گھر چلے جائیں،گیارھویں کو نہ آئیں،بارھویں کو دونوں دنوں یعنی گیارھویں بارھویں کی رمی کرلیں۔امام شافعی و مالک بلکہ امام اعظم کے ہاں بھی تقدیم جائز نہیں بلکہ تاخیر جائز ہے،یعنی گیارھویں کو دونوں دن کی رمی نہ کریں بلکہ بارھویں کو کریں۔

باب ما يجتنبہ المحرم

باب جن چیزوں سے محرم بچے۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ یعنی بحالت احرام محرم کون کام کرسکتاہے اور کون کام نہیں کرسکتا،نہ کرسکنے میں تمام ممنوعات داخل ہیں خواہ ان سے قربانی واجب یا صدقہ یعنی آدھا صاع(سوا دوسیر)گندم یا ایک صاع(ساڑھے چار سیرجو)یا کچھ واجب نہ ہومگر اس کا کرنا اچھا۔اس باب میں یہ تمام چیزیں مذکور ہیں اور ان کی تفصیل کتب فقہ سے معلوم ہوسکتی ہیں،حج میں ترک واجب سے قربانی واجب ہوجاتی ہے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ محرم کون سے کپڑے پہنے۱؎تو فرمایا کہ نہ قمیص پہنو،نہ پگڑیاں،نہ پائجامے اور نہ ٹوپیاں ۲؎نہ موزے بجز اس کے جو جوتے نہ پائے تو وہ موزے پہن لے اورا نہیں ٹخنوں کے نیچے کاٹ لے ۳؎اور نہ وہ کپڑے پہنو جنہیں زعفران لگا ہو نہ وہ جنہیں ورس لگا ہو۴؎(مسلم،بخاری)اور ایک روایت میں بخاری نے زیادہ کیا کہ محرمہ عورت منہ پر نقاب نہ ڈالے اور نہ دستانے پہنے ۵؎

۱؎ سائل کو سوال کرنا نہ آیا پوچھنے والی بات یہ تھی کہ کون سے کپڑے نہ پہنے،اس لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ پہننے والے کپڑے بتائے جواب حکیمانہ دیا۔

۲؎ چونکہ روئے سخن مرد حجاج کی طرف ہے اس لیے پگڑی وہ ٹوپی کا بھی ذکر فرمایا،مطلب یہ ہے کہ مرد حاجی سلا کپڑا نہ پہنے اور نہ سر ڈھکے ان دونوں حکموں سے عورتیں علیحدہ ہیں۔پہننے سے مراد عادت کے مطابق پہننا ہے پائجاموں میں پاؤں ڈال کر اور قمیص کی آستینوں میں ہاتھ ڈال کر،اگر کوئی محرم تہبند کی طرح پائجامہ لپیٹ لے اور چادر کی طرح قمیص اوڑھ لے تو جائزہے کہ یہ لبس یعنی پہننا نہیں۔برنس ایک خاص قسم کی لمبی ٹوپی کو کہتے ہیں جو پہلے مروج تھی مگر یہاں مطلقًا سر ڈھکنے والی چیز مراد ہے لہذا محرم سر پر کپڑا،چادر،دوپٹہ بھی نہیں ڈال سکتاجب وہ سر سے متصل ہو،ہاں چھتری لگانا،خیمہ میں بیٹھنادرست ہے کہ چھتری اور خیمہ کی چھت سر سے علیحدہ رہتی ہے۔

۳؎ احناف کے ہاں یہاں **کعبین** سے مراد درمیان قدم پر ابھری ہوئی سخت ہڈی ہے اس کا کھلا رہنا ضروری ہےاور ڈھانپنا منع،شوافع کے ہاں وہ ہی عرفی ٹخنے یعنی قدم کے آس پاس کی دو ہڈیاں مراد ہیں۔خلاصہ یہ ہے کہ محرم کو بحالت احرام نہ

موزہ پہننا درست ہے،نہ ایسا جوتا یا بوٹ جس سے وسط قدم کی ہڈی ڈھک جائے۔**خفین** چمڑہ کے موزے کو کہتے ہیں،سوتی یا اونی موزے کو جرابیں کہا جاتا ہے وہ ممنوع نہیں۔مطلب یہ ہے کہ اگر حاجی کے پاس جوتے نہ ہوں تو چمڑے کے موزے کو کاٹ کر جوتے کی طرح بنالے پھر پہن لے۔

۴؎ چونکہ پہلا حکم صرف مردوں کو تھا اور یہ حکم مردو زن سب کواسی لیے **لاتلبسوا** مکرر ارشاد ہوااور **ورس** عرب کی ایک مشہور گھاس ہے جس سے کپڑے رنگے جاتے ہیں،اس کا رنگ بھی زعفران کی طرح پیلا ہوتا ہے،یعنی کوئی محرم مرد ہو یا عورت زعفران یا ورس میں رنگا ہوا کپڑا نہ پہنے،یہاں پہننے سے مراد استعمال کرنا ہے لہذااس رنگ کی چادر،تہبند بھی استعمال نہیں کرسکتا۔

۵؎ اس سے معلوم ہوا کہ محرم عورت سر پر کپڑا ڈال سکتی ہے مگر منہ پر نقاب نہیں ڈال سکتی،جب کہ نقاب منہ سے متصل ہو،اگر منہ سے دور رہے تو جائز ہے،ایسے ہی اگر پنکھا وغیرہ آڑ کرکے منہ چھپالے تو کوئی بھی حرج نہیں جیسے مرد کے سر کے لیے چھتری یا جبہ۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطبہ دیتے سنا آپ فرماتے ہیں کہ جب محرم جوتے نہ پائے تو موزے پہن لے اور جب تہبند نہ پائے تو پائجامہ پہن لے ۱؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ اس کا مطلب احناف کے یہاں یہ ہے کہ جس محرم کے پاس جوتا نہ ہو وہ موزے کاٹ کر پہنے جیساکہ پہلے گزر گیامگر صدقہ پھر بھی دینا ہوگااور اگر تہبند نہ ہوتو پائجامہ چادر کی طرح لپیٹ لےاس میں فدیہ نہیں،اگر پائجامہ عادت کے مطابق پہنا تو دم یعنی قربانی دینا ہوگی،دوسرے اماموں کے ہاں اس کے اور معانی ہیں،امام شافعی کے ہاں موزے کاٹ کرپہننے میں فدیہ بھی نہیں۔

روایت ہے حضرت یعلٰی ابن امیہ سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مقام جعرانہ میں تھے ۲؎ کہ آپ کے پاس ایک بدوی حاضر ہوئے جن پر قبا تھی اور وہ خلوق خوشبو میں لتھڑے ہوئے تھے ۳؎ تو بولے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے عمرہ کا احرام باندھا ہے اور مجھ پر یہ ہے فرمایا اپنی خوشبو تو تین بار دھوڈالو ۴؎ رہا جبہ تو اسے اتار ڈالو،پھر عمرہ میں وہ ہی کرو جو حج میں کرتے ہو ۵؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ آپ صحابی ہیں،فتح کے دن ایمان لائے،غزوہ حنین و طائف میں حاضر ہوئے،تمیمی ہیں،حنظلی ہیں،جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ساتھ تھے،اسی میں شہید ہوئے۔

۲؎ یہ جگہ حرم شریف سے خارج ہے،طائف کے راستہ پر ہے،آج کل اس کا نام سہل ہے،فقیر وہاں دوبار حاضر ہوا ہے۔بعض آئمہ کے ہاں عمرہ کا احرام جعرانہ سے باندھنا افضل ہے،ہمارے امام اعظم کے ہاں تنعیم سے باندھنا بہتر کہ جعرانہ سے احرام کا عمل حضور نے فرمایا تھااور تنعیم سے احرام باندھنے کا حضرت عائشہ صدیقہ کو حکم دیا اور حکم عمل سے اعلی ہوتا ہے،اب تنعیم والے عمرہ کو چھوٹا عمرہ کہتے ہیں اور جعرانہ والے کو بڑا عمرہ۔

۳؎ خلوق عرب کی مشہور خوشبو ہے جس میں زعفران ہوتا ہے بہت مہکتی ہے اور رنگت بھی رکھتی ہے۔

۴؎ چونکہ اس خوشبو میں زعفران ہوتا ہے رنگت دیتی ہے اس لیے مرد کو بہرحال ممنوع ہے اسی لیے اس کے دھو ڈالنے کا حکم دیاورنہ محرم اگر احرام سے پہلے خوشبو لائے پھر احرام باندھےوہ خوشبو باقی ہو تو کوئی مضائقہ نہیں جیسا کہ پہلے گزر چکا۔جن لوگوں نے اس حدیث کی بنا پر احرام سے پہلے والی خوشبو کو بھی منع کیا انہوں نے غلطی کی۔

۵؎ یعنی جن چیزوں سے حج میں بچتے ہوان سے ہی عمرہ میں بچویا جیسے طواف و سعی حج میں کرتے ہو عمرے میں بھی کرو،یہ مطلب نہیں کہ عمرہ میں حج کے سارے ارکان ادا کرو۔خیال رہے کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے ہاں اگر بھول کر بھی اس قسم کی غلطی کرے تو بھی اس پر فدیہ ہےدیگر آئمہ کے ہاں بھول میں فدیہ نہیں،یہ حدیث ان بزرگوں کی دلیل ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فدیہ کا حکم نہ دیامگر ظاہر ہے کہ کسی چیز کا ذکر نہ ہونا اس کی دلیل نہیں،عدم ثبوت اور ہے ثبوت عدم کچھ اور۔

روایت ہے حضرت عثمان سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محرم نہ نکاح کرے نہ کرائے اور نہ نکاح کا پیغام دے ۱؎(مسلم)	

۱؎ یہ حدیث امام شافعی و دیگر ان اماموں کی دلیل ہے جو فرماتے ہیں کہ بحالت احرام نکاح کرنا مکروہ تحریمی ہے،ہمارے امام اعظم کے نزدیک یہ نہی تنزیہی ہے یا لاینکح نفی مضارع کا صیغہ ہےیعنی بحالت احرام محرم اپنے ارکان ادا کرنے میں مشغول رہتا ہے اور دنیاوی کاموں میں پھنستا نہیں،یہاں کاموں کے لیے نہیں آیا ہے،ان کاموں کے لیے اور وقت ہیں اس لیے کہ خود حضورانور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہ سے بحالت احرام نکاح کیا ہے جیساکہ اگلی حدیث میں ہے۔بہرحال یہ کراہت تنزیہی ہےاور نکاح کرنے سے مراد ان کاموں میں پھنسناہے۔ (مرقات،اشعہ،لمعات)ورنہ ظاہر حدیث ان حضرات کے بھی خلاف ہےکیونکہ ان کے ہاں محرم کو نکاح کرنا حرام ہے،نکاح کی وکالت یا پیغام کو وہ بھی حرام نہیں فرماتے لہٰذا مذہب حنفی قوی ہےاور یہ حدیث احناف کے خلاف نہیں۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم نے بی بی میمونہ سے بحالت احرام نکاح کیا۱؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ یہ نکاح عمرہ قضا میں ہوا،بمقام سرف جو مکہ معظّمہ سے قریبًا چھ میل فاصلہ پر ہے وادی فاطمہ کے قریب۔خیال رہے کہ حضرت میمونہ ہ بنت حارث ہلالیہ ہیں،ان کی سگی بہن لبابہ کبریٰ ام الفضل حضرت عباس کے نکاح میں ہیں اور اخیافی بہن اسماء بنت عمیس حضرت جعفر کے نکاح میں اور دوسری اخیافی بہن سلمٰی بنت عمیس جناب حمزہ کے نکاح میں ہیں،لہٰذا حضرت میمونہ ابن عباس کی سگی خالہ ہیں،حضرت میمونہ کے اس نکاح میں حضرت عباس وکیل میمونہ تھے،انہوں نے حضور انور صلی اللہ علیہ و

سلم سے آپ کا نکاح کیا،واپسی پر اسی مقام میں زفاف ہوا ا ور اسی جگہ حضرت میمونہ کی وفات و قبر ہوئی لوگ زیارت کرتے ہیں۔(مرقات)اس سے معلوم ہوا کہ اس نکاح کا حال جس قدر حضرت ابن عباس کو معلوم ہوسکتا ہے دوسرے کو نہیں کہ یہ خود ان کی خالہ کا معاملہ ہے اور آپ کے والد ماجد اس نکاح میں وکیل ہیں،یہ حدیث امام اعظم کی قوی دلیل ہے کہ محرم بحالت احرام نکاح کرسکتا ہے،یہ عمل بیان جواز کے لیے ہے اور گزشتہ بیان استحباب کے لیے،لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔

روایت ہے حضرت یزید ابن الاصم سے جو حضرت میمونہ کے بھانجے ہیں۱؎ وہ جناب میمونہ سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہ سے بحالت حلال نکاح کیا ۲؎(مسلم)حضرت شیخ امام محی السنہ فرماتے ہیں کہ اکثر علماء اس پر ہیں کہ حضور انور نے ان سے نکاح تو بحالت حلال کیا مگر بحالت احرام نکاح کا حال کھلا پھر مکہ معظمہ کے راستہ میں مقام سرف میں آپ سے زفاف حلال ہو کر کیا۳؎	

۱؎ یزید ابن اصم بھی حضرت میمونہ کے بھانجے ہیں اور حضرت ابن عباس بھی مگر یزید ابن اصم تابعی اور ابن عباس فقیہ صحابی ہیں لہذا یزید ابن اصم سن کر فرمارہے ہیں اور حضرت ابن عباس وہ نکاح دیکھ کر کیونکہ وہ خود اس نکاح میں موجود تھے،ان کے والد حضرت عباس وکیل نکاح تھے،یہ نہیں خبر کہ یزید ابن اصم نے یہ واقعہ کس کس سے سنا،خود حضرت میمونہ سے یا کسی اور سے،انہوں نے حضرت میمونہ سے یہاں **عن میمونہ** ہے **سمعت میمونۃ** نہیں ہے۔

۲؎ **تزوّج** سے مراد تیاری نکاح ہے اور حلال سے مراد احرام سے پہلے کا حل ہے یعنی احرام باندھنے سے پہلے بحالت حل تیاری نکاح فرمائی اور احرام کے بعد نکاح کیا،رب تعالٰی فرماتا ہے:"**فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ**"اور فرماتاہے:"**اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ**"یعنی جب تم قرآن پڑھنا چاہو تو **اعوذ باللہ** پڑھواور جب تم نماز پڑھنا چاہو تو وضو کرو،یوں ہی **تزوّج** کے معنے ہیں نکاح کرنا چاہا،تیاری نکاح نکاح سے پہلے ہوتی ہے لہذا یہ حدیث گزشتہ حدیث ابن عباس کے خلاف نہیں اور اگر خلاف بھی ہو تب بھی حدیث ابن عباس کو ترجیح ہے جیساکہ ہم نے ابھی عرض کیا۔

۳؎ یہاں **اکثرون** سے مراد شوافع علماء ہیں انہوں نے یہ تاویل کی ہے مگر یہ تاویل بالکل خلاف ظاہر ہے کیونکہ اس کے برعکس بھی ہوسکتا ہے کہ نکاح احرام میں کیا ہواور ظہور نکاح حلال ہونے کی حالت میں ہوا ہو،نیز **تزوّج** کو ظہور نکاح کے معنے میں لینا بہت ہی بعید ہے۔غرضکہ مذہب احناف بہت قوی ہے،امام زہری نے جب یزید ابن اصم کی حدیث عمرو ابن دینار پر پیش کی تو عمرو نے فرمایا کہ یزید جو دیہات کے باشندے تھے حضرت ابن عباس کے برابر کیسے ہوسکتے ہیں،حدیث ابن عباس کو صحاح ستہ نے روایت کیا اور حدیث یزید کو مسلم نے۔ابورافع کی حدیث میں ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نکاح بحالت حلال کیااور میں ہی اس نکاح میں پیغام رساں تھا،یہ حدیث درجہ صحت کو نہ پہنچی اسے ابن حبان نے نقل کیااور ترمذی نے اسے صحیح نہ کہاحسن کہااور اگر صحیح بھی ہوتو مطلب وہ ہی ہے کہ تیاری نکاح بحالت احرام تھی،پیغام رسانی ارادہ نکاح میں ہوتی ہے نہ کہ عین نکاح کے وقت،اس وقت تو وکالت ہوتی ہے جو حضرت عباس نے کی،حضرت ابن عباس کی جو روایت

ہے کہ آپ نے حلال ہونے کی حالت میں نکاح کیا وہ بالکل سن کر ہے جسے نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھنا چاہیے اور اگر یہ روایات متعارض مان لی جائیں تو دونوں قسم کی حدیثیں ناقابلِ عمل ہوں گی اور قیاس پر عمل ہوگا جیساکہ تعارض کا حکم ہے۔قیاس چاہتا ہے کہ نکاح محرم درست ہو کیونکہ نکاح دوسرے عقود بیع،اجارہ وغیرہ کی طرح ایک عقد ہے،جب محرم بیع اجارہ کرسکتا ہے تو نکاح بھی کرسکتا ہے،نیز اصل اشیاء اباحت ہے اور حرمت عارضی،حدیث ابن عباس نکاح محرم کی اباحت ثابت کررہی ہے لہذا اسی کو ترجیح ہے کہ اباحت اصلیہ اس کی مرجح ہے،نیز حدیث ابن عباس مثبت ہے،یہ احادیث نافی اور مثبت کو ترجیح ہوتی ہے۔(ازمرقات مع الزیادۃ)

روایت ہے حضرت ابو ایوب سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم بحالت احرام اپنا سر مبارک دھولیتے تھے [1] (مسلم،بخاری)	

[1] احرام کی حالت میں سر محض پانی سے دھونا جائز ہے جب کہ بال نہ ٹوٹے،خطمی سے دھونے میں قربانی واجب ہے۔(حنفی،مالکی)اشنان یا خوشبودار چیز سے دھونے میں صدقہ واجب ہے،بیری،صابن سے دھونا جائز ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بحالت احرام پچھنے لگوائے [1] (مسلم،بخاری)	

[1] محرم کو پچھنے لگوانے بھی جائز ہیں جب کہ بال نہ ٹوٹے،کسی نے حضرت عائشہ صدیقہ سے پوچھا کہ محرم کو اپنا سر یا بدن کھجلانا کیسا ؟ تو آپ نے فرمایا جائز ہے مگر بال نہ ٹوٹنے پائے۔(مرقات)

روایت ہے حضرت عثمان سے آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم سے اس شخص کے بارے میں حدیث نقل کی جس کی آنکھیں دکھتی ہوں اور وہ محرم ہو کہ ایلوے سے لیپ کرے [1] (مسلم)	

[1] چونکہ ایلوے میں کوئی خاص خوشبو یا مہک نہیں اس لیے دواءً اس کا استعمال جائز ہے مگر خوشبودار سرمہ یا دوا لگانا ممنوع ہے جس سے صدقہ واجب ہوگا،مہندی لگانا محرم کو منع ہے کہ اس میں خوشبو ہے۔

روایت ہے حضرت ام الحصین سے فرماتی ہیں میں نے حضرت اسامہ و بلال کو دیکھا کہ ان میں سے ایک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کی مہار پکڑے ہوئے تھے اور دوسرے صاحب اپنا کپڑا تانے ہوئے تھے [1] آپ کو گرمی سے بچاتے تھے حتی کہ آپ نے جمرہ عقبہ کی رمی کرلی [2] (مسلم)	

[1] حضرت بلال تو اونٹنی کی مہار پکڑے تھے اور حضرت اسامہ سر انور پر سایہ کئے ہوئے تھے۔اس حدیث سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ اپنے خدام سے خدمت لینا جائز ہے خواہ خدام تنخواہ دار نوکر ہوں،یا اپنے شاگرد،مرید،معتقد۔دوسرے یہ کہ محرم بحالت احرام چھتری،خیمہ،چادر کا سایہ لے سکتا ہے بشرطیکہ یہ چیزیں اس کے سر سے علیحدہ رہیں،روافض کے ہاں چھتری وغیرہ سے سایہ لینا بھی محرم کو درست نہیں۔

۲؎ اس میں یہ تصریح نہیں کہ یہ رمی دسویں بقر عید کی تھی،ممکن ہے کہ بعد والے دنوں کی ہو۔(مرقات)

روایت ہے حضرت کعب ابن عجرہ سے ۱؎ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان پر گزرے جب کہ وہ مقام حدیبیہ میں تھے مکہ معظّمہ داخل ہونے سے پہلے ۲؎ وہ محرم تھے اور ہانڈی کے نیچے آگ جلارہے تھے اور جوئیں ان کے چہرے پر گررہی تھیں ۳؎ تو فرمایا کیا تمہیں جوئیں دکھ دے رہی ہیں عرض کیا ہاں فرمایا تو اپنا سر منڈا دو اور ایک فرق(تین صاع)۴؎ دانے مسکینوں میں بانٹ دو ۵؎ فرق تین صاع کا ہوتا ہے یا تین دن کے روزے رکھ لو یا قربانی دے دو ۶؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ آپ صحابی ہیں،بیعۃ الرضوان میں حاضر تھے،زمانہ جاہلیت میں عبادہ ابن صامت سے دوستی تھی،آپ کا ایک بت تھا جس کی پرستش کرتے تھے،ایک دن حضرت عبادہ نے ان کی غیر موجودگی میں بت توڑ دیا،آپ نے آکر بت کو ٹوٹا ہوا اور حضرت عبادہ کو وہاں بیٹھا ہوا پایاتو حضرت عبادہ پر غصہ آیا مگر فورًا دل سے آواز آئی کہ اے کعب اگر بت کچھ کرسکتے ہوتے تو اپنے کو عبادہ سے کیوں نہ بچاتے یہ خیال آتے ہی اسلام قبول کرلیا۔(اشعہ)کوفہ میں قیام رہا،مدینہ منورہ میں وفات پائی،پچھتر ۷۵ سال عمر پائی ۵۱ھ؁ میں انتقال ہوا۔(اکمال)

۲؎ یہ واقعہ صلح حدیبیہ کے سال کا ہے،ابھی کفار مکہ سے صلح کی گفتگو شروع نہ ہوئی تھی،مسلمانوں کو عمرہ کرنے کی قوی امید تھی۔

۳؎ یعنی سر میں جوئیں بہت ہوگئیں تھیں مگر احرام کی وجہ سے نہ مارسکتے تھے نہ سر خطمی وغیرہ سے دھو سکتے تھے حتی کہ نوبت یہاں تک پہنچی کہ چہرے پر جوئیں رینگنے لگیں۔

۴؎ فرق عرب کے ایک پیمانہ کا نام ہے جس میں سولہ رطل یا بارہ مد یا تین صاع گندم سماتے ہیں،راء کے سکون سے بھی ہے اور فتح سے بھی۔

۵؎ لہٰذا ہر مسکین کو آدھا صاع ملے گا،دانہ سے مراد گندم ہے۔ہمارا یہ ہی مذہب ہے کہ محرم پر سر منڈانے کی صورت میں تین صاع گندم چھ مسکینوں میں تقسیم کرنا لازم ہے۔(مرقات)

۶؎ یہ حدیث اس آیت کریمہ کی تفسیر"وَلَا تَحۡلِقُوۡا رُءُوۡسَکُمۡ حَتّٰی یَبۡلُغَ الۡہَدۡیُ مَحِلَّہٗ فَمَنۡ کَانَ مِنۡکُمۡ مَّرِیۡضًا اَوۡ بِہٖۤ اَذًی مِّنۡ رَّاۡسِہٖ فَفِدۡیَۃٌ مِّنۡ صِیَامٍ اَوۡ صَدَقَۃٍ اَوۡ نُسُکٍ"یعنی قربانی اپنے ٹھکانے پر پہنچنے سے پہلے سر نہ منڈاؤ،جو تم میں بیمار یا اس کے سر میں تکلیف ہو تو اس پر فدیہ لازم ہے روزے یا صدقہ یا قربانی۔حدیث شریف نے بتایا کہ روزے تین واجب ہوں گے اور اگر صدقہ دے تو تین صاع مسکینوں کو دے گا،ہر مسکین کو نصف صاع،غرض کہ ضرورۃً سر منڈانے کا محرم پر کفارہ ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ آپ عورتوں کو بحالت احرام دستانوں اور نقاب سے اور ان کپڑوں سے جنہیں ورس یا زعفران لگا ہو منع فرماتے تھے [1] ہاں احرام کے بعد جو رنگ برنگے کپڑے سرخ یا ریشمی یا زیور یا پائجامہ یا کرتہ یا موزہ چاہے پہنے [2] (ابوداؤد)	

[1] یعنی عورت کو بحالت احرام تین چیزیں منع ہیں:دستانہ پہننا،چہرے پر نقاب اس طرح ڈالنا کہ کپڑا منہ کو لگے،بدن یا کپڑے پر خوشبو ملنا۔

[2] بعد ذلك کے معنے اشعۃ اللمعات میں تو یہ کئے کہ احرام کے بعد جو چاہے پہنے کہ مانع جاتا رہا مگر مرقات میں بعد کے معنے کئے سواء ذالك سے اشارہ کیا گزشتہ تین چیزوں کے طرف اور معنے یہ کئے کہ ان تین لباسوں کے علاوہ محرمہ عورت بحالت احرام جو چاہے لباس پہنے۔مطلب یہ ہے کہ عورت پر مردوں کی سی پابندی نہیں سر نہ ڈھکے یا سلے کپڑے نہ پہنے وغیرہ بلکہ اسے سر ڈھکنا،سلے کپڑے پہننا سب جائز ہے بلکہ اگر نقاب چہرے سے الگ رہے تو وہ بھی جائز ہے،مرقات کے یہ دوسرے معنے زیادہ قوی معلوم ہوتے ہیں۔واللہ تعالٰی اعلم!

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ ہم پر قافلے گزرے تھے جب کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ احرام باندھے ہوئے تھے جب قافلے ہم پر گزرتے [1] تو ہم میں سے ہر ایک اپنے سر سے چہرے پر چادر ڈال لیتی [2] پھر جب وہ آگے بڑھ جاتے تو ہم منہ کھول لیتے تھے [3] (ابوداؤد)ابن ماجہ کی روایت میں اس کے معنی ہیں۔	

[1] یعنی ویسے تو ہم اپنی سہیلیوں کے ساتھ اپنے چہرے کھلے رکھتے تھے مگر جب قافلے ہم پر گزرتے تو ان میں مرد بھی ہوتے تھے ان سے ہم پردہ کرنے کی کوشش کرتے تھے لہذا اس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ حضرات اپنے مدینہ والے مردوں سے پردہ نہ کرتی تھیں،جیسا کہ بعض لوگوں نے سمجھا،پردہ ہر اس مرد سے واجب ہے جس سے نکاح درست ہو،خواہ مدینہ کا ہو یا باہر کا۔

[2] مگر ا سطرح کہ چادر کا یہ حصہ چہرے سے مس نہ کرے اس سے علیحدہ رہے کہ اس میں پردہ بھی ہوگیا،نقاب چہرے سے مس بھی نہ ہو،لہذا یہ حدیث گزشتہ نقاب کی ممانعت کی حدیث کے خلاف کے نہیں۔

۳؎ کیونکہ اب کوئی نامحرم مرد نہ رہتا تھا جس سے پردہ ہو۔خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں تمام مسلمانوں کی مائیں ہیں،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ"مگر پردہ حجاب ان پر بھی فرض ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتٰعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ"اب موجودہ زمانہ کی بے پردہ عورتوں کو اس حدیث سے عبرت لینا چاہیے۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بحالت احرام روغن زیتون لگالیتے تھے جو کسی خوشبو سے مہکایا نہ جاتا تھا ۱؎ (ترمذی)

۱؎ **مقتت تقتیت** سے بنا بمعنی روغن کو خوشبو سے مہکانایا تو خوشبو کے ساتھ پکا کر یا تلوں وغیرہ کو پھولوں میں بسا کریا تیل میں پھول ڈال کر،یہ سب **تقتیت** کی صورتیں ہیں۔خیال رہے کہ خوشبودار تیل عضو کامل پر لگانے سے محرم پر بالاتفاق قربانی واجب ہے مگر خالص تل یا زیتون کے تیل لگانے میں اختلاف ہے،امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اسے خوشبو مانتے ہیں کہ اس کے لگانے سے امام صاحب کے ہاں قربانی اور صاحبین کے ہاں صدقہ واجب ہے مگر جب کہ خوشبو کے لیے ملا جائے،اگر دواءً استعمال یا اس کی مالش کی جائے تو ہمارے یہاں بھی کچھ واجب نہیں،دیگر آئمہ کے ہاں ان تیلوں سے کچھ واجب نہیں،امام اعظم رضی اللہ عنہ کے یہاں اس حدیث میں دواءً تیل لگانا مراد ہے،دوسرے اماموں کے ہاں خوشبوکے لیے لگانا مراد لہٰذا یہ حدیث امام اعظم رضی اللہ عنہ کے خلاف نہیں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت نافع سے کہ حضرت ابن عمر نے سردی محسوس کی تو فرمایا اے نافع مجھ پر کپڑ اڈال دو ۱؎ تو میں نے آپ پر ایک برنس ڈال دی ۲؎ تو آپ نے فرمایا کہ کیا تم مجھ پہ ڈالتے ہو حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محرم کو اس کے پہننے سے منع فرمایا ۳؎ (ابوداؤد)

۱؎ حضرت ابن عمر محرم تھے،موسم سرد تھا یا اتفاقًا سردی ہوگئی جیسے کبھی جون جولائی میں بھی بارش یا اولے پڑ جانے سے عارضی سردی ہوجاتی ہے۔

۲؎ برنس لمبی ٹوپی کو بھی کہتے ہیں اور لمبی چادر کو بھی جو سر بھی ڈھانپ لے،یہاں دوسرے معنے مراد ہیں یعنی میں نے ان پر وہ لمبی چادر ڈال دی جس سے ان کا سر بھی ڈھک گیا،برنس میں ایسی سلائی ہوتی ہے جس میں سر ڈھکنے کا حصہ بن جاتا ہے۔

۳؎خیال رہے کہ محرم کو سلا کپڑا پہننا منع ہے حتی کہ اس کا اپنے پر ڈالنا۔پہننایہ ہے کہ سلائی کے ذریعہ کپڑا جسم پر رُکے،ڈالنا یہ ہے کہ کسی اور ذریعہ سے اسے روکا جائے۔حضرت ابن عمر نے یاتو اس لیے منع فرمایا کہ آپ کا سر ڈھک گیا تھا اور محرم کو سر ڈھانپنا منع ہے یا آپ نے سلا کپڑا ڈالنا بھی مکروہ سمجھا۔فتح القدیر میں فرمایا کہ سلا کپڑا اس طرح اپنے پر ڈالنا کہ پہننے کے مشابہ ہوجائے مکروہ ہے۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مالک ابن بحینہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحالت احرام اپنے سر کے وسط میں مکہ معظّمہ کے راستہ میں لُحی جمل میں پچھنے لگوائے ۱؎(مسلم،بخاری)

۱؎ظاہر ہے کہ وسط پر بال ہوتے ہیں وہ دور کئے بغیر وہاں فصد نہیں ہوسکتی اور بال اکھیڑنا،مونڈنا بحالت احرام جرم ہے اس لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ضرورۃً یہاں کے بال علیحدہ کرکے فصد کھلوائی ہوگی اور بعد میں فدیہ بھی ادا کردیا ہوگا،یہاں فدیہ کا ذکر نہیں ہے،سر منڈانے پر فدیہ واجب ہونا آیت قرآنی سے ثابت ہے۔ہماری اس توجیہ کی بنا پر نہ تو حدیث قرآنی آیت کے خلاف ہے اور نہ ان احادیث کے جن میں حاجی کو فصد لینے یا بال منڈانے سے منع فرمایا گیا ہے کہ یہ عمل ضرورۃً تھا اور وہ فرمان بلاضرورت کی صورت میں ہے۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں ۱؎کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحالت احرام ایک درد کی وجہ سے جو آپ کو تھا قدم کی پشت پر پچھنے لگوائے ۱؎(ابوداؤد،نسائی)

۱؎چونکہ درمیان قدم پر بال ہوتے ہی نہیں لہذا وہاں فصد کی صورت میں بال دور کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لہذا اس حدیث میں کسی تاویل یا توجیہ کی ضرورت نہیں،خصوصًا جب کہ یہ فصد عذر کی بنا پر تھی،عذر میں تو بال مونڈکر فصد لینا بھی جائز ہے اگرچہ فدیہ واجب ہوگا۔(لمعات واشعہ وغیرہ)

	روایت ہے حضرت ابو رافع سے ۱؎فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہ سے حلال ہونے کی صورت میں نکاح کیا اور حلال ہی ہونے کی حالت میں ان سے زفاف فرمایا میں ہی دونوں کے درمیان پیغام رساں تھا ۲؎(احمد،ترمذی)ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے۔

۱؎آپ کا نام مصعب یا ابراہیم ہے،کنیت ابو رافع،آپ پہلے حضرت عباس کے غلام تھے،کسی قبطی نے آپ کو عطیہ دیا تھا،حضرت عباس نے بطور نذر حضور کو ان کا مالک بنادیا،بدر سے کچھ پہلے ایمان لائے مگر بدر میں حاضر نہ ہوسکے،جب انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عباس کے ایمان لانے کی خبر دی تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش ہوکر انہیں آزاد کردیا۔اکمال میں ہے کہ آپ کا انتقال شہادت حضرت عثمان سے کچھ پہلے ہوا ہے مگر بعض مؤرخین فرماتے ہیں کہ آپ کا انتقال خلافت مرتضوی میں ہوا۔(اشعہ و اکمال)مگر آپ آزاد ہونے کے بعد بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی رہے۔

۲؎ اس کی تحقیق ابھی کچھ پہلے حضرت ابن عباس کی حدیث کے ماتحت ہوچکی کہ مسلم،بخاری نے حضرت ابن عباس سے روایت کی کہ حضور نے یہ نکاح بحالت احرام کیا لہذا اس حدیث ابو رافع میں تزوّج کے معنے ہیں تیاری نکاح فرمائی اور ظاہر بھی یہی ہے کیونکہ رسالت و پیغام رسانی نکاح کے وقت نہیں بلکہ نکاح سے پہلے ہوتی ہے۔اَنَاالرَّسُوْلُ سے معلوم ہورہا ہے کہ نکاح سے پہلے کا واقعہ ہے۔وکیل نکاح حضرت عباس تھے،ان کے فرزند فرماتے ہیں کہ نکاح بحالت احرام ہوالہذا حق یہی ہے کہ نکاح احرام میں ہواہے اور محرم کو نکاح کرنا جائز ہے صحبت حرام۔

۳؎ یعنی یہ حدیث صحیح نہیں بلکہ حسن ہے اور حدیث ابن عباس جس میں نکاح بحالت احرام ثابت ہے صحیح ہے مسلم،بخاری کی روایت ہے،لہذا وہ اس پر راجح ہے۔

باب المحرم یجتنب الصید

باب محرم شکار سے بچے [1]

الفصل الاول

پہلی فصل

[1] اگر بابٌ کو تنوین پڑھی جائےتو یہ ھذا پوشیدہ کی خبرہے اور المحرم مبتدا یجتنب خبر اور اگر باب کو تنوین نہ پڑھی جائے تو المحرم بوجہ مضاف الیہ ہونے کے مجرور ہوگا اور یجتنب اس کا حال۔صید کے معنے ہیں شکارکرنا یا شکار کھانا یعنی محرم شکار کرنے سے بچے یا شکار کھانے سے بچے۔خیال رہے کہ محرم کو دریائی شکار مطلقًا حلال ہے جانور حلال ہو یا حرام دریا حرم کا ہو یا بیرون حرم کا،رہا خشکی کا شکاراس میں تفصیل ہے۔درندے و شکاری جانورکا شکار حلال ہے جیسے سانپ،شیر،بھیڑیا وغیرہ،دیگر حرام جانور جو بذات خود موذی تو نہیں مگر کبھی حملہ کردیتے ہیں تو حملہ کرنے کی صورت میں ان کا شکار حلال ہے ورنہ نہیں،حلال جانور کا نہ خود شکار کرے نہ شکاری کی امداد کرے،نہ اس کی طرف اشارہ کرے،اگر کرے گا تواس کی قیمت دینا ہوگی،رہا شکار کھانااس میں بہت تفصیل اور آئمہ کا بہت اختلاف ہے۔مذہب امام اعظم یہ ہے کہ محرم کا کیا ہوا شکار حرام خواہ خود ہی شکارکرے یا دوسرا محرم یا اس محرم کی امداد یا اشارہ سے حلال شکارکرے،رہا حلال کا شکار وہ محرم کھاسکتا ہےخواہ اس نے اپنے لیے کیا ہو یا محرم کے لیے جیساکہ حدیث ابو قتادہ میں آئے گا،رب تعالٰی فرماتاہے:"اُحِلَّ لَکُمۡ صَیۡدُ الۡبَحۡرِ وَطَعَامُہٗ مَتٰعًا لَّکُمۡ وَلِلسَّیَّارَۃِ"اور فرماتاہے:"وَحُرِّمَ عَلَیۡکُمۡ صَیۡدُ الۡبَرِّ مَا دُمۡتُمۡ حُرُمًا"۔خیال رہے کہ شکار وہ جانور ہے جو خلقت کے لحاظ سے وحشی ہو،اس کی پیدائش و پرورش جنگل میں ہو۔(از مرقات واشعہ)

روایت ہے حضرت صعب ابن جثامہ سے [1] کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گورخرپیش کیا [2] جب کہ حضور انور مقام ابواء یاودّان میں تھے [3] تو آپ نے وہ واپس فرمادیا پھر جب حضور نے ان کے چہرے کی حالت دیکھی تو فرمایا کہ ہم نے صرف اس لیے واپس کیا کہ ہم محرم ہیں [4] (مسلم،بخاری)	

[1] آپ صحابی ہیں،حضرت ابن عباس آپ سے احادیث لیتے ہیں،خلافت صدیقی میں وفات ہوئی۔(اشعہ،اکمال)

۲؎ بعض روایات میں ہے کہ زندہ جانور پیش کیا تھا اور بعض میں ہے کہ ذبح کرکے اس کا کوئی عضو پاؤں سرین وغیرہ، ہوسکتا ہے کہ پہلے زندہ گورخر پیش کیا ہو بعد میں ذبح کرکے اس کا کوئی عضو لہٰذا احادیث میں تعارض نہیں،حمار وحشی کا فارسی میں نام گورخر ہے اردو میں بھی یہی ہے۔

۳؎ ابواء مدینہ منورہ سے دس میل فاصلہ پر مکہ معظّمہ کے شرقی قدیمی راستہ پر ہے اور ودّان آٹھ میل فاصلہ پر،ابواء کے مقام میں حضرت آمنہ خاتون رضی اللہ عنہا کا مزار مقدس ہے۔اللہ تعالٰی کبھی مجھے وہاں کی حاضری نصیب کرے تو ان کی تربت اطہر کی مٹی کا سرمہ لگاؤں،حضرت صعب مقام ابواء کے رہنے والے تھے۔

۴؎ یعنی جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا شکار واپس کیا تو انہیں رنج ہوا جس کا اثر ان کے چہرے پر محسوس ہوا تب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تسلی اس ارشاد عالی سے فرمادی،اگر زندہ شکار کو واپس فرمایا ہے تب تو حدیث بالکل ظاہر ہے کہ محرم کو زندہ شکار نہ پکڑنا درست ہے نہ پکڑا ہوا رکھنا یا ذبح کرنا درست ہے اور اگر اس کا گوشت واپس فرمایا ہے تو اس کی وجہ شوافع کے ہاں تو یہ ہے کہ حضرت صعب نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے شکار کیا تھا،احناف کے ہاں اس لیے رد فرمایا کہ اس شکار میں کسی محرم نے کوئی مدد کی تھی اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا پتہ تھا،یہ واقعہ حجۃ الوداع کا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم جب ابواء پہنچے تو حضرت صعب نے حضور کی میزبانی اس طرح کی جس کا نتیجہ یہ ہوا۔

	روایت ہے حضرت ابوقتادہ سے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روانہ ہوئے۱؎ تو اپنے بعض ساتھیوں کے ساتھ پیچھے رہ گئے تھے وہ ساتھی تو محرم تھے یہ محرم نہ تھے انہوں نے حضرت ابوقتادہ کی نظر پڑنے سے پہلے ایک گورخر دیکھا، دیکھا تو چھوڑ دیا۲؎ حتی کہ اسے ابو قتادہ نے دیکھ لیا تو آپ اپنے گھوڑے پر سوار ہوگئے ساتھیوں سے کہا کہ ان کا کوڑا اٹھا دیں انہوں نے انکار کیا۳؎ آپ نے خود اٹھا لیا شکار پر حملہ کیا اس کے پاؤں کاٹ دیئے پھر ابوقتادہ نے کھایا اور ساتھیوں نے بھی پھر اس پر نادم ہوئے۴؎ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے تو آپ سے مسئلہ پوچھا حضور نے فرمایا کیا تمہارے پاس اس کا کچھ ٹکڑا ہے بولے ہمارے ساتھ اس کا پاؤں ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ پاؤں لیا اور کھایا ۵؎ (مسلم،بخاری)ان دونوں کی دوسری روایت میں یوں ہے کہ جب وہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے تو آپ نے فرمایا کیا تم میں سے کسی نے انہیں حملہ کرنے کو کہا تھا،اس طرف اشارہ کیا تھا بولے نہیں فرمایا تو

بقیہ گوشت بھی کھالو ۶	

۱؎ یہ واقعہ ۶ھ؁ صلح حدیبیہ کا ہے،چونکہ تمام حضرات عمرہ کے لیے مکہ معظّمہ جانے کا ارادہ رکھتے تھے اس لیے انہوں نے احرام باندھ لیا تھااور حضرت ابوقتادہ مکہ معظّمہ جانے کا ارادہ نہ رکھتے تھےکچھ دور ساتھ ساتھ گئے تھے اس لیے آپ نے احرام نہ باندھالہٰذا حدیث پر یہ عتراض نہیں کہ ابوقتادہ بغیر احرام میقات سے آگے کیوں بڑھ گئے،اہل مدینہ کا میقات تو ذوالحلیفہ ہے۔

۲؎ ترکوہ میں ہٗ ضمیر یا تو ابوقتادہ کی طرف ہے یا شکار کی طرف یعنی محرم صحابہ نے حضرت ابوقتادہ کو شکار کی رہبری سے چھوڑ دیا،انہیں بتایا نہیں یا اس شکار کو چھوڑ دیا کہ نہ اس کی طرف اشارہ کیا نہ حملہ۔

۳؎ بعض روایات میں بجائے سَوْطَہٗ کے رُمْحَہٗ یعنی اپنا نیزہ بھالا مانگا،ہوسکتا ہے کہ دونوں ہی مانگے ہوں یعنی جلدی میں بغیر کوڑاونیزہ گھوڑے پر سوار ہوگئے تھے،پھر خیال آیا تو مانگا۔محرم صحابہ نے اٹھاکر دینے سے اس لیے انکار کیا کہ یہ شکار پر مدد ہے جو محرم کو حرام ہے۔

۴؎ یعنی محرم صحابہ شکار کا گوشت کھانے پر نادم ہوئے،ان کا خیال تھا کہ محرم کو شکار کا گوشت کھانا مطلقًا حرام ہے کسی طرح حلال نہیں،پہلے خیال نہ آیا کھالیاپھر خیال آیا تو پچھتائے۔

۵؎ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عملی جواب دیا کہ اس کا کھانا حلال ہےکیونکہ اس شکار میں کسی محرم کی مدد اور تعاون شامل نہیں۔جواب قولی بھی ہوتا ہے عملی بھی مگر عملی جواب قوی تر ہے۔(مرقات)

۶؎ اس سے معلوم ہوا کہ اگر غیرمحرم شکارکرے اورمحرم کسی قسم کی اس میں مدد نہ دے تو محرم اس کا گوشت کھاسکتا ہےخواہ اس نے صرف اپنے لیے شکار کیا ہو یا محرم کے لیے بھی کیونکہ حضرت ابوقتادہ نے اتنا بڑا گورخرصرف اپنے لیے تو مارا نہ تھا سب کو کھلانے کی نیت تھی لہٰذا یہ حدیث امام اعظم کی دلیل قوی ہے۔دلالۃ واشارۃ میں فرق یہ ہے کہ دلالت یعنی رہبری تو زبان سے بتانا ہے اور اشارہ ہاتھ سے،بعض نے فرمایا کہ غائب چیزکا بتانا دلالت ہے اور حاضر چیزکو دکھانا اشارہ۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ابن عمر سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا پانچ جانور وہ ہیں ۱؎ جنہیں احرام میں قتل کرنے والے پر گناہ نہیں:چوہا،کوّا،چیل،بچھو اور دیوانہ کتا ۲؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ یہ پانچ جانورموذی ہیں یعنی اپنے نفع کے بغیر دوسرے کا نقصان کردینے والے،ان کا قتل ہر جگہ اور ہر حال میں درست ہے،موذی کی یہ تعریف خیال میں رہے۔

۲؎ یعنی یہ پانچ جانور چونکہ موذی ہیں کہ ابتداءً لوگوں کو ستاتے ہیں اور بغیر اپنے نفع کے لوگوں کا نقصان کردیتے ہیں لہٰذا انہیں ہر جگہ حل و حرم اور ہر حالت حلال و حرام میں قتل کرسکتے ہو۔حداءۃٌ بروزن عِنَبَۃٌ اس کے معنے ہیں چیل،اسی سے حُدَیَّۃٌ تصغیر بن جاتی ہے۔دیوانہ کتا فرمانے سے معلوم ہوا کہ شکاری یا آوارہ یا پالتو کتا مارنا درست نہیں کہ یہ موذی نہیں۔(مرقات)خیال رہے کہ ان پانچ کا ذکر حصر کے لیے نہیں لہٰذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں زیادہ

جانور کا ذکر ہے۔چنانچہ سانپ،درندہ شکاری موذی جانور جیسے شیر،بھیڑیا وغیرہ بھی حل و حرم میں،احرام و احلال میں قتل کیا جائے۔بعض علماء نے شیر وغیرہ میں حملہ کی قید لگائی کہ اگر یہ حملہ کریں تو دفاعی طور پر انہیں مارا جاسکتا ہے۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا پانچ جانور موذی ہیں حل و حرم میں قتل کیے جائیں ۱؎سانپ چتکبرا،کوا،چوہا،دیوانہ کتااور چیل۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎موذی کے معنے ابھی عرض کیے جاچکے ہیں کہ اپنے فائدہ کے بغیر انسان کا نقصان کردینے والا جانورلہذا جوں کھٹمل وغیرہ اگرچہ تکلیف دہ ہیں مگر شرعی موذی نہیں کہ وہ اپنا پیٹ بھرنے کو ہمیں کاٹتے ہیں۔

۲؎چتکبرا کوا جنگلی کوّے کو کہتے ہیں جس کی پیٹھ و پیٹ سفید باقی جسم سیاہ ہوتا ہے،چتکبرا کتا بھی ہوتا ہے آدمی بھی۔ چنانچہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میں ایک چتکبرے کتے کو دیکھتا ہوں کہ میرے اہل بیت کا خون کررہا ہے۔چنانچہ شمر مردود حضرت حسین علیہ السلام کا قاتل کوڑھی تھا،جسم پر سفید داغ والا۔(اشعہ)حق یہ ہے کہ پانچ میں حصر نہیں اور جانور بھی موذی ہیں جن کا قتل حرم و احرام میں درست ہے۔(لمعات)

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت جابر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے لیے شکاری گوشت حلال ہے جب تک کہ تم نے اسے شکار نہ کیا ہو ۱؎یا تمہارے لیے شکار نہ کیا گیا ہو ۲؎(ابوداؤد،ترمذی،نسائی)

۱؎محرم کے شکار کی دو صورتیں ہیں:ایک یہ کہ محرم بذات خود شکار کو قتل کرے یہ جانور تو تمام مسلمانوں کے لیے حرام ہے کہ محرم کا شکار کسی کو حلال نہیں۔دوسرے یہ کہ محرم حلال کو شکار بتائے یا مدد کرے،یہ شکار حلال تو کھاسکتا ہے محرم نہیں کھاسکتامگر ان دونوں صورتوں میں محرم پر شکار کی قیمت خیرات کرنی ہوگی،**تصیدوہ** میں دونوں صورتیں داخل ہیں۔

۲؎یہ مذہب شافعی ہے کہ اگر محرم کے لیے کوئی حلال شکار کرے تو محرم کو اس کا کھانا حرام ہے،ہمارے ہاں حلال ہے،ہماری دلیل حضرت ابوقتادہ کی گزشتہ حدیث ہے۔اس حدیث کی توجیہ ہمارے ہاں یہ ہے حلال زندہ شکار محرم کے لیے پکڑے اور پیش کرے یا اس میں کسی محرم کی مدد شامل ہوتاکہ یہ حدیث حضرت ابوقتادہ کی حدیث کے خلاف نہ ہو،ہاں اگر محرم کے حکم سے حلال نے شکار کیا تو بھی محرم کو حرام ہے **یصادلکم** کی یہ تین توجیہیں ہوئیں۔(لمعات)

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایاٹڈی دریائی شکار سے ہے۱؎(ابوداؤد،ترمذی)۲؎

۱؎ بعض علماء نے اس حدیث سے ثابت کیا،ٹڈی کا شکار محرم کرسکتا ہے کہ یہ دریائی شکار ہے،رب تعالٰی نے فرمایا:"اُحِلَّ لَکُمۡ صَیۡدُ الۡبَحۡرِ"۔ہمارے امام اعظم کے ہاں ٹڈی خشکی کا شکار ہے کہ یہ خشکی میں ہی انڈے بچے دیتی ہے اور خشکی ہی میں جنتی پلتی ہے اور خشکی کے ہی پتے وغیرہ کھاتی ہے۔اس حدیث کے متعلق احناف کہتے ہیں کہ ٹڈی دو قسم کی ہے:بحری وبری۔بحری ٹڈی مچھلی کے ناک سے کیڑوں کی طرح نکلتی ہے،یہاں اسی کا ذکر ہے اور اگر یہ ٹڈی معروفہ ہی مراد ہوتو مطلب یہ ہے کہ یہ بھی دریائی شکار یعنی مچھلی کی طرح بغیر ذبح حلال ہے۔مؤطا امام مالک میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ"**تمرۃ خیر من جرادۃ**"یعنی اگر محرم ٹڈی کا شکار کرے تو ایک کھجور خیرات کرے،حضرت کعب نے فرمایا تھا کہ ٹڈی کے شکار پر محرم ایک درہم خیرات کرے،اس کے جواب میں حضرت عمر نے یہ فرمایا اگر اس کے شکار پر قیمت واجب نہ ہوتی تو یہ حضرات اس کی قیمت کے تخمینے کیوں لگاتے۔(مرقات ولمعات)

۲؎ تمام محدثین اس پر متفق ہیں کہ یہ حدیث اسنادًا ضعیف ہے۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ حضور نے فرمایا محرم حملہ کرنے والے درندہ کو قتل کرسکتا ہے۱؎ (ترمذی،ابوداؤد، ابن ماجہ)	

۱؎ اس کے دو معنے ہوسکتے ہیں:ایک یہ کہ جب درندہ محرم پر حملہ کرے تو محرم اسے قتل کرسکتا ہے ورنہ نہیں۔دوسرے یہ کہ حملہ کرنے والے درندوں کا قتل محرم کو جائز ہے یعنی درندے چونکہ حملہ کرنے کے عادی ہوتے ہیں لہٰذا ان کا قتل محرم کو بھی درست ہے۔

روایت ہے حضرت عبدالرحمان ابن ابی عمار سے فرماتے ہیں میں نے حضرت جابر بن عبداللہ سے بجّو کے متعلق پوچھا کہ کیا وہ شکار ہے فرمایا ہاں ۱؎ میں نے کہا کیا اسے کھایا جاسکتا ہے فرمایا ہاں میں نے کہا کہ یہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے فرمایا ہاں ۲؎ (ترمذی،نسائی،شافعی)اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث صحیح ہے۔	

۱؎ یعنی کیا بجّو خشکی کا شکار ہے جو محرم کو کرنا حرام ہے آپ نے جواب دیا ہاں خشکی کا شکار ہے لہٰذا اگر محرم اس کا شکار کرے گا تو قیمت واجب ہو گی۔

۲؎ یہ حدیث امام شافعی و امام احمد کی دلیل ہے،امام اعظم و مالک کے ہاں حرام،ان کی دلیل آگے آرہی ہے،نیز صحیح حدیث میں ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر کیل والے جانور سے منع فرمایااور بجّو کیل دار جانور ہے لہٰذا حرام ہےاور یہ حدیث منسوخ ہے۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بجّو کے متعلق پوچھا فرمایا وہ شکار ہے ۱؎ اور جب محرم اسے شکار کرے تو اس کے عوض بھیڑ دے دے	

	۲؎(ابوداؤد،ابن ماجہ،دارمی)

۱؎ خیال رہے کہ لفظ **ضبع** مؤنث ہے لہذا **ھو** ضمیر کا مذکر لانا یا تو اس لیے ہے کہ اس کی خبر یہاں **صید** مذکر ہے یا **ضبع** سے مراد بجّو کی جنس ہے۔حضرت جابر کے سوال کا منشاء یہ ہے کہ بجّو کے قتل میں محرم پر جزیہ یا کفارہ ہے یا نہیں،اگر یہ موذی جانوروں سے ہے تب تو اس کا قتل محرم کو جائز ہے اور کفارہ وغیرہ بھی اس میں کچھ نہیں،اگر شکاری جانوروں سے ہے تو محرم کو اس کا قتل کرنا بھی حرام ہوگااور اس کی قیمت بھی دینا ہوگی،فرمایا یہ موذی نہیں بلکہ شکار ہے۔
۲؎ یعنی محرم کے اس شکارکرلینے پر اس کے عوض ایک بھیڑ خیرات کرنی ہوگی،امام شافعی کے ہاں حلال شکار پر جزا واجب ہوتی ہے حرام شکار پر نہیں،ہمارے امام اعظم کے ہاں مطلقًا شکار پر جزا واجب ہے جانور حرام ہو یا حلال لہذا ہمارے اصول پر اس حدیث سے بجّو کی حلت ثابت نہ ہوگی۔

	روایت ہے حضرت خزیمہ ابن جزی سے ۱؎ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بجّو کھانے کے متعلق پوچھا تو فرمایا کوئی بجّو بھی کھاتا ہے ۲؎ اور آپ سے بھیڑیا کھانے کے متعلق پوچھا تو فرمایا کہ جس میں بھلائی ہو وہ بھیڑیا کھاسکتا ہے ۳؎(ترمذی)اور ترمذی نے فرمایا کہ اس کی اسناد قوی نہیں ۴؎

۱؎ **خُزیمہ** خ کے پیش ز کے زبر (فتح)سے ہے اور **جزیمہ** جیم کے زبر ز کے زیر(کسرہ)سے،آپ صحابی ہیں۔
۲؎ یعنی کیا کوئی مسلمان بجّو کھائے گا حالانکہ یہ کیل والا جانور ہے اور کیل والے جانور حرام ہیں،یہ حدیث امام ابوحنیفہ و امام مالک رضی اللہ عنہما کی دلیل ہے کہ بجّو کھانا منع ہے،خواجہ حسن بصری،سعید ابن مسیب اور سفیان ثوری کا بھی یہ ہی مذہب ہے کہ بجّو حرام ہے،دیکھو مرقات شرح مشکوۃ۔
۳؎ بھلائی سے مراد ایمان ہے یعنی مؤمن بجّو بھیڑیا وغیرہ جانور کبھی نہیں کھاسکتا،مؤمن کو اس سے طبعًا نفرت ہونی چاہیے۔
۴؎ یعنی یہ حدیث (۱)امام ترمذی کو غیر قوی ہوکر ملی مگر جب امام اعظم نے اس حدیث سے یہ مسئلہ استنباط کیا تو اس وقت بالکل صحیح درست و قوی تھی،جس راوی کی وجہ سے یہ حدیث صحیح نہ رہی وہ اس کی اسناد میں اس وقت شامل تھا ہی نہیں،امام ترمذی کے زمانہ کے ضعف پہلے والوں کو مضر کیوں ہوگا(۲)اس حدیث سے خواجہ حسن بصری،سفیان ثوری نے بھی استدلال فرمایا(۳)اور اس کی تقویت ابن ماجہ کی روایت سے بھی ہوتی ہے(۴)اور جب حلت و حرمت میں تعارض ہو تو حرمت کو ترجیح ہوتی ہے لہذا یہ ہی راجح ہے کہ بجّو حرام ہے۔(مرقات)
لطیفہ: مذہب حنفی کی قوت کی دلیل یہ ہے کہ جو جانور حنفی حرام کہتے ہیں دوسرے امام حلال انہیں کھاتا کوئی نہیں،دیکھو گھوڑا،گوہ،بجّو وغیرہ کو دوسرے آئمہ نے حلال تو کہا مگر اس کے گوشت آج تک نہ کہیں مارکیٹ میں فروخت ہوتے دیکھے،نہ کسی کو کھاتے دیکھا،صرف کتابوں میں ہی حلت مذکور ہے(۵)خیال رہے کہ ترمذی نے بھی اس حدیث کو ضعیف نہ کہا بلکہ **لیس بقوی** فرمایا،اس میں حدیث حسن بھی شامل ہے،نیز(۶)ترمذی نے اس حدیث پر جرح مجہول کی اور جرح مجہول احناف کے ہاں نہیں،ان چھ وجہوں سے یہ حدیث قابلِ عمل ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت ابن عثمان تیمی سے [1] فرماتے ہیں ہم طلحہ ابن عبید اللہ کے ساتھ تھے اور ہم احرام باندھے تھے تو ان کے لیے پرندے لائے گئے اور حضرت طلحہ سو رہے تھے تو ہم میں سے بعض نے وہ کھالیئے اور بعض نے احتیاط برتی [2] پھر جب طلحہ جاگے تو آپ نے کھانے والوں کی موافقت کی کہا کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پرندے کھائے [3] (مسلم)	

[1] عبدالرحمٰن ابن عثمان ابن عبید اللہ صحابی ہیں،حضرت طلحہ ابن عبید اللہ کے بھتیجے ہیں،بیعت الرضوان کے بعد ایمان لائے،حضرت عبداللہ ابن زبیر کے ساتھ شہید کیے گئے۔(اشعہ)

[2] یعنی چڑیوں کا بھنا ہوا گوشت لایا تو گیا تھا حضرت طلحہ کے لیےمگر وہ سورہے تھے ان کے بعض ساتھیوں نے یہ سمجھ کر کہ چونکہ انہیں حلال نے شکار کیا ہے نہ کہ محرم نے لہذا ہمارے لیے ان کا کھانا درست ہےاور یہ بھی خیال کیا کہ حضرت طلحہ ہمارے کھالینے پر ناراض نہ ہوں گے کھائے لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ جب یہ چڑیاں حضرت طلحہ کے لیے لائی گئیں تھیں تو دوسروں نے کیوں کھائیں کیونکہ یہ کھانے والے ان کے بے تکلف دوست تھے۔

[3] غالبًا **فاكلنا** کی ف تعلیلیہ ہےیعنی آپ نے فرمایا کہ یہ گوشت ہمارے لیے حلال ہےکیونکہ ہم نے اس قسم کے ہدایا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھائے ہیں۔اس سے بھی مذہب حنفی ثابت ہوتا ہے کہ جس شکار میں محرم نے مدد نہ دی ہو محرموں کو اس کا کھانا حلال ہے۔

باب الاحصار و فوت الحج

روکے اور حج چھوٹ جانے کا باب[1]

الفصل الاول

پہلی فصل

[1]احصار حصر سے بنا بمعنی روکنا و باز رکھنا،رب تعالٰی فرماتاہے:"اُحۡصِرُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ"۔شریعت میں احصاریہ ہے کہ انسان بعد احرام حج کرنے پر قادر نہ ہو۔مسئلہ احصار میں تین قسم کا اختلاف ہے:ایک یہ ہے کہ ہمارے امام اعظم کے ہاں دشمن،مرض،خرچہ،ہلاک ہوجانے،راستہ میں عورت محرمہ کے محرم مرجانے سے احصار ہوجاتا ہے،دیگر اماموں کے ہاں احصار صرف دشمن کافر سے ہوگا اور کسی وجہ سے نہیں۔دوسرے یہ کہ ہمارے مذہب میں احصار کی قربانی حرم شریف میں ہی بھیجی جائے گی کہ وہاں ذبح ہو،دیگر آئمہ کے ہاں جہاں احصار ہو وہاں ہی ذبح کردی جائے،وہ فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قربانی حدیبیہ میں ہی کردی تھی،ہم کہتے ہیں کہ وہ مجبورًا ہوا کہ وہاں سے حرم تک قربانی لے جانے والا کوئی نہ تھا،سب ہی روک دیئے گئے تھے ایسی مجبوری میں ہم بھی کہتے ہیں حل میں قربانی کردے۔(اشعہ)یا حدیبیہ کا بعض حصہ حرم میں داخل ہے،یہ قربانیاں داخل حرم والے حصہ میں ہوئیں۔تیسرے یہ کہ ہمارے ہاں محصر پر قضا واجب ہے،امام شافعی کے ہاں نہیں مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمرہ قضا ہماری تائید کرتا ہے۔حج کا فوت قیام عرفات رہ جانے سے ہوتا ہے،قیام عرفات کا وقت نویں بقر عید کے زوال سے دسویں کی پو پھٹنے تک ہے اگرچہ ایک ساعت ہی وہاں ٹھہر جائے حتی کہ تنگی کے وقت اس وقوف کے لیے نماز عشاء قضا کردے۔(اشعہ و مرقات)

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روک دیئے گئے تھے تو آپ نے سر شریف منڈادیا تھا اور اپنی بیویوں سے صحبت فرمائی اپنی ہدی قربان کر دی حتی کہ اگلے سال عمرہ کیا[1](بخاری)	

[1]یعنی ۶ھ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کا احرام باندھا،حدیبیہ کے میدان میں کفار مکہ نے آپ کو عمرہ سے روک دیا تب آپ اس میدان میں حلال ہو گئے اور وہاں ہی قربانی احصار دے دی،سال آئندہ ۷ھ میں آپ نے اس فوت شدہ عمرہ کی قضا کی۔اس قضا سے معلوم ہوا کہ نفلی عبادت شروع کردینے سے واجب ہوجاتی ہے کہ اس کی قضا ہوتی ہے،شوافع کہتے ہیں کہ یہ دوسرا عمرہ نفلی تھا اس لیے سب نے ادا نہ کیا،سال حدیبیہ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چودہ[14] سو صحابہ تھے قضا میں سات سو بھی نہ تھے،اگر قضا واجب ہوتی تو سب کرتے،ہم کہتے ہیں کہ سب نے قضا کی بعض نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بعض نے بعد میں۔(مرقات)اگر یہ دوسرا عمرہ نفلی ہوتا تو اسے عمرہ قضا نہ کہا جاتا۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے فرماتے ہیں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روانہ ہوئے ۱؎ تو کفار قریش بیت اللہ شریف سے آڑے آگئے ۲؎ تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ہدیاں قربانی کردیں اور آپ نے سر منڈادیا اور صحابہ نے بال کٹوادیئے ۳؎(بخاری)	

۱؎ عمرہ کرنے ۶ھ میں چودہ سو صحابہ۔

۲؎ یعنی ہم کو انہوں نے بیت اللہ تک نہ پہنچنے دیا۔اس سے اشارۃً معلوم ہوا کہ عمرہ کا فوت بیت اللہ کے طواف سے روکنے سے ہوتا ہے مگر حج کا فوت عرفات سے روکے جانے پر ہوجاتا ہے۔

۳؎ یعنی بعض صحابہ نے بال منڈوائے اور بعض نے کتراوئے،ہمارے امام صاحب کے ہاں محصر پر یہ منڈانا کتروانا واجب نہیں،بعض کے ہاں واجب ہے لیکن کرنے پر کوئی کفارہ وغیرہ نہیں۔(طحاوی،مرقات)

روایت ہے حضرت مسور ابن مخرمہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر منڈانے سے پہلے ذبح فرمایا اور اپنے صحابہ کو بھی اس کا حکم دیا ہے ۱؎(بخاری)	

۱؎ یہ واقعہ بھی حدیبیہ کا ہے کہ جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد صلح مدینہ منورہ واپسی کا ارادہ فرمالیا تو ہدی وہاں ہی قربانی فرمادی اور سر منڈادیا۔امام اعظم قدس سرہ کے ہاں محصر پر منڈوانا یا کتروانا نہیں،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل و حکم شریف اس لیے تھا کہ لوگوں پر آپ کا مصمم ارادہ ظاہر ہوجائے کہ اب عمرہ کرنے کا ارادہ بالکل ہی ترک فرمادیا ہے اور واپسی کا ارادہ ہوچکا ہے اور جو کام ضرورۃً حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیے وہ سنت نہیں کہلاتے۔امام صاحب فرماتے ہیں کہ سر منڈانے یا کتروانے کا عبادت ہونا خاص جگہ اور خاص وقت میں ہے یعنی عمرہ یا حج کے ارکان ادا کرچکنے کے بعد،رب تعالٰی فرماتا ہے:"لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِیْنَ مُحَلِّقِیْنَ رُءُوْسَكُمْ وَ مُقَصِّرِیْنَ"۔معلوم ہوا کہ بیت اللہ میں داخل ہوکر عمرہ کرنے،حلق و قصر عبادت ہے،صاحبین کے ہاں محصر پر سر منڈانا ہے مگر نہ کرنے پر کوئی کفارہ وغیرہ لازم نہیں،تفصیل کتب فقہ میں ہے۔(اشعہ)

روایت ہے حضرت ابن عمر سے آپ نے فرمایا کیا تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کافی نہیں اگر تم میں سے کوئی حج سے روک دیا جائے ۱؎ تو بیت اللہ اور صفا مروہ کا طواف کرے پھر ہر چیز سے حلال ہوجائے حتی کہ سال آئندہ حج کرے ۲؎ تو ہدی لائے یا اگر ہدی میسر نہ ہو تو روزے رکھ لے ۳؎(بخاری)	

۱؎ یہاں سنت سے مراد قولی سنت ہے یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عالی نہ کہ عملی سنت کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ و سلم احرام عمرہ میں روکے گئے تھے نہ کہ احرام حج میں۔حج روک دیئے جانے کے معنے یہاں یہ ہیں کہ محرم مکہ معظّمہ حج

ہوچکنے کے بعد پہنچے یا کوئی دشمن یا بیماری اسے مکہ معظّمہ سے عرفات نہ جانے دے تو وہ محرم حج اب عمرہ کرکے احرام کھول دے اور اگر محرم مکہ معظّمہ پہنچ ہی نہ سکا اس کے احکام دوسرے ہیں۔

۲؎ یعنی گزشتہ سال والے رہے ہوئے حج کی قضا کرے وہ حج خواہ فرض تھا یا نفلی یوں ہی اگر محرم حج کو فاسد کردے تب بھی قضا واجب ہے اگرچہ حج نفل ہو۔اس سے معلوم ہوا کہ ہر نفلی عبادت شروع کردینے سے فرضی ہوجاتی ہے،امام شافعی حج میں تو اس کے قائل ہیں مگر دیگر عبادات میں قائل نہیں،ان کے ہاں نفلی نماز و روزہ شروع کردینے کے بعد بھی نفل ہی رہتے ہیں کہ توڑ دینے پر قضاء نہیں۔

۳؎ شاید کوئی ان احکام کا منکر تھااس لیے حضرت ابن عمر نے یہ حکم بیان فرمایا مع دلیل کے۔خیال رہے کہ مفرد کا حج رہ جانے میں صرف حج کی قضا واجب ہوگی قضا کے وقت نہ عمرہ واجب ہوگا نہ ہدی،امام شافعی کے ہاں قربانی واجب ہوگی،اگر قارن کا حج رہ گیا تو وہ عمرہ تو ادا کرے پھر فوت شدہ حج کے لیے عمرہ کرے اس سے قران کی قربانی معاف ہو گئی،اگر متمتع کا حج رہ گیا تو تمتع جاتا رہا۔(مرقات و کتب فقہ)

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضباعہ بنت زبیر کے پاس تشریف لے گئے ۱؎ تو ان سے فرمایا شاید تم حج کا ارادہ رکھتی ہو ۲؎ وہ بولیں اللہ کی قسم میں تو اپنے کو بیمار پاتی ہوں ۳؎ حضور نے ان سے فرمایا حج کو چلو اور یوں کہہ لو کہ الٰہی میرے کھلنے کی جگہ وہ ہی ہے جہاں تو مجھے روک دے ۴؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ ضباعہ زبیر ابن عبدالمطلب کی بیٹی ہیں یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی چچا زاد بہن،زبیر اسلام نہ لائے تھے، ضباع صحابیہ ہیں،مہاجرات سے ہیں،حضرت مقداد کی زوجہ ہیں۔(اشعہ و مرقات)

۲؎ یعنی ہم نے سنا ہے کہ حجۃ الوداع میں ہمارے ساتھ تم بھی حج کو چلنا چاہتی ہو،یہ واقعہ حجۃ الوداع کی تیاری کے وقت کا ہے۔معلوم ہوا کہ حاجی دوسرے لوگوں کو بھی اپنے ساتھ حج کو چلنے کی رغبت دے۔

۳؎ یعنی ابھی بیماری سے اٹھی ہوں،کمزور ہوں،اندیشہ ہے کہ سفر سے پھر مرض عود کر آئے اور میں احرام کے بعد حج پورا نہ کرسکوں۔

۴؎ یعنی احرام باندھتے وقت یہ کہہ لینا کہ خدایا اگر میں بعد احرام ادائے حج سے قاصر رہوں،بیمار ہو جاؤں تو جہاں بیمار ہوں گی وہاں ہی احرام کھول دوں گی۔اس سے معلوم ہوا کہ احصار مرض سے بھی ہوجاتا ہے لہٰذا یہ حدیث امام اعظم کی دلیل ہے کہ احصار دشمن ہی سے نہیں ہوتا مرض سے بھی ہوتا ہے۔خیال رہے کہ زبان سے یہ شرط لگالینا استحبابًا ہے،اگر شرط نہ بھی لگائی ہو تب بھی بیمار محرم احرام کھول سکتا ہے۔ بعض نے فرمایا کہ اس شرط لگانے کا فائدہ یہ ہوگا کہ بیمار فورًا حج سے کھل سکتا ہے،اگر بغیر شرط لگائے ایسا حادثہ پیش آیا دوسرے حجاج کے ہاتھ ہدی بھیجے گا اور ہدی حرم شریف میں ذبح ہوچکنے کے بعد احرام کھولے گا۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو حکم دیا کہ انہوں نے حدیبیہ کے سال جو قربانیاں دی تھیں ۱؎ عمرہ قضا میں ان کے عوض اور دیں۲؎

۱؎ یعنی جو قربانی تم گزشتہ سال دے چکے ہو وہ تو قبول ہوگئی اب دوبارہ قضا عمرہ میں پھر قربانی دو،اگر گزشتہ قربانی حل میں واقع ہوئی تھی تب تو وہ درست ہی نہ ہوئی تھی اب دینا ضروری ہے اور اگر حرم کے حدود میں واقع ہوئی تھی تو اب دوبارہ دینے کا حکم استحبابی ہے۔(مرقات،واشعہ)

۲؎ اس جگہ مشکوۃ شریف میں جگہ چھوٹی ہوئی ہے مگر یہ روایت ابوداؤد میں ہے،چونکہ اس کی اسناد میں محمد ابن اسحاق ہے اس لیے حدیث اس اسناد میں ضعیف ہے۔واللہ اعلم!

	روایت ہے حضرت حجاج ابن عمرو انصاری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کا پاؤں ٹوٹ جائے یا لنگڑا ہوجائے تو وہ احرام کھول دے اور اس پر سال آئندہ حج ہے ۱؎(ترمذی،ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ،دارمی) اور ابوداؤد نے یہ زیادہ کیا کہ دوسری روایت میں یہ بھی ہے کہ یا وہ بیمار ہوجائے ۲؎ ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے اور مصابیح میں ہے کہ ضعیف ہے۳؎

۱؎ یعنی جس نے احرام حج باندھ لیا ہو پھر اس کے پاؤں کی ہڈی ٹوٹ جائے یا ہڈی تو نہ ٹوٹے لنگ پیدا ہوجائے جس سے وہ آگے سفر اور ارکان حج ادا نہ کرسکے تو وہ اپنا احرام کھول دے اور وہاں سے لوٹ جائے یا ٹھہر جائے،ہدی مکہ معظّمہ بھیج دے اور تاریخ ذبح پر احرام کھول دے،سال آئندہ قضاء کرے۔اس سے دو مسئلے ثابت ہوئے:ایک یہ کہ احصار صرف دشمن ہی سے نہیں ہوتا بلکہ بیماری وغیرہ سے بھی ہوجاتا ہے۔دوسرے یہ کہ نفلی عبادت شروع کردینے سے فرض ہوجاتی ہے کہ اگر پوری نہ ہو سکے تو اس کی قضا لازم ہے کیونکہ یہاں حج مطلق فرمایا گیا ہے فرضی ہو یا نفلی لہذا یہ حدیث احناف کی قوی دلیل ہے ،بعض نے فرمایا کہ اگر شرط سے احرام باندھا ہے تب مرض سے احصار ہوسکے گا ورنہ نہیں مگر یہ بھی صحیح نہیں،اس حدیث پاک میں شرط کا ذکر نہیں نص میں مطلق کا اطلاق باقی رکھنا چاہیے۔

۲؎ بیماری سے وہ بیماری مراد ہے جو سفر یا ادائے حج سے روک دے مطلقًا بیماری نہیں جیساکہ ظاہر ہے۔

۳؎ یعنی یہ حدیث چند اسنادوں سے مروی ہے: ترمذی والی اسناد میں تو حسن ہے اور امام بغوی یعنی صاحب مصابیح کی اسناد میں ضعیف مگر اس اسناد کا ضعف دوسری اسناد کے حسن کو مضر نہیں ہوسکتا۔فتح القدیر میں ہے کہ یہ حدیث حضرت ابن عباس و ابوہریرہ پر پیش کی گئی تو ان دونوں نے فرمایا کہ حجاج سچے ہیں،طحطاوی میں ہے کہ حضرت علقمہ فرماتے ہیں ہمارے اس ساتھی

کو سانپ نے کاٹ لیا وہ عمرہ کا محرم تھاہم نے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ یہ ہدی بھیج دے اور صحت ہو جانے کے بعد عمرہ ادا کرے فی الحال کھل جائے۔(مرقات وغیرہ)

	روایت ہے حضرت عبدالرحمٰن ابن یعمر دیلمی سے [1] فرماتے ہیں میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ حج عرفہ ہے جو مزدلفہ کی شب فجر طلوع ہونے سے پہلے عرفہ کا قیام پالے اس نے حج پالیا [2] منٰی کے دن تین ہیں [3] تو جو دو دن میں جلدی کرے تو اس پر گناہ نہیں اور جو دیر سے لوٹے تو اس پر گناہ نہیں [4] (ترمذی،ابوداؤد، نسائی،ابن ماجہ،دارمی)اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے صحیح ہے۔

[1] **یعمر** ی کے فتح،ع کے جزم،میم کے فتح سے ہے۔**دیل** د کے کسرہ،ی کے سکون سے،آپ صحابی ہیں،کوفہ میں رہے،خراسان میں وفات پائی۔

[2] یعنی حج کا رکن اعلیٰ جس پر حج پانے نہ پانے کا مدار ہے وہ قیام عرفات ہے اس کے وقت میں اتنی گنجائش کردی گئی ہے کہ اگلی رات بھی نویں تاریخ میں شامل کردی گئی لہذا جو حاجی دسویں کی فجر سے پہلے پہلے اگر ایک ساعت کے لیے بھی عرفات پہنچ جائے اسے حج مل جائے گا،بعض علماء نے فرمایا کہ جمعہ کا بھی یہ ہی حال ہے کہ ہفتہ کی رات بھی اس میں شمار ہے کہ اس شب میں مرجانے والا جمعہ کا ہی میت ہوگا۔

[3] گیارھویں،بارھویں،تیرھویں بقر عید جنہیں ایام تشریق کہا جاتا ہے۔

[4] یعنی جو بارھویں بقر عید کو رمی کرکے لوٹ جائے وہ بھی گنہگار نہیں اور جو تیرھویں کی رمی کے لیے ٹھہر جائے وہ بھی گنہگار نہیں بلکہ ثواب پائے گا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ہی عمل ہوا۔تیرھویں کی رمی زوال سے پہلے بھی ہوسکتی ہے،گیارھویں بارھویں کی رمی بعد زوال ہے،بعض کفار عرب دو دن ٹھہرنے کو برا کہتے تھے،بعض تین دن کو برا سمجھتے تھے،رب تعالٰی نے دونوں کی تردید قرآن میں فرمادی،نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل شریف سے استحباب ثابت فرمایا۔

باب حرم مكة حرسها الله تعالى

باب مکہ معظّمہ حرم اللہ اس کی حفاظت فرمائے ۱؎

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ مکہ معظّمہ اوراس کے آس پاس کی وہ زمین جہاں شکار وغیرہ کرنا حرام ہے حرم شریف کہلاتا ہے،جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ میں سنگ اسود نصب فرمایاتو یہ بہت چمکدار تھاجہاں تک اس کی روشنی پہنچی وہاں تک حدود حرم مقرر ہوئے،ان حدود پر مینارہ قائم کردیئے گئے ہیں سوائے جدہ اور جعرانہ کی جانب کے کہ اس طرف مینارہ نہیں یہ علامات حرم سب سے پہلے ابراہیم علیہ السلام نے قائم فرمائے،پھر اسماعیل علیہ السلام نے،پھر عدنان ابن اوسی نے،پھر قریش نے،پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے سال،پھر حضرت عمر نے،پھر حضرت عثمان نے،پھرحضرت امیر معاویہ نے اب تک امیر معاویہ کے قائم کردہ نشان موجود ہیں،یہ حدود ہر طرف یکساں نہیں،قریب تر حدِ مقامِ تنعیم ہےجہاں سے عمرہ کے احرام باندھے جاتے ہیں وہاں ہی مسجد حضرت عائشہ ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن فرمایا اب ہجرت نہ رہی ۱؎ لیکن جہاد اور نیت ہے ۲؎اور جب جہاد کے لیے بلائے جاؤ تو نکل پڑو۳؎اور فتح مکہ کے دن فرمایا کہ اس شہر کو اللہ نے اس دن ہی حرم بنا دیا جس دن آسمان و زمین پیدا کیے لہذا یہ قیامت تک اللہ کے حرم فرمانے سے حرام ہے ۴؎اور مجھ سے پہلے کسی کے لیے اس شہر میں جنگ جائز نہ ہوئی ۵؎اور مجھے بھی ایک گھڑی دن کی حلال ہوئی چنانچہ اب وہ تاقیامت اللہ کے حرام کیے سے حرام ہے کہ نہ یہاں کے کانٹے توڑے جائیں۶؎اور نہ یہاں کاشکار بھڑکایا جائے ۷؎اور نہ یہاں کی گری چیز اٹھائی جائے ہاں جو اس کا اعلان کرے وہ اٹھائے ۸؎اور نہ یہاں کی خشک گھاس کاٹی جائے ۹؎حضرت عباس نے عرض کیا یارسول اللہ اذخر کے سواء کہ وہ تو ہاروں اور یہاں کے گھروں میں کام آتی ہے ۱۰؎فرمایا سوائے اذخر کے ۱۱؎ (مسلم،بخاری)اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں	

ہے کہ وہاں کے درخت نہ کاٹے جائیں اور سوا تلاش کرنے والے کے وہاں کی گری چیز کوئی نہ اٹھائے ۱۲؎	

۱؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ معظّمہ سے مدینہ پاک کی طرف ہجرت فرما جانے کے بعد مکہ کے مسلمانوں پر ہجرت فرض تھی اور مکہ معظّمہ میں بلا عذر رہنا حرام تھا کہ وہ جگہ دارالحرب ہوگئی تھی فتح مکہ سے وہ جگہ دارالاسلام بن گئی اوراب اس ہجرت کی فرضیت ختم ہوگئی یہاں یہ ہی ارشاد ہے یعنی مکہ معظّمہ سے ہجرت کرجانا اب فرض نہ رہالہٰذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ ہجرت قیامت تک ہے وہاں دوسرے دارالحرب سے ہجرتیں مراد ہیں۔ہوسکتا ہے کہ خبر غیبی ہے کہ اب مکہ معظّمہ تا قیامت کبھی دارالحرب نہ بنے گا اور نہ یہاں سے ہجرت فرض ہوگی،الحمدللہ ایسا ہی ہوا۔

۲؎ یعنی اب جسے جہاد میسر ہو وہ جہاد کرے اور جو جہاد نہ پائے وہ نیت کرے کہ جب مجھے خدا موقع دے گا جہاد کروں گا کہ نیت جہاد بھی ثواب ہے۔

۳؎ اگر جہاد اس وقت فرض کفایہ ہو تو بقدر ضرورت لوگ نکلیں اور اگر فرض عین ہوگیا ہو تو ہر مرد وزن نکلے یہ کلمہ دونوں صورتوں کو شامل ہے۔

۴؎ یعنی اس شہر پاک کا حرم شریف ہونا صرف اسلام میں نہیں ہے بلکہ بڑا پرانا مسئلہ ہے،ہر دین میں یہ جگہ محترم تھی۔وہ جو باب حرم مدینہ میں آرہا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ معظّمہ کو حرم بنایاوہاں یہ مطلب ہے کہ اس کے حرم ہونے کا اعلان ابراہیم علیہ السلام نے کیاکیونکہ طوفان نوحی میں جب بیت المعمور آسمان پر اٹھالیا تو لوگ یہاں کی حرمت وغیرہ بھول گئے حضرت خلیل نے پھر اس کا اعلان فرمایالہٰذا احادیث میں تعارض نہیں۔(اشعہ)الی یوم القیامۃ فرما کر بتایا کہ یہ حرمت کبھی منسوخ نہ ہوگی کہ جیسے ازلی ہے ویسے ہی ابدی بھی ہے۔

۵؎ اس فرمان عالی میں اشارہ اس واقعہ کی طرف ہے جو فتح مکہ کے دن حضرت خالد ابن ولید سے صادر ہوا کہ ستر۷۰ کفار آپ کے ہاتھوں قتل ہوگئے اس قتل پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو عتاب بھی نہ فرمایا اس کی وجہ یہاں بیان ہوئی کہ اس دن ہمارے لیے ایک ساعت کے قتال بھی حلال ہوگیااور بغیر احرام مکہ معظّمہ میں داخلہ بھی جائز ہوا۔چنانچہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت سیاہ عمامہ باندھے ہوئے مکہ معظّمہ میں داخل ہوئے یعنی بغیر احرام ورنہ سر مبارک کھلا ہوتا۔خیال رہے کہ فتح مکہ مذہب احناف میں غلبہ سے ہوئی اور امام شافعی کے ہاں صلح سےاسی لیے ان کے ہاں مکہ معظّمہ کے مکانات و زمین کی بیع درست اور کرایہ جائز ہے کہ تمام مقامات کفار مکہ کے اپنے رہے جیساکہ صلح میں ہوتا ہے،ہمارے امام صاحب کے ہاں وہاں کی زمین وغیرہ کی بیع و کرایہ درست نہیں کیونکہ ان تمام کے حضور انور مالک ہوگئے تھے کیونکہ فاتح بادشاہ مفتوح علاقہ کا مالک ہوجاتا ہے،حضور انور نے مالک ہوکر وقف فرمادیا،وقف کی نہ بیع ہوتی ہے نہ اجارہ،قول امام اعظم بہت ہی قوی ہے یہ حدیث ان کی دلیل ہے کہ مجھے اس دن قتال درست ہوگیا،صلح میں قتال کیسا،نیز رب تعالٰی نے اسے فتح فرمادیا:"اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللہِ وَ الۡفَتۡحُ"۱ ور فتح جنگ سے ہی ہوا کرتی ہے۔(اشعہ مع زیادت)

۶؎ یعنی حرم کے خود رو درخت تو کیا کانٹے توڑنا بھی جائز نہیں،اذخروکمائت کے سوا وہاں کی سبز گھاس کاٹنا یا اس پر جانور چرانا بھی ہمارے ہاں ممنوع ہے،امام یوسف و شوافع و مالک کے ہاں چرانا درست ہے،امام احمد ہمارے ساتھ ہیں مذہب احناف قوی ہے،یہ حدیث ہماری دلیل ہے حتی کہ ایذاء دینے والا کانٹا بھی ہمارے ہاں نہ کاٹا جائے،خلافًاللشافعی۔

۷؎ یعنی حرم کا شکار مارناتو کیا اسے اس کی جگہ سے ہٹانا بھڑکانا بھی منع ہےاور اگر بھڑکانے سے وہ ضائع ہوجائے تو اس کی قیمت واجب ہوگی۔(اشعہ)

۸؎ اس کے ظاہری معنے یہ ہیں کہ دیگر مقامات کی ملی ہوئی چیز کا کچھ عرصہ تک اعلان کیا جاتا ہے پھر مالک نہ ملنے پر یا خیرات کردی جاتی ہے یا پانے والا اگر فقیر ہو تو خود مالک ہوجاتا ہےمگر حرم شریف کی ملی ہوئی چیز کا اعلان زیادہ کیا جائے گا،ان کی دلیل وہ حدیثیں ہیں جو لقطہ کے بیان میں آئیں گی۔اس فرمان عالی کا منشاء یہ ہے کہ صرف زمانہ حج میں اعلان نہ کرے بلکہ بعد میں بھی اعلان کرتا رہے۔

۹؎ بعض شارحین نے فرمایا کہ خلا ترگھاس کو کہتے ہیں اور حشیش خشک کواور بعض کے ہاں اس کے برعکس ہے۔مقصد یہ ہے کہ حرم شریف کی نہ تر گھاس کاٹی جائے نہ خشک کیونکہ خشک گھاس کانٹے کے حکم میں ہے۔

۱۰؎ اذخر ایک لمبی گھاس ہوتی ہے جو عرب میں بجائے لکڑی اور کوئلے کے بھٹیوں میں بھی استعمال کی جاتی ہے اور گھر و قبر کی چھتوں میں بھی جیسے ہمارے ہاں گاؤں میں سینٹے و سرکرے۔

۱۱؎ اس سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو رب تعالٰی نے احکام شرعیہ کا مالک بنایا ہے کہ اپنے اختیار سے آپ باذن پروردگار حرام و حلال کرسکتے ہیں،دیکھو سرکار عالی نے حضرت عباس کے جواب میں یہ نہ فرمایا کہ اچھا رب کی بارگاہ میں دعا کریں گے یا جبریل امین سے پوچھیں گےبلکہ خود ہی فرمادیا اِلّاالاذخر،اگر حضرت عباس حضور سے یہ نہ کہلوالیتے تو اذخر بھی حرام ہی رہتی۔(اشعہ)

۱۲؎ اکثر شوافع کے ہاں حرمین شریفین کی مٹی یا پتھر باہر لے جانا بھی منع ہے اور باہر کی مٹی وہاں پہنچانا خلاف اولیٰ،ہاں آبِ زمزم تبرک کے لیے اور مدینہ پاک کی کھجوریں باہر لے جانا سنت ہے۔چنانچہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سہیل ابن عمرو سے حدیبیہ کے سال آب زمزم دو مشکیزے مدینہ طیبہ منگوایااور حج کے موقعہ پر خود سرکار آب زمزم مشکیزوں و برتنوں میں لے گئے اور عرصہ تک وہ پانی بیماروں کو دواءً پلاتے رہے اور حضرت عائشہ صدیقہ سے بروایت صحیح ثابت ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی بار آبِ زمزم باہر بھیجا۔(مرقات)مدینہ پاک سے خاک شفا لانا اور اسے دواءً استعال کرنا سنت مسلمین ہے،اس کا ماخذ یہ حدیث ہے کہ حضور نے فرمایا"تربۃ ارضنا یشفی سقیمنا" ہماری زمین مدینہ کی مٹی بیماروں کو شفا دیتی ہےبلکہ وہاں کا گردو غبار اپنے منہ اور سینہ پر لے،یہ برص و جذام کے لیے بہت مفید ہے،مسجد نبوی خصوصًا روضہ مطہرہ کا غبار مؤمنوں کی آنکھوں کا سرمہ ہے اور عشاق کے زخمی دلوں کا مرہم۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ تم میں سے کسی کو یہ حلال نہیں کہ مکہ معظّمہ میں ہتھیار اٹھائے پھرے ۱؎(مسلم)	

۱؎ مکہ معظّمہ میں کھلے ہتھیار اٹھائے پھرنا تاکہ مسلمان مرعوب ہوں حرام ہے،غلاف میں ڈھکے ہتھیار اٹھانا اپنی حفاظت وغیرہ کے لیے درست ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ قضا میں ہتھیار لے کر وہاں داخل ہوئے مگر غلاف میں یہ عمل اس حدیث کی تفسیر ہے۔

	روایت ہے حضرت انس سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فتح کے دن مکہ معظّمہ میں اس طرح تشریف لائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر خود تھا ۱؎ پھر جب خود اتارا تو ایک شخص آیا اور بولا کہ ابن خطل کعبہ شریف کے پردوں سے لٹکا ہوا ہے فرمایا اسے قتل کردو ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی آپ بغیر احرام مکہ معظّمہ میں داخل ہوئے ورنہ سر مبارک کھلا ہوتا،آج چونکہ زمین حرم حضور انور کے لیے حلال ہوگئی تھی کہ وہاں قتال حلال ہوگیا تھا اس لیے آج بغیر احرام داخلہ بھی حضور انور کا درست ہوگیالہذا یہ حدیث احناف کے خلاف نہیں کہ کسی نیت سے مکہ معظّمہ جائے احرام و عمرہ ضروری ہےاور نہ یہ حدیث شوافع کی دلیل ہے کہ جو کسی اور کام کے لیے مکہ معظّمہ جائے وہ بغیر احرام جاسکتاہے۔

۲؎ یہ خبر دینے والے فضل ابن عبید یعنی ابو برزہ اسلمی تھے،ابن خطل کا نام عبداللہ اور لقب غالب تھا،یہ پہلے مسلمان ہوا پھر اپنے ایک خادم مسلمان کو قتل کرکے مرتد ہوکر مکہ معظّمہ بھاگ آیا تھا،آج ڈر کے مارے غلاف کعبہ میں چھپ گیا،چونکہ آج زمین حرم میں قتال جائز تھا اس لیے اسے قصاصًا یا مرتد ہونے کی وجہ سے قتل کرادیا گیا یا تو حرم شریف میں یا وہاں سے باہر نکال کر ورنہ باہر کا مجرم اگر حرم میں آجائے تو اسے قتل نہیں کیا جاتا،رب تعالٰی فرماتا فرماتاہے:"وَمَنۡ دَخَلَہٗ کَانَ اٰمِنًا"بعض امام حرم شریف میں حدو قصاص جائز مانتے ہیں اس حدیث کی بنا پر مگر یہ استدلال ضعیف ہے،ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن عباس سے روایت کی کہ حضورا نور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میقات سے آگے بغیر احرام نہ بڑھو،نیز فرماتے ہیں کہ میرے لیے ایک ساعت کے واسطے یہ حرم کی زمین حلال کردی گئی تھی اب پھر اس کی حرمت لوٹ آئی۔

	روایت ہے جابر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن مکہ معظّمہ میں اس طرح تشریف لائے کہ بغیر احرام کے تھے اور آپ کے سر پر سیاہ عمامہ تھا ۱؎(مسلم)

۱؎ یا تو حدود حرم میں داخلہ کے وقت حضور انور نے خود بھی پہنا ہوا تھا یعنی لوہے کی ٹوپی اور عمامہ شریف بھی یا حدود حرم شریف میں داخلہ کے وقت تو خود پہنے تھے اور بیت اللہ شریف میں یعنی مسجد حرام میں داخلہ کے وقت خود اتار دیا تھا اور عمامہ پہن لیا تھالہذا یہ حدیث گزشتہ حدیث کے خلاف نہیں۔خیال رہے کہ لباس سفید افضل ہے مگر عمامہ سیاہ بھی جائز ہے،خصوصًا خطبہ کے وقت سارے کپڑے کالے پہننا خصوصًا محرم میں روافض سے تشبیہ ہے۔(از مرقات مع زیادت)

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ایک لشکر کعبہ معظّمہ پر حملہ کرے گا تو

جب میدانی زمین میں ہوں گے تو ان کے اگلے پچھلے سب کو دھنسا دیا جائے گا۱میں نے عرض کی یارسول اللہ ان کے اگلے پچھلوں کو کیسے دھنسایا جائے گا ان میں سوداگر بھی ہوں گے اور وہ بھی جو اس لشکر سے نہیں۲فرمایا کہ دھنسایا تو سارے اگلے پچھلوں کو جائے گا پھر اپنی نیتوں پر اٹھائے جائیں گے ۳(مسلم،بخاری)	

۱یہ واقعہ قریب قیامت ہوگا کہ ایک بڑا لشکر بربادی خانہ کعبہ کے لیے مکہ معظّمہ پر حملہ کرے گا اور دھنسایاجائے گا۔بعض شارحین نے فرمایا کہ یہ واقعہ ہوچکامہدی موعود شاہ سفیان شاہ مصر کے زمانہ میں مگر حق پہلی بات ہے۔

۲اسواق یا تو سوقه کی جمع ہے بمعنے رعایا اور کام کاج والے یا سوق کی جمع ہے،بمعنی بازار میں رہنے والے سوداگر۔سوال کا منشاء یہ ہے کہ مجرم تو ان میں سے بعض ہیں سزا ملی سب کوکیونکہ اس لشکر میں تجارتی کاروبار کرنے والے سپاہیوں کے خدمتگار اور کھانا وغیرہ پکانے والے اور وہ لوگ بھی ہوں گے جو جبرًا لائے گئےان کی نیت حملے کی نہ تھی۔

۳یعنی چونکہ ان لوگوں نے بھی اس لشکر کی تعداد بڑھائی ان کی اس جرم پر امداد کی اور مجرموں کے ساتھ رہے اس لیے یہ بھی سزا کے مستحق ہوگئے،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ"۔معلوم ہوا کہ بروں کی امداد کرنا بھی برا،ہاں پھر قیامت میں یہ فرق ہوجائے گا کہ ان میں سے مؤمن مؤمنوں کے زمرے میں اٹھیں گے اور کافر کافروں کے ساتھ۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کو حبشہ کا دو چھوٹی پنڈلیوں والا ڈھائے گا۱(مسلم،بخاری)	

۱ سُوَيق ساق کی تصغیر ہے جس کے معنے ہیں چھوٹی پنڈلی،پتلی پنڈلی یا کمزور پنڈلی یعنی بہت پست قد دبلا پتلا کمزور شخص حبشہ کے لشکر میں ہوگاجو مکہ معظّمہ پر غالب آنے کے بعد کعبہ معظّمہ ڈھا دے گا،یہ واقعہ قیامت کے قریب ہوگا جس کے بعد دنیا برباد ہوجائے گی اور قیامت آجائے گی کیونکہ دنیا کی آبادی کعبہ معظّمہ سے وابستہ ہے جب تک یہ ہے دنیا قائم ہے یہ گرا اور برباد ہوا کہ دنیا گئی،ان دو واقعات میں رب کی قدرت کا اظہار ہے کہ وہ بڑا لشکر جس کا ذکر پہلے گزرا کعبہ کو تباہ نہ کرسکے گاخود تباہ ہوجائے گامگر یہ کمزور،دبلا آدمی کعبہ کو بربادکردے گا۔(اشعہ)

روایت ہے حضرت ابن عباس سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا گویا میں اسے دیکھ رہا ہوں کہ کالا چوڑی ٹانگوں والا ہے کعبہ کے پتھر پتھر اکھیڑ رہا ہے۱ (بخاری)	

۱ بِهٖ کا متعلق فعل پوشیدہ ہے مُتَلَبِّسٌ یا مُتَّصِلٌ اَسْوَدَ بِهٖ کی ضمیر کا حال ہے،افج وہ ناقص الخلقت انسان جس کی ٹانگیں چلتے میں چوڑی رہیں جیسے دودھ نکالتے وقت گائے بکری کی ٹانگیں یعنی گویا وہ میرے پاس ہے اور میں اس کی یہ حرکت دیکھ

رہا ہوں کہ وہ کعبہ ڈھا رہا ہےاور اس کا ایک ایک پتھر گرارہا ہے،اس کے گرانے کو پتھروں کے گرنے کو آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں اور پتھر گرنے کی آواز کانوں سے سن رہا ہوں۔(از اشعہ)معلوم ہوا کہ نگاہ نبی ہمارے خواب و خیال سے زیادہ قوی ہے کہ اگلے پچھلے واقعات ملاحظہ فرمالیتی ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت یعلٰی ابن امیہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حرم شریف میں غلہ بند رکھنا یہاں بے دینی کرنے کی طرح ہے ا(ابوداؤد)

ا؎احتکار کے معنے ہیں بوقت ضرورت انسان یا جانوروں کی خوراک کو روکنا تاکہ زیادہ قحط پڑنے پر فروخت کیا جائے،یہ حرکت ہر جگہ ہی جرم ہے کہ اس میں اللہ کی مخلوق کی ایذا رسانی ہے مگر مکہ معظّمہ میں ایسی حرکت بہت ہی سخت جرم ہے،وہاں احتکار کرنے والا ابوجہل وغیرہ کفار کی طرح ہے جنہوں نے مسلمانوں کا بائیکاٹ کرکے انہیں ستایااور روزی ان پر تنگ کی،مکہ معظّمہ کا غلہ روکنا ایسا سخت جرم ہے جیسے وہاں رہ کر بے دینی کرنا،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَمَنۡ یُّرِدۡ فِیۡہِ بِاِلۡحَادٍۭ بِظُلۡمٍ نُّذِقۡہُ مِنۡ عَذَابٍ اَلِیۡمٍ"۔اس حدیث سے معلوم ہورہا ہے کہ جیسے مکہ معظّمہ میں نیکیوں کا ثواب بہت زیادہ ہے ایسے ہی وہاں گناہ کرنے کا عذاب بھی بہت سخت ہے۔سیدنا عبداللہ ابن عباس مکہ معظّمہ نہ رہے سبلکہ وہاں سے کچھ فاصلہ پر طائف شریف میں رہے وہیں ہی آپ کا مزار پرانوار ہے،فقیر نے زیارت کی ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظّمہ سے فرمایا ا؎تو کیسا پاکیزہ شہر ہے اور تو مجھے کیسا پیارا ہے اگر میری قوم مجھے تجھ سے نہ نکالتی تو میں تیرے سوا کسی اور بستی میں نہ رہتا ۲؎(ترمذی)اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث اسناد کے لحاظ سے حسن بھی ہے صحیح بھی غریب بھی۔

ا؎غالبًا یہ فرمان عالی ہجرت کی رات ہے جب حضور انور حضرت صدیق کو ہمراہ لےکر جانب مدینہ منورہ روانہ ہوئے اور مکہ معظّمہ سے باہر پہنچے تو حسرت بھری نگاہوں سے بستی مکہ معظّمہ پر نگاہ کی اور یہ فرمایا،مرقات نے کہا کہ یہ کلام فتح مکہ کے دن وہاں سے واپسی کے وقت ہے مگر پہلی بات زیادہ قوی معلوم ہوتی ہے۔واللہ اعلم!

۲؎جمہور علماء کے نزدیک مکہ معظّمہ شہر مدینہ منورہ سے افضل اور حضور کو زیادہ پیارا ہےان کی دلیل یہ حدیث ہے، امام مالک کے ہاں مدینہ منورہ مکہ مکرمہ سے افضل ہے،وہ اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں کہ اس میں پہلی حالت کا ذکر ہے،پھر

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ منورہ زیادہ پیارا ہوگیاجیساکہ اگلے باب میں آرہا ہے۔فتویٰ یہی ہے کہ مکہ معظّمہ مدینہ منورہ سے افضل ہے مگر عشاق کی نگاہ میں مدینہ منورہ افضل کیونکہ وہ محبوب کی آرام گاہ ہے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عدی ابن حمراء سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام حزورہ پر کھڑے ہوئے دیکھا۱؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے اللہ کی قسم تو اللہ کی ساری زمین میں بہترین زمین ہے اور اللہ کی تمام زمین میں خدا کو زیادہ پیاری ہے ۲؎ اگر میں تجھ سے نکالا نہ جاتا تو کبھی نہ نکلتا۳؎(ترمذی،ابن ماجہ)۴؎

۱؎ **حزورہ** بروزن **قسورہ**،ح کے فتح سے اور ز کے جزم سے،اس کے معنے ہیں چھوٹا ٹیلہ،چونکہ یہاں کبھی ٹیلہ تھا اس لیے اس جگہ کا نام حزورہ ہوگیا،بعض نے فرمایا کہ قبیلہ جرہم کے بعد وکیع ابن سلمہ ابن زبیر ابن ایاد کعبہ معظّمہ کا متولی ہوا اس نے یہاں ایک عمارت بنائی جس میں اپنی لونڈی حزور کو ٹھہرایااس کے نام سے یہ جگہ حزورہ کہلائی پھر یہاں مکہ معظّمہ کا بازار رہا،اب وہاں مسجد حرام کا ایک دروازہ ہے جسے **باب الوداع** کہتے ہیں۔

۲؎ علماء فرماتے ہیں کہ حاجی طواف وداع کرکے جب چلے تو کعبہ معظّمہ کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھے اور کچھ کلمات وداعیہ بھی منہ سے نکالے،ان کی دلیل یہ حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلمات حج وداع میں کعبہ معظّمہ سے رخصت ہوتے وقت فرمائے اور **باب الوداع** سے نکلے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرف سے روانہ ہوئے تھے،بلکہ اس وقت الٹے پاؤں کعبہ معظّمہ کو دیکھتا ہوا روتا ہوا چلے کہ اگرچہ یہ عمل بدعت ہے مگر بدعت حسنہ ہے اور سیدنا ابن مسعود مرفوعًا فرماتے ہیں کہ جسے مسلمان اچھا سمجھیں وہ شئے اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہے۔ (مرقات)

۳؎ یہ حدیث بھی جمہور علماء کی دلیل ہے کہ مکہ معظّمہ کی بستی مدینہ منورہ سے افضل ہے اور حضور انور کو بڑی پیاری ہے کیونکہ یہ فرمان ہجرت کے بہت عرصہ بعد ہے۔ خیال رہے کہ افضلیت میں یہ اختلاف بستیوں کے متعلق ہے،حضور کی قبر انور کا وہ حصہ جو جسم اطہر سے متصل ہے وہ مکہ معظّمہ،کعبہ معظّمہ بلکہ عرش معلے سے بھی افضل ہے۔(مرقات) شیخ نے فرمایا کہ یہ فرمان عالی عمرہ قضاء میں ہے جب کہ تین دن کے بعد کفار مکہ نے آپ سے مکہ معظّمہ خالی کردینے کے لیے کہا،بعض نے فرمایا کہ یہ بھی ہجرت کی شب تھامگر یہ ضعیف ہے کہ اس وقت عبداللہ ابن عدی نے حضور کو کیونکر دیکھ لیا،بعض نے فرمایا کہ فتح مکہ کے دن ہے مگر یہ بھی ضعیف ہے کیونکہ اس وقت اخراج نہ تھا۔**واللہ اعلم**!(اشعہ)

۴؎ یہ حدیث بہت کتابوں میں بہت اسنادوں سے مروی ہے صحیح ہے اور بہت قوی ہے،طبرانی میں بسند ضعیف ہے کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ مکہ سے افضل ہے،بعض علماء نے فرمایا کہ حضور کی حیات شریفہ میں مدینہ منورہ بعد ہجرت افضل تھا،بعد وفات مکہ مکرمہ افضل۔(مرقات)

مسئلہ: مکہ مکرمہ کی ایک نیکی ایک لاکھ ہے اورایک گناہ بھی ایک لاکھ ہے،مدینہ منورہ کی ایک نیکی پچاس ہزار ہے مگر ایک گناہ ایک ہی ہے،اس کی بھی شفاعت سے بخشش کی امید ہےاسی لیے امام ابوحنیفہ و امام مالک رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ بیرونی آدمیوں کو مکہ معظّمہ رہنے سے وہاں سے وطن لوٹ آنا افضل وہاں جاتا آتا رہنا بہتر،دیکھو حضرت ابن عباس نے بجائے مکہ

معظّمہ مکرّمہ کے طائف کو اپنا قیام گاہ قرار دیا،حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں کہ ارادۂ گناہ پر کہیں پکڑ نہیں سوائے مکہ مکرمہ کے،پھر آپ نے یہ آیت پڑھی"وَمَنۡ یُّرِدۡ فِیۡہِ بِاِلۡحَادٍۭ،الخ۔ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس سے روایت کی کہ جو مکہ مکرمہ کا رمضان پائے پھر وہاں کے روزہ اور تراویح کی پابندی کرے تو ایک لاکھ رمضانوں کا ثواب پائے گااور ہر دن و ہر رات ایک ایک غلام آزاد کرنے اور ایک ایک غازی کو میدانِ جنگ میں بھیجنے کا ثواب پائے گا۔مدینہ منورہ میں رہنا اور مرنا بھی بہت برکت کا باعث ہے بشرطیکہ وہاں کا احترام کرسکے۔ (مرقات)

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت ابو شریح عدوی سے انہوں نے عمرو ابن سعید سے فرمایا ۱؎ جب کہ وہ مکہ معظّمہ پر لشکر بھیج رہا تھا کہ اے امیر مجھے اجازت دے کہ میں تجھے وہ فرمان پاک سناؤ جسے کل فتح مکہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر فرمایا ۲؎ جسے میرے کانوں نے سنا اور میرے دل نے محفوظ کیااور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو میری آنکھوں نے کلام کرتے وقت دیکھا ۳؎ اپنے اللہ کی حمد و ثنا کی بھی فرمایا کہ مکہ کو اللہ نے حرم بنایا ہے کسی انسان نے نہ بنایا ۴؎ تو کسی بھی اس شخص کو جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہویہ جائز نہیں کہ وہاں خون بہائے اور نہ وہاں کا درخت کاٹے ۵؎ اگر کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جہادسے اجازت سمجھے تو اسے کہہ دو کہ اللہ تعالٰی نے اپنے رسول کو اس کی اجازت دے دی تھی اور تم کو نہ دی ۶؎ رب نے مجھے دن کی ایک گھڑی اجازت دی تھی اب آج اس کی حرمت کل کی طرح ہی لوٹ آئی ۷؎ حاضرین غائبین کو پہنچادیں ابو شریح سے کہا گیا کہ پھر تم سے عمرو نے کیا کہافرمایا وہ بولا اے ابو شریح میں تم سے یہ زیادہ جانتا ہوں کہ حرم شریف نہ تو مجرم کو پناہ دے سکتا ہے ۸؎ نہ خون کرکے بھاگے ہوئے کو ۹؎ نہ فساد کرکے بھاگے کو ۱۰؎ (مسلم،بخاری)اور بخاری میں ہے کہ حزبہ خیانت ہے۔

۱؎ آپ کا نام خویلا ابن عمرو کعبی عدوی خزاعی ہے،کنیت ابو شریح،صحابی ہیں،فتح مکہ سے پہلے ایمان لائے، ۶۸ھ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی،اپنی کنیت میں مشہور ہوئے۔(اکمال)اور عمرو ابن سعید ابن عاص اموی قرشی اپنے چچا زاد بھائی عبدالملک ابن مروان کی طرف سے مدینہ منورہ کا حاکم تھا،پھر اسے عبدالملک نے سیدنا عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے جنگ کرنے پر مقرر کیا،حضرت ابن زبیر مکہ معظّمہ و عراق وغیرہ کے سلطان برحق تھے۔(اشعہ ومرقات) جب عمرو نے مکہ معظّمہ پر چڑھائی کرنے کے لیے لشکر تیار کیا،حضرت ابو شریح نے اسے عظمت مکہ معظّمہ کی طرف متوجہ فرمایا۔

۲؎ غد سے مراد یا تو فتح مکہ سے دوسرا دن ہے یعنی فتح کی کل یا مطلب یہ ہے کہ یہ کل کی بات ہے ابھی اسے کچھ عرصہ نہ گزرا تو نے ابھی سے اس پر عمل چھوڑ دیاتو آئندہ کیا بنے گا۔

۳؎ یعنی یہ واقعہ اور یہ حدیث میں کسی سے سنی سنائی نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ اسے میں نے خود اپنے کانوں سے سنا ہےاور دور سے نہیں سنابلکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے میں بہت قریب تھااور بغیر سمجھے نہیں سنا بلکہ سمجھ کر سنالہٰذا اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے حدیث بالکل صحیح ہے۔

۴؎ یعنی مکہ معظّمہ کو حرم بنانے والا خود رب تعالٰی ہے،کسی شخص نے اپنی رائے سے اسے حرم نہیں بنایا ہے تاکہ دوسرے آدمی کی رائے سے اس کی حرمت جاتی رہےلہٰذا یہ حدیث اس روایت کے خلاف نہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم بنایا اور میں مدینہ کو حرم بناتا ہوں کہ وہاں یہ مطلب ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حرم ہونے کی دعا کی رب نے اسے حرم بنادیا وہاں اسناد مجازی ہے یہاں حقیقی۔

۵؎ اللہ تعالٰی اور قیامت پر ایمان رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ ساری ایمانیات کا معتقد ہو دو کناروں کا ذکر فرمایا۔تمام عقائد مراد لیے گئے،درخت سے مراد خود رو درخت ہیں اپنے بوئے ہوئے درخت حرم شریف میں کاٹے جاسکتے ہیں،خون بہانے سے مراد اس کا خون بہانا ہے جو شرعًا واجب القتل ہو اور حرم شریف میں پناہ لے لے جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا،ورنہ حرم شریف میں جانور ذبح ہوتے ہیں،وہاں کے مجرم کو قتل کیا جاسکتا ہے محفوظ الدم شخص کا خون بہانا غیر حرم میں بھی حرام ہے لہٰذا حدیث واضح ہے۔

۶؎ یعنی فتح مکہ کے دن ہمارا مکہ معظّمہ پر حملہ کرنا اور حملہ کے دوران میں حضرت خالد بن ولید کی تلوار سے ستر۷۰ انسانوں کا حرم شریف میں خون ہوجانا یہ ہماری خصوصیات سے ہےاور خصوصیات میں پیروی نہیں ہوتی،نہ وہ افعال و اعمال سنت کہلاتے ہیں ہمارے واسطے وہ قتال وقتی طور پر حلال تھا تمہارے لیے دائمی حرام۔

۷؎ کل سے مراد سارا گذشتہ زمانہ ہے یعنی جیسے حرم محترم کی حرمت کل تھی ایسے ہی آج ہے اور تاقیامت رہے گی۔

۸؎ اس کا مقصد یہ تھا کہ عبدالملک خلیفہ برحق ہے اور حضرت عبداللہ ابن زبیر اس کے باغی ہیں،مکہ معظّمہ میں باغیوں کی سرکوبی کرنا جائز ہے میں اس فعل پر مجرم نہیں۔

۹؎ یعنی جو حرم کے باہر خون کرے اور حرم میں پناہ لے لے اسے امن نہیں بلکہ اس پر روزی تنگ کی جائے تاکہ وہ نکلے اور باہر ہونے پر قتل کردیا جائےاور اگر اس مردود کا مقصد یہ ہے کہ باہر حرم کا مجرم حرم میں قتل کیا جائے گا تو غلط ہے،وہ عمرو ابن سعید ظالم وفاسق بھی تھا اور نرا جاہل بھی لہٰذا یہ جملہ شوافع کی دلیل نہیں،جہلاء کے اقوال سے دلیل کیسی۔(مرقات)

۱۰؎ خربہ خ کے پیش ر کے جزم سے،اس کے لغوی معنے ہیں اونٹ کی چوری،اب اصطلاح میں مطلقًا فساد کو کہتے ہیں اس کی مراد فساد سے جانی مالی ملکی فساد ہے۔

	روایت ہے حضرت عیاش ابن ابو ربیعہ مخزومی سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ امت بھلائی پر رہے گی جب تک اس حرمت کا بحق تعظیم احترام کریں جب اسے برباد کریں گے ہلاک ہوجائیں گے ۲؎ (ابن ماجہ)

۱؎ آپ ابوجہل کے اخیافی بھائی ہیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان نبوت کرتے ہی ایمان لائے،حضرت عمر کے ساتھ حبشہ ہجرت کر گئے،پھر حضرت عمر کے ساتھ مدینہ منورہ ہجرت کرکے آئے،ابوجہل اور حارث ابن ہشام نے دھوکہ سے انہیں مکہ معظّمہ بلایا کہ تیری ماں تیرے لیے بے قرار ہے اور وہاں آپ کو قید کردیا،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے قنوت نازلہ میں آپ کی رہائی کی دعا کی کہ الٰہی عیاش ابن ربیعہ کو نجات دے،آپ عہد فاروقی میں جنگ یرموک میں شہید ہوئے۔(اکمال)

۲؎ تجربہ سے بھی ثابت ہے کہ جس بادشاہ نے کعبہ معظّمہ یا حرم شریف کی بے حرمتی کی ہلاک و برباد ہوگیا،یزید پلید کے زمانہ میں جب حرم شریف کی بے حرمتی ہوئی یزید ہلاک ہو،اس کی سلطنت ختم ہوگئی۔

باب حرم المدینۃ حرسها الله تعالٰی

باب مدینہ منورہ کا حرم اللہ اسے محفوظ رکھے ۱؎

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ حدود مدینہ منورہ کا ادب و احترام مکہ معظّمہ کی حدود کی طرح ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ مگر اختلاف اس میں کہ حرم مدینہ میں شکار کرنا حلال ہے یا حرام؟اگر حرام ہے تو اس کی جزا یعنی فدیہ یا کفارہ واجب ہے یا نہیں،ہمارے امام اعظم کے ہاں وہاں شکار بھی حلال ہے اور درخت وغیرہ کا کاٹنا بھی درست کیونکہ ان چیزوں کی حلت تو قرآن کریم کی صریحی آیات سے ثابت ہے مگر حدود مدینہ میں ان کی حرمت کی نہ کوئی آیت ہے نہ حدیث قطعی بلکہ حدیث سے ثابت ہے کہ حضرت انس کے بھائی ابو عمیر نے مدینہ منورہ میں ایک چڑیا پالی تھی جو پنجرے میں رکھی تھی اگر مدینہ منورہ میں شکار حرام ہوتا تو چڑیا کو پنجرے میں بند کرنا بھی حرام ہوتا،حرم مکہ میں شکار حرام ہونا اور کرلینے پر جزاء واجب ہونا قرآن کریم سے بھی ثابت ہے اور احادیث قطعیہ سے بھی،بعض آئمہ کے ہاں حرم مدینہ میں شکار حرام تو ہے مگر اس کی جزا واجب نہیں،بعض کے ہاں جزاء بھی واجب ہے،بعض کے نزدیک وہاں پرندوں کا شکار حلال ہےچرندوں کا حرام،بہرحال مسئلہ اختلافی ہے اور اس بارے میں مذہب حنفی بہت قوی ہے۔

روایت ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوائے قرآن کے اور اس کے جو اس کتاب میں ہے کچھ اور نہ لکھا ۱؎ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مدینہ منورہ عیر سے ثور تک کے درمیان حرم ہے ۲؎ تو جو اس میں کوئی بدعت ایجاد کرے یا کسی بدعتی کو پناہ دے تو اس پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے ۳؎ اس کے نہ فرائض قبول ہوں نہ نفل ۴؎ مسلمانوں کا ذمہ ایک ہے کہ ان کا ادنی آدمی بھی کوشش کرسکتا ہے ۵؎ جو کسی مسلمان کی عہد شکنی کرے اس پر اللہ،فرشتوں اور سارے انسانوں کی لعنت ہے نہ اس کے فرض قبول نہ نفل ۶؎ جو اپنے کو اپنے دوستوں کی بغیر اجازت کسی قوم سے عقد دوستی باندھے اس پر اللہ کی فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے نہ اس کے فرض قبول ہوں نہ نفل	

۷ے(مسلم،بخاری)انہی کی دوسری روایت میں یوں ہے کہ جو اپنے کو اپنے غیر باپ کی طرف منسوب کرے ۸ے یا اپنے غیر مولاؤں سے ولاء کرے تو اس پر اللہ کی،فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے نہ اس کے فرض قبول ہوں اور نہ نفل ۹ے	

اےحضرت علی کے زمانہ خلافت میں رفض اور خروج کی جڑیں قائم ہوئیں چھپے منافق ان گروہوں کی شکل میں نمودار ہوئے،روافض نے مشہور کیا کہ حضرت علی کے پاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خصوصی وصیت نامہ اور خلافت نامہ ہے جس میں لکھا ہے کہ آپ اسلام کے خلیفہ اول ہیں لہذا گزشتہ خلافتیں باطل تھیں اور یہ کہ آپ کے پاس کوئی خاص چھپا ہوا قرآن ہے اور وہی اصلی ہے اس لیے بعض لوگ آپ سے اس کے متعلق سوال کرتے تھے اور جناب علی مرتضٰی یہ جواب دیتے تھے،بعض روافض کو آپ نے زندہ جلوادیا جیسا کہ مشکوٰۃ کتاب الحدود میں آئے گا مگر یہ دبی چنگاری سلگتی ہی رہی۔صحیفہ ایک کاغذ تھا جس میں کچھ شرعی احکام لکھے ہوئے تھے جو جناب علی کی تلوار کے پرتلہ میں رہتا تھا جو آپ لوگوں کو دکھایا بھی کرتے تھے اور سناتے بھی تھے،وہی واقعہ یہاں بیان ہورہا ہے آپ فرمارہے ہیں کہ ہمارے پاس کوئی اور قرآن نہیں یہی قرآن ہے اور حضور انور کی کوئی خاص وصیت یا تحریر نہیں صرف یہ ورق ہے جس میں کچھ احکام لکھے ہوئے ہیں۔

۲ےعیر و ثور کے متعلق شارحین کے بہت اقوال ہیں۔حضرت شیخ نے اشعہ میں فرمایا کہ یہ دونوں پہاڑ ہیں جو مدینہ منورہ کے کناروں پر واقع ہیں،بعض نے فرمایا کہ یہ دونوں پہاڑ مکہ معظّمہ میں ہیں۔ثور پہاڑ وہ ہے جس کے غار میں ہجرت کی رات حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مع صدیق اکبر چھپے تھے اس لیے اسے غار ثور کہتے ہیں اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جتنا فاصلہ مکہ کے دو پہاڑوں عیر و ثور کے درمیان ہے اتنا فاصلہ مدینہ منورہ کا حرم ہے،بعض نے فرمایا کہ عیر تو مدینہ منورہ میں ہے اور ثور مکہ معظّمہ میں،بعض کے خیال میں ہے کہ عیر و ثور پہاڑ نہیں بلکہ اطراف مدینہ کے دو میدانوں کا نام ہے جنہیں حرّتین کہتے ہیں،بعض روایات میں عیر واُحد ہے راوی نے غلطی سے بجائے احد کے ثور کہا،بہرحال مدینہ منورہ کے حدود مراد ہیں۔

۳ےیہ فرمان امام اعظم کی قوی دلیل ہیں کہ حدود مدینہ میں شکار حرام نہیں بلکہ یہ چیزیں حرام ہیں جو حضرت علی نے بیان فرمائیں یعنی یہاں بدعتیں ایجاد کرنا بدعتیوں کو مدینہ میں جگہ دینا سخت گناہ ہے کہ اس میں مدینہ منورہ کی بے حرمتی بھی ہے اور دین میں فساد بھی۔خیال رہے کہ بدعت و بدعتی سے عقیدہ کی بدعتیں و بدعتی مراد ہیں جیسے رفض و خوارج،وہابیت وغیرہ نہ کہ عملی بدعتیں کہ وہ تو کبھی فرض واجب بھی ہوتی ہیں جیسے کتب حدیث کا جمع کرنا یا قرآن کریم کے تیس پارے اور علم فقہ وغیرہ،اگرچہ ہر جگہ ہی بدعتیں بری ہیں مگر مدینہ پاک میں زیادہ بری۔

۴ےصَرف سے مراد فرائض ہیں یا شفاعت یا توبہ اور عدل سے مراد نوافل ہیں یا فدیہ گناہ کہ صرف کے معنے ہیں پھیرنا فرائض کی ادا یا شفاعت یا توبہ سے عذاب الٰہی پھر جاتا ہے،لوٹ جاتا ہے،عدل کے معنے ہیں برابری نفل کبھی فرض کی کمی پوری کرکے کامل فرض کے برابر کردیتے ہیں یا فدیہ اصل فوت شدہ کے برابر ہوتا ہے۔

۵؎ یعنی اگر معمولی درجے کا مسلمان کسی کافر کو امان یا ذمہ یا پناہ دے دے تو تمام مسلمانوں پر اس کا پورا کرنا لازم ہے اسے توڑنا حرام ہے اور باعث مذمت،سارے مسلمان ایک جسم کے اعضاء کی طرح ہیں کہ روح سب کی ایک ہے کوشش کرنے سے مراد والی یا متولی یا ذمہ دار ہوتاہے۔

٦؎ یعنی جو مسلمان دوسرے مسلمان کے ذمہ یا اس کی دی ہوئی امان توڑے یا اس کے کیے ہوئے وعدوں کے خلاف کرے اس پر لعنت ہے۔

۷؎ ولاء دو قسم کی ہے ولاء مولات اور ولاء عتاقۃ،ولاء مولات قوموں کے معاہدے کو کہتے ہیں کہ چند قومیں کسی معاہدے میں شریک ہوکر ایک دوسرے کے معاون و مددگار بن جائیں،ان میں سے ہر ایک بغیر دوسرے ساتھیوں سے مشورہ کیے کسی اور قوم سے معاہدہ نہ کرے کہ اس میں عہدشکنی ہے جو حرام ہے یا یہ مطلب ہے کہ آزاد کردہ غلام اپنے آزاد کرنے والے مولیٰ کا عتاقہ ہے کہ اسے اس غلام کی میراث کا حق پہنچتا ہے،یہ غلام دوسرے کو اپنا مولیٰ نہ بتائے جس کا معتق ہے اسی کا رہے یا یہ مطلب ہے کہ کوئی مسلمان بھائی،بھائی مسلمان کو ستانے کے لیے کافر سے دوستی نہ کرے ورنہ لعنت کا مستحق ہوگا۔غرضکہ اس جملہ کی تین شرحیں ہیں۔اس کلام سے معلوم ہوا کہ علم لکھ لینا سنت صحابہ ہے،یہ بھی معلوم ہوا کہ روافض کا یہ قول غلط محض ہے کہ حضور انور نے اہل بیت کو خلافت کی وصیت کی یا کوئی خاص قرآن دیا یا انہیں قرآن کے ایسے خاص اسرار لکھائے جو دوسروں سے چھپائے۔**نعوذ باللہ**!

۸؎ اس طرح کہ غیر باپ کو اپنا باپ بتائے کہ فلاں کا بیٹا ہوں یا اپنے کو غیر قوم کی طرف نسبت کرے،سید نہ ہو مگر کہے کہ میں سید ہوں اس میں ماں کو گالی دینا ہے اور سخت لعنت و عذاب کا استحقاق۔

۹؎ اس فرمان عالی سے آج کل کے وہ لوگ عبرت پکڑیں جنہیں سید یا شیخ یا پٹھان بننے کا شوق ہے،اس بیماری میں بہت مسلمان گرفتار ہیں رب تعالیٰ اس مرض سے شفا بخشے۔

	روایت ہے حضرت سعد سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں مدینہ کے دو کناروں کے درمیان یہاں سے کانٹے کاٹنا یا یہاں کا شکار قتل کرنا حرام کرتا ہوں ا؎ فرمایا مدینہ مسلمانوں کے لیے بہتر ہے اگر وہ جانتے ہوتے ۲؎ ایسا کوئی نہیں جو مدینہ سے رغبتی کرتے ہوئے اسے چھوڑے مگر اللہ اس مدینہ میں اس کو اچھا رہنے والا بسائے گا۳؎ اور کوئی شخص مدینہ کی سختی اور بھوک پر صبر نہ کرے گا مگر میں قیامت کے دن اس کا شفیع یا گواہ ہوں گا ۴؎ (مسلم)

ا؎ یہ حدیث ان محدثین و فقہاء کی دلیل ہے جو فرماتے ہیں کہ حرم مدینہ کے حدود میں شکار کرنا خود رو درخت کاٹنا حرام تو ہے مگر اس کی جزا واجب نہیں۔ہم عرض کرچکے ہیں کہ شکار کی حلت قرآنی آیات سے ثابت ہے لہذا اس کی حرمت اس جیسی ظنی حدیث سے ثابت نہیں ہوسکتی بلکہ دوسری احادیث اس کے خلاف ہیں۔لابہ پتھریلی زمین کو کہتے ہیں،مدینہ منورہ کے آس پاس کی زمین پتھریلی ہے،**عضاۃ** درخت خار دار کو۔

۲؎ یعنی اگر شام وغیرہ سرسبز ملکوں میں دنیاوی آرام زیادہ ہیں مگر جس مسلمان کو مدینہ پاک میں رہنا سہنا نصیب ہوجائے تو اس کی خوش نصیبی ہے وہ اسے تمام سرسبز ملکوں سے بہتر جانے۔

۳؎ خلاصہ یہ ہے کہ مدینہ منورہ ہمیشہ آباد رہے گا کبھی ویران نہ ہوگا،اگر کوئی قوم یا جماعت اسے چھوڑ بھی جائے تو دوسری قوم اسے آباد کرے گی،یہاں رہنے والے بہت ہیں جو یہاں آباد ہونے کی آرزو کرتے ہیں،یہ خبر بالکل برحق ہے جس کا ثبوت مشاہدہ سے ہورہا ہے،کتنے کنبے اور کتنی قومیں ہیں جو وہاں آباد ہوگئیں اور کتنے سینے ہیں جن میں وہاں کی تڑپ ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَاِنۡ تَتَوَلَّوۡا یَسۡتَبۡدِلۡ قَوۡمًا غَیۡرَکُمۡ ثُمَّ لَا یَکُوۡنُوۡۤا اَمۡثٰلَکُمۡ"۔حق یہ ہے کہ یہ قانون قیامت تک کے لیے ہے۔

۴؎ لاواء اور جھد یا ہم معنے ہیں یا قریب المعنے یعنی جو مدینہ منورہ کی غربت و بے کسی کی زندگی یہاں کی تکالیف و قحط و بھوک پر صبر کرکے حضور کے قدموں میں پڑا رہے گا ان شاءاللہ اس کا خاتمہ بخیر ہوگا اور حضور انور اس کے گناہوں کی شفاعت نیکیوں کی گواہی ادا فرمائیں گے یا حضور انور اپنے زمانہ میں مرنے والوں کی گواہی اور بعد میں وہاں مرنے والوں کی شفاعت کریں گے اگرچہ حضور اپنے ہر امتی کے گواہ بھی ہیں اور شفیع بھی مگر مدینہ میں مرنے والوں کی شفاعت بھی خصوصی ہوگی اور گواہی بھی خصوصی۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلمان حرمین طیبین خصوصًا مدینہ منورہ میں رہنے مرنے کو رب تعالٰی کی اعلٰی نعمت جانے،اگر یہ مٹی وہاں کی پاک مٹی سے مل جائے تو اس سے بڑھ کر کیا ہوسکتا ہے۔شعر

پس مرگ مری مٹی ٹھکانے خوب لگ جاتی　　میسر گر مجھے دو گز مدینہ کی زمیں ہوتی

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا کوئی امتی مدینہ کی سختیوں اور تکلیف پر صبر نہ کرے گا مگر میں قیامت کے دن اس کا شفیع ہوں گا ۱؎ (مسلم)

۱؎ شفاعت خصوصی،حق یہ ہے کہ یہ وعدہ ساری امت کے لیے ہے کہ مدینہ میں مرنے والے حضور انور کی اس شفاعت کے مستحق ہیں۔شعر

طیبہ میں سر کے سیدھے چلے جاؤ آنکھیں بند　　سیدھی سڑک یہ شہر شفاعت نگر کی ہے

خیال رہے کہ حضور انور کی ہجرت سے پہلے مکہ معظّمہ میں رہنا بہتر تھا اور ہجرت کے بعد فتح مکہ سے پہلے مکہ معظّمہ میں رہنا مسلمان کو منع ہوگیا ہجرت واجب ہوگئی اور فتح مکہ کے بعد وہاں رہنا تو جائز ہوا مگر مدینہ منورہ میں رہنا افضل قرار پایا کہ یہاں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے قرب ہے اسی لیے زیادہ تر فضائل مدینہ پاک میں رہنے کے آئے ہیں۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں کہ لوگ جب پہلا پھل دیکھتے تو اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لاتے تھے ۱؎ جب حضور اسے لیتے تو فرماتے الٰہی ہمارے پھلوں میں ہمارے لیے برکت دے ہمارے مدینہ میں برکت دے ۲؎

	ہمارے صاع میں ہمارے مد میں ہمارے واسطے برکت دے ۳؎ الٰہی ابراہیم تیرے بندے تیرے خلیل تیرے نبی ہیں اور میں تیرا بندہ تیرا نبی ہوں ۴؎ انہوں نے مکہ کے لیے دعا کی ۵؎ اور میں مدینہ کے لیے ویسی ہی دعا کرتا ہوں جیسی انہوں نے مکہ کے لیے دعا کی اور اتنی ہی اس کے ساتھ اور ۶؎ فرمایا پھر کسی چھوٹے بچے کو بلاتے اسے یہ پھل عطا فرمادیتے ۷؎(مسلم)

۱؎ یعنی باغ والے اپنے باغ کا پہلا پھل،یوں ہی مدینہ والے جب بازارمیں نیا پھل دیکھتے تو حضور انور کی خدمت میں ہدیۃً لاتے تاکہ باغ میں اور گھروں میں برکت رہے،بعض لوگ پہلے پھل پر فاتحہ دے کر بچوں میں تقسیم کرتے ہیں ان کا ماخذ یہ حدیث ہے،فاتحہ میں ثواب کا نذرانہ ہوتا ہے اگر ہم کو وہ میسر نہ ہوا تو ہدیہ ثواب ہی کریں۔

۲؎ یعنی مدینہ کی آبادی میں بھی برکت دے اور یہاں کے پھل فروٹ میں بھی حضور کی دعائیں قبول ہوئیں۔چنانچہ زمانہ فاروقی میں مدینہ میں چالیس ہزار سوار فوجی تھے، پیادے ان کے علاوہ دوسری آبادی ان کے سواء اور وہاں کے پھلوں کی برکت تو مشہور ہی ہے۔(مرقات)

۳؎ صاع و مد سے مراد ان پیمانوں میں نپنے والے دانہ ہیں جیسے گندم جو وغیرہ،پھلوں کی برکت کی دعا پہلے گزر گئی اور غلہ کی برکت کی دعا یہ ہے،ہمارے لیے فرما کر یہ بتایا کہ یہ برکتیں مسلمانوں کے لیے ہوں۔

۴؎ حضور انور نے حضرت ابراہیم کے خلیل ہونے کا تو ذکر فرمایا مگر اپنے حبیب ہونے کا ذکر نہ فرمایا تواضع و انکسار کے لیے۔خلیل وہ جو رب کی مانے،حبیب وہ کہ رب اس کی مانے،خلیل بیرونی دوست،حبیب اندرونی دوست،دوستوں سے ملاقات پردہ کے باہر ہوتی ہے حبیب سے ملاقات پردہ کے اندر۔شعر

تم تو مغز اور پوست اور ہیں باہر کے دوست　　تم ہو درون سراتم پہ کروڑوں درود

نبی و رسول کبھی ہم معنے ہوتے ہیں اور کبھی نبی رسول سے عام نبوت میں رب تعالٰی سے فیض لیتا ہے اور رسالت میں دوسروں کو فیض دیتا ہے۔حق یہ ہے نبوت سے رسالت افضل ہے رسول تین سو تیرہ ہیں،نبی ایک لاکھ چوبیس ہزار یا کم و بیش،نبی کی ولایت ان کی نبوت سے بعض کے نزدیک افضل ہے،بعض کے ہاں برعکس۔(مرقات)

۵؎ جناب خلیل نے مکہ معظمہ کے لیے دعا کی تھی"فَاجْعَلْ اَفْـِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْۤ اِلَیْهِمْ وَ ارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ یَشْكُرُوْنَ" خدایا لوگوں کے دل مکہ معظّمہ کی طرف مائل فرمادے اور یہاں کے باشندوں کو پھل دے تاکہ وہ شکر ادا کریں۔

۶؎ اور سے مراد صرف دوگنی نہیں بلکہ کئی گنی یعنی مدینہ کی طرف لوگوں کے دل خوب مائل کردے اور یہاں بہت پھل فروٹ پیدا فرما،برکتیں دے،اس دعا شریف کا اثر آج بھی دیکھا جارہا ہے کہ مکہ معظّمہ سے زیادہ مدینہ پاک کی طرف لوگوں کا میلان قلبی ہے،مدینہ کی تعریف میں ہزار ہا قصیدے لکھے گئے،وہاں کا سا پانی،کھانا پھل اور جگہ دیکھے نہ گئے۔

ے اس حدیث سے پہلے پھل پر،پھل سامنے رکھ کر فاتحہ پڑھنا بچوں میں تقسیم کرنا سب کچھ ثابت ہے کہ حضور انور پھل سامنے رکھ کر یا ہاتھ میں لے کر یہ دعا پڑھتے تھے،فاتحہ میں کھانا،پھل سامنے ہوتے ہیں،ایصال ثواب اور دعائیہ کلمات کہے جاتے ہیں،حضور انور نے بچہ کو یہ پھل دیئے،اب بھی بچوں میں تقسیم کیے جاتے ہیں۔

روایت ہے حضرت ابو سعید سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی آپ نے فرمایا ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم بنایا ۱؎ اسی کے لیے احرام بنایا ۲؎ اور میں مدینہ کو حرم بناتا ہوں ۳؎ اس کے گوشوں کے درمیان کو ۴؎ کہ اس میں نہ خون بہایا جائے نہ اس میں جنگ کے لیے ہتھیار اٹھایا جائے ۵؎ نہ بجز چارے کے یہاں کا درخت کاٹا جائے ۶؎ (مسلم)	

۱؎ اس طرح کہ آپ نے مکہ معظّمہ کو حرم بنانے کی رب سے دعا کی اور رب نے آپ کی دعاء سے حرم بنایا،چونکہ آپ کی دعا حرم بننے کا سبب ہوئی اس لیے گویا انہوں نے ہی حرم بنایا لہذا یہ حدیث اس گزشتہ حدیث کے خلاف نہیں جس میں فرمایا گیا کہ اللہ تعالٰی نے خود ہی اسے حرم بنایا جب کہ آسمان و زمین پیدا فرمائے،حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کے زمانہ سے اس کے وہ احکام جاری ہوئے جو آج بھی باقی ہیں یعنی یہاں کے شکار کرلینے پر قیمت کا فدیہ واجب ہونا،باقی اس بقعہ پاک کا احترام وہ تو ابتداء خلق سے ہورہا ہے اس لیے اس کے حرم بنانے کی نسبت حضرت خلیل کی طرف درست ہے۔

۲؎ یعنی مکہ معظّمہ میں احرام باندھ کر آنا،بغیر احرام داخلہ منع ہونا،حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے آپ کی دعا سے ہوا،اس جملہ نے حرم بنانے کے معنے واضح کردیئے۔

۳؎ یعنی اس زمین مدینہ کو تاقیامت محترم و معظم قرار دیتا ہوں حضرت خلیل اور حبیب کے حرم بنانے میں بہت طرح فرق ہے جن میں سے ایک یہ ہے کہ جناب خلیل نے اس زمین مکہ کو حرم بنایا جو بعض وجوہ سے پہلے بھی حرم تھی اور لوگوں سے جو عظمت اس کی گم ہوگئی تھی وہ ظاہر فرمائی مگر حضور انور نے اس زمین مدینہ کو حرم بنایا جو پہلے سے معظم نہ تھی بلکہ لوگ اس سے گھبراتے تھے کہ یہ جگہ وباؤں کی تھی حتی کہ اس کا نام بھی یثرب تھا یعنی بلاؤں کا گھر۔

۴؎ **مازم** دو پہاڑوں کے درمیان تنگ راستہ کو کہتے ہیں جو کہیں بالکل مل جائے اور کہیں وسیع ہوجائے،اس سے مراد اطراف مدینہ ہیں۔(مرقات)

۵؎ **لایحمل** الخ خون نہ بہانے کی تفسیر ہے یعنی مدینہ کی حدود میں مسلمان لڑیں بھڑیں نہیں جس سے خون خراب ہو کہ اگرچہ یہ حرکت ہر جگہ ہی بری ہے مگر مدینہ میں زیادہ بری،کسی امام کے ہاں اس کے یہ معنے نہیں کہ اگر مستحق قتل مجرم زمین مدینہ میں پناہ لے لے تو اس سے قصاص نہ لیاجائے یہ صرف مکہ معظّمہ کی شان ہے کہ "**مَنْ دَخَلَہٗ کَانَ اٰمِنًا**"۔

۶؎ یہ جملہ امام ابوحنیفہ کی دلیل ہے کہ حرم مدینہ میں درخت کاٹنا درست ہے کہ یہاں چارے کے لیے کاٹنے کی اجازت دی،اگر درخت کاٹنا حرام ہوتے تو چارے کے لیے بھی نہ کاٹے جاتے جیساکہ مکہ معظّمہ کے حرم میں ہے،رہا وہاں کے شکار کا حرام ہونا تو چڑیوں و دیگر پرندوں کے شکار کے جواز پر قریبًا سب ہی کا اتفاق ہے،چرندے کے شکار کو اکثروجمہور صحابہ درست

مانتے ہیں،بعض نے منع فرمایا مگر اس شکار کی بھی قیمت خیرات کرنا کسی کے ہاں واجب نہیں اور نہ کسی حدیث سے اس کا وجوب ثابت ہے۔غرضکہ حرم مکہ بمعنی تحریم ہے اور حرم مدینہ بمعنی احترام، مدینہ منورہ کا احترام مکہ معظّمہ سے بھی زیادہ ہے۔خیال رہے کہ حرم مدینہ کو حرم مکہ سے تشبیہ دینا بعض وجوہ یعنی احترام و تعظیم کے لحاظ سے نہ کہ تمام وجوہ سے جیسے رب تعالٰی کا فرمان:"اِنَّ مَثَلَ عِیۡسٰی عِنۡدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ"کا مقصد یہ ہے کہ چونکہ مدینہ منورہ دارالہجرۃ ہے یہاں لوگ کثرت سے حاضر ہوں گے لہذا یہاں سے درخت وغیرہ نہ کاٹوتاکہ یہاں کی زینت نہ جاتی رہے،آج دیگر سرکاری جگہ میں پھول توڑنا،درخت کاٹنا منع ہوتا ہے،کیوں ؟بقاء زینت کے لیے یہ حکم بھی ایسے ہی ہے کہ چارے کے لیے کاٹ لو بلاضرورت نہ کاٹو۔

	روایت ہے حضرت عامر ابن سعید سے کہ جناب سعد اپنے ڈیرے کی طرف سوار ہوئے جو عقیق میں تھا تو ایک غلام کو درخت کاٹتے یا پتے جھاڑتے دیکھا ۱؎تو اس کے کپڑے چھین لیے جب حضرت سعد لوٹے تو ان کے پاس غلام والے لوگ آئے اور عرض کیا کہ ان کے غلام کو یا ان کو وہ سامان واپس کردیں جو ان کے غلام سے لیا ہے ۲؎تو آپ نے فرمایا **معاذ اللہ** کہ میں وہ چیز واپس کروں جو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غنیمۃً عطا فرمائی ہے اور واپس کرنے سے انکار کردیا ۳؎(مسلم)

۱؎عقیق مدینہ منورہ سے ایک میل کے فاصلہ پر ایک جگہ ہے ذوالحلیفہ کے راستہ میں،چونکہ یہ جگہ حرم مدینہ میں داخل ہے اس لیے یہ واقعہ درپیش ہوا،شک راوی کو ہے کہ یہ غلام اپنے جانوروں کے لیے یا تو خودرو چھوٹے درخت کاٹ رہا تھا یا کسی بڑے جنگلی درخت کے پتے جھاڑ رہا تھا۔

۲؎معلوم ہوا کہ تمام صحابہ کا مذہب یہ ہی ہے کہ حرم مدینہ کے درخت کاٹنے یا پتے جھاڑنے پر ضمان نہیں ہے،حضرت سعد ابن ابی وقاص نے جو اس غلام کے کپڑے اور سامان چھین لیا وہ یا تو سیاسۃً ہے یا انہوں نے اس حدیث کا مطلب سمجھا نہیں جس میں سامان چھین لینے کا حکم ہے،ورنہ یہ حضرات حضرت سعد ابن ابی وقاص سے سامان واپس نہ مانگتے بلکہ ان کی تائید کرتے کہ احکام شرعیہ پر عمل ضروری ہے اس کے خلاف کا مشورہ دینا گناہ ہے،یہ واپسی کا مطالبہ قابل غور ہے۔

۳؎یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم کسی کو حرم مدینہ کے درخت یا پتے کاٹتے دیکھو تو بطور غنیمت سامان چھین لو اور دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا اگر تم چاہو تو اس سامان کی قیمت دے دوں مگر سامان نہ دوں گا،یہ حدیث تمام آئمہ کے ہاں واجب التاویل ہے کسی کا اس پر عمل نہیں کیونکہ یہ کوئی نہیں کہتا کہ درخت کاٹنے والے کا سامان کپڑے وغیرہ چھین لو،حرم مکہ میں بھی شکار یا درخت کی قیمت خیرات کرنا ہوتی ہے کوئی شکاری کا سامان چھین نہیں سکتالہذا یہ ہی کہا جاسکتا ہے کہ سرکار عالی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ اس کے کپڑے چھین لو تشدیدًا ہے جیسے فرمایا گیا کہ جو نمازی کے آگے سے گزرنے لگے اس سے جنگ کرویا نوحہ کرنے والی عورتوں کے منہ میں خاک ڈال دو یا جو کسی کی

تعریف اس کے سامنے کرے تو اس کے منہ میں خاک جھونک دو،یہ احادیث اپنے ظاہری معنے پر نہیں ایسے ہی یہاں سامان چھیننے کے ظاہری معنے مراد نہیں بلکہ مراد ہے سختی سے منع کردینا ۔حضرت سعد کا یہ اجتہادی حکم ہے کافر حربی کا مال غنیمت ہوتا ہے ذمی کافر کا مال بھی غنیمت نہیں ہوتا چہ جائیکہ مسلمان کا۔خیال رہے کہ امام مالک و شافعی کے ہاں مدینہ کے شکار اور درخت کاٹنا حرام تو ہیں مگر ان کی جزاء واجب نہیں،بعض آئمہ کے ہاں جزاء یعنی قیمت خیرات کرنا واجب ہے،ہمارے ہاں نہ جزاء ہے نہ یہ کام حرام مکروہ ہے جیساکہ پہلے عرض کیاگیا، حضرت ابن مسعود،ابن عمر،عائشہ صدیقہ کا یہی مذہب ہے،خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی کی تعمیر کے وقت وہاں کی کھجوریں وغیرہ کاٹ کاٹ دیں،مشرکین کی قبریں اکھیڑ دیں اور وہاں مسجد بنادی،حضرت ابن مسعود اور ابن زبالہ نے فرمایا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مسلمہ سے فرمایا تھا کہ اگر تم عقیق میں شکار کھیلو تو ہم تمہاری امداد کریں جیساکہ ابن ابی شیبہ طبرانی منذری نے باسناد حسن روایت کی،نیز طبرانی میں حضرت انس سے مرفوعًا منقول ہے کہ حضور انور نے فرمایا جب تم احد پہاڑ پر جاؤ تو وہاں کے درخت یا کچھ گھاس کھا لو اور کھانا بغیر اکھیڑے یا کاٹے ناممکن ہے،دیکھو مرقات وغیرہ

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو حضرت ابوبکر و بلال کو بخار آگیا[1]میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی میں نے حضور انور کو یہ خبر دی تو فرمایا الٰہی مدینہ ہمیں ایسا پیارا کردے جیسے مکہ پیارا تھایا اس سے بھی زیادہ اور اسے صحت بخش بنا دے اور اس کے صاع و مد میں ہمیں برکت دے اور یہاں کے بخار کو منتقل کرکے جحفہ میں بھیج دے[2](مسلم،بخاری)	

[1] اور یہ دونوں حضرات بخار کی شدت میں مکہ معظّمہ کو بہت یاد کرتے تھے۔چنانچہ حضرت بلال یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔شعر

الا لیت شعری هل ابیتن لیلة　　　بواد و عندی اذخر و جلیل

وهل اردن یوما میاہ مجنة　　　وهل تبدون بی شامة والفیل

غرضکہ مکہ کی آب و ہوا اور شیریں پانی حتی کہ وہاں کے گھاس و پہاڑ بھی یاد ہوتے تھے۔

[2] حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تمام دعائیں قبول ہوئیں۔چنانچہ آج بھی ہر مسلمان کو بمقابلہ مکہ مکرمہ کے مدینہ منورہ زیادہ پیارا ہے اور مدینہ پاک کی آب و ہوا بہت ہی صحت بخش ہے حتی کہ وہاں کی خاک خاک شفا کہلاتی ہے،وہاں کی روزی میں بڑی برکت ہے۔جحفہ حرمین طیبین کے درمیان چھوٹی سی بستی ہے جہاں اس زمانہ میں یہود آباد تھے،اب بھی وہاں کی آب و ہوا نرا بخار ہے کہ اگر پرندہ وہاں سے گزر جائے تو بیمار پڑ جاتا ہے۔(لمعات)یہ حدیث امام مالک کی دلیل ہے کہ مدینہ منورہ افضل ہے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب کے متعلق جو مدینہ کے بارے میں دیکھی[1]فرمایا	

میں نے ایک کالی بال بکھیرے عورت دیکھی کہ مدینہ سے نکلی حتی کہ مہیعہ ہی اتر گئی ۲؎ہم نے اس کی تعبیر یہ کی کہ مدینہ منورہ کی وباء مہیعہ کی طرف منتقل ہوگئی،مہیعہ حجفہ کا نام ہے ۳؎(بخاری)	

۱؎یعنی حضرت ابن عمر نے حضور کی خواب کا ایک بڑا واقعہ بیان کیا جس میں الفاظ یہ بھی ہیں جو یہاں منقول ہیں۔

۲؎**مھیعہ** کے معنے ہیں وسیع زمین یا فراخ بستی جب سیلابوں نے اس بستی کو برباد کردیا تو اس کا نام حجفہ ہوگیا،یعنی کٹی ہوئی زمین۔(مرقات)غالبًا یہ خواب اس دعا شریف کے بعد دیکھی ہوگی جو پہلے گزری۔

۳؎یہاں وباء سے مراد طاعون،ہیضہ وغیرہ وبائی بیماریاں نہیں بلکہ خرابی آب و ہوا کی بنا پر عام بیماریاں مراد ہیں لہذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ جہاں وباء ہو وہاں جانا منع ہے،پھر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ منورہ کیوں تشریف لائے ؟ یہاں مرقات نے فرمایا کہ اب حجفہ کا یہ حال ہے کہ وہاں ایک مقام غدیر خمّہ ہے وہاں کوئی شخص بلوغ تک زندہ نہیں رہتا،اس سے پہلے ہی بیماریوں کا شکار ہوکر ہلاک ہوجاتا ہے لہذا اب وہ جگہ ویران ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ جیسے کفار کی بستیوں پر بمباری و تیراندازی کرسکتے ہیں ایسے ہی وہاں کے لیے بیماری کی بددعا بھی کر سکتے ہیں لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مدینہ کی وباء دوسروں پر کیوں منتقل فرمادی۔

روایت ہے حضرت سفیان ابن ابی زہیر سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ عنقریب یمن فتح ہوگا تو ایک قوم دوڑتی ہوئی خوشی خوشی آئے گی ۱؎اور اپنے بال بچوں اور اپنے خدام کو وہاں لے جائے گی حالانکہ اگر وہ سمجھتے تو مدینہ ان کے لیے بہتر تھا ۲؎اور شام فتح ہوگا تو ایک قوم خوشی خوشی دوڑتی آئے گی تو گھر والوں اور خدام کو وہاں لے جائے گی حالانکہ ان کے لیے مدینہ اچھا تھا اگر وہ جانتے اور عراق فتح ہوگا ۳؎تو ایک قوم خوشی خوشی دوڑتی آئے گی اور اپنے بال بچوں اور خادموں کو لے جائے گی حالانکہ مدینہ ان کے لیے بہتر تھا اگر جانتے ۴؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ **یَبُسُّوْنَ بَسٌّ** سے بنا بمعنی نرم رفتار،رب تعالٰی فرماتا ہے:"**وَ بُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا**"یعنی فتح یمن کے بعد بعض مدینہ والے وہاں جاکر وہاں کے عیش و آرام دیکھیں گے تو خراماں خراماں خوش خوش مدینہ آئیں گے اور اپنے بال بچوں کو یمن لے جائیں گے،مدینہ منورہ کی رہائش چھوڑ کر یمن کی بودوباش اختیار کرلیں گے بعض شارحین نے اس جملہ کے یہ معنے کیے کہ فتح یمن کے بعد بعض یمنی لوگ اپنے بال بچے مدینہ منورہ لے آئیں گے اور مدینہ کی بود باش اختیار کرلیں گے مگر یہ معنے بعید ہیں اگلا مضمون اس کے موافق نہیں الا بالتاویل البعید۔(ازمرقات)

۲؎ظاہر یہ ہے کہ لو تمنا کا ہے یعنی کاش یہ چلے جانے والے لوگ یہ جان لیتے کہ دوسرے شہروں سے مدینہ منورہ ان کے لیے بہتر ہے کہ یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب ہے،مسجد نبوی شریف میں نماز میسر ہے،یہ سرزمین جائے نزول وحی ہے،یہاں دین و دنیا کی بھلائیاں ہیں۔

۳؎ خیال رہے کہ عراق عہد صدیقی میں فتح ہوا اور شام خلافت فاروقی میں لہذا یہاں ذکر کی ترتیب واقع کی ترتیب کے موافق نہیں ہے۔

۴؎اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یمن،شام،عراق غرضکہ تمام ملکوں سے مدینہ منورہ بہتر اور افضل ہے اگرچہ شام میں ہزار ہا انبیاء کرام کے مزارات ہیں وہاں بیت المقدس ہے اور مدینہ منورہ میں صرف حضور انور آرام فرما ہیں مگر مدینہ ہی افضل ہے کہ سارے تارے شام میں ہیں اور سورج مدینہ میں،امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اس جملہ کے معنے یہ کرتے ہیں کہ تمام جگہ سے بہتر مدینہ ہے،اس میں مکہ معظّمہ بھی داخل ہے،اسی بنا پر وہ فرماتے ہیں کہ مکہ معظّمہ سے مدینہ منورہ افضل ہے۔(مرقات)خیال رہے کہ تمام اماموں کا ہاں مدینہ میں رہنا افضل ہے،مکہ میں رہنے سے بھی کسی حدیث میں مکہ معظّمہ کے رہنے پر اتنا زور نہیں دیا گیا جتنا مدینہ پاک میں رہنے پر دیا گیا ہے،مکہ معظّمہ کا افضل ہونا اور ہے اور وہاں رہنے سہنے کا افضل ہونا کچھ اور۔ہم اس کے متعلق پہلے عرض کرچکے ہیں کہ سیدنا عبداللہ ابن عباس نے طائف شریف کا قیام اختیار فرمایا۔شعر

میرا دل زار مدینہ میں ہے میں ہوں یہاں یار مدینہ میں

خلد کا مختار مدینہ میں ہے دید کا بازار مدینہ میں

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایسی بستی کا حکم دیا گیا جو تمام بستیوں کو کھا جائے گی ۱؎لوگ اسے یثرب کہیں گے حالانکہ وہ مدینہ ہے ۲؎لوگوں کو ایسے صاف کردے گی جیسے بھٹی لوہے کے میل کو ۳؎(مسلم،بخاری)	

۱؎غالبًا یہ ارشاد گرامی ہجرت سے پہلے ہوا کہ مجھے ہجرت کرکے وہاں جانے کا حکم دیا ہے،ہوسکتا ہے کہ بعد ہجرت کا یہ فرمان ہو یعنی مجھے رب تعالٰی نے اس مدینہ کی بستی میں رہنے کا حکم دیا ہے۔کھا جانے کے معنے یہ ہیں کہ یہاں کے لوگ تمام ملکوں کو فتح کریں گے اور ان کے مال اور خزانے مدینہ میں پہنچ جائیں گے۔چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ شام،فارس اور روم کے خزانے مدینہ پہنچے یا یہاں کے باشندے پہلے بھی دوسروں پر غالب آتے رہے ہیں۔چنانچہ پہلے مدینہ منورہ میں قوم عمالقہ رہی تو وہ بہت ملکوں پر غالب آگئی پھر یہاں یہود آباد ہوئے تو وہ عمالقہ پر غالب آئے پھر مہاجرین مؤمن یہاں رہے وہ تمام روئے زمین پر غالب آگئے۔

۲؎مدینہ منورہ کے نام سو سے بھی زیادہ ہیں،طیبہ،طابہ،بطحے،مدینہ،ابطح وغیرہ،ہجرت سے پہلے لوگ اسے یثرب کہتے تھے یا تو اس لیے کہ یہاں قوم عمالقہ کا جو پہلا آدمی آیا اس کا نام یثرب تھا یا یہ لفظ ثرب سے مشتق ہے بمعنی سرزنش،سزا مصیبت

وبلا،رب تعالٰی فرماتا ہے:"لَا تَثۡرِيۡبَ عَلَيۡكُمُ الۡيَوۡمَ "اب اسے یثرب کہنا سخت منع ہے،قرآن کریم میں جو اسے یثرب کہا گیا"یٰۤاَهۡلَ يَثۡرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمۡ"وہ قول منافقین ہے۔امام احمد فرماتے ہیں کہ جو مدینہ منورہ کو یثرب کہے وہ توبہ کرے،بخاری نے اپنی تاریخ میں فرمایا کہ جو ایک بار اسے یثرب کہے وہ بطور کفارہ دس بار اسے مدینہ کہے۔مدینہ کے معنے ہیں اجتماع کی جگہ،مدن سے مشتق ہے بمعنی اجتماع اسی سے ہے تمدن و مدنیت،شہر کو مدینہ اسی لیے کہتے ہیں کہ وہاں ہر قسم کے لوگوں کا اجتماع ہوتا ہے،کسی شاعر نے مدینہ کے عجیب معنے یہ بیان کیے۔

معجزہ شق القمر کا ہے مدینہ سے عیاں   مدنے شق کرلیا ہے دین کو آغوش میں

۳؎ یہ زمین مدینہ کی تاثیر ہے کہ اس نے وہاں سے مشرکین و کفار کو یا تو مؤمن بنادیا اور یا وہاں سے نکال دیا۔چنانچہ اوس و خزرج تو مؤمن ہوگئے بنی قریظہ ہلاک اور بنی نضیر وہاں سے جلا وطن کردیئے گئے۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ اگر کوئی خبیث وہاں مر کر دفن بھی ہوجائے تو فرشتے وہاں سے اس کی نعش کسی دوسری جگہ منتقل کردیتے ہیں اور اگر کوئی وہاں کا عاشق دوسری جگہ دفن ہوجائے تو اس کی نعش مدینہ منورہ پہنچادیتے ہیں،غرضیکہ زمین مدینہ بھی بھٹی ہے۔

روایت ہے حضرت جابر ابن سمرہ سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اللہ تعالٰی نے مدینہ کا نام طابہ رکھا ہے ۱؎(مسلم)	

۱؎ یعنی لوح محفوظ میں مدینہ منورہ کا نام طابہ،طیبہ ہے یا رب تعالٰی نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ اس کا نام طابہ رکھیں،اس کے معنی ہیں پاک و صاف اور خوشبو دار جگہ،اسے رب تعالٰی نے کفر و شرک سے پاک کیا،یہاں کے باشندوں کو بدخلقی وغیرہ سے صاف فرمایا جیسا کہ آج بھی مشاہدہ ہے کہ مدینہ منورہ کے باشندے اخلاق وعادات اور نرمی طبیعت میں بہت اعلیٰ ہیں،نیز زمین مدینہ بلکہ درو دیوار میں ایک خاص مہک ہے وہاں کے خس و خاشاک اگرچہ گلی کوچوں میں جمع رہیں مگر بدبو نہیں دیتے،وہاں کی مٹی میں قدرتی خوشبو ہے مگر محسوس اسے ہو جس کے دماغ میں کفرونفاق کا نزلہ زکام نہ ہو۔

روایت ہے حضرت جابر ابن عبداللہ سے کہ ایک بدوی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی ۱؎ پھر اسے مدینہ منورہ میں بخار آگیا ۲؎ تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کیا یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم میری بیعت فسخ فرمادیجئے ۳؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار کیا ۴؎ وہ پھر حاضر ہوا بولا میری بیعت فسخ کردیجئے ۵؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار کیا وہ پھر آیا بولا میری بیعت فسخ فرمادیجئے حضور نے انکار کیا وہ بدوی آخر چلا گیا ۶؎ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مدینہ بھٹی کی طرح ہے جو لوہے کے میل کو دور کردیتی ہے اور اچھے کو خالص کرلیتی ہے	

	ے(مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی ایک دیہاتی آدمی ایمان لایا،پھر اس نے ہجرت پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی کہ میں اپنے وطن میں جو دارالکفر ہے قیام نہ رکھوں گا بلکہ مدینہ منورہ آپ کے قدموں میں آن بسوں گا۔

۲؎ وہ بے وقوف سمجھا کہ مدینہ کی آب و ہوا مجھے موافق نہیں اور یہ بیعت مجھے راس نہ آئی جس سے میں بیمار ہوگیااس لیے اس نے اگلا کلام عرض کیا۔

۳؎ اور مجھے اجازت دیجئے کہ اسلام سے پھر جاؤں یا اپنی ہجرت توڑ کر اپنے وطن چلا جاؤں۔

۴؎ کیونکہ پہلی صورت میں تو فسخ بیعت سے اسے ارتداد کی اجازت دینا لازم ہوگا اور دوسری صورت میں مہاجر کو ہجرت ختم کردینے کی اجازت ہوگی،پہلی جز کفر ہے دوسری جز حرام،فتح مکہ کے بعد بھی حضور انور نے کسی مہاجر کو مکہ معظّمہ بسنے کی اجازت تو کیا وہاں تین دن سے زیادہ بلا ضرورت رہنے کی اجازت نہ دی۔

۵؎ وہ سمجھا یہ تھا کہ جیسے بیع،نکاح بعض صورتوں میں فسخ ہوجاتے ہیں ایسے ہی بیعت اسلام یا بیعت ہجرت بھی فسخ ہوسکتی ہے اس لیے بار بار یہ کہتا رہا۔ظاہر یہ ہے کہ وہ مرتد ہونا نہ چاہتا تھا بلکہ ہجرت چھوڑنا چاہتا تھا ورنہ واجب القتل ہوتا کہ کفر و ارتداد کا ارادہ کرلینا بھی کفر ہے۔

۶؎ یعنی بغیر اجازت ہی مدینہ منورہ سے نکل گیا۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فی الحال اس کا ارادہ ترک اسلام نہ تھا ترک ہجرت تھا اس کی وہ اجازت مانگتا تھا۔

۷؎ اس فرمان عالی سے معلوم ہوا کہ زمین مدینہ میں کھوٹوں کو نکالنے،کھروں کو چھانٹ لینے کی تاثیر اول ہی سے ہے اور آخر تک رہے گی صرف قریب قیامت نہ ہوگی،جو منافقین یا یہود وہاں ہی مرکر وہاں ہی دفن ہوگئے ان کی نعشیں وہاں سے نکال دی گئیں۔غرضکہ زمین مدینہ کسی خبیث کو اس کی زندگی میں ہی نکال دیتی ہے کسی کو بعد موت لہٰذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں،ہاں قریب قیامت اس چھانٹ کا خصوصی اثر نمودار ہوگا جسے ہر شخص اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گالہٰذا یہ حدیث اگلی آنے والی حدیث کے خلاف نہیں۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت قائم نہ ہوگی حتی کہ مدینہ منورہ برے لوگوں کو یوں نکال دے گا جیسے بھٹی لوہے کا میل نکال دیتی ہے۱؎(مسلم)

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد ظہور دجّال کے زمانہ کا واقعہ ہے،دجّال تو مدینہ منورہ میں نہ داخل ہوسکے گا مگر مدینہ پاک میں زلزلہ سا ہوگا جس سے منافقین یہاں سے بھاگ جائیں گے اور دجّال کے جال میں پھنس جائیں گے۔مخلصین نہ نکلیں گے یہ ہوگی مدینہ پاک کی چھانٹ۔ہوسکتا ہے کہ اس سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ ہی مراد ہوکیونکہ حضور کی تشریف آوری بھی علامت قیامت ہےیعنی چونکہ اب قیامت قریب آگئی اس لیے مدینہ منورہ کی یہ تاثیر ظاہر ہونے لگی۔(مرقات)مگر پہلے معنے زیادہ واضح ہیں۔ شرار سے مراد منافقین اور مدینہ کے غیر مناسب لوگ ہیں۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے کہ مدینہ منورہ کے راستوں پر فرشتے ہیں یہاں نہ طاعون آسکتی ہے اور نہ دجّال۱(مسلم،بخاری)	

۱؎ انقاب نقب کی جمع،پہاڑ کے درّہ یا دو پہاڑوں کے درمیان کے راستہ کو نقب کہتے ہیں،یہاں مطلقًا راستہ مراد ہے۔ مدینہ منورہ پر فرشتوں کا یہ پہرہ دائمی ہے کہ اس کے تمام راستوں پر ایسے فرشتے پہرہ دے رہے ہیں جن کی وجہ سے وہ جنات مدینہ پاک میں نہیں آسکتے جن کے اثر سے طاعون پھیلتی ہے،آج تک وہاں طاعون نہ پھیلی اور نہ ان شاءاللہ پھیلے گی،دجّال بھی وہاں نہ پہنچ سکے گا،پیداوار والے ممالک میں قحط پڑتے رہتے ہیں،لوگ بھوک سے ہلاک ہوتے رہتے ہیں مگر آج تک حرمین شریفین میں قحط نہیں سنا گیا،نہ لوگ وہاں بھوک سے ہلاک ہوئے اگرچہ وہاں پیداوار کوئی نہیں یہ کھلا معجزہ ہے۔خیال رہے کہ شہر مدینہ کی حفاظت پر اور قسم کے فرشتے مامور ہیں اور روضہ اطہر پر سلام عرض کرنے کے لیے ستر ہزار دوسرے فرشتے مامور ہیں جن کی دن رات تبدیلیاں ہوتی ہیں۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ایسا کوئی شہر نہیں جسے دجّال روند نہ ڈالے سوائے مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ کے۱اس کے راستوں میں سے ایسا کوئی راستہ نہیں جس میں صف بستہ فرشتے نہ ہوں جو اس کی حفاظت کرتے ہیں۲چنانچہ وہ زمین شور میں اترے گا پھر مدینہ اپنے باشندوں پر تین بار کانپے گا۳تو دجّال کی طرف ہر کافر و منافق نکل جائے گا۴(مسلم،بخاری)	

۱؎ یعنی دجّال تمام دنیا کے سارے شہروں گاؤں میں پہنچ کر فساد پھیلادے گا مگر حرمین طیبین میں داخل نہ ہوسکے گا اور یہاں پہنچ کر فساد نہ پھیلا سکے گا۔صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ جسم پاک مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے مدینہ منورہ دجّال سے محفوظ ہے تو جس دل پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ کرم ہوجائے وہ بھی یقینًا شیطان سے محفوظ ہوجاتا ہے۔

۲؎ دجّال مدینہ منورہ میں داخل ہونا چاہے گا مگر ان فرشتوں کو دیکھ کر آگے نہ بڑھ سکے گا جیسے شیطان فرشتوں کو دیکھ لیتا ہے ایسے ہی وہ بھی دیکھ لے گا۔

۳؎ سبخہ شورستان یعنی کھاری زمین کو کہتے ہیں اور مدینہ منورہ سے قریب ایک جگہ کا نام بھی ہے ۔باھلھا میں ب یا سببیہ ہے یا صلہ کی،پہلی صورت میں اہل سے مراد وہاں کے منافق و کافر باشندے ہیں،دوسری صورت میں سارے اہل مدینہ مراد ہیں یعنی زمین مدینہ وہاں کے بے دینی باشندوں کی وجہ سے یا تمام باشندوں پر تین بار کانپے گی یعنی زلزلہ آئے گا تاکہ بے دین نکل کر دجّال کے پاس پہنچ جائیں اور مخلصین یہیں رہ جائیں،مخلصین کسی مصیبت میں بھی مدینہ پاک نہیں چھوڑتے،یہ زلزلے کھروں کھوٹوں میں چھانٹ کے لیے ہوں گے ان سے وہاں کے مکانات نہ گریں گے صرف انسانوں کو جھٹکے محسوس ہوں گے اسی لیے باھلھا فرمایا۔

۴؎ معلوم ہوا کہ اس زمانہ میں مدینہ طیبہ میں کفار ہوں گے چھپے یا کھلے یا وہ لوگ جو اسلام کا دعویٰ کریں گے مگر ہوں گے کافر،مشرک نہ ہوں گے لہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں کہ جزیرہ عرب میں شیطان کی عبادت نہیں ہوسکتی۔

روایت ہے حضرت سعد سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی شخص مدینہ والوں سے فریب نہ کرے گا مگر وہ ایسے گھل جائے گا جیسے پانی میں نمک گھل جاتا ہے ۱(مسلم،بخاری)	

۱؎ یہ بالکل صحیح اور مجرب ہے کہ جس نے اہلِ مدینہ کو ستایا چین نہ پایا،یزید پلید واقعہ حرہ کے بعد دق اور سل میں مبتلا ہو کر مرگیا،حجاج ابن یوسف برے حال سے ہلاک ہوا۔

روایت ہے حضرت انس سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر سے آتے اور مدینہ پاک کی دیواروں کو دیکھتے تو اپنی سواری کو تیز فرمادیتے اگر گھوڑے پر ہوتے تو اسے ایڑی لگاتے اس کی محبت کی وجہ سے ۱(بخاری)	

۱؎ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ پاک اتنا پیارا تھا کہ ہر سفر سے واپسی میں یوں تو معمولی رفتار پر جانور چلاتے تھے مگر مدینہ پاک کو دیکھتے ہی وہاں جلد پہنچ جانے کے لیے سواری تیز فرمادیتے تھے،اسی محبت کا اثر ہے کہ مسلمان مدینہ پر دل و جان سے فدا ہیں کیونکہ یہ محبوب کا محبوب ہے اس مقدس شہر کی سینکڑوں تاریخیں لکھی گئیں اور نظم و نثر میں ہزار ہا اس کی منقبتیں۔

روایت ہے ان ہی سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے احد چمکا ۱ تو فرمایا یہ پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں ۲ یقینًا ابراہیم علیہ السلام نے مکہ معظّمہ کو حرم بنایا اور میں مدینہ کے گوشوں کے درمیان کو حرم بناتا ہوں ۳(بخاری،مسلم)	

۱؎ یا تو سرکار عالی سفر سے لوٹ رہے تھے کہ احد نمودار ہوا یا مدینہ منورہ ہی میں ایک بار احد پر نظر پڑی اور یہ فرمایا۔احد شریف مدینہ پاک سے بجانب مشرق تقریبًا تین میل دور ایک پہاڑ ہے مدینہ منورہ خصوصًا جنت البقیع سے صاف نظر آتا ہے،وہاں شہداء احد خصوصًا سید الشہداء امیر حمزہ کے مزارات ہیں،زائرین جوق در جوق اس پہاڑ کی زیارت کرتے ہیں،میں نے حجاج کو اس پہاڑ سے لپٹ کر روتے اور وہاں کے پتھروں کو چومتے دیکھا ہے۔ہر مؤمن کے دل میں قدرتی طور پر اس کی محبت ہے۔

۲؎ بعض ظاہر بین شارحین نے کہا ہے کہ اس سے احد کے باشندوں کی محبت مراد ہے مگر حق یہ ہے کہ خود پہاڑ ہی حضور سے محبت کرتا ہے،لکڑیوں پتھروں میں احساس بھی ہے اور محبت و عداوت کا مادہ بھی،حضور کے فراق میں اونٹ بھی روئے اور لکڑیوں نے بھی گریہ و زاری و فریاد کی ہے۔(لمعات،مرقات،محی السنہ)لہذا حق یہ ہے کہ خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم احد پہاڑ سے،اس علاقہ سے،وہاں کے پتھروں سے محبت فرماتے ہیں اور یہ تمام چیزیں بعینہٖ حضور سے محبت کرتی ہیں،احادیث سے ثابت ہے کہ حضور انور احد پر چڑھے تو احد کو وجد آگیا اور وہ جھومنے لگا۔

۳؎یعنی ابراہیم علیہ السلام نے حدود مکہ معظّمہ کو اپنی دعا سے حرم بنایایا اس کی حرمت کو ظاہر فرمایاورنہ وہ حرم تو خدا تعالٰی کے حکم سے ہے اور پہلے سے ہی ہے اور میں حدود مدینہ کو اپنے اختیار خداداد سے حرم بناتا ہوں اس سے پہلے مدینہ حرم نہ تھا نہ اس کی حرمت قرآن پاک میں مذکور ہے۔مدینہ کو حرم بنانے کے معنے وہ ہی ہیں جو پہلے عرض کیے گئے کہ اس مقدس مقام کی تعظیم و توقیر واجب ہے،اسے اجاڑنے ویران کرنے کی کوشش کرنا حرام ہے،یہاں شکار وغیرہ مکروہ ہے۔

	روایت ہے حضرت سہل ابن سعد سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احد وہ پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۱؎(بخاری)

۱؎اس حدیث سے چند ایمان افروز مسائل ثابت ہوئے:(۱) ایک یہ کہ تمام حسین صرف انسانوں کے محبوب ہوئے،حضور انور انسان،جنّ،لکڑی،پتھر،جانوروں کے بھی محبوب ہیں یعنی خدائی کے محبوب ہیں کیونکہ خدا کے محبوب ہیں(۲)دوسرے یہ کہ دوسرے محبوبوں کو ہزاروں نے دیکھا مگر عاشق ایک دو ہوں،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت کا یہ عالم ہے کہ آج ان کا دیکھنے والا کوئی نہیں اور عاشق کروڑوں ہیں۔شعر

حسن یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشت زناں　　سر کٹاتے ہیں ترے نام پہ مردان عرب

تیسرے یہ کہ حضور انور کو پتھر کے دل کا حال معلوم ہے کہ کس پتھر کے دل میں ہم سے کتنی محبت ہے تو ہمارے دلوں کا ایمان،عرفان،محبت و عداوت وغیرہ بھی یقینًا معلوم ہے یہ ہے علم غیب رسول۔چوتھے یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا عشق و محبت جتانے ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں انہیں ہمارے حالات خود ہی معلوم ہیں،احد نے منہ سے نہ کہا تھا کہ میں آپ سے محبت کرتا ہوں یا آپ کا چاہنے والا ہوں۔پانچویں یہ کہ جس انسان کے دل میں حضور کی محبت نہ ہو وہ پتھر سے بھی سخت ہے،اللہ تعالٰی حضور کی محبت نصیب کرے۔چھٹے یہ کہ حضور کی محبت ان کی محبوبیت کا ذریعہ ہے جو چاہتا ہے کہ حضور اس سے محبت کریں تو اسے چاہیے کہ حضور انور سے محبت کرے،دیکھو یہاں فرمایا کہ ہم بھی احد سے محبت کرتے ہیں۔ساتویں یہ کہ جو حضور انور کا محبوب بن گیا تو تمام عالم کا پیارا ہوگیا دیکھو آج احد پہاڑ ہر مؤمن کی آنکھ کا تارا ہے ایسے ہی آج وہ حضرات بھی حضور انور کے چاہنے والے بن گئے خلقت کے محبوب ہوگئے،ان کے آستانے مرجع خلائق ہوگئے،دیکھو حضرت خواجہ اجمیری،حضور غوث پاک،حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہم کے آستانوں کی رونقیں یہ اسی محبوبیت کی جلوہ گری ہے،اعلٰی حضرت فرماتے ہیں۔شعر

ان کے در کا جو ہوا خلق خدا اس کی ہوئی　　ان کے در سے جو پھرا اللہ اس سے پھر گیا

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت سلیمان ابن ابی عبداللہ سے فرماتے ہیں میں نے سعد ابن ابی وقاص کو دیکھا کہ آپ نے اس شخص

	کو پکڑ لیا جو حرم مدینہ میں شکار کررہا ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرم بنایا ہے۱؎ تو آپ نے اس کے کپڑے اتار لیے پھر اس کے مالک آپ کے پاس آئے اور اس بارے میں آپ سے کلام کیا آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے اس حرم کو حرم قرار دیا اور فرمایا کہ جو یہاں کسی کو شکار کرتے ہوئے پکڑے تو اس کے کپڑے چھین لے لہذا وہ مال میں تم کو واپس نہ دوں گا جو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا کیا لیکن اگر تم چاہو تو تمہیں اس کی قیمت دے دوں ۲؎(ابوداؤد)

۱؎یعنی مدینہ منورہ کے حدود جسے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حرم مدینہ قرار دیا جس کی حرمت و احترام واجب ہے اس کے حرمت کا لحاظ رکھتے ہوئے حضرت علی نے کوفہ کو اپنا دار الخلافہ بنایا اور حضرت حسین کربلا چلے گئے تاکہ ہماری وجہ سے حرم مدینہ میں خون خرابہ نہ ہو،حضرت عثمان نے مصر والوں کا نہ خود مقابلہ کیا نہ اپنے کسی غلام کی مقابلہ کی اجازت دی بلکہ صبر سے جام شہادت پی لیا یہ اس حرمت کا لحاظ تھا۔

۲؎اس کی نہایت نفیس تحقیق ابھی کچھ پہلے اس جیسی حدیث کی شرح میں گزرگئی کہ یہ حدیث ہی بتارہی ہے کہ حرم مدینہ کے شکار کا حکم مکہ معظّمہ کے شکار کی طرح نہیں کہ مکہ کے شکار کی قیمت صدقہ کرنا واجب ہوتی ہے نہ کہ شکاری کے کپڑے چھین لینا اور چھین کر خود آپ مالک بن جانا،حضرت سعد نے یہ حدیث اپنے ظاہری معنے پر محمول کی،یہ ان کا اجتہاد ہے ورنہ کسی صحابی کسی امام کا مذہب یہ نہیں کہ جو کسی کو حدود مدینہ میں شکار کرتے دیکھے وہ اس کے کپڑے چھین کر خود اپنے استعمال میں لائے،ہم اس چھیننے کے معنے پہلے عرض کرچکے ہیں۔خیال رہے کہ اسلام میں کسی جرم پر مالی جرمانہ کرنا حرام ہے کہ مجرم سے کچھ پیسے لےکر اپنے خرچ میں لاؤ پھر آپ کا یہ فرمانا کہ میں اس کی قیمت واپس دے سکتا ہوں یہ اور بھی اس کی تائید کرتا ہے کہ حرم مدینہ کے شکار کے احکام مکہ معظّمہ کے شکار کے سے نہیں کہ وہاں کا شکاری فقراء کو صدقہ دے کر صدقہ کی قیمت ان سے نہیں لے سکتا۔

	روایت ہے حضرت صالح سے جو سعد کے غلام ہیں ۱؎ کہ حضرت سعد نے مدینہ کے غلاموں میں سے کچھ غلاموں کو مدینہ منورہ کے درخت کاٹتے دیکھا تو آپ نے ان سب کا سامان چھین لیا۲؎ اور ان کے مولاؤں سے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا۳؎ کہ آپ مدینہ منورہ کے کسی درخت کے کاٹنے سے منع فرماتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا جو ان میں سے کچھ بھی کاٹے تو پکڑنے والے کے لیے ہے اس کا سامان ۴؎(ابوداؤد)

۱؎ یہاں مؤلف یا کاتب سے غلطی ہوئی ہے اصل عبارت یوں ہے عن صالح عن مولی سعد عن رہ گیا یعنی صالح نے حضرت سعد کے غلام سے روایت کی صالح خود حضرت سعد کے غلام نہیں بلکہ تُوامہ کے غلام ہیں،صالح خود تو ثقہ ہیں مگر سعد کے اس غلام کا پتہ نہیں جو ان کا شیخ ہے کہ وہ کیسا ہے لہذا یہ حدیث مجہول ہے۔(مرقات)اسماء الرجال کی کتب سے کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت سعد کا کوئی غلام صالح نامی تھا،لہذا یہ حدیث اصل سے ہی مجروح ہے۔

۲؎ یعنی درخت کاٹنے والے کے صرف کپڑے نہ چھینے بلکہ کلہاڑی،رسی اور اگر بکریاں وغیرہ ساتھ تھیں تو وہ بھی۔لطف یہ ہے کہ غلام کا مال دراصل مالک کا ہوتا ہے تو لازم یہ آیا کہ جرم تو کیا غلام نے اور جرمانہ ہوا اس کے مالک پر اس کا سارا مال ضبط ہوا۔

۳؎ اس غلام کے مولاؤں نے آپ سے اپنے مال کا مطالبہ کیا ہوگا کہ یہ واپس فرمادیں تب یہ فرمایا۔

۴؎ یعنی جیسے جہاد میں جو غازی کسی کافر کو قتل کرے تو مقتول کا سامان اس غازی کا ہوگا ایسے ہی حرم مدینہ کا جو شخص درخت کاٹے تو اس کا سامان پکڑنے والے کا ہوگا،اس کا مطلب پہلے عرض کیا جاچکا ہے اگر حدیث ظاہری معنے پر بھی ہو تب بھی یہ سامان خود اس شکاری غلاموں کا نہ تھا بلکہ ان کے آقاؤں کا تھا وہ مجرم نہ تھے۔

	روایت ہے حضرت زبیر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مقام وجّ کا شکار اور وہاں کے درخت حرام ہیں ۱؎ جنہیں اللہ نے حرام کیا(ابوداؤد)اور محی السنہ نے فرمایا کہ وج کے متعلق لوگ کہتے ہیں وہ طائف کے اطراف سے ہے اور خطابی نے بجائے انھا کے انہ فرمایا ۲؎

۱؎ وَجّ واؤ کے فتح جیم کے شد سے،وادی حنین سے آگے طائف سے قریب ایک وادی کا نام ہے جہاں کوئی آبادی نہیں ہے۔عضاہ خار دار درختوں کو کہتے ہیں،اس مقام کی حرمت کسی خاص وقت میں ہوگی جو بعد میں منسوخ ہوگئی،یہ جگہ حرم مدینہ سے بہت دور ہے نہ مکہ معظّمہ کے حرم میں داخل ہے نہ مدینہ منورہ کے حرم میں،طائف مکہ معظّمہ سے ستر۷۰ میل فاصلہ پر ہے اور وادی وجّ وہاں سے قریب ہے تو اسے مدینہ پاک سے تو کوئی قرب ہے ہی نہیں۔

۲؎ یعنی خطابی کی روایت میں بجائے مؤنث ضمیر کے مذکر ضمیر ہے مگر اسمیں فرق نہیں پڑتا ایک جگہ کو موضع کے معنے میں مذکر کہہ سکتے ہیں اور بقعہ کے معنے سے مؤنث مقامات کے ناموں میں وسعت ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مدینہ میں مرسکے وہ وہاں ہی مرے کیونکہ میں مدینہ میں مرنے والوں کی شفاعت کروں گا ۱؎ (احمد،ترمذی)اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث اسناد سے حسن بھی ہے،صحیح بھی ہے اور غریب بھی ۲؎

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ یہ بشارت اور ہدایت سارے مسلمانوں کو ہے نہ کہ صرف مہاجرین کو یعنی جس مسلمان کی نیت مدینہ پاک میں مرنے کی ہو وہ کوشش بھی وہاں ہی مرنے کی کرے کہ خدا نصیب کرے تو وہاں ہی قیام کرے،خصوصًا بڑھاپے میں اور بلا ضرورت مدینہ پاک سے باہر نہ جائے کہ موت و دفن وہاں کا ہی نصیب ہو۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ دعا کرتے تھے کہ مولیٰ مجھے اپنے محبوب کے شہر میں شہادت کی موت دے،آپ کی دعا ایسی قبول ہوئی کہ سبحان اللہ! فجر کی نماز مسجد نبوی محراب النبی،مصلےٰ نبی اور وہاں شہادت۔ میں نے بعض لوگوں کو دیکھا کہ تیس چالیس سال سے مدینہ منورہ میں ہیں،حدود مدینہ بلکہ شہر مدینہ سے بھی باہر نہیں جاتےاسی خطرہ سے کہ موت باہر نہ آجائے، حضرت امام مالک کا بھی یہ ہی دستور رہا،یہاں شفاعت سے مراد خصوصی شفاعت ہے،گنہگاروں کے سارے گناہ بخشوانے کی شفاعت اور نیک کاروں کے بہت درجے بلند کرنے کی شفاعت،ورنہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ساری ہی امت کی شفاعت فرمائیں گے۔خیال رہے کہ مدینہ پاک میں رہنا بھی افضل وہاں مرنا بھی اعلیٰ اور وہاں دفن ہونا بھی بہتر،بعض صحابہ بعد موت مدینہ میں لاکر دفن کیے گئے۔اس سے اشارۃً معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص مدینہ پاک میں مرے دفن ہونے کی کوشش کرے وہ ان شاءاللہ ایمان پر مرے گا کیونکہ اس کے لیے شفاعت خاص کا وعدہ ہے اور شفاعت صرف مؤمن کی ہوسکتی ہے۔(از مرقات)

۲؎ یعنی یہ حدیث بہت سی اسنادوں سے مروی ہے بعض اسنادوں میں صحیح ہے بعض میں حسن،بعض میں غریب۔علماء فرماتے ہیں کہ بمقابلہ حجوں کے بقیع میں دفن ہونا افضل ہے کہ یہ قبرستان روضہ اطہر سے قریب ہے اس میں بہت صحابہ کے مزارات ہیں،جتنا ان سے قرب ہو اتنا ہی اچھا۔(مرقات)شعر

مٹی عزیز بلبل بے بال و پر کی ہے

یہ فقیر گنہگار شرم سار احمد یار بارگاہ الٰہی میں دعا کرتا ہے کہ صدقہ اپنے محبوب اکبر صلی اللہ علیہ وسلم کا مجھے رب تعالٰی مدینہ پاک کا قیام،وہاں کی مسجد نبوی شریف کا اعتکاف،وہاں کی موت،وہاں کا دفن نصیب کرے اگر وہاں دفن میسر ہوجائے تو میری مٹی عزیز ہو جائے۔آمین یارب العلمین وصلی اللہ علی سیدنا محمد والہ وصحبہ وسلم شعر۔

در کو تکتے تکتے ہوجاؤں ہلاک | وہاں کی خاک پاک سے مل جائے خاک

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اسلام کی بستیوں میں سے آخری بستی جو ویران ہوگی وہ مدینہ پاک ہے ۱؎(ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث حسن ہے غریب ہے۔

۱؎ اس حدیث میں دو باتیں فرمائی گئیں:ایک یہ کہ قریب قیامت بڑی بڑی بستیاں ویران ہوجائیں گی مگر مدینہ منورہ آباد رہے گا،یہ بالکل قیامت سے متصل ویران ہوگا۔دوسرے یہ کہ عالم کی آبادی مدینہ پاک کی آبادی سے وابستہ ہے جب یہ اجڑ گیا دنیا اجڑ جائے گی قیامت آجائے گی۔(اشعہ،مرقاۃ)خیال رہے کہ یہاں قریۃ بمعنی بستی ہے جو شہر و گاؤں سب کو شامل ہے بمعنی گاؤں نہیں،عربی میں گاؤں کو قریہ،قصبہ کو بلد،اس سے بڑی بستی کو مدینہ،اس سے بڑی کو مصر کہتے ہیں،بعض نے بلد اور مدینہ کو یکساں کہا ہے مگر کبھی قریہ بمعنی مطلقًا بستی میں آجاتا ہے چھوٹی ہو یا بڑی۔(اشعہ)

	روایت ہے حضرت جریر ابن عبداللہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ

	علیہ وسلم سے راوی فرمایا کہ اللہ تعالٰی نے مجھے وحی فرمائی ان تینوں بستیوں میں سے جہاں ا بھی آپ قیام فرمائیں وہ ہی آپ کا مقام ہجرت ہے مدینہ منورہ یا بحرین یا قنسرین ۲ (ترمذی)

ا لفظ اَیَّ ھٰؤُلَاءِ فعل پوشیدہ سے منسوب ہے جس کی تفسیر آگے نزلت کررہا ہے۔اوحٰی سے مراد وحی خفی ہے جو قرآن شریف میں موجود نہیں۔

۲ حق یہ ہے کہ پہلے رب تعالٰی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار دیا کہ ان تین شہروں میں سے جہاں چاہیں ہجرت فرمادیں،پھر مدینہ پاک کو معین فرمادیا لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں فرمایا گیا کہ مجھے خواب میں مدینہ دکھایا گیا اور فرمایا گیا کہ آپ کا دارالہجرت یہ ہے۔مدینہ پاک حجاز کا شہر ہے،بحرین ایک شہر کا نام بھی ہے اور علاقہ کا بھی جو عمان کے قریب ہے،قنسرین شام کا ایک مشہور شہر ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت ابو بکرہ سے ا وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں مدینہ میں مسیح دجّال کا رعب نہ آسکے اس دن مدینہ کے سات دروازے ہوں گے ہر دروازہ پر دو فرشتے ۲ (بخاری)

ا آپ کا نام نفیع ابن حارث ابن کلاہ،ثقفی ہے،طائف کے رہنے والے تھے،جب حضور انور نے طائف کا محاصرہ کیا تو آپ نے اپنے کو طائف کے قلعہ سے ایک بیرونی کنویں کی چرخی پر ڈال دیا اور اس طرح وہاں سے نکل کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوگئے ،اسلام لے آئے،آپ کا نام ابوبکرہ یعنی چرخی والے،بکرہ چرخی کو کہتے ہیں بعد میں بصرہ میں مقیم رہے، ۹۴ھ میں وہاں ہی وفات پائی اور وہاں ہی دفن ہوئے۔(اشعہ و اکمال)

۲ یعنی ان فرشتوں کی وجہ سے جو حفاظت مدینہ پر مامور ہوں گے نہ تو مدینہ پاک میں دجّال ہی آسکے گا اور نہ اس کا اثر و ہیبت یہاں پہنچ سکے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دجّال کی ہیبت ہر جگہ پہنچ جاوے گی کہ بعض لوگ اس کی ہیبت سے اسے مان لیں گے مدینہ طیبہ اس سے بھی محفوظ رہے گا۔مقبول بندوں کے اثر سے دل میں قوت ہوتی ہے بلکہ ان کی برکت سے شہروں میں امن و امان رہتی ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے مدینہ منورہ کی حفاظت کے لیے فرشتے مامور ہوئے اور فرشتوں کی برکت سے مدینہ کی زمین دجّال تو کیا اس کے اثر سے بھی محفوظ رہی۔

	روایت ہے حضرت انس سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی آپ نے فرمایا الٰہی جو برکتیں تو نے مکہ مکرمہ میں دی ہیں اس سے دوگنی برکتیں مدینہ منورہ میں دے ا (مسلم،بخاری)

۱؎ بعض علماء نے برکت سے ظاہری و باطنی برکت مراد لی ہے یعنی مدینہ کی عبادات اور یہاں کے رزقوں میں برکت مکہ معظّمہ سے دوگنی دے کہ یہاں کی عبادات کاثواب مکہ معظّمہ کی عبادات سے دوگنا ہواور یہاں کے غلہ و میوے میں برکتیں مکہ معظّمہ سے دوگنی ہوں،اس بنا پر انہوں نے مدینہ منورہ کو مکہ معظّمہ سے افضل مانااور یہاں کی عبادات کا ثواب مکہ معظّمہ کی عبادات سے زیادہ قرار دیا،بعض نے فرمایا کہ یہاں رزق کی برکتیں مراد ہیں یعنی حسی برکتیں،وہ فرماتے ہیں کہ ثواب کی برکتیں مکہ معظّمہ میں دوگنی ہیں اور روزی کی برکتیں مدینہ پاک میں دوگنا لہذا حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں کہ مکہ معظّمہ میں ایک نیکی کا ثواب ایک لاکھ ہے اور مدینہ منورہ میں۵۰ ہزار مدینہ پاک کی رزق کی برکتیں تو آج بھی آنکھوں دیکھی جارہی ہیں کہ وہاں پھل فروٹ میسر ہوتے ہیں اور وہاں کی آب و ہوا ایسی پیاری ہے کہ مکہ مکرمہ کی نہیں۔فیصلہ عشق یہ ہے کہ مکہ معظّمہ کی عبادت کا ثواب زیادہ اور مدینہ پاک کی عبادات کا قرب زیادہ،درجہ اعلیٰ لہذابرکت قرب و درجہ مدینہ پاک میں دوگنا ہے برکت ثواب مکہ معظّمہ میں دوگنا،دونوں حدیثیں درست و صحیح ہیں۔

	روایت ہے اولاد خطاب کے ایک مرد سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو قصدًا میری زیارت کرے وہ قیامت کے دن میری امان میں ہوگا ۱؎ اور جو مدینہ منورہ میں رہے اور یہاں کی تکالیف پر صبر کرے میں قیامت کے دن اس کا شفیع اور گواہ ہوں گا ۲؎ اور جو دونوں حرم سے کسی حرم میں مر جائے وہ قیامت کے دن امن والوں سے ہوگا ۳؎

۱؎ اس جملہ کے علماء نے اور معنے کیے ہیں عشاق نے کچھ اور۔علماء فرماتے ہیں کہ جو مدینہ منورہ صرف روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی نیت سے جائے،نام نمود یا کوئی تجارتی کاروبار دنیاوی کام مقصود نہ ہو وہ قیامت میں حضور کا پڑوسی اور حضور کی امان میں ہوگا۔مسجد نبوی کی زیارت بقیع اور مسجد قبا کی حاضری اسی کے تابع ہو،اصل مقصود حاضری بارگاہ عالی ہو جیسے نفل نماز میں اصل مقصود رضاءالٰہی ہےمگر کبھی قضاء حاجات اداءشکر،تحیۃ الوضو وغیرہ بھی اس سے ادا ہوجاتے ہیں مگر تبعًا لیکن عشاق کہتے ہیں کہ مدینہ پاک کی حاضری میں مسجد نبوی شریف جنت البقیع وغیرہ کی حاضری کی بھی نیت نہ کرے بلکہ بعض عشاق تو حج کے سفر میں مدینہ پاک حاضر نہ ہوئے بلکہ مدینہ کے لیے علیحدہ مستقل علیحدہ سفر کیا اور اس حدیث کو بالکل ظاہری معنے پر محمول فرمایا۔مدینہ پاک کی حاضری صرف زیارت کے لیے ہو۔اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو کہتے ہیں کہ وہاں کی حاضری صرف مسجد نبوی کی نماز کی نیت سے ہو،زیارت کی نیت نہ ہو**معاذ اللہ**! مسجدیں تو دنیا میں ہزار ہا ہیں اس مسجد کی عظمت زیادہ کیوں ہے ؟صرف حضور کے دم قدم سے۔اس سے معلوم ہوا کہ قیامت میں حضور کی امان ہی کام آئے گی۔اس سے وہ عبرت پکڑیں جو کہتے ہیں کہ خدا کے سوا کسی کی امان نہیں۔(از مرقات ولمعات وا شعہ)

۲؎ یعنی تاقیامت اور خصوصًا میرے حیات شریف کے زمانہ میں جو مدینہ پاک کی ظاہر تکالیف پر صبر کرجائےاسے کل قیامت میں میری خاص شفاعت میسر ہوگی جو دوسروں کونصیب نہ ہوگی۔

۳؎ یعنی مکہ معظّمہ یا مدینہ منورہ میں مرنے والا قیامت کی بڑی گھبراہٹ جسے فزع اکبر کہتے ہیں،اس سے محفوظ رہے گا مگر یہ فوائد مسلمانوں کے لیے ہیں لہٰذا اس پر یہ اعتراض نہیں کہ ابوجہل وغیرہ کفار بھی وہاں ہی مرے۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے مرفوعًا کہ جو میری وفات کے بعد حج کرے پھر میری قبر کی زیارت کرے ۱؎ وہ اسی طرح ہوگا جو میری زندگی میں میری زیارت کرے ۲؎ (بیہقی شعب الایمان)	

۱؎ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حج پہلے کرے مدینہ پاک بعد میں حاضر ہو۔علماءکرام نے فرمایا کہ حج فرض میں پہلے حج کرنا افضل ہے اور حج نفل میں پہلے زیارت مدینہ طیبہ بہتر ہے تاکہ مدینہ پاک سے حج کے لیے رخصت ہو نہ کہ گھر جانے کے لیے یہ تفصیل بہت اعلیٰ ہے،بعض عشاق حج نفل میں زیارت کی نیت سے گھر سے چلتے ہیں راستہ میں مکہ مکرمہ پڑتا ہے تو حج بھی کرلیتے ہیں۔شعر

کعبہ کا نام تک نہ لیا طیبہ ہی کہا　　　پوچھا کسی نے ہم کو نہضت کدھر کی ہے

کعبہ بھی ہے انہیں کی تجلّی کا ایک ظل　　　روشن انہیں کے نور سے پتلی حجر کی ہے

۲؎ یہ اس لیے ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر انور میں بحیات حقیقی دنیاوی زندہ و حیات ہیں کہ آپ سے ہر طرح کی مدد و نصرت حاصل کی جاتی ہے۔(مرقات و لمعات و اشعہ) شہداء کی حیات معنوی ہے حضور انور کی حیات حقیقی دنیاوی ہے کہ رزق بھی ملتا ہے۔(اشعہ) ہم **حیات النبی** کی بحث **باب الجمعہ** میں کرچکے ہیں۔

روایت ہے حضرت یحیی ابن سعید سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے اور مدینہ منورہ میں ایک قبر کھودی جارہی تھی ۱؎ تو ایک شخص قبر میں جھانک کر بولا کہ یہ مؤمن کا بڑا برا ٹھکانہ ہے ۲؎ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے یہ غلط کہا ۳؎ وہ صاحب بولے میری یہ نیت نہ تھی اللہ کی راہ میں شہادت میری مراد تھی ۴؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا(یہاں کا دفن) شہادت فی سبیل اللہ کے برابر بھی نہیں ۵؎ زمین کا کوئی حصہ ایسا نہیں جہاں مجھے اپنی قبر کا ہونا اس جگہ سے زیادہ پیارا ہو تین بار فرمایا ۶؎ (مالک) مرسلًا ۷؎	

۱؎ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کسی صحابی کے جنازے میں تشریف لے گئے،قبر میں دیر تھی،سرکار عالی اور بندگان خاص اس قبر کے اردگرد تشریف فرما تھے،زہے نصیب اس مرنے والے کے۔شعر

نسخہ کونین رادیباچہ اوست　　　جملہ عالم بندگان خواجہ اوست

۲؎ یعنی مؤمن پر جس قدر تکالیف آتی ہے ان سب میں قبر کی وحشت و دہشت زیادہ سخت ہے جس سے دل کانپتا ہے۔

۳؎ کیونکہ مؤمن کی قبر خصوصًا جب کہ زمین مدینہ میں ہو جنت کی کیاری ہے،مؤمن کو وہاں دہشت وحشت کیسی ؟ بلکہ وہ تو یار سے ملنے کی جگہ ہے۔

۴؎ یعنی میرا مقصد یہ تھا کہ اگر یہ شخص میدان جنگ میں شہید ہوتا اور اسے دفن بھی میسر نہ ہوتا تو اس کو بستر پر مرنے اور دفن ہونے سے بہتر ہوتا،بستر کی موت و دفن شہادت کی موت اور بے گوری و بے کفنی سے بری ہے مطلقًا قبر کو برا نہ کہا ہے بلکہ شہادت کے مقابلہ میں۔

۵؎ یعنی مدینہ پاک میں مرنا یہاں دفن ہونا دوسری جگہ شہید ہونے اور نعش پامال ہونے سے بھی افضل ہے،جب مدینہ کی موت دوسری جگہ کی شہادت سے افضل ہے تو ان شاءاللّٰہ مدینہ پاک کی زندگی دوسری جگہ کی بعض عبادات سے یقینًا بہتر ہے کہ وہاں رہنا بھی عبادت ہے مگر ایمان کے ساتھ،اس صورت میں یہ کلام عالی اس کے کلام کی تردید ہے،یہ احتمال بھی ہے کہ اس کے کلام کی تائید ہو یعنی ہاں شہادت فی سبیل اللہ مدینہ کی موت و دفن سے افضل ہے اگر کسی کو شہادت میسر نہ ہو تو مدینہ میں مرنے کی کوشش کرے۔(اشعہ)مگر یہ معنے کچھ بعید سے ہیں پہلے معنے قوی تر۔

۶؎ یعنی حضور انور صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے یہ آخری جملہ تین بار فرمایا کہ مجھے زمین مدینہ میں دفن ہونا اس قدر پیارا ہے کہ اور جگہ کی شہادت بھی اتنی پیاری نہیں،میں یہاں کا دفن بہت ہی پسند کرتا ہوں۔بعض علماء نے اس حدیث کی بنا پر چند مسائل فرمائے:ایک یہ کہ مدینہ منورہ مکہ معظّمہ سے افضل ہے۔دوسرے یہ کہ مدینہ منورہ کی موت مکہ معظّمہ کی موت سے بہتر ہے(اس پر تو تمام امت کا اجماع ہے)۔تیسرے یہ کہ مدینہ منورہ میں جینامکہ معظّمہ میں جینے سے بہتر ہے۔چوتھے یہ کہ مدینہ پاک کی موت دوسری جگہ شہادت فی سبیل اللہ سے اعلیٰ ہے۔پانچویں یہ کہ مدینہ منورہ میں حضر کی موت دوسری جگہ سفر و غربت کی موت سے اعلیٰ ہے،بعض روایات سے شہادت اور غربت کی موت کی افضلیت ثابت ہے وہ افضلیت جزوی ہوگی اور یہ افضلیت کلیہ ہے لہذا ان میں تعارض نہیں اور اگر مدینہ منورہ میں شہادت و غربت کی موت نصیب ہوجائے تو پوچھنا ہی کیا جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نصیب ہوئی،اللھم ارزقنا الموت فی بلد حبیبك صلی اللہ علیہ وسلم۔(مرقات)

۷؎ کیونکہ یحیی ابن سعید تابعین میں سے ہیں جنہوں نے انس ابن مالک سائب ابن یزید اور بہت سے صحابہ کرام سے ملاقات و روایات کیں اور ان سے ہشام ابن عروہ،مالک ابن انس،شعبہ ثوری،ابن عیینہ، ابن مبارک وغیرہ بزرگوں نے روایات کیں۔تابعی اگر صحابی کا ذکر نہ فرمائیں تو حدیث مرسل ہوتی ہے لہذا یہ حدیث مرسل ہے اور ثقہ تابعی کا ارسال قبول ہے جیسے امام بخاری کی تعلیق معتبر ہے۔خیال رہے کہ یہ یحیی ابن سعید انصاری ہیں اور یحیی ابن سعید قطان دوسرے بزرگ ہیں جو آئمہ محدثین سے ہیں وہ یہاں مراد نہیں۔(مرقات واشعہ)

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا حضرت عمر ابن خطاب نے رسول اللہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا جب کہ آپ عقیق کے میدان میں تھے ۱؎ کہ میرے پاس میرے رب کی طرف سے کوئی آنے والا آیا اس نے کہا کہ آپ اس مبارک جنگل میں نماز پڑھیں اور فرمائیں عمرہ حج میں ہے ۲؎ ایک روایت میں یوں ہے کہ فرمایئے عمرہ اور

	حج۔(بخاری)

۱؎ وادی عقیق مدینہ منورہ کے قریب ذوالحلیفہ سے متصل ایک میدان ہے بہت متبرک یہ واقعہ حجۃ الوداع کا ہےاور وادی عقیق ذات عرق کے پاس ایک جنگل کا بھی نام ہے وہ یہاں مراد نہیں۔

۲؎ اگر یہ واقعہ سفر حج کا ہے تو نماز سے مراد کوئی اور نفل نماز ہے نہ کہ احرام کی نماز کیونکہ حضور انور نے وادی عقیق سے احرام نہ باندھا تھا بلکہ ذوالحلیفہ سے اور قُل الخ سے تلبیہ فرمانا ہے یعنی آپ اس جنگل میں نفل نماز بھی پڑھیں اور تلبیہ بھی کہیں جس میں یہ الفاظ ہوں کہ یہ عمرہ مع حج کے ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ تمتع اور افراد سے قران افضل ہے اور اگر کسی اور سفر کا واقعہ ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ آپ یہاں نماز پڑھیں اور لوگوں سے فرمادیں کہ یہاں کی نماز حج و عمرہ کے برابر ثواب رکھتی ہے جب بھی قران کی افضیلت ثابت ہے۔

کتاب البیوع

تجارتوں کا باب۱

باب الکسب و طلب الحلال

باب کمائی کرنا اور حلال روزی تلاش کرنا۲

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ بیوع بیعٌ کی جمع ہے،بیع بوعٌ یا باعٌ سے بنا بمعنی ہاتھ لمبے کرنا،چونکہ تجارت میں خریدار اور بیوپاری ہاتھ بڑھا کر ایک دوسرے کا مال لیتے ہیں اس لیے اسے بیع کہا جاتاہے۔شریعت میں مال کا مال سے تبادلہ کرنا بیع کہلاتا ہے۔کبھی پورے عقد کو بیع کہتے ہیں،کبھی فقط بیچنے کو،کبھی اس کے نتیجہ یعنی ملکیت کو بیع کہا جاتا ہے یہاں پورے عقد کے معنے میں ہے کیونکہ بیع کی بہت اقسام ہیں:بیع مطلق،بیع صرف،بیع مقایضہ،بیع سلم،تولیہ،مرابحہ،وضیعہ وغیرہ اس لیےبیوع جمع فرمایا۔خیال رہے کہ شرعی احکام چند قسم کے ہیں:خالص حقوق اللہ،خالص حقوق العباد،عقوبات،کفارات وغیرہ مصنف نے خالص حقوق اللہ یعنی عبادات کا ذکر پہلے کیا،اب خالص حق العبد یعنی تجارتوں کا ذکر کیا،چونکہ تجارت کے فضائل براہ راست حدیث میں وارد نہیں ہوئے تھےاس لیے باب الکسب منعقدکرکے اس کے فضائل بیان کردیئے۔

۲؎ کسب کے معنے ڈھوڈنا اور تلاش میں دوڑنا ہے یہاں مراد مال کمانا ہے،حلال سے مراد حرام کا مقابل ہے۔

	روایت ہے حضرت مقداد ابن معد یکرب سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کسی شخص نے کبھی کوئی کھانا اس سے اچھا نہ کھایا کہ انسان ہاتھوں کی کمائی سے کھائے۱؎ اللہ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھوں کے عمل سے کھاتے تھے۲؎(بخاری)

۱؎ ہاتھوں سے مراد پوری ذات ہے،ہاتھ سے کمائے یا پاؤں سے یا آنکھ یا زبان سے غرضیکہ اپنی قوت سے حلال روزی کمائے،رب تعالٰی فرماتاہے:"فَبِمَا کَسَبَتۡ اَیۡدِیۡکُمۡ"وہاں بھی ایدی یعنی ہاتھوں سے ذات ہی مراد ہے۔مقصد یہ ہے کہ دوسروں کی کمائی پر اپنا گزارا نہ کرے خود محنت کرے۔

۲؎ یعنی باوجود یہ کہ آپ بادشاہ تھے مگر آپ نے کبھی خزانہ سے اپنے پر خرچ نہ کیا بلکہ روزانہ ایک زرہ بناتے تھے جسے چھ ہزار درہم میں فروخت کرتے تھے دو ہزار اپنے بال بچوں پر خرچ فرماتے تھے اور چار ہزار فقراء بنی اسرائیل پر خیرات کرتے تھے۔(مرقات)علماء فرماتے ہیں کہ بقدر ضرورت کمائی فرض ہے اور زیادہ مباح اور فخرو زیادتی مال کے لیے کمائی مکروہ ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی طیب ہے اور طیب ہی کو قبول فرماتا ہے ۱؎ اور اللہ تعالٰی نے مسلمانوں کو اس چیز کا حکم دیا جس کا انبیائے کرام کو حکم دیا ۲؎ فرمایا اے نبیو! طیب اور لذیذ چیزیں کھاؤ اور نیک اعمال کرو ۳؎ اور رب تعالٰی نے فرمایا اے ایمان والو ہماری دی ہوئی طیب و لذیذ روزی کھاؤ ۴؎ پھر ذکر فرمایا کہ آدمی پراگندہ گرد آلود بال لمبے لمبے سفر کرتا ہے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا اٹھا کر کہتا ہے اے رب اے رب اور اس کا کھانا حرام اور پینا حرام لباس حرام اور حرام کی ہی غذا پاتا ہے ۵؎ تو ان وجوہ سے دعا کیسے قبول ہو ۶؎ (مسلم)

۱؎ یعنی رب تعالٰی بے عیب ہے اور بے عیب صدقات اور نقصانات سے خالی عبادات کو قبول فرماتا ہے۔

۲؎ یعنی کسب حلال و طلب معاش ایسا مبارک مشغلہ ہے جس میں رب تعالٰی نے انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام اور عوام کو جمع فرمادیا ہے لہذا یہ حکم خداوندی بھی ہے سنت مصطفوی بھی اور سنت انبیاء بھی اس لیے کسب حلال سنت سمجھ کر کرنا چاہیے،اس میں دنیا کی عزت بھی ہے آخرت کی سرخروئی بھی۔

۳؎ یا تو میثاق کے دن رب تعالٰی نے نبیوں سے یہ خطاب بیک وقت فرمایا تھا یا ہر نبی سے ان کے زمانہ میں یہ خطاب ہوا جو قرآن کریم میں نقل فرمایا گیا اور حضور انور کو سنایا گیا تاکہ معلوم ہو کہ رہبانیت اور ترک دنیا نہ اسلام میں ہے نہ پہلے کسی نبی کے دین میں تھی۔چنانچہ انبیائے کرام نے مختلف پیشے اختیار کئے کسی نے چندوں یا سوال پر زندگی نہ گزاری سوائے مرزا قادیانی کے۔آدم علیہ الصلوۃ والسلام اولًا کپڑا سازی پھر کھیتی باڑی کرتے تھے،نوح علیہ السلام لکڑی کا پیشہ،ادریس علیہ السلام درزی گری،ہود و صالح علیہما السلام تجارت،ابراہیم علیہ السلام کھیتی باڑی کرتے تھے،شعیب علیہ السلام جانور پالتے تھے،لوط علیہ السلام کھیتی باڑی،موسیٰ علیہ السلام نے بکریاں چرانا،داؤد علیہ السلام زرہ بناتے،سلمان علیہ السلام اتنے بڑے ملک کے مالک ہوکر پنکھے اور زنبیلیں بنا کر گزارہ کرتے تھے،عیسیٰ علیہ السلام ہمیشہ سیاحی کرتے تھے،ہمارے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اولًا تجارت پھر جہاد کئے۔(اسلامی زندگی)

۴؎ طیب خبیث کی ضد ہے،حلال،پاک،لطیف،پسندیدہ،شرعی چیز طیب ہے،اللہ تعالٰی طیب ہے کہ خبیث چیزیں ناپسند کرتا ہے تمام صفات غیر کمالیہ سے بری و پاک ہے،مسلمانوں کو حکم دیا کہ ظاہری و باطنی نجاست سے دور رہیں نیک اعمال کریں،چیزیں انسان کے لیے ہیں اور انسان رحمان کے لیے۔

۵؎ یعنی بچپن سے ہی حرام میں پلا اور جوان ہوکر حرام کمائی ہی کی جس سے غذا لباس حرام کا رہا۔

۶؎ یہاں روئے سخن یا حرام خور حاجی یا غازی کی طرف ہے یعنی حرام کمائی سے حج یا غزوہ کرنے گیا،پرا گندا حال پریشان حال رہا،کعبہ معظّمہ یا میدان جہاد میں دعائیں مانگیں مگر قبول نہ ہوئیں کہ روزی حرام تھی جب ایسے حاجی و غازی کی دعا بھی قبول نہیں تو دوسروں کا کیا کہنا۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ دعاء کے دو بازو یعنی پر ہیں:اکل حلال،صدق مقال اگر ان سے دعا خالی ہو تو قبول نہیں ہوتی۔تقویٰ کی پہلی سیڑھی حلال روزی ہے،حرام سے بچنا عوام کا تقویٰ ہے،شبہات سے بچنا خواص کا تقویٰ،ذریعۂ معصیت سے بچنا صدیقین کا تقویٰ اللہ نصیب کرے۔جو محرمات میں پھنس جائے اور لاچار ہوجائے تو اھون پر کفایت کرے۔چنانچہ بحالت اضطرار اگر مردار بکری بھی ہو گدھا بھی تو بکری کھا کر جان بچائے اور اگر کتا و سور ہی میسر ہو اور بھوک سے جان نکل رہی ہو تو کتے سے جان بچالے اور سور کو ہاتھ نہ لگائے۔(مرقات)

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے کہ لوگوں میں ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ انسان پرواہ نہ کرے گا کہاں سے لیا حلال سے یا حرام ۱؎ (بخاری)

۱؎ یعنی آخر زمانہ میں لوگ دین سے بے پرواہ ہوجائیں گے،پیٹ کی فکر میں ہر طرح پھنس جائیں گے،آمدنی بڑھانے مال جمع کرنے کی فکر کریں گے،ہر حرام و حلال لینے پر دلیر ہوجائیں گے جیساکہ آج کل عام حال ہے۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ ایسا بے پرواہ آدمی کتے سے بدتر ہے کہ کتا سونگھ کر چیز منہ میں ڈالتا ہے مگر یہ بغیر تحقیق بلا سوچے سمجھے ہی چیز کھالیتا ہے۔

	روایت ہے حضرت نعمان ابن بشیر سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلال بھی ظاہر ہے اور حرام بھی ظاہر ہے اور ان کے درمیان کچھ شبہ کی چیزیں ہیں جنہیں بہت لوگ نہیں جانتے ۲؎ تو جو شبہات سے بچے گا وہ اپنا دین اور اپنی آبرو بچالے گا اور جو شبہات میں پڑے گا وہ حرام میں واقع ہو جائے گا ۳؎ جیسے جو چرواہا شاہی چراگاہ کے آس پاس چرائے تو قریب ہے کہ اس میں جانور چرلیں ۴؎ آگاہ رہو کہ ہر بادشاہ کی چراگاہ ہوتی ہے اور اللہ کی مقرر کردہ چراگاہ اس کے محرمات ہیں،آگاہ رہو کہ جسم میں ایک پارہ گوشت ہے جب وہ ٹھیک ہوجائے تو سارا جسم ٹھیک ہوجاتا ہے اور جب وہ بگڑ جائے تو تمام جسم بگڑ جاتا ہے،خبردار وہ دل ہے ۵؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ بُشَیْر بروزن زُبَیْر ہے،آپ بہت خورد سال صحابی ہیں،ہجرت سے چودہ ماہ بعد پیدا ہوئے،آپ انصار میں پہلے بچہ ہیں جو پیدا ہوئے جیسے مہاجرین میں اول حضرت عبداللہ ابن زبیر پہلے بچے ہیں،حضور کی وفات کے وقت آٹھ سال سات ماہ کے تھے،کوفہ میں قیام رہا،امیر معاویہ کی طرف سے عراق کے حاکم تھے،جب حضرت امام حسین نے مسلم ابن عقیل کو کوفہ بھیجا تو آپ اس وقت یزید ابن معاویہ کی طرف سے کوفہ کے حاکم تھے،آپ نے حضرت مسلم سے کوئی تعرض نہ کیا اس لیے یزید نے آپ کو

معزول کردیا اور عبید اللہ ابن زیاد کو مقرر کیا،جب سر مبارک امام حسین کو کوفہ سے شام بھیجا گیااس وقت اہل بیت پر یہ ہی نعمان مقرر تھے،آپ نے راہ میں اہل بیت کی بہت خدمات انجام دیں اور اہل بیت اطہار نے آپ کو بہت دعائیں دیں،رضی اللہ عنہ۔(اشعہ)

۲؎ یہ حدیث اصل اصول دین ہے،اس کا مطلب یہ ہے کہ چیزیں تین قسم کی ہیں:بالکل حلال جن کی حلت منصوص ہے،بالکل حرام جن کی حرمت منصوص ہے جیسے محرمات و فواحش اور مشتبہات جن میں حلت و حرمت کے دلائل متعارض ہیں یا حلت و حرمت کی دلیل نہیں،اصل حلال پر عمل کرو،اصل حرام سے ضرور بچو اور مشتبہات سے احتیاطًا پرہیز کرو کہ شاید حرام ہوں مگر جن میں حلت کی اصل موجود ہو وہ مشتبہ نہیں،انہیں حرام سمجھنا محض باطل وہم ہے لہذا یہ نہیں کہہ سکتے کہ چونکہ میلاد شریف عرس بزرگانِ دین کو بعض علماء حرام بھی کہتے ہیں لہذا یہ مشتبہات سے ہے۔(از مرقات)

۳؎ یعنی جو شخص مشتبہات سے پرہیز نہ کریگا وہ آخر کار محرمات میں بھی پھنس جائیگا اس لئے مشتبہات سے بچو۔

۴؎ شاہی چراگاہ میں جانور چرانا سخت جرم ہوتا ہے ہوشیار چرواہے شاہی چراگاہ سے دور ہی رہتے ہیں تاکہ کوئی جانور بے قابو ہوکر اس چراگاہ میں نہ گھس جائے اور ہم مجرم ہوجائیں مگر بے احتیاط چرواہے وہاں قریب پہنچ جاتے ہیں اور آخر کار ان کا جانور وہاں گھس جاتا ہے اور یہ مجرم ہوکر پکڑے جاتے ہیں،ایسے ہی مشتبہات میں واقع ہونے والا کبھی حرام میں بھی گرفتار ہوجائے گا تم چرواہے ہو،نفس بے سمجھ جانور،محرمات شرعیہ شاہی چراگاہ ہے،مشتبہات اس چراگاہ کے متصل زمین۔

۵؎ یعنی دل بادشاہ ہے جسم اس کی رعایا جیسے بادشاہ کے درست ہوجانے سے تمام ملک ٹھیک ہوجاتا ہے ایسے ہی دل سنبھل جانے سے تمام جسم ٹھیک ہوجاتا ہے،دل ارادہ کرتا ہے جسم اس پر عمل کی کوشش کہ دل میں برے ارادے نہ پیدا ہوں اس لیے صوفیاء کرام دل کی اصلاح پر بہت زور دیتے ہیں۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ دل کو اپنی منزلوں میں رکھو،اس کی منزل فرض،واجب،سنت،مستحب،آداب مباح ہیں ان حدود میں رہا تو خیر ہے اگلی منزلیں خطرناک ہیں ادھر نہ جانے دو،اگلی منزلیں مکروہ تنزیہی،مکروہ تحریمی،حرام و کفر ہیں،مکروہ تنزیہی سے بچاؤ تاکہ آگے بڑھنے کی ہمت نہ کرے۔

روایت ہے حضرت رافع ابن خدیج سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کتے کی قیمت خسیس ہے اور زانیہ کی خرچی حرام اور فصد لینے والے کی اجرت خسیس ہے ۲؎ (مسلم)	

۱؎ آپ مشہور انصاری،صحابی ہیں،غزوہ بدر میں صغر سنی کے باعث شریک نہ ہوسکے،باقی احد وغیرہ تمام غزوات میں شریک رہے،غزوہ احد میں تیر سے زخمی ہوئے تو حضور انور نے فرمایا کہ میں قیامت میں تمہارے زخم و ایمان کا گواہ ہوں،یہ ہی زخم عبدالملک ابن مروان کے زمانہ میں پھر ہرا ہوگیا اور اس زخم سے ۷۴ھ میں چھیاسی سال کی عمر میں وفات مدینہ منورہ میں پائی،آپ سے بہت احادیث مروی ہیں۔

۲؎ خبیث طیب کا مقابل ہے،طیب کے دو معنے ہیں حلال اور نفیس لہذا اس کے مقابل خبیث کے بھی دو معنے ہیں حرام اور خسیس رنڈی کے زنا کی اجرت بالاتفاق حرام ہے اور فصد لینے والی کی اجرت بالاتفاق ناپسندیا مکروہ ہے،کتے کی قیمت میں اختلاف ہے امام شافعی کے ہاں حرام ہے،ہمارے ہاں حلال مگر ناپسندیدہ لہذا لفظ خبیث یہاں بطریق عموم مشترک دونوں معنے میں

استعمال ہوا،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فصد لے کر اس کی اجرت عطا فرمائی اور یہاں اسے خبیث فرمایا بمعنی ناپسندیدہ،وہ عمل بیان جواز کے لیے تھا یہ فرمان کراہت کے لیے لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔

	روایت ہے حضرت ابو مسعود انصاری سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کی قیمت ۱؎ زانیہ کی خرچی اور نجومی کی مٹھائی سے منع فرمایا ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎امام ابوحنیفہ کے ہاں یہ ممانعت یا تو تنزیہی ہے یا اس وقت کی ہے جب کتا پالنا اسلام میں مطلقًا ممنوع تھا،جب شکارو حفاظت کے لیے اس کی اجازت ہوگئی تو یہ ممانعت بھی منسوخ ہوگئی،امام شافعی و دیگر آئمہ کے ہاں اب بھی کراہت تحریمی باقی ہے،دیوانہ کتے کی قیمت ہمارے ہاں بھی ممنوع ہے کہ وہ قابل نفع مال نہیں جیسے گندا انڈامال نہیں۔

۲؎مہر بغی سے مراد زانیہ کی اجرت زنا ہےاور کاہن کی مٹھائی سے مراد اس کے فال کھولنے غیبی باتیں بتانے یا ہاتھ دیکھ کر تقدیر بتانے کی اجرت ہے،چونکہ یہ اجرت بغیر محنت حاصل ہوجاتی ہے اس لیے اسے مٹھائی فرمایا،یہ دونوں اجرتیں بالاتفاق حرام ہیں کہ یہ دونوں کام حرام لہذا ان کی اجرت بھی حرام۔

	روایت ہے حضرت ابوجحیفہ سے ۱؎کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خون کی قیمت کتے کی قیمت اور زانیہ کی کمائی سے منع فرمایا۲؎اور سود کھانے والے اور کھلانے والے ۳؎اور گودنے والی اور گدوانے والی ۴؎اور فوٹو لینے والے پر لعنت فرمائی ۵؎ (بخاری)

۱؎آپ کم عمر صحابہ سے ہیں،حضور انور کی وفات کے وقت نابالغ تھے لیکن حضور انور سے کلام مبارک سنا ہے،کوفہ میں مقیم رہے۔

۲؎خون کی قیمت سے مراد یا تو خون نکالنے کی اجرت ہے یعنی فصد کھولنا یا خود خون کی قیمت ہے،خون نجس ہے کسی کا ہو انسان کا یا جانور کااس کی قیمت حرام ہے خون کی بیع ہی حرام ہے کہ خون نجس ہے۔آج کل جو آدمیوں کا خون خریدا جاتا ہے یا دوسرے آدمی میں داخل کیا جاتا ہے سب حرام ہےکہ انسان کے اجزا کی فروخت اور دوسرے کا استعمال کرنا ممنوع ہے،ہاں اگر طبیب حاذق کہے کہ اس بیمار کی شفا خون داخل کرنے کے سواء اور کسی چیز سے نہیں تو ایسا ہی جائز ہوگا کہ جیسا کان کے دردمیں کبھی عورت کا دودھ کان میں ٹپکانا درست ہوتا ہے جیساکہ علامہ شامی وغیرہ نے فرمایا۔

۳؎سود لینا دینا دونوں حرام ہیں اور باعث لعنت اگرچہ سود لینا زیادہ جرم ہے کہ اس میں گناہ بھی ہے اور مقروض پر بلکہ اس کے بچوں پر ظلم بھی،گویا حق اللہ حق العباد دونوں اس میں جمع ہیں۔

۴؎گود نے گدوانے سے مراد سوئی کے ذریعہ نیل یا سرمہ جسم میں لگاکر نقش و نگار کرانا یا اپنا نام لکھوانایہ دونوں کام ممنوع ہیں،طریقہ مشرکین ہیں اور طریقہ کفاروفجار۔

۵؎ جاندار کا فوٹو لینا حرام ہے خواہ قلم سے ہو یا کیمرہ سے۔فوٹو لینے والے پر لعنت فرمانے سے معلوم ہوتا ہے کہ کھچوانے والے پر لعنت نہیں فرمائی،اگر کسی کا بے خبری میں فوٹو لے لیا گیا تو ظاہر ہے کہ وہ بے قصور ہے اور اگر عمدًا کھچوایا تو کھچوانا ممنوع ہے کہ یہ جرم پر امداد ہے۔

روایت ہے حضرت جابر سے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح کے سال جب آپ مکہ معظّمہ میں تھے فرماتے سنا کہ اللہ اور اس کے رسول نے شراب مردار،سور اور بتوں کی تجارت کو حرام کیا۱؎ عرض کیا گیا یارسول اللہ مردار کی چربیوں کے متعلق تو فرمایئے ان سے تو کشتیاں ملی جاتی ہیں ان کی کھالیں روغنی جاتی ہیں لوگ ان سے چراغ جلاتے ہیں ۲؎ تو فرمایا نہیں وہ حرام ہے ۳؎ پھر اس موقعہ پر فرمایا یہود کو خدا غارت کرے جب اللہ نے مردار کی چربی حرام کی تو انہوں نے اسے پگھلایا پھر اسے بیچا اور اس کی قیمت کھائی ۴؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ پتلی نشہ آور چیز خواہ شراب انگوری ہو یا کھجور وغیرہ کی یا تاڑی یا کوئی اور چیز مطلقًا حرام ہے،نشہ دے یا نہ دے اس پر فتویٰ ہے،ان سب کی تجارت بھی حرام ہے۔خشک نشہ آور چیزیں جیسے بھنگ،افیون وغیرہ کا استعمال نشہ کے لیے حرام ہے اور دواؤں میں جب کہ یہ نشہ نہ دیں تو حلال لہذا ان کی بیع حلال ہے کہ ان سے انتفاع حلال بھی ہے۔مردار سے مراد وہ مرا ہوا جانور ہے جو بغیر ذبح کھایا نہیں جاتا لہذا مری مچھلی کی تجارت درست ہے،بتوں کی تجارت خواہ فوٹو کی شکل میں ہوں یا مجسم حرام ہے جیسے ہنومان،بھوانی،رامچندر وغیرہ کے مجسمے یا فوٹوان کی تجارت حرام ہے،بچوں کے کھلونے گڑیاں وغیرہ کی تجارت حرام نہیں کہ یہ بت نہیں۔

۲؎ سائل کا مقصد یہ تھا کہ اگر مردار کی چربی کی تجارت یا اس کا استعمال بند کردیا گیا تو بہت سے ضروری کام بند ہوجائیں گے لہذا اس کی اجازت دی جائے۔

۳؎ یعنی مردار کی چربی کا استعمال حرام ہے(حنفی)یا اس کی تجارت حرام ہے(شافعی)احناف کے ہاں مردار کی چربی،صابن،چراغ یا چمڑوں میں استعمال کرنا حرام ہے،نجس تیل فروخت بھی کرسکتے ہیں اور ان مقامات میں استعمال بھی کرسکتے ہیں،کافر کی نعش بیچنا حرام ہے۔چنانچہ نوفل مخزومی جو غزوہ خندق میں مارا گیا تھا کفار نے دس ہزار درہم میں اس کی نعش کی قیمت پیش کی حضور نے انکار فرمادیا۔یوں ہی نجس شہد،نجس دودھ،نجس کھانا جانور کو کھلا دینا جائز ہے مگر مردار کی چربی ان میں سے کسی جگہ خرچ نہیں کرسکتے۔(مرقات واشعہ)نجس تیل کا چراغ مسجد میں جلانا منع ہے۔(لمعات و اشعہ)

۴؎ مشکوۃ کے عام نسخوں میں **شحومها** واحد مؤنث کی ضمیر سے ہے اس کا مرجع میت ہے،بعض نسخوں میں **شحومهما** ہے تثنیہ کی ضمیر سے اس کا مرجع گائے بکری ہیں کہ ان کی چربیاں یہود پر حرام تھیں،رب تعالٰی فرماتا ہے:"**وَ مِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ**

حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ" یعنی یہود پر مردار کی یا گائے بکری کی چربی حرام کی گئی تو انہوں نے اسے پگھلا کر فروخت کیا اور قیمت استعمال کی بولے کہ ہم نے شحم نہیں کھائی بلکہ پگھلی چربی کی قیمت کھائی ہے۔ معلوم ہوا کہ حرام کا حیلہ کرنا بھی حرام ہے،ہاں حرام سے بچنے کے لیے حیلہ کرنا اچھا ہے۔(لمعات،مرقات،اشعہ) مسلمان ضرورت پر حرام سے بچنے کا حیلہ کرتے ہیں۔

	روایت ہے حضرت عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہود کو خدا غارت کرے۱؎ ان پر چربی حرام ہوئی تو انہوں نے اسے پگھلایا پھر بیچا۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎ یہ کلمہ بددعا کے لیے ہے یا اظہار غضب کے لیے،اس میں مسلمانوں کو بتایا جارہا ہے کہ تم نے مردار کی چربی اس طرح استعمال کی تو تم بھی میری بددعا کے مستحق ہوگے اس سے سخت پرہیز کرو۔

۲؎ یہود کچی چربی کو شحم اور پگھلی ہوئی کو ودک کہتے تھے،انہوں نے کہا ہم پر شحم حرام ہے ودک حرام نہیں پھر ہم ودک بھی نہیں استعمال کرتے بلکہ اس کی قیمت کام میں لاتے ہیں۔خیال رہے کہ مردار کی کھال پکا کر کام آسکتی ہے مگر چربی پگھلا کر بھی کام نہیں آسکتی،اس حدیث میں چربی کا یہ ہی حکم بتانا مقصود ہے۔

	روایت ہے حضرت جابر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے اور بلی کی قیمت سے منع فرمایا۱؎(مسلم)

۱؎ یا تو کتے بلی سے مراد غیر نافع کتے بلی ہیں جیسے دیوانہ کتا،وحشی بلی کہ اگر اسے باندھ کر رکھو تو چوہوں کا شکار نہ کرسکے اور اگر کھول دو تو بھاگ جائے اور یا مطلقًا کتا بلی مراد ہے اور نہی کراہت تنزیہی کے لیے ہے یعنی ان کا فروخت کرنا غیر مناسب ہے،یہ جانور تو یوں ہی بطور ہبہ دے دینا چاہئیں۔یہ حدیث امام اعظم کی دلیل ہے کہ کتے کی بیع جائز ہے کیونکہ بلی کی بیع تمام آئمہ کے ہاں درست ہے اور یہاں ممانعت میں کتے بلی دونوں کو ملا دیا گیا ہے۔معلوم ہوا کہ کتے کی بیع بھی بلی کی طرح جائز مگر غیر مناسب ہے،یہ حدیث صحیح ہے۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ ابو طیبہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فصدلی تو حضور نے اس کے لیے ایک صاع کھجوروں کا حکم دیا۱؎ اور اس کے مالکوں کو حکم دیا تو انہوں نے اس کے وظیفہ آمد سے کمی کردی ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎ ابو طیبہ کا نام نافع یا دینار ہے،لقب میسرہ،یہ بنی بیاضہ کے غلام تھے،ان کے مولیٰ کا نام محیصہ ابن مسعود انصاری ہے،یہ فصد لینے کے فن میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فصد کی اجرت جائز ہے،جہاں جہاں ممانعت آئی ہے وہاں تنزیہی کراہت مراد ہے،وہ فرمان عالی کراہت کے بیان کے لیے ہے اور یہ عمل شریف بیان جواز کے لیے لہٰذا احادیث متعارض نہیں۔

۲؎ خراج سے غلام کی آمدنی مراد ہے،مولیٰ اپنے غلام کو کاروبار کی اجازت دے دیتا تھا اور کہتا تھا کہ تو مجھے روزانہ اتنے پیسے دے دیا کر باقی کمائی تیری جیسے آج بعض لوگ تانگے،گاڑیاں ٹھیکے پر دے دیا کرتے ہیں اسے خراج کہتے تھے۔اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ دواو علاج جائز ہے۔دوسرے یہ کہ معالج و طبیب کو اجرت دینا جائز ہے۔تیسرے یہ کہ خراج کم کرنے کی سفارش کرنا جائز ہے۔چوتھے یہ کہ فصد لینا جائز ہے۔پانچویں یہ کہ فصد کی اجرت جائز ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت پاکیزہ غذا جو تم کھاؤ وہ تمہاری اپنی کمائی اور تمہاری اولاد تمہاری اپنی کمائی ہے۱؎ (ترمذی، نسائی،ابن ماجہ)اور ابوداؤد و دارمی کی ایک روایت میں یوں ہے کہ پاکیزہ تریں غذاجو انسان کھائے وہ اپنی کمائی کی ہے اور اس کا بیٹا اس کی کمائی سے ہے۲؎

۱؎ یعنی اپنے کو بے کار نہ رکھو بلکہ روزی کماؤ اور کما کر کھاؤ اور اولاد کی کمائی بھی تمہاری اپنی کمائی ہی ہے کہ بالواسطہ وہ گویا تم ہی نے کمایا ہے۔علماء فرماتے ہیں کہ اولاد پر والدین کا خرچہ بوقت ضرورت واجب ہےاور اگر انہیں حاجت نہ ہو تو مستحب ہےاور وجوب کی حالت میں ماں باپ اولاد کی اجازت کے بغیر اس کا کھانا کھا پی سکتے ہیں مگر غائب اولاد کی چیز اپنے نفقہ میں فروخت نہیں کرسکتے۔الا باذن حاکم،اس کی تفصیل کتب فقہ میں ملاحظہ فرمایئے۔

۲؎ اگرچہ ولد مطلق اولاد کو کہتے ہیں لڑکی ہو یا لڑکا مگر ایسے مقامات پر عمومًا لڑکا مراد ہوتا ہے کیونکہ لڑکیاں کمائی کم کرتی ہیں خود ان کا اپنا خرچ خاوند پر ہوتا ہے لیکن اگر لڑکی امیر ہو اور باپ فقیر تو لڑکی پر بھی اپنے مال سے باپ کا خرچ لازم ہے۔خیال رہے کہ یہ حدیث مختلف الفاظ سے آئی ہے،ایک روایت میں ہے "**اذھب انت ومالك لابيك**" یعنی تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے،دوسری روایات میں ہے "**انت ومالك لابيك**"۔غرضکہ باپ کو اولاد کا مال خرچ کرنے کا شرعًا بھی حق ہے اور قانونًا بھی۔اس سے اشارۃً معلوم ہورہا ہے کہ اگر اولاد کی کمائی خالص حرام ہے تو باپ نہ کھائے کہ اپنی حرام کمائی کھانا بھی حرام ہے تو اولاد کی حرام کمائی کیسے حلال ہوگی اسی لیے اسے کسب فرمایا۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا یہ نہیں ہوسکتا کہ کوئی بندہ حرام مال کمائے پھر اس سے خیرات کرے تو وہ قبول ہوجائے۱؎اور نہ یہ کہ اس سے خرچ کرے تو اس میں اسے برکت ہو ۲؎اور اس حرام کو اپنے پس مرگ کے لیے نہ چھوڑے مگر یہ اس کا آگ کا توشہ ہوگا۳؎ اللہ تعالٰی برائی سے

	برائی نہیں مٹاتا لیکن بھلائی سے برائی مٹاتا ہے۴ یقینًا پلید پلید کو مٹاتا نہیں ۵(احمد)شرح سنہ میں بھی یوں ہی ہے۔

۱؎ خلاصہ یہ ہے کہ حرام مال کا صدقہ قبول نہیں،رب کی بارگاہ میں حلال مال پیش کرو۔خیال رہے کہ حرام مال وہ ہے جو حرام ذریعہ سے حاصل کیا جائے،سود،چوری،زنا،شراب،گانا،ناچناوغیرہ۔

۲؎ یعنی حرام کمائی میں خود بھی برکت نہیں،حلال میں برکت ہے کتیا سال میں دس بارہ بچے دیتی ہے اور ایک بھی ذبح نہیں ہوتااور بکری سال میں ایک دو بچے دیتی ہےاور روزانہ ہزاروں ذبح ہوتے ہیں مگر گلے بکریوں کے نکلتے ہیں نہ کہ کتوں کے کیونکہ کتا حرام ہے بکری حلال اور حلال میں برکت ہے حرام میں بے برکتی۔

۳؎ یعنی جب تک اس کے وارثین اس کا حرام مال کھائیں گے یا برتیں گے اسے دوزخ میں عذاب ہوتا رہے گا کیونکہ یہ حرام کا سبب بنا۔ معلوم ہوا کہ جیسے بعض صدقے جاریہ ہوتے ہیں ایسے ہی بعض حرام بھی گناہ جاری ہوجاتے ہیں۔یہ خیال رہے کہ سود چوری کا پیسہ تو ملک بنتا ہی نہیں نہ اس کی میراث جاری ہو بلکہ حق والے پر واپس کردینا لازم ہےاور اگر اس کا پتہ نہ لگے تو اس کے نام پر خیرات کردیا جائے،یہاں ان حرام مالوں کا ذکر ہے جو حرام ذریعوں سے اپنے ملک میں آئیں جیسے گاکر بجاکر پیسہ کمانا لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ حرام مال کی میراث کیسی۔

۴؎ سبحان اللہ! کیسا نفیس قاعدہ بیان فرمایا کہ وہ جو قرآن شریف میں"اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ"کہ بھلائیاں برائیوں کو دفع کردیتی ہیں اور صدقہ کرنا بھلائی ہے،اس صدقے سے حرام کمائی کا گناہ کیوں نہ مٹا،ارشاد فرمایا کہ حرام مال سے صدقہ کرنا بھلائی نہیں بلکہ برائی ہےاور برائی سے برائی نہیں مٹتی،پاک پانی گندے کپڑے کو پاک کرسکتا ہے نہ کہ ناپاک پانی،ایسے ہی طیب و حلال صدقہ گناہ مٹائے گا نہ کہ حرام کا صدقہ۔

۵؎ خبیث کے معانی پہلے بیان کئے گئے،یہاں یا گندگی کے معنے میں ہے یا حرام کے۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ گوشت جنت میں نہ جائے گا جو حرام سے اگا ہوا۱؎ اور جو گوشت حرام سے اُگے اس سے آگ بہت قریب ہے ۲؎(احمد،دارمی،بیہقی شعب الایمان)

۱؎ یعنی اولًا نہ جائے گا بلکہ سزا پانے کے بعد یا جنت کے درجہ عالیہ میں نہ جائے گا بلکہ ادنے درجہ میں۔گوشت سے مراد خود گوشت والا ہےاور اُگنے سے مراد پرورش پانا ہے یعنی جو شخص حرام کھا کر پلاوہ جنت میں کیسے جائے طیب جگہ طیب لوگوں کے لیے ہے۔

۲؎ یعنی حرام خور دوزخ کی آگ کا مستحق ہے کہ مرے اور آگ میں پہنچے کیونکہ اَلْخَبِیْثٰتُ لِلْخَبِیْثِیْنَ گندے لوگوں کے لیے گندی چیزیں ہیں،اگر یہ شخص توبہ کرے یا صاحب حق سے معاف کرالے یا شفاعت سے معافی ہوجائے تو ہوسکتی ہے۔یہ صورتیں اس قاعدہ سے علیحدہ ہیں۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت حسن ابن علی سے فرماتے ہیں میں نے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک یہ بات یاد کی ہے ۱؎ کہ اسے چھوڑ دو جو تمہیں شک میں ڈالے ادھر رجوع کرو جو تمہیں شک میں نہ ڈالے ۲؎ کیونکہ سچ اطمینان ہے اور جھوٹ تردد ہے ۳؎(احمد،ترمذی،نسائی)اور راوی نے پہلی چیز روایت فرمائی۔	

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ آپ نے بلاواسطہ حضور سے یہ سنا اور یاد کیا کیونکہ حضور انور کی زندگی شریف میں امام حسن علیہ السلام قدرے سمجھدار تھے،بچوں کا حدیث سننا معتبر ہے جب کہ کچھ سمجھدار ہوں اور ہوسکتا ہے کہ آپ نے کسی صحابی سے سنا ہو،چونکہ یہ قول رسول تھا اس لیے اسے حضور کی طرف نسبت فرمادیا جیسے ہم کہہ دیتے ہیں کہ حضور نے یہ فرمایا یا ہمیں حضور کا یہ فرمان یاد ہے۔

۲؎ یعنی جو کام یا کلام تمہارے دل میں کھٹکے کہ نہ معلوم حرام ہے یا حلال اسے چھوڑ دو اور جس پر دل گواہی دے کہ یہ ٹھیک ہے اسے اختیار کرو مگر یہ ان حضرات کے لیے ہے جو حضرت حسن جیسی قوت قدسیہ و علم لدنی والے ہوں جن کا فیصلہ قلب کتاب و سنت کے مطابق ہو،عام لوگ یا جو نفسانی و شیطانی وہمیات میں پھنسے ہوں ان کے لیے یہ قاعدہ نہیں۔(مرقات واشعہ)بعض لاپرواہ لوگ قطعی حراموں میں کوئی تردد نہیں کرتے اور بعض وہم پرست جائز چیزوں کو بلاوجہ حرام و مشکوک سمجھ لیتے ہیں ان کے لیے یہ قاعدہ نہیں ہے،لہذا حدیثیں واضح ہے۔

۳؎ یعنی مؤمن کامل کا دل سچے کام و سچے کلام سے مطمئن ہوتا ہے اور مشکوک اشیاء سے قدرتی طور پر متردد ہوتا ہے۔ یہاں لمعات میں فرمایا گیا کہ جب آیتوں میں تعارض معلوم ہوتا ہو تو حدیث کی طرف رجوع کرو اور حدیثیں بھی متعارض نظر آئیں تو اقوال علماء کو تلاش کرو اور اگر ان میں بھی تعارض نظر آئے تو اپنے دل سے فتویٰ لو اور احتیاط پر عمل کرو،یہ سارے احکام صاف دل اور پاکیزہ نفوس کے لیے ہیں۔(لمعات مختصرًا)اگر کسی کو جھوٹ سے اطمینان ہو اور گناہ سے خوشی ہو،نیکیوں سے دل گھبرائے تو وہ دل کی آواز نہیں بلکہ نفس امارہ کی شرارت ہے،نفس اگر دل پر غالب آجائے تو بہت پریشان کرتا ہے اور اگر دل نفس پر غالب ہو تو سبحان اللہ یہ ہی حال عقل کا ہے۔

عقل زیر حکم دل یزدانی است   جوز دل آزاد شد شیطانی است

اللہ تعالٰی دل کو نفس و عقل پر غالب رکھے۔آمین!

روایت ہے حضرت وابصہ ابن معبد سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے وابصہ تم نیکی اور گناہ کے متعلق پوچھنے آئے ہو میں نے عرض کیا ہاں ۱؎ فرماتے ہیں کہ حضور انور نے اپنی انگلیاں جمع کرکے ان کے سینہ پر لگائیں اور تین بار فرمایا اپنے دل سے فتویٰ لے لیا کرو ۲؎ نیکی وہ ہے جس پر طبیعت جمے اور جس پر دل مطمئن ہو ۳؎ اور گناہ وہ ہے جو طبیعت میں چبھے اور دل میں کھٹکے اگرچہ لوگ اس	

کا فتویٰ دے دیں۴؎(احمد و دارمی)	

۱؎یہ غیبی خبر ہے کہ حضرت وابصہ جو سوال دل میں لے کر آئے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بغیر عرض کئے ہوئے ارشا دفرمادیا۔معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالٰی نے انہیں دلوں کے حال پر مطلع فرمایا ہے کیوں نہ ہو انہیں تو پتھروں کے دلوں پر اطلاع ہے کہ فرماتے ہیں احد پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے۔شعر

اے کہ ذات پاک تو صبح دھور　　　　چشم تو بینندہ ما فی الصدور

۲؎حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت وابصہ کے سینہ پر ہاتھ رکھ کر ان کے قلب کو فیض دیا جس سے ان کا نفس بجائے امارہ کے مطمئنہ ہوگیااور دل خطرات شیطانی وسوسوں سے پاک و صاف ہوگیا۔صوفیاء کرام جو مریدوں کے سینے پر ہاتھ مار کر یا توجہ ڈال کر انہیں فیض دیتے ہیں ان کی اصل یہ حدیث بھی ہے۔

۳؎یعنی آج سے اے وابصہ گناہ اور نیکی کی پہچان یہ ہے کہ جس پر تمہارا دل و نفس مطمئنہ جمے وہ نیکی ہوگی اور جسے تمہارا دل و نفس مطمئنہ قبول نہ کرے وہ گناہ ہوگا،یہ حکم حضرت وابصہ کے لیے آج سے ہو گیا یہ حضور کے ہاتھ شریف کا اثر ہوا،ہم جیسے لوگوں کو یہ حکم نہیں۔یہاں مرقات نے فرمایا کہ غیر مجتہد یعنی مقلد تو اپنے امام سے فتویٰ لے اور مجتہد اپنے دل سے۔

۴؎یعنی عام لوگوں کے فتویٰ کا تم اعتبار نہ کرنا کیونکہ ان کے دلوں پر ہمارا ہاتھ نہیں پہنچا،اپنے دل و نفس کا فتویٰ قبول کرنا کہ تمہارے دل کا فتویٰ ہمارا فیصلہ ہوگا کہ ہمارا ہاتھ تمہارے دل پر ہے۔شعر

دل کرو ٹھنڈا مرا دوکفِ پاچاند سا　　　　سینہ پر رکھ دو ذرا تم پہ کروڑوں درود
آنکھ عطا کیجئے اس میں جِلا دیجئے　　　　جلوہ قریب آگیا تم پہ کروڑوں درود

خیال رہے کہ فتویٰ فتوٰ سے بنا بمعنی پیش آنا،حادث ہونایا قوت،چونکہ شرعی مسئلہ حادثات کے پیش آنے پر معلوم کیا جاتا ہے اور عالم کے حکم حاصل ہوجانے سے سائل کو قوت حاصل ہوجاتی ہے اس لیے مسئلہ شرعی کو فتویٰ کہا جاتا ہے۔

روایت ہے حضرت عطیہ سعدی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بندہ پرہیزگاروں میں سے ہونے کے مرتبہ کو نہیں پہنچتا حتی کہ مضائقہ والی چیزوں سے ڈرتے ہوئے غیر مضائقہ والی چیزوں کو چھوڑ دو۱؎ (ترمذی،ابن ماجہ)	

۱؎ یہ فرمان عالی بہت جامع ہے جس میں صدہا احکام آگئے،حرام سے بچنے کے لیے مکروہات سے پرہیز کرو،گناہوں سے بچنے کے لیے مشکوک و مشتبہ چیزوں سے پرہیز کرو،برے لوگوں سے بچنے کے لیے مشتبہ لوگوں سے الگ رہو۔شعر

نگہ دارد آں شوخ درکیہ در　　　　داند ہمہ خلق راکیہ برد

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کے بارے میں دس شخصوں پر لعنت فرمائی ۱؎اس کے نچوڑنے والے،نچوڑوانے والے ۲؎پینے والے،اٹھانے والے پر اور اس پر جس کی طرف پہنچائی جائے	

پلانے والے پر، بیچنے والے پر،اس کی قیمت کھانے والے پر،خریدنے والے پر اور جس کے لیے خریدی جائے اس پر ۳؎(ترمذی،ابن ماجہ)	

۱؎ اگرچہ یہ دسوں گناہ میں مختلف ہیں لعنت کے مستحق سب بھی ہیں۔خیال رہے کہ اجمالًا گنہگار پر بھی لعنت کرنا جائز ہے جیسے کہا جائے کہ جھوٹوں پر لعنت مگر نام لے کر لعنت صرف کفار پر جائز ہے،کسی گنہگار مسلمان پر جائز نہیں اور بعد مرے صرف اس کافر پر لعنت جائز ہے جس کا کفر پر مرنا یقین سے معلوم ہو،صرف لعان میں خاوند بیوی اپنے پر لعنت کرتے ہیں کہ اگر میں نے جھوٹ کہا ہو تو مجھ پر لعنت ہے۔

۲؎ یعنی اپنے لیے انگور وغیرہ نچوڑ کر شراب بنائے تب بھی لعنت اور اگر دوسرے کے لیے بنائے تب بھی لعنت بنانے والے پر بھی اور بنوانے والے پر بھی۔

۳؎ اس سے معلوم ہوا کہ گناہ پر مدد کرنا بھی گناہ ہے جیسے نیکی پر مدد کرنا نیکی ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَتَعَاوَنُوۡا عَلَی الۡبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَلَا تَعَاوَنُوۡا عَلَی الۡاِثْمِ وَالْعُدْوٰنِ"۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ لعنت کرے شراب پر۱؎ اس کے پینے والے، پلانیوالے پر،اور اسکے بیچنے والے اور خریدار پر، نچوڑ والے اور نچوڑ وانے والے،اٹھانے والے پر اور جس تک پہنچائی جائے اس پر ۲؎(ابو داؤد،ابن ماجہ)	

۱؎ شراب پر لعنت کرنے کے معنے یہ ہیں کہ اسے رب نے تمام خوبیوں سے خالی کردیا اور اس میں ہر عیب بھر دیا اس لئے اس کا نام اُمُّ الخبائث یعنی گناہوں کی اصل وجڑ ہے کہ نشہ میں انسان سارے گناہ کرلیتا ہے۔

۲؎ یہ کلمہ عام ہے خواہ پینے والے تک پہنچائی جائے یا دکاندار تک یا امانت دار تک یعنے شراب پہنچانے کی مزدوری کرنے والا شراب کو بطور امانت رکھنے والا بیچنے والا سب ہی لعنت کے مستحق ہیں۔

روایت ہے حضرت محیصہ ۱؎ سے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پچھنے لگانے والے کی مزدوری کی اجازت مانگی ۲؎ تو آپ نے انہیں منع فرمادیا وہ اجازت مانگتے ہی رہے ۳؎ تب فرمایا کہ وہ اپنی اونٹنی کو چرا دو اور اپنے غلام کو کھلادو ۴؎ (مالک،ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ)	

۱؎ آپ کا نام محیصہ ابن مسعود انصاری ہے،حویصہ کے بھائی ہیں،غزوہ خندق اور بعد والے غزوات میں شریک رہے،آپ کے اسلام کا عجیب واقعہ ہے جو اس جگہ اشعۃ اللمعات وغیرہ میں مذکور ہے۔

۲؎ حضرت محیصہ خود یہ کام نہ کرتے تھے،غالب یہ ہے کہ ان کا غلام کرتا ہوگا جس کا خراج یہ لیتے ہوں گے اس لیے مسئلہ پوچھا کہ آیا اس میرے غلام کو اجرت لینا اور مجھے کھانا جائز ہے یا نہیں؟چونکہ غلام کا مال اپنا ہوتا ہے اس لیے یہ حکم ہوا ورنہ اگر کسی کی آمدنی کا ذریعہ غیر درست ہو تو اس کے ہاتھ ہم چیز فروخت کرسکتے ہیں،اس سے کرایہ مکان وغیرہ لے سکتے ہیں جب کہ وہ اس روپیہ کا مالک ہوگیا ہو۔سود،شراب کی قیمت،جوئے کی آمدنی کا حکم اور ہے،ناجائز پیشوں کی آمدنی کا حکم دوسرا۔

۳؎ حضرت محیصہ یا تو یہ سمجھ گئے تھے کہ یہ ممانعت تنزیہی ہے میرے بار بار دریافت کرنے سے۔ممکن ہے کہ یہ بھی جاتی رہے یا ان کا عقیدہ یہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم باذن پروردگار مالک احکام شرعیہ ہیں اس لیے بار بار عرض کرتے رہے ورنہ حضور کے منع فرمادینے کے بعد پھر پوچھتے رہنا اور اصرار کرنا ممانعت فرمان کی وجہ سے نہ تھا،رب تعالٰی فرماتا ہے: "وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ" جیسے حضرت عباس نے فرمان عالی سن کر عرض کیا تھا کہ حضور اذخر گھاس کاٹنے کی اجازت دے دیں اور حرم شریف کے حکم سے اسے مستثنٰی فرما دیں۔بہرحال اس حدیث سے روافض کا اعتراض نہیں پڑسکتا اور صحابہ کرام کی سرتابی ثابت نہیں ہوسکتی۔

۴؎ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ممانعت کراہت تنزیہی کی ہے ورنہ آزاد غلام میں فرق نہ ہوتا یعنی آزاد لوگوں کو ایسے ادنی و خسیس پیشے کی کمائی کھانا اچھا نہیں معلوم ہوتا،اس لیے تم خود تو وہ کمائی نہ کھاؤ تمہاری شان کے لائق نہیں،البتہ اپنے غلاموں یا جانوروں کو کھلا دو کہ ان کا وہ احترام نہیں جو آزاد مسلمانوں کا ہے،پھر یہ بھی گزر چکا کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فصد کی اجرت ایک غلام کو عطا فرمائی،وہ عمل شریف بیان جواز کے لیے تھا اور یہ فرمان عالی بیان کراہت کے لیے ہے لہذا دونوں حدیثوں میں تعارض نہیں۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں منع فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کی قیمت اور گانے بجانے کی کمائی سے ۱؎(شرح سنہ)

۱؎ صحیح یہ ہے کہ یہ لفظ زمارہ ہے،پہلے ز نقطے والی،بعد میں ر بغیر نقطے کی،زمر سے مشتق ہے بمعنی گانا ازار لہرانا،اسی لیے باجہ کو زمار کہتے ہیں،جمع مزامیر یعنی حضور انور نے گانے بجانے کی اجرت لینے اور دینے سے منع فرمایا۔اس سے مراد ناجائز گانے ہیں جیسے رنڈیوں کنجریوں کے گیت نعت خوانوں کو اجرت یا ہدیہ دیا جائے وہ اس حکم سے خارج ہے۔کتے کی قیمت کی تحقیق پہلے کی جاچکی ہے کہ اس کی حرمت منسوخ ہے یا اس سے دیوانہ یا بے کار کتا مراد ہے جو مال نہیں جیسے گندا انڈا۔گانے کے متعلق تحقیق یہ ہے کہ حرام گانے اور باجوں کی اجرت حرام ہے،جائز کی جائز،شادی بیاہ میں دف بجانے کی اجرت جائز ہے کہ یہ دف جائز ہے،کھیل کود کے باجوں کی اجرت ناجائز ہے کہ یہ باجے ناجائز ہیں،طبل غازی،دف شادی،اعلان چاند و اعلان افطار وغیرہ کے نقارے تمام جائز ہیں،نعت خوان بعض صورتوں میں خاص صوفیاء کے لیے خاص قوالی جائز ہے،ان کی اجرت جائز،آج کل عموماً قوالیاں حرام ہیں۔جائز و ناجائز قوالی کی بحث ہماری کتاب "جاءالحق" حصہ اول میں دیکھئے اور شامی باب الکراھیت میں مطالعہ فرمائیے،نیز تفسیر احمدی وغیرہ میں ملاحظہ کیجئے۔

روایت ہے حضرت ابو امامہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ رنڈیوں کو نہ بیچو نہ خریدو [1] اور نہ انہیں یہ سکھاؤ [2] اور ان کی قیمت حرام ہے [3] اور اس جیسی صورتوں کے متعلق یہ آیت اتری ہے کہ بعض لوگ کھیل کود کی باتیں خریدتے ہیں [4] (احمد،ترمذی،ابن ماجہ)اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہےاور علی ابن یزید راوی حدیث میں ضعیف مانے گئے ہیں [5] اور ہم حضرت جابر کی یہ حدیث کہ بلی کھانے سے منع فرمایا **مایحل اکله** کے باب میں ان شاءاللہ ذکر کریں گے۔	

[1] یعنی گانے بجانے کا پیشہ کرنے والی لونڈیوں کو نچانے اور گانے کے لیے نہ خریدو نہ فروخت کرو،اگر یہ نیت نہ ہو بلکہ ان سے دوسری خدمت لینے کا ارادہ ہو تو ان کا خریدنا جائز بلکہ بہتر ہے کہ وہ اس ذریعہ سے توبہ کرلیں گے۔

[2] یعنی لونڈیوں کو گانے بجانے کی تعلیم دینا حرام ہے۔اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو اپنی لڑکیوں کو کالجوں و اسکولوں میں گانے کی تعلیم دلواتے ہیں،رب تعالٰی اس زمانہ کی شر سے مسلمان کو بچائے،یہ گانے زنا کے پیش خیمے ہیں،جب زنا حرام ہے تو اس کے اسباب بھی حرام ہیں۔

[3] اگر یہ حدیث صحیح بھی ہو تب بھی اس سے مراد قیمت کی کراہیت ہے جب کہ اسے گانے بجانے کے لیے فروخت کیا ہو،اس کے ہاتھ جو ان سے یہ پیشہ کرائے جیسے شراب بنانے والے کے ہاتھ انگور کی بیع کو بعض علماء منع کرتے ہیں کہ یہ گناہ پر امداد ہے ورنہ گانے والی کی نہ قیمت حرام ہے نہ ان کی بیع۔(مرقات)

[4] یہ آیت کریمہ نضر ابن حارث کے متعلق نازل ہوئی جو گانے والی لونڈیاں اور عجمی قصے کہانیوں کے ناول خرید کر مسلمانوں میں رائج کرنا چاہتا تھا تاکہ مسلمان ان گانوں اور قصوں میں پھنس کر اسلامی تعلیم سے یکسر علیحدہ ہوجائیں،اور کہتا تھا کہ محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم تو تمہیں عاد و ثمود کے قصے سناتے ہیں میں تمہیں رستم و اسفند یار کی کہانیاں سناتا ہوں۔**لهوالحديث** میں اضافہ **من** تبعیضیہ کی ہے یا **من** تبعیضیہ کی حدیث سے مراد بات ہے تو **من** تبعیضیہ ہے اور اگر مطلقًا کلام یا کام ہے تو **من تبیینیه** ہے جو کام یا کلام نفع سے خالی ہو یعنی عبث و بیکار ہو یا مضر ہو یا دین سے روکے وہ سب لہو ہے،گانا بجانا لغو قصے کہانیاں،نماز کے وقت تجارت میں مشغولیت سب کچھ لہو ہے۔

[5] آئمہ حدیث نے جیسے امام احمد،یحیٰی،ابوزرعہ،نسائی وغیرہ نے علی ابن یزید کو ضعیف فرمایا۔شیخ نے اشعہ اللمعات میں فرمایا کہ حرمت غنا یعنی گانے بجانے کی حرمت میں کی احادیث ضعیف ہیں اس بارے میں کوئی حدیث صحیح نہیں ملی۔فقیر کہتا ہے کہ اگر اس بارے میں کوئی حدیث صحیح نہ ملے جب بھی قرآن کریم کی آیت کافی ہے،نیز احادیث ضعیفہ متعدد ہو کر حسن بن جاتی ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت عبداللہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلال کمائی کی تلاش [1] ایک فرض کے بعد دوسرا فرض ہے [2] (بیہقی شعب الایمان)	

[1] کسب بمعنی مکتسب ہے یعنی پیشہ اور حلال کا مقابل بھی ہے اور مشتبہات کا بھی کیونکہ حرام کمائی کی تلاش حرام ہے اور مشتبہ کی مکروہ۔(مرقات)تلاش سے مراد جستجو کرنا اور حاصل کرنا ہے۔

[2] یعنی عبادات فرضیہ کے بعد یہ فرض ہے کہ اس پر بہت سے فرائض موقوف ہیں۔خیال رہے کہ یہ حکم سب کے لیے نہیں صرف ان کے لیے ہے جن کا خرچ دوسروں کے ذمہ نہ ہو بلکہ اپنے ذمہ ہواور اس کے پاس مال بھی نہ ہو ورنہ خود مالدار پر اور چھوٹے بچوں پر فرض نہیں۔یہ خیال رہے کہ بقدر ضرورت معاش کی طلب ضروری ہے،صرف اکیلے کو اپنے لائق بال بچوں والے کو ان کے لائق کمانا ضروری ہے۔بَعْدَ الْفَرِیْضَةِ فرمانے سے معلوم ہوا کہ کمائی کی فرضیت نماز روزے کی فرضیت کے مثل نہیں کہ اس کا منکر کافر ہواور تارک فاسق۔

روایت ہے حضرت ابن عباس کہ آپ سے قرآن مجید لکھنے کی اجرت کے متعلق پوچھا گیا [1] تو فرمایا اس میں کوئی حرج نہیں،یہ لوگ تو نقش باندھنے والے ہیں اور اپنے ہاتھ کے کام سے کھاتے ہیں [2] (رزین)	

[1] سائل کو شبہ یہ تھا کہ رب فرماتاہے:"لَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا" میری آیتوں کو تھوڑی قیمت کے عوض نہ بیچو اور کاتب قرآن اس کی کتابت کو قیمت پر فروخت کرتا ہے یہ بھی گنہگار ہونا چاہیے کہ نقوش قرآن قرآن ہی میں شمار ہوجاتے ہیں۔

[2] خلاصہ جواب یہ ہے کہ آیت لَا تَشْتَرُوْا الخ میں ان پادریوں سے خطاب ہے جو روپیہ لے کر احکام الٰہی بدل دیتے تھے یا چھپالیتے تھے،کتابت قرآن کرنے والا تو دین کی خدمت کرتا ہے کہ اس کے ذریعہ قرآن کا بقا ہے اور قرآن کے بقاء سے دین کا بقاء۔اس سے معلوم ہوا کہ قرآن چھاپ کر فروخت کرنا،قرآن مجید کی جلد سازی پر اجرت لینا،تعویذ لکھنے پر اجرت اگرچہ اس میں آیات قرآنیہ ہی لکھی جائیں سب جائز ہیں،ایسے ہی فتویٰ لکھنے کی اجرت،امامت،اذان،کہیں جا کر وقت مقررہ پر وعظ کہنے کی اجرت لینا دینا سب جائز ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"لَا یُضَآرَّ کَاتِبٌ وَّلَا شَهِیْدٌ"۔اس کی پوری بحث ہماری "تفسیر نعیمی" جلد سوم میں دیکھئے۔

روایت ہے حضرت رافع ابن خدیج سے فرماتے ہیں عرض کیا گیا یارسول اللہ کون کسب بہت پاکیزہ ہے فرمایا انسان کی	

	اپنے ہاتھ کی دستکاری اور ہر سچی تجارت ۱؎(احمد)

۱؎ دستکاری میں کھیتی باڑی کتابت اور دوسری حلال صنعتیں داخل ہیں اور سچی تجارت سے ہر حلال و صحیح تجارت مراد ہے۔فاسد،باطل،مکروہ تجارتیں اس سے خارج ہیں۔ہم پہلے عرض کرچکے ہیں کہ اس قسم کی احادیث میں ید یعنی ہاتھ سے مراد پوری ذات ہوتی ہے لہذا پاؤں سے چل پھر کر آنکھ سے دیکھ کر دماغ سے سوچ کر جو کمائیاں کی جائیں وہ بھی حلال ہیں،طبابت،وکالت،قضاء وغیرہ بھی ہاتھ کی ہی کمائیاں ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابوبکر ابن ابی مریم سے فرماتے ہیں کہ حضرت مقدام ابن معد یکرب کی ایک لونڈی تھی ۱؎دودھ بیچتی تھی اور حضرت مقدام اس کی قیمت لیتے تھے ان سے کہا گیا سبحان اللہ آپ دودھ بیچتے ہیں اور اس کی قیمت پر قبضہ کرتے ہیں ۲؎فرمایا ہاں اس میں کوئی مضائقہ نہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ لوگوں پر ایک وہ زمانہ آئے گا جس میں صرف روپیہ پیسہ ہی نفع دے گا ۳؎(احمد)

۱؎یہ ابوبکر تابعی ہیں،ان کا ذکر مصنف نے اکمال میں نہیں کیا اور حضرت مقداد مشہور صحابی ہیں۔لونڈی سے مراد مملوکہ لونڈی ہے جسے آپ نے خرید و فروخت کی اجازت دی تھی،اس قسم کے غلام کو فقہاء عبد ماذون کہتے ہیں۔

۲؎شاید اس زمانہ میں اہلِ عرب دودھ کی تجارت کو ناپسند کرتے تھے جیسے آج کل پنجاب میں بھی ذی حیثیت لوگ دودھ بیچنے کو ناپسند کرتے ہیں،گھی فروخت کرتے ہیں یا اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ جیسے عظمت والے لوگوں کو چاہیے کہ دودھ مفت دیا کریں کیونکہ اس میں خیر کثیر ہے اس پر قیمت کیسی ؟

۳؎خلاصہ جواب یہ ہے کہ جس کاروبار سے اللہ رسول منع نہ فرمائیں وہ حلال ہے،عرف یا خیالات سے کوئی شے حرام نہیں ہوجاتی اور اب زمانہ ایسا آگیا کہ کمال نہیں دیکھا جاتا مال کی قدر ہوتی ہے،مالدار عالم کی تبلیغ ووعظ مؤثر ہے تو ہمیں چاہیے کہ مال کما کر کمال پھیلائیں،اللہ اکبر جب زمانہ صحابہ میں یہ حال ہوچکا تھا تو اس زمانہ کا کیا پوچھنا،اب تو مبلغین علماء کے لیے فقیری زہر قاتل ہے مالدار عالم کا وعظ بھی مؤثر ہوتا ہے۔علماء کو چاہیے کہ فقیر و ناداری سے بچیں،حلال ذریعوں سے مال ضرور حاصل کریں۔مرقات نے فرمایا کہ علماء سلف فرماتے تھے خوب تجارتیں اور کمائیاں کرو کیونکہ تم ایسے زمانہ میں ہو جب کہ حاجت مند پہلے اپنے دین کو ہی کھا جاتا ہے،ایک بار حضرت سفیان ثوری کچھ اشرفیاں اپنے ہاتھوں میں الٹ پلٹ رہے تھے اور فرماتے جاتے تھے کہ اگر میرے پاس یہ مال نہ ہوتا تو بنی عباس مجھے رومال بنالیتے کہ مجھ سے اپنے میل پونچھا کرتے۔

	روایت ہے حضرت نافع سے فرماتے ہیں میں مصرو شام کی طرف سامان تجارت بھیجا کرتا تھا ایک بار عراق کی طرف مال بھیجنے لگا تو ام المؤمنین عائشہ صدیقہ کی خدمت میں حاضر

	ہوا عرض کیا اے مسلمانوں کی مہربان ماں میں شام کی طرف مال بھیجا کرتا تھااس دفعہ عراق بھیج رہا ہوں ۱؎فرمایا یہ نہ کرو تمہیں اپنی پرانی منڈی سے نفرت کیوں ہوگئی ۲؎میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جب اللہ تم میں سے کسی کے لیے کسی ذریعہ سے رزق کا سبب بنادے تو وہ اسے نہ چھوڑے حتی کہ سبب بدل جائے یا بگڑ جائے ۳؎(احمد،ابن ماجہ)

۱؎اس سے معلوم ہوا کہ دنیاوی کاروبار میں بزرگوں سے مشورہ کرنا سنت صحابہ ہے،اس سے تجارت میں بزرگوں کا فیض بھی شامل ہوجاتا ہے۔یہ نافع حضرت عبداللہ ابن عمر کے آزاد کردہ غلام ہیں،بڑے محدث ہیں،تابعی ہیں،حضرت ابن عمر کی وفات کے بعد بہت شاندار تجارت کرتے تھے۔

۲؎یعنی جب تمہیں مصر و شام سے نفع بھی حاصل ہورہا ہے اور تمہاری تجارت بھی وہاں چمک رہی ہےتو تم وہاں سے متنفر کیوں ہوئے جاتے ہو۔

۳؎شارحین فرماتے ہیں **تغیر**سے مراد بیوپار میں نفع نہ ہونا ہےاور **تنکر** یعنی بگڑنے سے مراد گھاٹا اور نقصان ہونا ہے،یا تو یہ دونوں کلمات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں یا ام المؤمنین کو روایت میں شک ہوگیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے **یَتَغَیَّرَ** فرمایایا **یَتَنَکَّرَ**۔مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے ذریعہ آمدنی کو بلاوجہ بند نہ کرے کہ اس میں رب تعالٰی کی ناشکری ہے بلکہ اس کی نعمت کا ٹھکرانا ہے،لگی نوکری بندھا کاروبار بلاوجہ مت چھوڑو۔اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں جو شخص بلاوجہ پچاس روپیہ ماہوار کی نوکری چھوڑ دے گاتو ایک دن ایسا آئے گا کہ وہ پندرہ روپے کی نوکری تلاش کرے گا پر نہ ملے گی،ہاں اگر قدرتی طور پر بند ہوجائے تو پرواہ نہ کرے کہ اس صورت میں رب تعالٰی اس سے بہتر دروازہ کھول دے گا۔یہ حدیث بہت مجرب ہےجس کا خود فقیر نے بارہا تجربہ کیا،صوفیاء فرماتے ہیں۔ع یک در گیر محکم گیر

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ ابوبکر صدیق کا ایک غلام تھا جو انہیں آمدنی دیتا تھا۱؎تو صدیق اکبر اس کی آمدنی کھاتے تھےوہ ایک دن کوئی چیزلایا جس میں سے ابوبکر صدیق نے کچھ کھالیا ۲؎تب غلام نے عرض کیا کہ آپ جانتے ہیں جو یہ کیا ہے ابوبکر صدیق نے فرمایا کیا ہے وہ بولا میں نے زمانہ جاہلیت میں ایک شخص کی فال کھولی تھی اور میں فال جانتا تھا نہیں میں نے تو اسے دھوکہ دیا تھاوہ آج مجھے ملا اور مجھے اس کے عوض یہ دی یہ وہی ہے جو آپ نے کھائی ۳؎فرماتی ہیں کہ ابوبکر صدیق نے ہاتھ ڈالا اور جو کچھ پیٹ میں تھا سب قے کردیا ۴؎(بخاری)

۱؎ اہل عرب اپنے غلاموں کو کاروبار کی اجازت دے دیتے تھے اور ماہوار یا روزانہ کچھ پیسے مقرر کردیتے تھے جو غلام مولیٰ کو ادا کرتا رہتا تھاخواہ وہ کمائی کرتا یا نہ کرتا،زیادہ کرتا یا کم جیسا کہ آج کل لوگ تانگہ و گاڑیاں ٹھیکے پر دے دیتے ہیں اسے خراج کہتے تھے یہاں اسی کا ذکر ہے۔

۲؎ اور غلام سے پوچھا نہیں کہ کہاں سے لایا ہے کیونکہ وہ ہمیشہ ہی لاتا تھا اور آپ کھاتے تھے۔اس سے معلوم ہوا کہ ہر چیز کی تحقیق ضروری نہیں جس چیز کی حلت کا گمان غالب ہو اسے کھالے،صحابہ کرام جنگوں میں کفار کے مال و اسباب بلکہ پہنے ہوئے کپڑوں پر قبضہ کرلیتے تھے اوران کی تحقیق نہ فرماتے تھے،یہ عمل خلاف تقویٰ نہیں۔

۳؎ خلاصہ یہ ہے کہ یہ مٹھائی دو طرح سے حرام تھی:ایک یہ کہ کہانت یعنی فال کھولنے کی اجرت ہےاور فال کھولنا بھی حرام ہے،اس کی اجرت بھی حرام۔دوسرے یہ کہ دھوکا کی شیرنی ہے جیسے کوئی غیر طبیب کسی کو دھوکا دے کر طبیب بنےاس کی اجرت لے یہ حرام ہے۔غالب یہ ہے کہ غلام نے دیدہ دانستہ یہاں جرم کی نیت نہ کی تھی بلکہ اسے دھوکا یہ لگا کہ میں نے یہ کہانت اسلام سے پہلے کی تھی جب مجھ پر احکام شرعی جاری نہ تھے کیونکہ یہ اسی کا معاوضہ ہے اس لیے حلال ہے،اب مسلمان ہو کر نہ کہانت کروں گا،نہ اجرت لوں گا،اسی خیال پر اس نے جناب صدیق اکبر کو پہلے بتایا بھی نہیں،کھلا دینے کے بعد اسے کچھ خیال آیا،مسئلہ پوچھنے کے لیے یہ عرض کیالہٰذا نہ تو غلام پر یہ اعتراض ہے کہ اس نے یہ شیرنی لی کیوں اور حضرت صدیق کو دھوکا دیا کیوں اور نہ جناب صدیق پر یہ سوال ہوسکتا ہے کہ آپ نے بغیر تحقیق کھا کیوں لی۔

۴؎ یہ حضرت صدیق اکبر کا انتہائی تقویٰ ہے کہ جو شے واقعی حرام تھی اور بے علمی میں کھا لی گئی اسے قے کے ذریعہ پیٹ سے نکال دیا۔اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو جناب صدیق کی خلافت کو غلط اور آپ کو خائن و غاصب کہتے ہیں جو ہستی ناجائز مٹھائی اپنے پیٹ میں نہ رہنے دےوہ ناجائز طور پر خلافت پر کیوں کر قابض ہوسکتی ہے۔اس حدیث کی بناء پر بعض شوافع فرماتے ہیں کہ جو بے خبری میں بھی ناجائز چیز کھالے وہ قے کردے مگر ہمارے ہاں یہ خصوصی تقویٰ تھا نہ کہ عمومی فتوی۔(از مرقات)حرام چیز کھانا حرام ہے،قے کرنا واجب نہیں۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حرام بعینہٖ قبضہ کے بعد بھی ملکیت میں نہیں آتااور نہ وہاں تبدّل ملک کے احکام جاری ہوں۔

روایت ہے حضرت ابوبکر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں وہ جسم نہ جائے گا جو حرام سے غذا دیا گیا۱؎(بیہقی شعب الایمان)	

۱؎ غذا سے کھانے پینے کی تمام چیزیں مراد ہیں اور جنت کے داخلے سے پہلا داخلہ یا وہاں کے اعلیٰ مقام میں داخلہ مراد ہےورنہ مسلمان خواہ کتنا ہی گنہگار ہو آخر کار جنت میں جائے گا۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں جو کوئی کپڑا دس درہم سے خریدے اور ان میں ایک درہم حرام ہو تو جب تک وہ کپڑا اس پر رہے گا اللہ اس کی کوئی نماز قبول نہ کرے گا۱؎ پھر آپ نے اپنے کانوں میں انگلیاں ڈالیں اور فرمایا یہ بہرے ہوجائیں اگر میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ	

	فرماتے نہ سنا ہو ۲؎(احمد،بیہقی شعب الایمان)اور فرمایا اس کی اسناد ضعیف ہے۔

۱؎اور اس کا پورا ثواب نہ دے گا اگرچہ شرعًا اس کی نماز درست ہوگی،رب تعالٰی فرماتاہے:"اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ"۔صحت عبادت کا دارو مدار شرائط جواز پر ہے اور قبولیت تقویٰ پر موقوف ہے،تقویٰ صحت کی شرط نہیں،یہی اہلسنت کا مذہب ہے۔(مرقات)

۲؎یعنی یہ میرا اپنا قول نہیں بلکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد عالی ہے اور حدیث موقوف نہیں بلکہ مرفوع ہےایسے موقعہ پر اپنے لیے بددعا کرنا ایک طرح کی قسم ہے جس سے سامع کو یقین دلانا مقصود ہوتا ہے۔

باب المساھلۃ فی المعاملۃ

باب معاملہ میں نرمی کرنا1

الفصل الاول

پہلی فصل

1مساھلت سھل سے بنا بمعنی نرم زمین،صعب کا مقابل،اصطلاح میں ہر نرم چیز کو مسھل کہہ دیتے ہیں،یہاں معاملات اور لین دین میں سختی نہ کرنا مراد ہے۔معاملات سے مراد نکاح،تجارت،قرض،اجرت وغیرہ سارے کاروبار ہیں جن کا تعلق بندوں سے ہے،عبادات کا تعلق رب تعالٰی سے ہوتا ہے،مسلمان کے معاملات بھی عبادات بن جاتے ہیں اگر نیت خیر ہو۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ اس شخص پر رحمتیں کرے جو نرم ہو جب بیچے اور خریدے اور جب تقاضا کرے1(بخاری)

1بیچنے میں نرمی یہ ہے کہ گاہک کو کم یا خراب چیز دینے کی کوشش نہ کرے اور خریدنے میں نرمی یہ ہے کہ قیمت کھری دے اور بخوبی ادا کرے،بیوپاری کو پریشان نہ کرے،تقاضے میں نرمی یہ ہے کہ جب اس کا کسی پر قرض ہو تو نرمی سے مانگے اور مجبور مقروض کو مہلت دے دےاس پر تنگی نہ کرےجس میں یہ تین صفتیں جمع ہوں وہ اللہ کا مقبول بندہ ہے،،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَ اِنۡ کَانَ ذُوۡ عُسۡرَۃٍ فَنَظِرَۃٌ اِلٰی مَیۡسَرَۃٍ"اگر مقروض تندرست ہو تو اسے وسعت تک مہلت دے دو۔

	روایت ہے حضرت حذیفہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سے اگلے لوگوں میں ایک شخص تھا جس کے پاس اس کی روح قبض کرنے فرشتہ آیا تو اس سے کہا گیا1کہ کیا تو نے کوئی نیکی کی ہےوہ بولا میں نہیں جانتا اس سے کہا گیا غور تو کر2بولا اس کے سوا کچھ اور نہیں جانتا کہ میں دنیا میں لوگوں سے تجارت کرتا تھا اور ان پر تقاضا کرتا تھا تو امیر کو مہلت دے دیتا اور غریب کو معافی3چنانچہ اللہ نے اسے جنت میں داخل فرمادیا 4(مسلم،بخاری)اور مسلم کی روایت اسی طرح ہےعقبہ ابن عامر اور ابو مسعود انصاری سے پھر رب نے فرمایا کہ میں اس مہربانی کا تجھ سے زیادہ حقدار ہوں میرے بندے سے

در گزر کرو۵	

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ یہ سوال اس سے جانکنی کے وقت ہوا یا قبر میں اور سوال کرنے والے یا تو وہ فرشتے تھے جو جان نکالنے آئے تھے یا منکر نکیر جو حساب قبر لیتے ہیں اگرچہ قبر میں صرف ایمان کا حساب ہے اعمال کا حساب تو قیامت میں ہوگا مگر یہ اس شخص کی خصوصیات سے ہے کہ اس سے قبر ہی میں اعمال کا حساب بھی ہوگیا،بعض شارحین نے فرمایا قیل بمعنی یقال ہے اور یہ واقعہ سوال و جواب کا قیامت میں ہوگا مگر پہلی توجیہ قوی ہے۔ (لمعات،اشعہ،مرقات)

۲؎ معلوم ہوا کہ مرتے وقت اور قبر میں حشر میں انسان کو اپنے برے بھلے اعمال یاد ہوں گے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"بَلِ الْاِنْسٰنُ عَلٰی نَفْسِہٖ بَصِیْرَۃٌ وَّلَوْ اَلْقٰی مَعَاذِیْرَہٗ "۔

۳؎ یعنی میرے معاملات بہت درست تھے ان میں اخلاق کو دخل تھا اگر امیر کو ادائے قرض میں دیر لگتی تھی تو میں صبر کرتا تھا اس پر جلدی مانگ کر سختی نہ کرتا تھا اور اگر میرا مقروض قرض ادا کرنے کے قابل نہ ہوتا تو اسے بالکل معاف کردیتا تھا تاکہ وہ دنیا و آخرت میں پھنسا نہ رہے۔

۴؎ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ جو بندوں پر مہربانی کرتا ہے رب تعالٰی اس پر کرم فرماتا ہے کسی کو پھانسنے کی کوشش نہ کرو بلکہ پھنسے کو نکالنے کی کوشش کرو۔دوسرے یہ کہ معمولی نیکی کو بھی معمولی سمجھ کر چھوڑ نہ دو کبھی ایک قطرہ جان بچالیتا ہے۔ممکن ہے کہ چھوٹا عمل بخشش کا ذریعہ بن جائے اور کوئی معمولی گناہ چھوٹا سمجھ کر کر نہ لو کبھی چھوٹی چنگاری سارا گھر جلا ڈالتی ہے۔

۵؎ یعنی پھنسوں کو نکالنا،لوگوں پر رحم کرنا میری صفت ہے جب تو اخلاق الٰہیہ سے موصوف ہوا تو میں بھی تجھے بخش دیتا ہوں،یہ ہی اس حدیث کا مطلب ہے کہ تخلقوا باخلاق اللہ اللہ تعالٰی کی عادات اختیار کرو۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان عبادات کے ساتھ معاملات بھی ٹھیک کرے۔

روایت ہے حضرت ابوقتادہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بیوپار میں زیادہ قسم کھانے سے بچو ۱؎ کہ قسم مال تو بکوادیتی ہے پھر برکت مٹا دیتی ہے ۲؎(مسلم)	

۱؎ بعض شارحین نے فرمایا کہ یہاں زیادہ قسم سے ممانعت ہے تھوڑی قسموں کی اجازت ہے کہ تجارت میں کبھی قسم کھانی ہی پڑ جاتی ہے،بعض نے فرمایا کہ جھوٹی قسموں سے ممانعت ہے سچی قسم کی اجازت ہے مگر ترجیح اسے ہے کہ مطلقًا قسم سے ممانعت ہے،کثرۃ کا لفظ اتفاقی ہے جیسے رب تعالٰی فرماتا ہے:"لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰۤوا اَضْعٰفًا مُّضٰعَفَةً"۔مقصد یہ ہے کہ خرید و فروخت میں سچی قسمیں بھی نہ کھاؤ کہ کبھی جھوٹی قسم بھی منہ سے نکل جائے گی نزلہ سے بچو تاکہ بخار سے محفوظ رہو۔

۲؎ یُنَفِّقُ ف کے شد اور کسرہ سے ہے تنفیق کا مضارع،انفاق سے نہیں ہے،تنفیق بمعنی ترویج ہے یعنی قسم سے لوگ دھوکا کھا کر خرید لیتے ہیں اور مال چل پڑتا ہے مگر آئندہ کو جھوٹے تاجر کا اعتبار نہیں رہتا،تجارت اعتبار پر چلتی ہے۔افسوس کہ یہ سبق مسلمان تاجر بھول گئے،کفار خصوصًا انگریزوں نے یاد کرلیا،آج ان کی راستبازی ضرب المثل بن چکی ہے اسی لیے وہ تجارت میں سب سے آگے ہیں۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ قسم سامان بکوانے والی ہے برکت مٹانے والی ہے ۱؎ (بخاری،مسلم)	

۱؎ ممکن ہے کہ یہاں الحلف میں الف لام عہدی ہو اور قسم سے مراد جھوٹی قسم ہو،برکت سے مراد آئندہ کاروبار بند ہو جانا ہو یا کیے ہوئے بیوپار میں گھاٹا پڑ جانا یعنی اگر تم نے کسی کو جھوٹی قسم کھا کر دھوکے سے خراب مال دے دیا وہ ایک بار تو دھوکہ کھاجائے گا مگر دوبارہ نہ آئے گا نہ کسی کو آنے دے گا یا جو رقم تم نے اس سے حاصل کرلی اس میں برکت نہ ہوگی کہ حرام میں بے برکتی ہے،صفائی معاملات سیکھو۔

روایت ہے حضرت ابوذر سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا تین شخص وہ ہیں جن سے اللہ تعالٰی قیامت کے دن نہ تو کلام کرے گا نہ نظر رحمت اور نہ انہیں گناہوں سے پاک کرے گا ۱؎ اور ان کے لیے دردناک عذاب ہیں ابوذر نے عرض کیا وہ تو ٹوٹے اور خسارہ ہی پڑ گئے یارسول اللہ وہ کون ہیں فرمایا تہبند لٹکانے والا،احسان جتانے والا اور جھوٹی قسم سے مال بیچنے والا ۲؎ (مسلم)	

۱؎ کلام سے مراد محبت کا کلام ہے،دیکھنے سے مراد کرم کا دیکھنا ہے اور پاک فرمانے سے مراد گناہ بخشنا ہے یعنی دوسرے مسلمانوں پر یہ تینوں کرم ہوں گے مگر ان تین قسم کے لوگ ان تینوں عنایتوں سے محروم رہیں گے لہذا ان سے بچتے رہو۔

۲؎ یعنی جو فیشن کے لیے ٹخنوں سے نیچا پاجامہ تہبند استعمال کریں جیسے آجکل جاہل چودھریوں کا طریقہ ہے اور جو کسی کو کچھ صدقہ و خیرات دے کر ان کو طعنے دیں،احسان جتائیں،لوگوں میں انہیں بدنام کردیں کہ فلاں آدمی ہمارا دستِ نگر رہ چکا ہے اور جو جھوٹی قسم کھا کر دھوکا دے کر مال فروخت کریں۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابو سعید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول	

	اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچا اور امانت دار بیوپاری ۱؎ پیغمبروں صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا ۲؎ (ترمذی دارمی، دارقطنی) اور ابن ماجہ نے حضرت ابن عمر سے روایت کی ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

۱؎ اس سے معلوم ہوا کہ دیگر پیشوں سے تجارت اعلیٰ پیشہ ہے، پھر تجارت میں غلہ کی، پھر کپڑے کی، پھر عطر کی تجارت افضل ہے۔ (مرقات) ضروریات زندگی اور ضروریات دینی کی تجارت دوسری تجارتوں سے بہتر پھر سچا تاجر مسلمان بڑا ہی خوش نصیب ہے کہ اسے نبیوں، ولیوں کے ساتھ حشر نصیب ہوتا ہے۔

۲؎ مگر یہ ہمراہی ایسی ہوگی جیسے خدام کو آقا کے ساتھ ہمراہی ہوتی ہے یہ مطلب نہیں کہ یہ تاجر نبی بن جائے گا، اچھا تاجر تاجور ہے، برا تاجر فاجر ہے۔

	روایت ہے حضرت قیس ابن ابی غرزہ سے فرماتے ہیں کہ زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہم کو سوداگر کہا جاتا تھا ۱؎ ہم پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گزرے اس سے بہتر ہمارا نام رکھا گیا ۲؎ فرمایا اے تاجروں کے گروہ تجارت میں بے ہودگی اور جھوٹی قسمیں آجاتی ہیں لہذا اسے خیرات سے مخلوط کردو ۳؎ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

۱؎ سماسرہ سمسار کی جمع ہے، سمسار دلال کو کہتے ہیں جو تاجر اور خریدار کے درمیان سودا کراتا ہے یعنی سوداگر مگر پھر مطلقًا تاجر کو سمسار کہنے لگے جیسے ہماری اردو میں سوداگر دلال کا نام ہے یعنی سودا کرانے والا مگر اب تاجر کو سوداگر کہتے ہیں۔

۲؎ یعنی سمسار سے تاجر نام بہتر ہے کیونکہ قرآن شریف میں اس مشغلہ کو تجارت فرمایا گیا ہے، نیز رب نے اپنے کو مسلمانوں کے جان و مال کا خریدار فرمایا، نیز تجارت کے معنے ہیں نفع پر مال الٹ پلٹ کرنے والا سمسار ظالم چونگی والوں کو بھی کہتے ہیں جو ظلم و رشوت میں مشہور ہیں۔

۳؎ مقصد یہ ہے کہ تجارت میں کتنی ہی احتیاط کی جائے مگر پھر بھی کچھ لغو کچھ جھوٹ جھوٹی قسم منہ سے نکل ہی جاتی ہے اس لیے صدقہ و خیرات ضرور کرتے رہو کہ صدقے سے غضب الٰہی کی آگ بجھ جاتی ہے۔ عمومًا تاجر لوگ فقراء کو پیسہ پیسہ دیتے رہتے ہیں، خصوصًا جمعرات کو اس عمل کا ماخذ یہ ہی حدیث ہے ویسے بھی صدقہ اعلیٰ عبادت ہے۔

	روایت ہے حضرت عبید ابن رفاعہ سے وہ اپنے والد سے راوی وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا قیامت کے دن بیوپاری بدکار اٹھائیں جائیں گے بجز ان کے جو پرہیزگاری بھلائی کریں سچ بولیں ۱؎ (ترمذی، ابن ماجہ، دارمی) اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت براء سے روایت کی اور

	ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے صحیح ہے۔

۱؎ پرہیزگاری سے مراد ہے گناہ کبیرہ سے خصوصًا اور گناہ کبیرہ کی عادت سے عمومًا بچتے رہنا۔نیکی سے مراد ہے اپنے کاروبار کو دھوکا خیانت سے محفوظ رکھنا،سچ سے مراد سودے کے متعلق صاف بات کرنا اگر عیب دار ہو تو اس کو بے عیب ثابت کرنے کی کوشش نہ کرنا۔(مرقات)مطلب یہ ہے کہ قیامت میں سارے تاجر فاسق وفاجر ہوں گے سواء ان کے جن میں یہ تین صفات ہوں،پرہیزگاری ،بھلائی، سچائی۔

باب الخیار

اختیار کا باب ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱اختیار خیر سے بنا بمعنی خیر و بھلائی کی طلب وتلاش،چننے اور پسند کرنے کو بھی خیار کہا جاتا ہے،برگزیدن کے معنے میں۔بیع میں ہمارے ہاں چار خیار ہیں:خیار عقد،خیار رؤیت،خیار شرط،خیار عیب،مگر امام شافعی کے ہاں پانچواں خیار اور بھی ہے خیار مجلس کہ ایجاب قبول کے بعد بھی جب تک فریقین جگہ سے ہٹ نہ جائیں انہیں خیار رہتا ہے کہ بیع کو رکھیں یا ختم کردیں،جب ان میں سے کوئی جگہ سے ہٹ گیا یہ خیار ختم ہوگیا مگر ہمارے ہاں ایجاب قبول سے بیع مکمل ہوجاتی ہے کہ اب ان میں سے کسی کو فسخ کا حق نہیں رہتا،اس کی تفصیل کتب فقہ میں ہے۔خیار شرط کی مدت تین دن ہے،خیار عقد میں مجلس کا اعتبار ہے کہ ایجاب کے بعد جب تک دونوں اپنی جگہ بیٹھے رہیں دوسرے کو قبول کرنے نہ کرنے کا حق ہے،جب ان میں سے کوئی ہٹ گیا قبول کا خیار جاتا رہا۔خیار عیب میں شرط یہ ہے کہ عیب بائع کے ہاں کا ہو خریدار کے ہاں پیدا نہ ہوا ہو اور اگر ایک عیب تو بائع کے ہاں تھا دوسرا خریدار کے ہاں پیدا ہوگیا تو اب واپسی کا حق خریدار کو نہ ملے گا بلکہ چیز کی قیمت کم ہوجائے گی،تفصیل فقہ میں ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خرید وفروخت کرنے والے دونوں میں سے ہر ایک کو اپنے ساتھی پر اختیار ہے۱ جب تک وہ الگ نہ ہوں ۲ سواء خیار والی بیع کے ۳(مسلم،بخاری)اور مسلم کی ایک روایت میں یوں ہے کہ جب تاجر و خریدار تجارتی کاروبار کریں تو اس بیع میں ہر ایک مختار ہے جب تک جدا نہ ہوں ۴ یا ان کی بیع ہی اختیار کی ہو جب بیع اختیار کی ہے تو اختیار لازم ہوگیا ۵ اور ترمذی کی روایت میں ہے کہ خریدار اور بائع مختار ہیں ۶ جب تک الگ نہ ہوں یا اختیار رکھیں اور مسلم،بخاری کی روایت میں بجائے اختیار کے یوں ہے کہ ان میں سے ایک دوسرے سے کہہ دے تو اختیار رکھ ۷

۱یعنی خرید وفروخت کرنے والوں میں سے ایک نے ایجاب کردیا تو دوسرے کو قبول کرنے نہ کرنے کا اختیار ہے اور دوسرے کے قبول سے پہلے ایجاب کرنے والا اپنا ایجاب ختم کرسکتا ہے۔

۲ہمارے امام اعظم کے ہاں یہاں علیحدگی سے مراد جسمانی علیحدگی نہیں بلکہ کلام کی علیحدگی وجدائی مراد ہے کہ ایک کہے میں نے بیچ دی دوسرا کہے میں نے قبول کرلی جسمًا خواہ وہاں ہی بیٹھے رہیں یا علیحدہ ہوجائیں جب باتوں کا ہیر پھیر ہوگیا بیع پوری ہوگئی،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَ اِنۡ یَّتَفَرَّقَا یُغۡنِ اللّٰہُ کُلًّا مِّنۡ سَعَتِہٖ"اگر خاوند بیوی الگ ہوجائیں تو اللہ اپنے فضل سے ہر ایک کو دوسرے سے بے نیاز کردے گا،یہاں زوجین کی جسمانی علیحدگی مراد نہیں بلکہ نکاح سے علیحدگی یعنی طلاق مراد ہے،نیز جب نکاح،کرایہ صرف ایجاب و قبول سے ہی منعقد ہوجاتے ہیں وہاں خیار

مجلس نہیں ہوتا تو بیع بھی ایک عقد ہی ہے وہ بھی صرف ایجاب وقبول سے ہوجانی چاہیے۔امام شافعی اس تفرقہ سے مراد تفرقہ ابدان لیتے ہیں اور اس لفظ سے خیار مجلس ثابت کرتے ہیں یعنی تاجر وخریدار جب تک اپنی جگہ سے ہٹ نہ جائیں انہیں بیع رکھنے نہ رکھنے کا اختیار ہے مگر مذہب حنفی قوی ہے کیونکہ متبایعان دونوں عاقدوں کا نام ہے،عقد قول سے ہوتا ہے تو جدائی بھی قولی چاہیے نہ کہ بدنی۔

۳؎ اس جگہ خیار سے مراد شرط ہے یعنی ایجاب قبول کے بعد دونوں پر بیع لازم ہوجاتی ہے لیکن اگر کسی نے اپنے لیے واپسی کے اختیار کی شرط لگالی تو اسے تین دن تک واپسی کا حق رہے گا،مثلًا خریدار کہہ دے کہ میں قبول کرتا ہوں مگر تین روز تک مجھے چیز واپس کردینے کا حق ہے کہ اگر میرا دل نہ چاہا تو واپس کردوں گا،اب اگرچہ ایجاب وقبول ہوچکا مگر خریدار کو اس مدت میں واپسی کا حق ہے اس کا نام خیار شرط ہے۔

۴؎ یعنی جب دونوں میں سے ایک نے کہہ دیا کہ میں فروخت کرتا ہوں یا خریدتا ہوں تو دوسرے کو قبول کرنے نہ کرنے کا حق ہے اس حق کا نام خیار عقد ہے۔

۵؎ کہ اب دوسرے شخص کو اس کے خیار باطل کرنے کا حق نہ رہا،یہ خود اختیار باطل کرے یا نہ کرے۔وجب کا فاعل خیار ہے نہ کہ بیع اور اگر بیع ہی فاعل ہو تو معنی یہ ہوں گے کہ خیار شرط کی بیع میں دوسرے فریق پر بیع لازم ہوجائے گی اختیار اسے رہے گا جس نے اپنے لیے اختیار رکھا ہے۔

۶؎ **بیعان** سے مراد وہ ہیں جو بیع کرنا چاہتے ہوں یا بیع کررہے ہوں،وہ مراد نہیں ہیں جو بیع کرچکے ہیں جیسے عاقدین انہیں کہتے ہیں جو عقد کررہے ہوں نہ انہیں جو عقد کرچکے،یہ خوب خیال رکھیے اس لفظ سے دھوکا ہوتا ہے اس لفظ سے شوافع خیار مجلس ثابت کرتے ہیں،وہ معنی یہ کرتے ہیں کہ جو بیع شراء کرچکے وہ مختار ہیں۔

۷؎ یہ جملہ **اویختار** کی تفسیر ہے کیونکہ خیار شرط دونوں عاقدوں کے لیے نہیں ہوسکتا بلکہ ایک کو اختیار ہوگا دوسرے پر بیع لازم ہوگی جیسا کہ پہلے وجب سے معلوم ہوچکا۔

	روایت ہے حضرت حکیم ابن حزام سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تاجر وخریدار مختار ہیں جب تک الگ نہ ہوں اگر سچ بولیں اور اصل بات ظاہر کردیں تو انہیں اس تجارت میں برکت ہوگی اور اگر جھوٹ بولیں اور چھپائیں تو ان کی تجارت کی برکت مٹادی جائے گی ۲؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ آپ حضرت خدیجہ کبریٰ کے بھتیجے ہیں،واقعہ فیل سے تیرہ سال پہلے خانہ کعبہ میں پیدا ہوئے،ایک سو بیس سال کی عمر ہوئی،ساٹھ سال کفر میں گزارے،ساٹھ سال اسلام میں،زمانہ جاہلیت میں بڑے سخی تھے کہ آپ نے سو غلام آزاد کئے اور سو آدمیوں کو سواری دے کر حج کرائے اور جب خود حج کیا تو سو اونٹ قربانی کئے اور عرفہ میں سو سے زیادہ غلام آزاد کیے،بدر میں کفار کے ساتھ تھے،مسلمانوں کے ہاتھ قید ہوئے پھر آزاد کئے گئے،فتح مکہ میں ایمان لائے ۵۸ھ؁ میں مقام زینت میں انتقال کیا۔(اشعہ)

۲؎ یعنی نہ تو فروشندہ چیز کے عیب چھپا کر خریدار کو دھوکا دے،اور نہ خریدار قیمت کے عیوب چھپا کر تاجر کو دھوکا دے دونوں کے معاملات صاف ہوں تو برکت ہوگی ورنہ تجارت میں بے برکتی ہی رہے گی جیسا کہ آجکل دیکھا جارہا ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں خرید وفروخت میں دھوکا کھاجاتا ہوں فرمایا جب خرید وفروخت کرو تو کہہ دیا کرو دھوکا نہ ہو ۱؎ چنانچہ وہ صاحب

	یہ کہہ دیا کرتے تھے ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎یہ دھوکا کھا جانے والے حضرت حبان ابن منقد ابن عمرو مازنی ہیں،غالبًا یہود و منافقین انہیں دھوکا دے کر چیز فروخت کردیتے ہوں گے،صحابہ کرام سے دھوکا دینا ممکن نہیں،خلابہ خ کے کسرہ سے بمعنی غبن و دھوکا ہے۔

۲؎ اس جملہ کے بہت سے معانی کئے گئے ہیں اور ہر معنی کی بناپر فقہاء کے مذاہب ہیں،ہمارے ہاں اس کا مطلب یہ ہے کہ تم کہہ دیا کرو کہ بھائی میں تجارتی کاروبار میں سادہ بندہ ہوں مجھ سے قیمت زیادہ نہ وصول کرلینا میں اپنے لیے اختیار رکھتا ہوں کسی کو دکھاؤں گا اگر قیمت زیادہ لگائی گئی تو مجھے خیار شرط ہے واپس کردوں گا۔چنانچہ بعض روایات میں یوں ہے "لا خلاته و لی الخیار ثلثة ایام" یعنی دھوکا نہ ہو اور مجھے تین دن تک اختیار ہے اس صورت میں حدیث بالکل واضح ہے۔خیال رہے کہ اگر خریدار غلطی سے چیز مہنگی خریدلے تو اسے واپس کرنے کا حق نہیں اور نہ اس سے بیع فاسد ہوگی ہاں اگر ردّی مال خریدلے تو اسے خیار عیب ملے گا۔بعض آئمہ کے ہاں زیادہ قیمت لگالینے پر بیع فاسد ہوجاتی ہے،بعض کے ہاں خریدار کو واپسی کا حق ہوتا ہے وہ اس جملہ کے اور معنی کرتے ہیں مگر مذہب حنفی نہایت قوی ہے اور یہ ہی معنی جو فقیر نے عرض کئے قوی ہیں۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی ۱؎ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تاجر و خریدار مختار ہیں جب تک کہ الگ نہ ہوں ۲؎ مگر یہ کہ عقد ہی اختیار کا ہو ۳؎ اور اسے یہ درست نہیں کہ فسخ تجارت کے ڈر سے اپنے ساتھی سے الگ ہوجائے ۴؎ (ترمذی،ابوداؤد،نسائی)

۱؎ پہلے کہا جاچکا ہے کہ عمرو کے دادا کا نام عبداللہ ابن عمرو ابن عاص ہے،آپ عمرو ابن شعیب ابن محمد ابن عبداللہ ابن عمرو ابن عاص ہیں،ان کی روایات مدخول ہوتی ہیں کہ اگر جدہٖ میں ضمیر عمرو کی طرف ہو تو ان کے دادا محمد ابن عمرو ہیں تابعی ہیں اور حدیث مرسل ہے اور اگر جدہٖ کی ضمیر ابیہ کی طرف لوٹے تو یہ ابیہ کے خلاف ہے،انتشار ضمائر ہے اور عمرو نے اپنے پردادا کو پایا بھی نہیں ہے لہذا حدیث منقطع ہے اسی لیے مسلم،بخاری میں اسی اسناد سے ان کی روایات نہیں آتیں۔(اشعہ)

۲؎اس جملہ کے معنے بھی عرض کردیئے گئے کہ ہماری علیحدگی سے مراد قوال کی علیحدگی ہے یعنی ایک کا کہنا کہ میں نے فروخت کردی دوسرے کا کہنا میں نے قبول کرلی اور شوافع کے ہاں تفرق ابدان مراد ہے یعنی تاجر و خریدار کا تجارت کی جگہ سے الگ ہٹ جانا،اس حدیث سے وہ خیار مجلس ثابت کرتے ہیں دلائل پہلے عرض ہوچکے۔

۳؎کہ خیار والے عقد میں اس علیحدگی کے بعد بھی صاحب اختیار کے اختیار ہوگا،یہاں خیار سے مراد خیار شرط ہے جس کی مدت تین دن ہے کہ اس سے زیادہ نہیں ہوسکتا۔

۴؎یعنی متقی پرہیزگار مسلمان کو یہ مناسب نہیں کہ خریدتے ہی یا بیچتے ہی وہاں سے چلا جائے اس خوف سے کہ سامنے والا عیب پر مطلع ہوکر بیع فسخ نہ کردے۔خلاصہ یہ ہے کہ خرید و فروخت کرنے کے بعد دونوں کچھ وہاں ٹھہریں تاکہ خریدار اچھی طرح دیکھ بھال لے اور تاجر پیسہ گن لے پرکھ لے جیسے ریلوے کے ٹکٹ گھروں پر لکھا ہوتا ہے کہ پیسہ گن کر حساب لگا کر کھڑکی چھوڑو،یہ حدیث امام اعظم کی قوی دلیل ہے کہ خیار مجلس معتبر نہیں

اگر جگہ چھوڑنے سے پہلے بیع مکمل نہ ہوتی تو حضور اسے اقالہ کرنا نہ فرماتے۔اقالہ کے معنے ہیں بیع مکمل ہوچکنے کے بعد فسخ کرنا اگر ابھی مکمل ہی نہ ہوئی تو فسخ کیسا،اس سے شوافع خیار مجلس ثابت کرتے ہیں مگر ثابت ہوتا نہیں،یہ تو ان کے خلاف ہے سیدنا عبداللہ ابن عمر سے جو منقول ہے کہ آپ چیز خریدتے ہی وہاں سے ہٹ جاتے تھے تاکہ بائع بیع ختم نہ کردے،یہ انکا اپنا اجتہاد ہے اور صحابی کا اجتہاد نص کے مقابل لائق پیروی نہیں۔(مرقاۃ)

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ہیں کہ آپ نے فرمایا دو شخص ایک دوسرے کو راضی کئے بغیر الگ نہ ہوں ۱؎(ابوداؤد)	

۱؎ ثنان سے مراد تاجر خریدار ہیں یعنی ایجاب و قبول کے بعد بھی تاجر و خریدار ایک دوسرے کو چیز و قیمت سے مطمئن کرکے وہاں سے ہٹیں،دھوکا دے کر بھاگنے کی کوشش نہ کریں اس سے بھی خیار مجلس ثابت نہیں ہوتا۔اس حدیث کی تائید اس آیت سے ہے "اِلَّآ اَنۡ تَکُوۡنَ تِجٰرَۃً عَنۡ تَرَاضٍ مِّنۡکُمۡ "ایجاب و قبول کے بعد بھی ایک دوسرے کو مطمئن کردینا ضروری ہے کہ اگر کسی کو اطمینان نہ ہو تو چیز واپس کردی جائے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت جابر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بدوی کو بیع کے بعد بھی اختیار دیا ۱؎ (ترمذی)اور فرمایا یہ حدیث حسن ہے صحیح ہے غریب ہے۔	

۱؎ یعنی ایک دیہاتی نے شہر میں آکر کچھ فروخت کیا تھا پھر وہ اس فروخت پر پشیمان ہوا وہ سمجھا کہ چیز سستی بک گئی تو آپ نے اسے چیز واپس کرلینے کا اختیار دیا،اس طرح کہ خریدار کو فسخ بیع پر راضی فرمادیا اس سے بھی خیار مجلس ثابت نہیں ہوتا کہ اگر خیار مجلس ہوتا تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار دینے کے کیا معنی ہوتے اس کا مطلب صاف ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع مکمل ہونے کے بعد خصوصیت سے اسے اختیار دیا۔

باب الربوا

سود کا باب[1]

الفصل الاول

پہلی فصل

[1]ربو ربوٌ سے بنا بمعنی زیادتی و بڑھ جانااسی لیے زمین کو جہاں پیداوار زیادہ ہوتی ہو ربوہ کہتے ہیں،شریعت میں ربوا اس زیادتی کو کہتے جو عوض سے خالی ہو اور نفس عقد میں مشروط ہو،جانبین میں ہم جنس وہم وزن مال ہوں جیسے ایک سیر گندم دے کر سواسیر لے لینا،اگر جنس یا وزن میں فرق ہوگیا تو سود نہ ہوا۔ربو واوٗ سے بھی لکھ سکتے ہیں الف سے بھی ی سے بھی مگر قرآن شریف میں صرف واوٗ سے لکھا جائے گا کیونکہ قرآن شریف کی تلاوت و کتابت سب کچھ منقول ہے،سیدنا عبداللہ ابن سلام فرماتے ہیں کہ سود ستر گناہ ہیں چھوٹا گناہ ایسا ہے جیسے اپنی ماں سے زنا کرنا،ایک درہم سود کا ۳۶ زنا سے بدتر ہے،قرآن شریف میں سود خوار کو اللہ رسول سے جنگ کرنے کا اعلان دیا گیا۔

روایت ہے حضرت جابر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے[1] کھلانے والے لکھنے والے اور اس کے گواہ ہوں پر لعنت کی اور فرمایا یہ سب برابر ہیں [2](مسلم)	

[1]سود کھانے والے کا ذکر پہلے فرمایا کہ یہی بڑا گنہگار ہے کہ سود لیتا بھی ہے اور کھاتا بھی ہے،دوسرے پر یعنی مقروض اور اس کی اولاد پر ظلم بھی کرتا ہے،اللہ کا بھی حق مارتا ہے اور بندوں کا بھی۔

[2]یعنی اصل گناہ میں سب برابر ہیں کہ سود خوار کے مددومعاون ہیں،گناہ پر مددکرنا بھی گنا ہے رب تعالٰی نے صرف سود خوار کو اعلان جنگ دیا،معلوم ہوا کہ بڑا مجرم یہ ہی ہے۔

روایت ہے حضرت عبادہ ابن صامت سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سونا سونے کے عوض اور چاندی چاندی کے عوض،گیہوں گیہوں کے عوض اور جو جو کے عوض چھو ہارے چھوہاروں کے عوض،نمک نمک کے عوض برابر برابر[1]ہاتھ بہ ہاتھ بیچو،جب یہ قسمیں بدل جائیں تو جیسے چاہو بیچو جب کہ ہاتھ بہ ہاتھ ہو [2](مسلم)	

[1] **الذھب** اور اس کے معطوف اسماءمرفوع ہیں مبتداء ہونے کی وجہ سے اور **بالذھب** وغیرہ خبر ہوسکتا ہے کہ منصوب ہوں۔فعل پوشیدہ **بیعوا** کا مفعول یعنی ان چیزوں کو جب ان کی ہم جنس کے عوض فروخت کرو تو دو طرفہ برابر دو مطلقًا

زیادتی و کمی نہ ہو،ان چھ چیزوں کی زیادتی میں تو اتفاق ہے کہ حرام ہے ان کے ماسواء میں آئمہ کا اختلاف ہے ہمارے ہاں ہم جنس وہم وزن میں زیادتی حرام ہے۔

۲؎خلاصہ یہ ہے کہ ہم جنس وہم وزن میں تو زیادتی بھی حرام ہے اور ادھار بھی لیکن اگر صرف جنس ایک ہو جیسے انڈے کے عوض انڈے یا صرف وزن ایک ہو جیسے گندم کے عوض جو تو زیادتی حلال ہے ادھار حرام ہے۔

روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سونا سونے کے عوض اور چاندی چاندی کے عوض،گیہوں گیہوں کے عوض،جو جو کے عوض اور چھوہارے چھوہاروں کے عوض،نمک نمک کے عوض برابر برابر ہاتھ بہ ہاتھ بیچو۱؎جو زیادہ دے یا زیادہ لے اس نے سود کا کاروبار کیا،لینے والا دینے والا اس میں برابر ہے۲؎(مسلم)	

۱؎خیال رہے کہ سود کی حرمت صرف ان چھ چیزوں سے خاص نہیں ان چھ چیزوں کا ذکر اس لیے ہے کہ دوسری چیزوں کو بھی اس پر قیاس کیا جاسکے،علت قیاس میں فقہاء کا اختلاف ہے،ہمارے ہاں جنس و وزن یا کیل میں اتحاد علت قیاسی ہیں۔

۲؎خلاصہ یہ ہے کہ سود دو شخصوں سے قائم ہے دینے والے اور لینے والے سے لہذا سود کے دونوں مجرم ہوں گے کہ ان دونوں نے حرام کاروبار کیا اگرچہ لینے والا بڑا گنہگار ہوگا جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا۔(مرقات)خیال رہے کہ نام و کام میں یکساں ہونا ہم وزنیت،لہذا گائے اور بکری کے گوشت ہم جنس نہیں کہ نام اگرچہ دونوں کا گوشت ہی ہے مگر کام میں قاعدوں میں فرق ہے اور سونا ولوہا ہم وزن نہیں کہ سونے کے باٹ رتی،ماشہ،تولہ اور لوہے کے باٹ سیر و من ہیں لہذا بکری و گائے کے گوشت میں زیادتی جائز،ایسے ہی سونے و لوہے میں زیادتی حلال ہے کہ بکری کا گوشت ایک سیر دے کر گائے کا گوشت دو سیر لے لیا جائے یا دو تولہ سونا دے کر دو من لوہا لے لیا جائے یا ایک انڈا دو انڈوں کے عوض،ایک گز لٹھا کپڑا دو گز لٹھے کپڑے کے عوض لے لیا جائے کہ انڈے اور کپڑے وزن یا کیلی چیز نہیں بلکہ انڈا عددی ہے اور کپڑا ذرعی یعنی انڈے گن کر اور کپڑا گزوں سے ناپ کر فروخت ہوتے ہیں ان میں زیادتی سود نہیں۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سونا سونے سے برابر کے بغیر نہ بیچو اور بعض کی بعض پر زیادتی نہ کرو۱؎اور چاندی چاندی کے عوض برابر برابر کے بغیر نہ بیچو بعض کی بعض پر زیادتی نہ کرو۲؎اور ادھار نقد کے عوض نہ بیچو۳؎(مسلم،بخاری) اور ایک روایت میں یوں ہے کہ سونا سونے کے عوض اور چاندی چاندی کے عوض برابر برابر کے بغیر نہ بیچو۴؎	

۱؎ یعنی سونا خواہ مضروب یعنی سرکاری سکہ ہو یا پترا،نیز نقشین زیور ہو یا سادہ دو طرفہ وزن میں برابر ہونا ضروری ہے،اگر ایک تولہ سونا کی اشرفی دو تولے سونے کے پترے کے عوض فروخت کی یا دو تولہ کے جڑاؤ نقش و نگار والا زیور چار تولے سونے کے عوض بیچا تو حرام ہے نقش یا سکہ کا اعتبار نہیں وزن کا اعتبار ہے،یہ مسئلہ بہت خیال میں رکھنا چاہیے۔

۲؎ یعنی چاندی کی تجارت کا بھی یہ ہی حکم ہے کہ برابر کے عوض فروخت کرو لہذا اگر چاندی کے ایک روپیہ کے عوض دو تولہ چاندی لی تو حرام ہوا،آج کل روپیہ لوہے کا ہے اور نوٹ کاغذ کا اس لیے یہ بیع جائز ہے کہ ایک روپیہ کی دو تولہ چاندی لیں یا دو روپیہ کی چاندی ایک تولہ خریدیں کیونکہ لوہا یا کاغذ چاندی کی ہم جنس نہیں،بعض حجاج انگریزی دو روپیہ کی عوض سعودی ایک ریال لیتے تھے یہ حرام تھا کہ ادھر دو تولہ چاندی جاتی تھی اور ادھر ایک تولہ چاندی ملتی تھی اب نوٹ میں یہ قباحت نہیں۔

۳؎ خیال رہے کہ سود دو قسم کا ہے ایک زیادتی کا سود،دوسرے ادھار کا سود،زیادتی کے سود کی حرمت دو شرطوں پر موقوف ہے:ہم جنس ہونا،ہم وزن ہونا مگر ادھار کے سود کی حرمت صرف ایک شرط پر موقوف ہے یا ہم وزن ہونا یا ہم جنس ہونا لہذا سونے چاندی کی تجارت میں زیادتی حلال ہے کہ ایک تولہ سونا کے عوض چار تولہ چاندی لے لیں مگر ادھار حرام ہے،فورًا فریقین قبضہ کریں کسی طرف سے ادھار نہ ہو کہ سونا چاندی اگرچہ جنس الگ ہیں مگر وزن دونوں کا ایک ہے کہ دونوں تولہ ماشہ سے بکتے ہیں۔

۴؎ دونوں روایتوں میں فرق یہ ہے کہ وہاں **مثلًا بمثلٍ** تھا اور یہاں **وزنًا بوزنٍ** ہے جس سے معلوم ہوا کہ سونے چاندی میں برابری وزن سے کرنا ضروری ہے،پیائش سے برابری کافی نہیں،مثلًا دو انچ کا چاندی کا پترا تین انچ چاندی کے پترے کے عوض فروخت کرنا جائز ہے اور دونوں کا وزن برابر ہو اگر دو طرفہ دو انچ کے پترے چاندی کے ہوں مگر ان کے وزن میں فرق ہو تو بیع حرام،وزن کا لحاظ ہے اور وزن ہی کی برابری ضروری ہے۔

روایت ہے حضرت معمر ابن عبداللہ سے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنتا تھا غلہ کی غلہ سے بیع برابر برابر کروا ۱؎ (مسلم)	

۱؎ **طعامٌ طعمٌ** سے بنا بمعنی کھانا،طعام ہر کھانے کی چیز کو کہتے ہیں خواہ پھل ہوں یا دانے،اگر ہم جنس اور ہم وزن ہوں تو زیادتی حرام ہے،لینے کی چیزوں کو اسی پر قیاس کیا گیا ہے لہذا بھینس یا بکری کا دودھ،سرسوں یا تل کا تیل اگرچہ دو طرفہ ایک جنس ہوں تو زیادتی حرام،دو جنس ہوں تو زیادتی حلال لہذا ایک سیر بھینس کے دودھ کے عوض دو سیر بکری کا دودھ یا ایک سیر سرسوں کے تیل کے عوض دو سیر تل کا تیل فروخت کرسکتے ہیں کہ جنس مختلف ہے۔

روایت ہے حضرت عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونا سونے کے عوض سود ہے مگر نقد بہ نقد ۱؎ چاندی چاندی کے عوض سود ہے مگر نقد بہ نقد اور گندم گندم کے عوض سود ہے مگر نقد بہ نقد اور جو جو کے عوض سود ہے مگر نقد بہ نقد ۲؎ اور چھوہارے چھوہارے کے عوض	

سود ہے مگر نقد بہ نقد ۳؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ بعض شارحین نے فرمایا کہ هَاءَ دراصل هَاكَ تھا بمعنی خُذْ لے لے،اسم فعل ہے بمعنی امر،ک کو ہمزہ سے بدل دیا،معنی یہ ہیں کہ ایک دوسرے سے کہے یہ لے یعنی نقد،بعض نے فرمایا ھاء اسم فاعل بمعنی امر ہے،ہمزہ کو جر ہے یا فتح،معنی وہ ہی ہیں خُذْ یعنی لے لے،اس سے مراد نقد ہی ہے۔مطلب یہ ہے کہ جیسے ہم وزن ہم جنس میں زیادتی حرام ہے ایسے ہی ادھار بھی حرام ہے،دو طرفہ نقد ہونی چاہیے۔

۲؎ اس حدیث سے اشارۃً بیع تعاطی کا جواز نکلتا ہے کہ فریقین منہ سے کچھ نہ کہیں ایک قیمت دے دے دوسرا مال۔حضرت سفیان ثوری ایک انار والے کی دکان پر گئے،آپ نے دکاندار کے سامنے درہم رکھ دیا اس نے ایک انار آپ کے سامنے رکھ دیا آپ انار اٹھا کر چلے آئے۔(مرقات)بات کوئی نہ کی،اس سے بیع طعاطی کا ثبوت ہوا،بیع طعاطی معمولی و اعلیٰ ہر قسم کے مال میں ہوسکتی ہے،دیکھو یہاں چاندی سونے کی تجارت میں طعاطی کافی مانی گئی۔

۳؎ خیال رہے کہ سونا چاندی فرماکر تمام دھاتوں کی طرف اشارہ فرمادیا اور گندم وجو فرما کر تمام دانہ و غلے کی جانب اور چھوہارے فرما کر تمام پھلوں کی طرف اشارہ فرمادیا۔مطلب یہ ہوا کہ ہر ہم جنس وہم وزن چیز خواہ دھات کی قسم سے ہو یا غلے کی قسم سے خواہ پھلوں کی قسم سے ان میں زیادتی سود ہے حرام ہے،یہ تفصیل مذہب حنفی کی تائید فرماتی ہے کہ ہم جنس وہم وزن میں زیادتی حرام ہے۔

روایت ہے حضرت ابو سعید اور حضرت ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو خیبر کا حاکم بنایا تو آپ کی خدمت میں اعلیٰ درجے کے خرمے لائے ۱؎ تو فرمایا کہ خیبر کے سارے چھوہارے ایسے ہی ہوتے ہیں عرض کیا نہیں یارسول اللہ ہم ان چھوہاروں کا ایک صاع دو صاعوں کے عوض اور دو صاع تین کے عوض خرید لیتے ہیں ۲؎ تو فرمایا ایسا نہ کرو ۳؎ مخلوط کو درہموں کے عوض نہ بیچو اور درہموں سے کھرے خرید لو اور وزنی چیزوں کے متعلق بھی اسی طرح فرمایا ۴؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ بطور ہدیہ پیشکش فرمانے کے لیے۔جنیب چھوہاروں کی ایک اعلیٰ قسم کی نام ہے جیسے ہمارے ہاں شربتی گندم اعلیٰ قسم کا ایک گندم ہے۔

۲؎ یعنی خیبر میں ہر قسم کے چھوہارے ہوتے ہیں اعلیٰ بھی ردی بھی،ہم ردی سے اعلیٰ خرید لیتے ہیں اس طرح کہ ارزانی کے زمانہ میں دو گنے ردی دیتے ہیں اور گرانی میں تگنے یا معمولی اعلیٰ دو گنے کے عوض اور بہت اعلیٰ تگنے کے عوض خرید لیتے ہیں،یہ بھی اسی طرح خریدے ہوئے ہیں کہ ردی خرمے دے کر اعلیٰ خرمے اس سے نصف لیے گئے ہیں۔

۳؎ یعنی اب تک جو کرلیا وہ کرلیا اس پر پکڑ نہیں،آئندہ اس طرح تبادلہ نہ کرنا کہ یہ سود ہے۔خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لانے والے پر نہ تو عتاب فرمایا نہ ان کی کھجوروں کی واپسی کا حکم دیا،نہ انہیں ان کھجوروں کے استعمال سے منع

فرمایا بلکہ ظاہر یہ ہے کہ ان کا یہ ہدیہ قبول بھی فرمالیاصرف آئندہ کے لیے منع فرمادیا کیونکہ ابھی سود کے قوانین شائع نہ ہوئے تھے،سود کی حرمت نئی نئی ہوئی تھی اور قانون یا تفصیل قانون شائع ہونے سے پہلے خلاف ورزی کرنے والوں پر عتاب نہیں ہوتا جب کہ بے خبری میں کریں،اس وقت بے خبری کا عذر درست ہوتا ہے مگر قانون شائع ہوچکنے کے بعد بے خبری عذر نہیں لہٰذا اب اگر کوئی اس طرح کی تجارت کرے گا تو مجرم بھی ہوگا اور یہ خرید و فروخت درست بھی نہ ہوگی لہٰذا حدیث واضح ہے۔

۴یعنی درمیان میں پیسہ رکھ لو سود نہ بنے گا اور سود درست ہوجائے گا کہ مثلًا دو سیر ردی خرمے ایک روپیہ کے عوض بیچ دو،پھر اس روپیہ کے اعلیٰ خرمے ایک سیر لے لو۔اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ سود کی علت ہم جنس اور ہم وزن ہونا ہے کہ حضور انور نے وزن کا لحاظ فرمایا،یہ ہی احناف کا مذہب ہے،امام شافعی کے ہاں سونا چاندی میں سود ہے اور کھانے کی چیزوں میں سود ہے۔طعمیت سود کی علت ہے یا ثمنیت یہ حدیث ان کے خلاف ہے۔ دوسرے یہ کہ حرام سے بچنے کے لیے شرعی حیلے کرنے جائز ہیں اگر سو روپیہ دو سو روپیہ کی عوض فروخت کرنے ہوں تو اس سے سو روپیہ کے عوض کپڑے کا تھان خرید لوپھر وہ ہی تھان دو سو کے عوض فروخت کردو،یہ وہ ہی صورت ہے جس کی تعلیم یہاں دی گئی۔(مرقات)شرعی حیلوں کا ثبوت قرآن شریف سے بھی ہے۔ایّوب علیہ السلام نے بیماری کے زمانہ میں اپنی بیوی رحمت کو سو کوڑے مارنے کی قسم کھائی تھی،صحت یاب ہونے پر رب نے ان سے فرمایا" خُذۡ بِیَدِکَ ضِغۡثًا فَاضۡرِبۡ بِّہٖ وَلَا تَحۡنَثۡ "ہاتھ میں جھاڑو لےکر مار دو اپنی قسم نہ توڑو۔یہ قسم پوری کرنے کا حیلہ ہوا مگر حرام سے بچنے کا حیلہ جائز ہے،احکام شرعیہ میں تبدیلی کی نیت سے حیلہ کرنا حرام۔حیلہ کی پوری بحث ہماری کتاب "جاءالحق"حصہ اول میں دیکھئے۔

روایت ہے حضرت ابی سعید سے فرماتے ہیں کہ حضرت بلال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں برنی کھجوریں لائے ۱؎ تو ان سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کہاں سے آئے عرض کیا ہمارے پاس ردی کھجوریں تھیں تو میں نے اس کے دو صاع ایک صاع کے عوض بیچ دیئے فرمایا ہائے ۲؎ بالکل سود بالکل سود یوں نہ کرو لیکن جب خریدنا چاہو تو چھوہارے دوسری بیع سے بیچ دو پھر اس سے خریدلو ۳؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ برنی عرب کی مشہور و اعلیٰ کھجورہے،ب کی فتح ر کے سکون یا فتح،قاموس میں ہے کہ یہ لفظ برنیک تھابمعنی اچھا پھل،فارسی سے عربی میں منتقل کیا گیا اور برنی بنادیا گیا۔

۲؎ اَوِّہۡ الف کا فتح واؤ کی شد اور کسرہ، ہ کا سکون یا واؤ اورہ دونوں کا سکون یا واؤ کی الف سے تبدیلی،غرضکہ اَوِّہۡ اُوۡہۡ یا آہ ایسے الفاظ ہیں جو تکلیف،بیماری یا اظہار افسوس کے موقعہ پر بولے جاتے ہیں،یہاں حضور انور نے اظہار افسوس کے لیے فرمایا یعنی ہائے افسوس۔

۳؎ اس کی بھی وہی صورت ہے جو پہلے مذکور ہوئی یعنی اولًا دو صاع ردی کھجوریں ایک روپیہ کے عوض فروخت کردو،پھر اس روپیہ سے ایک صاع اعلیٰ کھجوریں لے لو یہ دو بیعیں ہوجائیں گی اور سود نہ بنے گا۔وہ جو روایت میں آتا ہے کہ رزین ابن ارقم کی ام ولد نے عائشہ صدیقہ سے عرض کیا کہ میں نے زید کے ہاتھ آٹھ سو میں ایک لونڈی ادھار بیچی اور شرط یہ لگائی کہ جب بھی تم بیچو میرے ہاتھ بیچنا۔چنانچہ قرض ادا ہونے سے پہلے میں نے یہ لونڈی زید ابن ارقم سے چھ سو میں خریدلی تو ام المؤمنین نے فرمایا زید ابن ارقم سے کہہ دینا کہ تمہارے سارے نیک اعمال باطل ہوگئے تم نے یہ بیع ناجائز کی۔(مالک و احمد)ام المؤمنین کے اس بیع کے ناجائز کہنے کی دو وجہ ہوسکتی ہیں:ادائے قرض کی صحیح مدت مقرر نہ ہونا،دوسری بیع بالشرط ہونا لہٰذا وہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ ایک غلام آیا اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہجرت پر بیعت کی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خیال نہ ہوا کہ وہ غلام ہے ۱؎ پھر اس کا مولیٰ اسے لینے آیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا اسے ہمارے ہاتھ بیچ دو چنانچہ اسے دو حبشی غلاموں کے عوض خرید لیا اس کے بعد کسی سے بیعت نہ لی حتی کہ اس سے پوچھ لیتے کہ وہ غلام ہے یا آزاد ۲؎(مسلم)	

۱؎ حقیقتًا یہ بھاگا ہوا غلام تھا اس کا مقصود تھا مولیٰ سے نجات پانا مگر ظاہر یہ کیا کہ مؤمن ہوں مہاجر بن کر آپ کے پاس رہنا چاہتا ہوں،حضور انور نے بھی اس کی تحقیق نہ فرمائی اور اس سے ہجرت پر بیعت لے لی۔خیال رہے کہ اگرچہ اللہ تعالٰی نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر کھلے چھپے کی اطلاع دی ہے مگر علم کا ہر وقت حضور ضروری نہیں،حافظ کو سارا قرآن یاد ہوتا ہے مگر ہر لفظ ہر وقت سامنے نہیں رہتا لہٰذا اس سے حضور کی بے علمی ثابت کرنا حماقت ہے۔

۲؎ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ غلام مولیٰ کی بغیر اجازت ہجرت نہیں کرسکتا۔دوسرے یہ کہ بیعت فسخ نہیں ہوسکتی کہ حضور نے اسے خرید لیا مگر اس کی بیعت فسخ نہ کی۔تیسرے یہ کہ غیر سودی مال میں زیادتی کمی جائز ہے۔چنانچہ ایک بکری دو کے عوض فروخت کرسکتے ہیں کیونکہ حیوان سودی مال نہیں کہ یہ نہ کیلی ہے نہ وزنی،ہاں حیوان کی حیوان سے ادھار بیع ناجائز ہے،حضرت رافع ابن خدیج نے ایک اونٹ دو کے عوض بیچا۔

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ چھوہاروں کے معلوم پیمانہ کے عوض چھوہاروں کا وہ ڈھیر بیچا جائے جس کا پیمانہ معلوم نہیں ۱؎(مسلم)	

۱؎ یعنی دو طرفہ کھجوریں ہوں،ایک جانب کی کھجوروں کا وزن معلوم ہو مگر دوسری کا معلوم نہ ہو،چونکہ یہ مال سودی ہے اور اس نامعلومیت کی وجہ سے سود ہوجانے کا اندیشہ ہے،ممکن ہے کہ وہ نامعلوم ڈھیر اس سے کم یا زیادہ ہو اس لیے منع فرمایا

گیا،روپے یا گندم کے عوض کھجور کا نامعلوم ڈھیر خریدنا ناجائز ہے۔مشکوۃ کے اس نسخے میں مَکِیْلَتُھَا ہے بمعنی مقدار کیل،اشعہ کے نسخے میں بِکَیْلِھَا بمعنی کیل و پیمانہ۔

	روایت ہے حضرت فضالہ ابن ابی عبید سے فرماتے ہیں میں نے خیبر کے دن بارہ دینار کے عوض ایک ہار خریدا جس میں سونا بھی تھا اور موتی کے منکے بھی میں نے اسے کھول ڈالا تو اس میں سونا بارہ دینار سے زیادہ پایا ۱؎ تو اس کا ذکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا حضور انور نے فرمایا ایسے ہار بغیر جدا کیے نہ بیچے جائیں ۲؎ (مسلم)

۱؎ اس طرح کے ہار کے سونے کا وزن بارہ دینار کے وزن سے زائد تھاتو مجھے سونا زیادہ ملااورموتی کے منکے اس کے علاوہ۔
۲؎ کیونکہ ایسی تجارت میں سود کا قوی اندیشہ ہے اگر یہاں ہار کا سونا برابر بھی ہوتا تب بھی سود تھا کہ موتی زائد تھے ایسی صورت میں دینار ہار کے سونے سے زائد چاہئیں تاکہ زیادتی موتی کے مقابل ہوجائے اور عقد میں سود نہ رہے۔ خیال رہے کہ اس موقعہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آئندہ کے لیے تو ایسی تجارت کی ممانعت فرمادی مگر یہ بیع رد نہ فرمائی اور خریدار کو واپسی کا حکم نہ دیاکیونکہ اس زمانہ میں مسئلہ سے ناواقفی عذر تھی کہ قانون سود پورے طور پر نہ واضح ہوا تھا نہ مشتہر،اب اگر ایسا عقد کوئی ناواقفی سے کرے تو واپسی کرنا ہوگا جڑاؤ سنہری ہار اگر سونے کے عوض بیچا جائےتو سونے کا وزن معلوم ہونا بھی ضروری ہےاور جو سونا ہار کے عوض دیا جائے اس کا زیادہ ہونا بھی لازم تاکہ یہ زیادتی ہار کے موتی وغیرہ کے عوض ہوجائے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ آپ نے فرمایا لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا جب کہ سود کھائے بغیر کوئی نہ رہے گا ۱؎ اگر سود نہ بھی کھائے گا تو اسے سود کا اثر ضرور پہنچے گا یہ بھی روایت ہے کہ اس کا غبار پہنچے گا ۲؎ (احمد،ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ)

۱؎ اس طرح کہ سود کا رواج عام ہوجائے گا اور ہر شخص بلاواسطہ یا بالواسطہ کبھی نہ کبھی سود کھا ضرور لے گاجیسا کہ آج کل ہورہا ہے کوئی کاروبار بغیر بینک کے نہیں چلتااور کوئی بینک بغیر سود کے لین دین نہیں کرتا،اب اس سودی روپیہ سے جو کاروبار ہوگا اس میں سود ضرور شامل ہوگا۔

۲؎ یعنی اس زمانہ میں بعض لوگ سود لیں گے،بعض دیں گے،بعض سود کی گواہی تحریر وغیرہ کریں گے،بعض لوگ ان سودی کاروبار والوں کے گھر دعوت کھائیں گے،بعض لوگ ان سے دینی کاموں میں چندہ لیں گے،بہرحال یہ سودی پیسہ کسی نہ کسی ذریعہ ہر جگہ ضرور پہنچے گا۔
مسئلہ: جس کی آمدنی مخلوط ہو کہ حلال بھی ہو حرام بھی اس کے ہاں ملازمت کر کے تنخواہ لینا،اس سے چند ہ لینا،اس کے ہاں دعوت کھانا وغیرہ سب کچھ جائز ہے،ہاں خالص حرام کمائی والے کے ہاں نہ ملازمت جائز نہ ان سے یہ معاملات درست۔(کتب فقہ)اسی لیے یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سود عام ہوجانے کی خبر دی مگر ان سب لوگوں کو فاسق یا گنہگار نہ فرمایا سود خوار فاسق ہے مگر جسے سود کا غبار یا بخار پہنچے اسے فاسق نہیں کہہ سکتے،دیکھو رب تعالٰی نے موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے ہاں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ابو طالب کے ہاں پرورش کے لیے رکھا،ان کی کمائیاں یقینًا مخلوط تھیں،خالص حلال نہ تھیں،اگر مخلوط مال کی دعوت یا چند ہ حرام ہوتے،تو رب تعالٰی اپنے کلیم و حبیب صلوۃ اللہ علیہما وسلامہ کی پرورش ان کے ہاں نہ کراتا،نیز اگر مخلوط مال سے یہ سارے معاملہ بند کردیئے جائیں تو آج کوئی دینی ادارہ مدرسے،مسجدیں،خانقاہیں آباد نہیں رہ سکتے کہ ان میں ہر شخص سے چندہ لیا جاتا ہے خالص حلال کی تحقیق نہ کرتے ہیں نہ کرسکتے ہیں،یہ مسئلہ ضرور خیال میں رکھاجائے۔اس قاعدے سے آج کل کے بینک وغیرہ محکموں کی نوکریوں کا حال بھی معلوم ہوگیا۔یہ ضرور ہے کہ اس وقت خالص حلال روزی ملنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔

روایت ہے حضرت عبادہ ابن صامت سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سونا سونے کے عوض اور چاندی کے عوض چاندی،گیہوں کے عوض گیہوں،جو کے عوض جو،چھوہارے چھوہارے کے عوض اور نمک نمک کے عوض نہ بیچو مگر برابر برابر۱؎ نقد نقد سے ہاتھ بہ ہاتھ ۲؎ لیکن سونے کو چاندی کے عوض اور چاندی کو سونے کے عوض اور گیہوں کو جو کے عوض اور جو کو گیہوں کے عوض،چھوہارے نمک کے عوض ہاتھ بہ ہاتھ جیسے چاہو بیچو ۳؎(شافعی)	

۱؎ خیال رہے کہ وزنی چیزوں کی برابری وزن سے ہوگی اور کیل یعنی ماپ والی چیزوں کی برابر ماپ سے،شریعت میں سونا چاندی وزنی ہیں اور گندم جو کیلی،تو سونے چاندی دھاتوں کو وزن میں برابر کرکے خرید و فروخت کرواور گندم جو کو ٹوپہ پیمانہ سے برابر کرکے فروخت کرو لہذا ایک سیر بھاری گندم کی بیع ایک سیر ہلکی گندم سے ناجائز ہے کہ یہ وزن میں تو برابر ہوئے مگر پیمانہ میں برابر نہیں لیکن گندم پیمانہ میں کم آئے گی وزن میں زیادہ ایسے ہی ایک سیر گندم کی بیع ایک سیر گندم کے آٹے سے ناجائز ہے کہ ایک سیر آٹا زیادہ گندم کا ہوتا ہے۔(از مرقات)
۲؎ یعنی ہم جنس و ہم وزن چیزوں کی بیع میں زیادتی کمی بھی حرام ہے اور ادھار بھی حرام،برابر دو اور دو طرفہ نقد دو اور ہم وزن تو ہوں مگر ہم جنس نہ ہوں جیسے گندم وجو یا ہم جنس تو ہوں ہم وزن نہ ہوں جیسے اخروٹ یا انڈے کہ گن کر فروخت

کیے جاتے ہیں تو ان میں زیادتی کمی جائز مگر ادھار حرام اور جنس و وزن دونوں میں مختلف ہوں تو کمی بیشی بھی حلال اور ادھار بھی درست جیسے روپیہ پیسہ سے مذکورہ چیزوں کی خرید و فروخت،اس کی تفصیل کتب فقہ میں ملاحظہ کرو۔
۳؎ یعنی چونکہ ان کی جنسیں مختلف ہیں لہذا ان میں زیادتی کمی حلال ہے لیکن ہم وزن میں ادھار حرام ہوگا جیسا کہ پہلے حدیث میں اور ابھی شرح میں گزر چکا۔(مرقات و لمعات)

	روایت ہے حضرت سعد ابن ابی وقاص سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ آپ سے کھجور چھوہاروں کے عوض خریدنے کے متعلق پوچھا گیا ۱؎ تو فرمایا کیا کھجور خشک ہو کر کم ہوجاتی ہے ۲؎ عرض کیا ہاں تب آپ نے اس سے منع فرمادیا ۳؎(مالک،ترمذی،ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ)

۱؎ اگر تر کھجور خشک چھوہاروں کے عوض برابر برابر فروخت کی جائے تو درست ہے یا نہیں کہ اس وقت تو برابر ہی ہیں،سوال نہایت اعلیٰ ہے۔
۲؎ یہ سوال ناواقفی کی بنا پر نہیں کہ تر کھجور کا خشک ہو کر کم ہوجانا بالکل ظاہر ہے،خصوصًا اہل عرب پر خصوصًا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بلکہ آئندہ جواب کی تمہید کے لیے ہے جیسا کہ روش کلام سے ظاہر ہے۔(مرقات)
۳؎ امام شافعی و صاحبین کے ہاں تر کھجور و خرما کی بیع برابر برابر بھی ناجائز ہے اس حدیث کی بنا پر مگر ہمارے امام اعظم کے ہاں برابر برابر کی بیع درست ہے۔اولًا تو یہ حدیث ضعیف ہے اس سے حرمت جیسا مسئلہ ثابت نہیں ہوسکتا۔(اشعہ)اگر حدیث صحیح بھی ہو تو اس سے ادھار کی بیع مراد ہوگی کہ ایک جنس میں ادھار کی بیع حرام ہے دوسری روایات میں لفظ نسیئۃ آیا بھی ہے،انگور کی بیع کشمش یا منقے سے،تازہ گوشت کی بیع خشک گوشت سے اسی اختلاف پر ہے کہ امام اعظم کے ہاں برابر برابر کی درست دیگر آئمہ کے ہاں ممنوع۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت سعید ابن مسیب سے(ارسالًا)۱؎ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جانور کے عوض گوشت بیچنے سے منع فرمایا ۲؎ حضرت سعید فرماتے ہیں کہ یہ زمانہ جاہلیت کے جوئے سے تھا ۳؎(شرح سنہ)

۱؎ حضرت سعید ابن مسیب افضل تابعین سے ہیں،انہوں نے بغیر ذکر صحابہ حدیث کو حضور سے روایت فرمادیا،اسی کا نام ارسال ہے،حدیث مرسل امام شافعی کا ہاں معتبر نہیں،ہمارے ہاں معتبر ہیں۔
۲؎ اس حدیث کے ظاہری معنی پر حضرت امام شافعی کا عمل ہے،ان کے ہاں گوشت جانور کے عوض فروخت کرنا مطلقًا ممنوع ہے،خواہ گوشت اور جانور ایک ہی جنس کے ہوں یا مختلف جنس کے اور خواہ جانور حلال ہو یا حرام۔چنانچہ ان کے ہاں گائے کے گوشت کے عوض گدھا خریدنا بھی حرام ہے اور بکری کا گوشت خریدنا بھی حرام،امام محمد کے ہاں اگر جانور حلال ہو اور گوشت و جانور ہم جنس ہوں تو گوشت جانور کے گوشت سے زیادہ ہونا ضروری ہے،اگر بکری میں دس سیر گوشت ہے تو دوسرا گوشت بارہ تیرہ سیر چاہیے اور اگر جانور و گوشت زیادہ چاہیے تاکہ زیادتی کھال وغیرہ کے عوض ہوجائے اور اگر جانور و گوشت

مختلف الجنس ہوں تو مطلقًا بیع درست ہے،امام اعظم کے ہاں یہ کوئی قید نہیں ان کے ہاں جانور کی بیع گوشت کے عوض ہر طرح جائز ہے اور اس حدیث میں ادھار بیع مراد ہے یعنی جانور کو گوشت کے عوض نقد بیچنا تو حلال ہے ادھار بیچنا حرام کہ جانور موٹا پتلا ہوتا رہتا ہے اور گوشت کا ادھار میں تعین مشکل ہوتاہے۔(لمعات و مرقات)

۳؎ یعنی کفار عرب کھیل کا بھی جوا کرتے تھے اور عقد کا بھی،یہ جانور و گوشت کی بیع کو عقد کا جُواقرار دیتے تھے کہ اگر جانور میں گوشت سے زیادہ نکل آیا تو گوشت والا جیت گیا اور اگر کم نکلا تو جانور والا جیت گیا گوشت والا ہار گیا۔

روایت ہے حضرت سمرہ ابن جندب سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جانور کی جانور کے عوض ادھار تجارت سے منع فرمایا ۱؎(ترمذی،ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ،دارمی)	

۱؎ اس مسئلہ کی تحقیق اور اس میں صحابہ و تابعین اور آئمہ دین کا اختلاف پہلے بیان ہوچکا کہ بعض کے ہاں اگر دو طرفہ جانور ادھار ہوں تو بیع ناجائز ہے،اگر ایک طرفہ ادھار ہو ایک طرف نقد تو درست ہے۔ہمارے ہاں جانور کی جانور سے ادھار بیع مطلقًا منع ہے،یہ حدیث ہماری دلیل ہے کہ اس میں کوئی تفصیل نہیں۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن عاص سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک لشکر کے سامان تیار کرنے کا حکم دیا ۱؎ تو اونٹ ختم ہوگئے ۲؎ تو حضور صلی اللہ علیہ و سلم نے انہیں حکم دیا کہ صدقہ کی اونٹنیوں کے عوض لے لیں تو وہ صدقہ کے اونٹ آنے تک ایک اونٹ دو اونٹوں کے عوض لیتے تھے ۳؎(ابوداؤد)	

۱؎ یعنی حکم دیا کہ لشکر کو سواریوں ہتھیاروں اور دیگر سامان سے لیس کردیں۔

۲؎ یعنی بعض سپاہیوں کو اونٹ نہ ملےاونٹ ختم ہوگئے اور سپاہی بچ رہے کہ اونٹ کم تھے اور سپاہی زیادہ تھے۔

۳؎ اس کی صورت یہ ہے کہ آج لوگوں سے اونٹ خرید لواور ان تاجروں سے وعدہ کرلو کہ جب زکوۃ کے اونٹ آئیں تو تم کو ایک کے عوض دو اور دو کے عوض چار دیئے جائیں گے۔ یہ حدیث ان لوگوں کی دلیل ہے کہ جو جانور کے ادھار کی بیع جائز کہتے ہیں،ہمارے امام صاحب فرماتے ہیں کہ اولًا تو یہ حدیث ہی ضعیف ہے،اس ضعیف حدیث سے استدلال درست نہیں اور اگر صحیح بھی ہو تو منسوخ ہے،یہ حکم اس وقت تھا جب کہ اسلام میں سود حرام نہ ہوا تھا،ہماری دلیل حضرت سمرہ کی حدیث ہے جو ابھی گزرگئی کہ وہ حدیث صحیح بھی ہے اور غیر منسوخ بھی۔اس حدیث میں ایک اشکال یہ بھی ہے کہ ادھار کی بیع میں وقت ادا مقرر ہونا چاہیےاور زکوۃ کے اونٹوں کی وصولی کا وقت مقرر نہیں،ہر شخص اپنا سال گزرنے پر زکوۃ دیتا ہے زکوۃ کے لیے کوئی مہینہ یا تاریخ مقرر نہیں ہوسکتی،غرضکہ یہ حدیث کسی طرح قابل عمل نہیں ضعیف ہے منسوخ ہے یا مجمل یا مشکل ہے،حدیث سمرہ اس پر ترجیح رکھتی ہے۔(لمعات)

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت اسامہ ابن زید سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سود ادھار میں ہے ایک روایت میں یوں ہے جو ہاتھ بہ ہاتھ نقد ہو اس میں سود نہیں[1] (مسلم،بخاری)

[1]یہ حصر اضافی ہے نہ کہ حقیقی جیسے رب کا فرمان"اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ"میں کہ قرآن کریم نے جو صرف چھ جانوروں کی حرمت بیان کی حصر کے طریقہ پر یہ مشرکین کے بجیرہ سائبہ وغیرہ کے مقابلہ میں ہے ورنہ کتا گدھا وغیرہ بھی حلال نہیں ہے۔کسی شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم کو برابر برابر فروخت کرنے کے متعلق دریافت کیا ہوگا،یا مختلف الجنس کو زیادتی کمی سے بیچنے کے بارے میں پوچھا ہوگا تو فرمایا ان صورتوں میں سود صرف ادھار میں ہوگا نقد میں نہیں،ایک سیر گندم دوسیر جو کے عوض یا ایک سیر گندم ایک سیر گندم کے عوض نقد بیچ سکتے ہیں ادھار نہیں لہذا **الربو** میں الف لام عہدی ہے یعنی ان کا ربٰو صرف ادھار میں ہے اور ہوسکتا ہے کہ الف لام استغراقی ہو یعنی ادھار میں مطلقًا زیادہ حرام ہے خواہ دونوں کے عوض و قدر میں یکساں ہوں یا صرف جنس میں یا صرف قدر میں یکساں ہوں،نقد کی تجارت میں ربٰو جب حرام ہوگا جب کہ دونوں عوض جنس میں بھی ایک ہوں وزن میں بھی لہذا یہ حدیث گزشتہ **مثلاً بمثلٍ** کے خلاف نہیں۔(لمعات،اشعہ،مرقات)

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن حنظلہ سے جنہیں فرشتوں نے غسل دیا[1] فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کا ایک درہم جو جانتے ہو انسان کھائے[2] وہ چھتیس بار زنا سے سخت تر ہے[3] (احمد،دارقطنی) بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابن عباس سے روایت کی وہاں یہ زیادتی ہے کہ فرمایا جس کا گوشت حرام سے اگا ہوگا تو آگ اس سے بہت قریب ہوگی[4]

[1]غسیل ملائکہ حضرت حنظلہ کی صفت ہے نہ کہ عبداللہ کی،حضرت حنظلہ غزوہ احد کے دن نو عروس تھے،ابھی جنابت سے غسل نہ کیا تھا کہ اعلان جہاد ہوگیا،بغیر غسل کیے چلے گئے اور شہید ہوگئے،انہیں حضرت جبریل و میکائیل نے غسل دیا،ان کی نعش شریف سے پانی ٹپک رہا تھا اسی لیے ان کا لقب غسیل الملائکہ ہوا،ان کے بیٹے حضرت عبداللہ بھی صحابی ہیں،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت سات سالہ تھے،انصار کے سردار تھے،یزید ابن معاویہ کی بیعت مع انصار مدینہ کے آپ نے توڑ دی اور حرہ کے دن اپنے سات بیٹوں کے ساتھ یزیدی لشکر کے ہاتھوں شہید ہوئے،بڑے متقی و پرہیزگار تھے۔(اشعہ)

۲؎ کھانے سے مراد ہے سود لیناخواہ کھائے یا پہنے یا کسی اور استعمال میں لائے یا صرف جمع کرکے رکھے،چونکہ تمام استعمالات میں کھانا زیادہ اہم ہےاس لیے اس کا ذکر فرمایا،ہماری اصطلاح میں بھی سود لینے والے کو سود خوار یعنی سود کھانے والا کہا جاتا ہے،ایک درہم سے مراد معمولی سامال ہے۔جاننے کی قید اس لیے لگائی کہ بے علمی میں اگر سود کا پیسہ استعمال میں آجائے تو گناہ نہیں اسی لیے مخلوط کمائی والے کے ہاں دعوت وغیرہ کھانا جائز ہے کہ ہمیں خبر نہیں کس مال سے کھانا پکایا گیا۔

۳؎ ایک سود کے چھتیس زنا سے بدتر ہونے کی چند وجہیں ہیں:زنا حق اللہ ہے اور سود حق العباد جو توبہ سے معاف نہیں ہوتا،سود خوار کو اللہ رسول سے جنگ کا اعلان ہےزانی کو یہ اعلان نہیں،سود خوار کو خرابی خاتمہ کااندیشہ ہےزانی کے متعلق یہ اندیشہ نہیں،سود خوار مقروض اوراس کے بال بچوں کو تباہ کرتاہےاسی لیے سود خوارپر زیادہ سختی ہے۔(لمعات،مرقات)نیز عمومًا مسلمان زنا سے تو نفرت کرتے ہیں مگر سود سے نہیں،حکومتیں اور گناہوں کو روکنے کی کوشش کرتی ہیں مگر سود کو رواج دیتی ہیں اس سے بچنا مشکل ہے۔

۴؎ یعنی جیسے مٹی کے تیل میں بھیگا ہوا کپڑا آگ میں جل جاتا ہےایسے ہی سود،رشوت،جوئے،چوری وغیرہ حرام مال سے پیدا شدہ گوشت دوزخ کی آگ میں بہت جلد جلے گا،چونکہ غذا سے خون اور خون سے گوشت بنتا ہےاس لیے غذا بہت پاکیزہ ہونی چاہیے،حرام غذا کا اثر سارے بدن پر پڑتا ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کے ستر حصے ہیں جن سے کمترین حصہ یہ ہے کہ انسان اپنی ماں سے زنا کرے ۱؎	

۱؎ یعنی ماں سے زنا کرنا جب کمترین درجہ ہواتو بقیہ درجے اس سے زیادہ سخت ہوں گے،چونکہ اہلِ عرب سود کے بہت زیادہ عادی تھے،ان سے سود چھوڑناآسان نہ تھااس لیے سود پر زیادہ وعیدیں وارد ہوئیں۔خیال رہے کہ زنا اکثر مرد عورت کی رضا مندی سے بلکہ زیادہ ترعورت کی رضا سے ہوتا ہے اسی لیے رب تعالٰی نے زنا میں عورت کا ذکر پہلے فرمایا۔کہ فرمایا"اَلزَّانِیَةُ وَ الزَّانِیْ"مگر سود میں مقروض کی رضا قطعًا نہیں ہوتی،اس وجہ سے بھی سود کے احکام سخت تر ہیں کہ یہ گناہ بھی ہے اور ظلم بھی صرف مقروض پر نہیں بلکہ اس کے سارے بچوں پر سود خوار ایک تیر سے بہت سوں کا شکار کرتا ہے۔

روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سود اگرچہ بہت ہو مگر انجام کمی کی طرف لوٹتا ہے ۱؎ یہ دونوں حدیثیں ابن ماجہ بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیں اور احمد نے آخری حدیث روایت کی۔	

۱؎ یہ فرمان مسلمان کے لیے ہے کہ سود کا انجام قلّت و ذلت ہے،اس کا بہت تجربہ ہے،فقیر نے بڑے بڑے سود خوار آخر برباد بلکہ ذلیل و خوار ہوتے دیکھے،بعض جلد اور بعض دیر سے،سود کا پیسہ اصل مال بھی لینے و برباد کرنے آتا ہے،اگر کفار کو پھل جائے تو پھل سکتا ہے،ہر ایک کی غذا مختلف ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ نے ہم شبِ معراج اس قوم پر پہنچے جن کے پیٹ کوٹھڑیوں کی طرح تھے جن میں سانپ تھے جو پیٹوں کے باہر دیکھے جارہے تھے ا؎ہم نے کہا اے جبریل یہ کون ہیں انہوں نے عرض کیا ۲؎یہ سود خوار ہیں۔(احمد،ابن ماجہ)۳؎	

ا؎حدیث بالکل ظاہر ہے کسی تاویل کی ضرورت نہیں،حضور انور کی نگاہ حقیقت بین اور آخر بین ہےاس لیے آپ کی نگاہ نے وہ واقعہ دیکھ لیا جو آئندہ بعد قیامت ہونے والا تھاورنہ اس وقت تو دوزخ میں کوئی نہ تھا،دوزخ و جنت میں سزا و جزا کے لیے داخلہ بعد قیامت ہوگااور چونکہ سود خوار ہوسی ہوتا ہے کہ کھاتا تھوڑا ہے حرص وہوس زیادہ کرتا ہےاس لیے ان کے پیٹ واقعی کوٹھڑیوں کی طرح ہوں گے،لوگوں کے مال جو ظلمًا وصول کیے تھے وہ سانپ بچھو کی شکل میں نمودار ہوں گے۔آج اگر ایک معمولی کیڑا پیٹ میں پیدا ہوجائے تو تندرستی بگڑ جاتی ہے،آدمی بے قرار ہوجاتا ہےتو سمجھ لو کہ جب اس کا پیٹ سانپوں،بچھوؤں سے بھر جائے تو اس کی تکلیف و بے قراری کا کیا حال ہوگارب کی پناہ۔

۲؎غالب یہ ہے کہ یہ واقعہ جسمانی معراج کا ہے صرف منامی یعنی خواب کی معراج کا نہیں کیونکہ جبریل امین کا ساتھ ہونااور یہ سوال و جواب اس بیداری کی جسمانی معراج میں ہوئے ہیں۔

۳؎اس سے معلوم ہوا کہ اگرچہ سود دینا بھی حرام ہےجرم ہےمگر سود لینا زیادہ سخت جرم ہے کہ حضور انور نے سود خوار کا یہ حال ملاحظہ فرمایا کہ سود خوار گنہگار بھی ظالم بھی،سود دینے والا گنہگار ہے مگر ظالم نہیں بلکہ مظلوم۔

روایت ہے حضرت علی سے کہ انہوں نے رسول اللہ کو سنا کہ آپ نے سود کھانے والے اور کھلانے والے لکھنے والے زکوۃ نہ دینے والے پر لعنت فرمائی۱؎اور آپ نے نوحہ سے منع فرماتے تھے ۲؎(نسائی)	

ا؎ ظاہر یہ ہی ہے کہ صدقہ سے مراد صدقہ واجبہ یعنی زکوۃ ہے یا زکوۃ بھی اور فطرہ و قربانی بھی یعنی جس مسلمان پر یہ صدقے واجب ہوں مگر نہ دے تو اس پر لعنت فرمائی،سود دینے والا لکھنے والا چونکہ سود خوار کے گناہ پر معاون و مددگار ہیں اس لیے سب لعنت میں آگئے،مسلمان اپنے خرچ کم کردیں،ضروریات کو حتی الامکان مختصر کریں مگر سودی قرض سے بچیں مسلمان اکثر مقدمہ بازیوں اور شادی غمی کی حرام رسموں میں سودی قرض لیتے ہیں۔

۲؎مردے کے غلط اوصاف بیان کرکے بلند آواز سے رونا قولی نوحہ ہےجیسے ہائے میرے پہاڑ،ہائے گھوڑی کے سوار وغیرہ اور پیٹنا،بال نوچنا،کپڑے پھاڑنا،سینہ کوٹنا،ماتم کرنا،عملی نوحہ یہ تمام ہی لعنت کا باعث اور سخت ممنوع ہے،رب تعالٰی نے صبر کا حکم دیا ہے نہ کہ کپڑے پھاڑ نے اور چیخنے چلانے کا۔

روایت ہے حضرت عمر ابن خطاب سے کہ جو آخری آیت اتری وہ سود کی آیت ہے ا؎اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی سود کی پوری تشریح نہ کی ۲؎لہذا بچو سود سے بھی	

	اور شک و شبہ سے بھی ۳؎(ابن ماجہ،دارمی)

۱؎یعنی احکام کی آیات میں سب سے آخر سود کی آیت اتری،اس کے بعد احکام شرعیہ کی کوئی آیت نہ آئی لہذا یہ محکم ہے منسوخ نہیں،وہ آیت یہ ہے"اَلَّذِیۡنَ یَاۡکُلُوۡنَ الرِّبٰوا"الخ لہذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ سب سے آخری آیت"اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیۡنَکُمْ"الخ ہے کہ مطلقًا آخری یہ آیت ہےاور معاملات و احکام آخری آیت سود کی آیت ہے۔

۲؎یعنی حضور انور اس آیت کے نزول کے بعد بہت کم ظاہری حیات سے دنیا میں رہےاور جس قدر زمانہ حضور انور کو ملا وہ دوسرے اہم کاموں میں گزرااس لیے اس آیت سود کی تفصیلی تفسیر نہ ہوسکی،صرف چھ چیزوں میں سود کی حرمت کی تفصیل فرمائی،نیز سود کی تفصیل قدرے واضح بھی تھی‌اور حضور انور نے چھ چیزوں کی تصریح فرماکر علماء امت کو قوانین سود کی رہبری بھی فرمادی تھی،اصول مقررکر دیئے تھے ان وجوہ سے تفصیل کی چنداں ضرورت نہ رہی تھی،پھر بعد میں علماء امت نے اس مسئلہ کو بھی بالکل واضح کردیالہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ دین اسلام پورا واضح نہ ہوا کہ ایک مسئلہ مخفی رہ گیا،اصول تو اس کے بھی واضح ہوگئے،فروع مسائل بعد میں واضح ہوئے۔(از مرقات) ۳؎یعنی جن چیزوں کی تصریح حضور انور نے فرمادی‌ان میں بھی سود نہ لو،ان کے علاوہ دیگر چیزوں میں بھی سود سے بچو،جن میں سود یقینی ہے ان میں بھی نہ لو،جہاں سود کا شک ہو وہاں بھی بچو،وہم کا اعتبار نہیں شک ووہم میں فرق ہے،دلیل سے پیدا ہونے والا شبہ شک کہلاتا ہے بلا دلیل شبہ وہم ہے۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم میں سے کوئی کچھ قرضہ کسی کو دے پھر مقروض اسے کچھ ہدیہ دے یا اسے اپنے گھوڑے پر سوار کرے تو سوار نہ ہو نہ ہدیہ قبول کرے ۱؎مگر اس صورت میں کہ ان دونوں کی آپس میں یہ رسم پہلے سے جاری ہو ۲؎(ابن ماجہ،بیہقی شعب الایمان)

۱؎یعنی اگر قرض خواہ و مقروض میں پہلے سےہدیہ کے لین دین یا اور خدمات کا دستور نہ تھا،قرض لینے کے بعد مقروض ہدیہ لایایا عاریۃً گھوڑا وغیرہ پیش کیاتو ظاہر یہ ہے کہ قرض کی وجہ سے وہ یہ سب کچھ کررہا ہے،اس میں بھی سود کا اندیشہ ہے کہ جو قرض نفع دے وہ سود ہے اور ہدیہ اور گھوڑے کی سواری بھی تو نفع ہی ہے،جو اس قرض کا باعث ہوالہذا اس میں سود کا احتمال ہے،ہمارے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سخت تیز دھوپ میں اپنے مقروض کی دیوار کے سایہ میں نہ کھڑے ہوئے دھوپ میں کھڑے رہے،عرض کرنے پر فرمایا کہ ڈرتا ہوں یہ سایہ سود نہ بن جائے۔

۲؎کہ اب یہ ہدیہ قرض کی وجہ سے نہیں بلکہ پرانی دوستی کے سبب ہے،یہ ہی حکم حکام کے ہدایا اور دعوتوں کا ہے کہ وہ عام دعوتوں میں جاسکتے ہیں‌اور ان کے ہدیے اور خاص دعوتیں قبول کرسکتے ہیں‌جن کے سات حکومت ملنے سے پہلے ہی یہ

تعلقات ہوں،حاکم بننے پر نہ کسی کی خاص دعوت کھائیں نہ ہدیےلیں کہ یہ بھی رشوت ہیں،لوگ دعوتیں اور ہدیے دے کر وقت پر اپنا کام نکالتے ہیں،ظلم کراتے ہیں۔

	روایت ہے ان ہی سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں جب کوئی شخص کسی کو قرض دے تو اس سے ہدیہ قبول نہ کرے ۱؎(بخاری اپنی تاریخ میں)اسی طرح منتقیٰ میں ہے ۲؎

۱؎خیال رہے کہ یہ ممانعتیں تنزیہی اور احتیاطی ہیں جن میں تقویٰ کا حکم دیا گیاورنہ حقیقتًا سود وہ ہی ہے جس کی شرط لگائی جائے یا عرفًا مشروط ہو،امام مالک فرماتے ہیں کہ قرض خواہ اور حاکم ایسے ہدیے ہر گز قبول نہ کرےاور اگر قبول کرنا پڑ جائے تو اس کے عوض دے دے۔(مرقات مع زیادۃ)

۲؎منتقیٰ بروزن مصطفٰی یا مجتبیٰ،حنبلی علماء میں سے ایک فقیہ عالم کی کتاب ہےجس میں فقہی مسائل کی ترتیب سے احادیث جمع کی گئی ہیں،اس کے مؤلف امام احمد ابن حنبل کے ساتھیوں میں سے کوئی صاحب ہیں۔ (اشعہ،لمعات،مرقات)

	روایت ہے حضرت ابوبردہ ابن موسیٰ سے فرماتے ہیں میں مدینہ منورہ آیا ۱؎تو حضرت عبداللہ ابن سلام سے ملا آپ نے فرمایا تم اس جگہ رہتے ہوجہاں سود پھیلا ہوا ہے ۲؎تو اگر تمہارا کسی پر کچھ حق ہو پھر وہ تمہیں بھوسے یا جو کا بوجھ دے ۳؎یا چارے کا گٹھا دے تو ہر گز نہ لو کہ یہ سود ہے ۴؎(بخاری)

۱؎حضرت ابوبردہ جناب ابو موسیٰ اشعری کے صاحبزادے تھے اور تابعین سے تھے،کوفہ کے قاضی القضاۃ مدینہ منورہ زیارت و سلام کے لیے حاضر ہوئے،اس زمانہ میں جو صحابہ کرام موجود تھے ان سے ملاقات کی،ان میں حضرت عبداللہ ابن سلام بھی تھے،یہاں اس ملاقات کا واقعہ بیان فرمارہے ہیں۔

۲؎یعنی عراق میں اب بھی سود کا لین دین عام ہے،بعض مسلمان بھی غلطی سے سود کا لین دین کرلیتے ہیں اسے سود سمجھتے ہی نہیں۔

۳؎جو تم خود تو نہ کھاؤ گے اپنے جانوروں کو کھلاؤ گے وہ بھی قبول نہ کرو کہ وہ ملکیت میں تو تمہاری ہی آئے گا،پھر جو بھی کھائے مجرم تم ہو گے۔

۴؎قَتٌّ ق کے فتح ت کے شد سے بمعنی ہرا چارہ جسے عربی میں رطب اور ابّ بھی کہتے ہیں،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَ اَبًّا مَّتٰعًا لَّكُمْ"مکہ معظّمہ میں اسے ہرسوم کہا جاتا ہے۔خلاصہ یہ ہے کہ مقروض سے اپنے جانور کے لیے ہری گھاس بھی نہ لو کہ یہ بھی سود ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ اپنے جانور کو بھی حرام غذا نہ کھلائے،یہ بھی معلوم ہوا کہ سود یا رشوت لے کر دوسرے کو دے دینے سے بھی مجرم بری نہ ہوجائے گاوہ گنہگار ہی رہے گا،بعض لوگ اپنا جانور دوسرے کے کھیت میں

چرالیتے ہیں یہ بھی چوری ہے،اس چارے سے جو دودھ حاصل ہوگا مشکوک ہوگا بہت احتیاط چاہیے،اس حدیث میں غور کرو اپنے معاملات سنبھالو۔

باب المنھی عنھا من البیوع

باب جن تجارتوں سے ممانعت کی گئی ۱؎

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ ممنوع تجارتیں چند قسم کی ہیں:بیع فاسد،بیع باطل،بیع مکروہ۔بیع فاسد کرنا منع ہے مگر بعد قبضہ مفید ملک ہے اور بیع باطل بالکل ملک کا فائدہ نہیں دیتی،نہ قبضہ سے پہلے نہ بعد میں،بیع مکروہ مطلقًا مفید ملک ہے اگرچہ ایسا کرنا اچھا نہیں جیسے اذان جمعہ ہوچکنے کے بعد نماز جمعہ سے پہلے تجارت کہ اس کا کرنا برا لیکن بیع درست ہوگی۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزابنہ سے منع فرمایا۱؎ وہ یہ ہے کہ اگر کھجور ہو تو اپنے باغ کے پھل خشک کھجور کے عوض ناپ سے فروخت کرے اور اگر انگور کا کھیت ہو تو انگور کشمش کے عوض ناپ سے فروخت کرے ۲؎ اور مسلم کے نزدیک یہ ہے ۳؎ کہ اگر کھیت ہو تو تردانہ خشک دانوں کے عوض ناپ سے بیچے ان سب سے منع فرمایا۴؎ (مسلم،بخاری)ان ہی دونوں میں ایک روایت یوں ہے کہ مزابنہ سے منع فرمایا اور فرمایا کہ مزابنہ یہ ہے کہ درخت میں لگی کھجوریں معین پیمانے چھوہاروں کے عوض بیچے کہ اگر زیادہ ہوں تو میری اور اگر کم ہو تو مجھ پہ ۵؎	

۱؎ مزابنہ زبن سے بنا بمعنی دفع کرنا،ختم کرنا،چونکہ اس بیع کو بعد میں ایک شخص جاری رکھنا چاہتا ہے دوسرا جسے نقصان نظر آئے فسخ کرنا چاہتا ہے اس لیے اسے مزابنہ کہتے ہیں،یعنی دفع کی جانے والی بیع۔

۲؎ خلاصہ یہ ہے کہ خشک پھل ہم جنس تر پھلوں کے عوض جو درخت پر لگے ہیں فروخت کرنا کہ خشک پھل کا وزن تو معلوم ہوا مگر درخت پر لگے ہوئے تر پھلوں کا وزن معلوم نہ ہو صرف اندازہ ہو یہ حرام ہے کہ اس میں سود کا احتمال قوی ہے،ہاں اگر جانبین کے پھل مختلف الجنس ہوں تو مضائقہ نہیں۔

۳؎ یعنی بخاری و مسلم کی روایتوں میں اَوْ اور اِنْ کا فرق ہے کہ بخاری میں اَو کان اور مسلم میں اِن کان۔

۴؎ طعام سے مراد گندم ہے یا تمام دانے یعنی کھیت میں درختوں میں لگے ہوئے گندم کے خوشے،دوسری خشک گندم کی عوض فروخت کرنا منع ہے کہ خشک گندم کا وزن تو معلوم ہے مگر خوشے کی گندم کا وزن معلوم نہیں اور مال ربوی ہے جس میں زیادتی کمی سود ہے لہٰذا اس بیع سے بچے۔
۵؎ یعنی خریدار کہے کہ تیرے باغ میں لگی ہوئی کھجوریں جتنی بھی ہوں میری ہیں،کم ہوں تو مجھے نقصان ہے زیادہ ہوں مجھے نفع،یہ حرام ہے کہ اس میں سود ہے۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع مخابرہ،محاقلہ اور مزابنہ سے منع فرمایا ۱؎ محاقلہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنا کھیت سو فرق گندم کے عوض بیچے ۲؎ اور مزابنہ یہ ہے کہ درخت میں لگے چھوہارے سو فرق کے عوض بیچے اور مخابرہ زمین کو کرایہ پر دینا ہے تہائی یا چوتھائی پر ۳؎ (مسلم)	

۱؎ **مخابرہ خیبر** سے بنا یعنی خیبر والا معاملہ کرنا جو حضور انور نے خیبر کے یہود سے کیا کہ باغات حضور انور کے اور کام کاج یہود کا،پیداوار نصف نصف،یا **خبار** سے بنا بمعنی نرم زمین،جس میں زمین ایک کی ہو اور اس کا نرم کرکے جوتنا بونا دوسرے کے ذمے۔محاقلہ **حقل** سے بنا بمعنی اچھی و زرخیز زمین،کھیت کو اسی لیے حقل کہتے ہیں کہ بیج حتی الامکان اچھی زمین میں بویا جاتا ہے۔
۲؎ **فرق** ر کے فتح سے وہ پیمانہ ہے جس میں سولہ رطل یعنی آٹھ سیر گندم سمائے اور **فرق** ر کے جزم سے وہ پیمانہ ہے جس میں ایک سو بیس سیر گندم آئے یعنی ڈیڑھ من،یہاں فرق کا ذکر تمثیل کے طور پر ہے یعنی گندم کی معین مقدار کھیت والے کو دے اور اس کی کھڑی کھیتی خرید لے۔(نہایہ،اشعہ،مرقات)مزابنہ پھل کی خرید فروخت کو کہا جاتا ہے اور محاقلہ دانہ کی ایسی تجارت کو۔
۳؎ مخابرہ اور مزارعہ قریبًا ہم معنے ہیں یعنی زمین کاشت کے لیے کرایہ پر دینا،ان میں فرق یہ ہے کہ مخابرہ میں تخم کرایہ دار کا ہوتا ہے اور مزارعہ میں تخم مالک زمین کا،صرف کام کرایہ دار کا۔مخابرہ یا مزارعہ کو امام ابوحنیفہ منع فرماتے ہیں اس حدیث کی وجہ سے،صاحبین جائز کہتے ہیں واقعہ خیبر کی وجہ سے،صاحبین یہ حدیث منسوخ مانتے ہیں اور حدیث خیبر کو ناسخ،فتویٰ قول صاحبین پر ہے،ہاں زمین کے معین حصہ کی پیداوار مالک یا کرایہ دار کے لیے مقرر کرنا باقی کی دوسرے کے لیے یہ حرام ہے کہ خبر نہیں کس حصہ میں کتنی پیداوار ہو اور ہو یا نہ ہو۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے محاقلہ،مزابنہ اور مخابرہ اور معاومہ سے ۱؎ اور کچھ مستثنٰی کرلینے سے منع فرمایا ۲؎ عرایا میں اجازت دی ۳؎ (مسلم)	

۱؎ معاومہ عام سے بنا بمعنی سال یا برس جیسے مشاہرہ شہر سے اور عسانہ سنت سے۔معاومہ یہ ہے کہ کسی باغ کی چند سال کی بہار خرید لی جائے جیساکہ آج کل عام رواج ہے یہ بیع باطل ہے کہ اس میں وہ چیز خریدی جاتی ہے جو ابھی پیدا بھی نہ ہوئی جیسے کہ جانور کے غیر پیدا شدہ بچے خرید لینا،بیع میں دو طرفہ مال چاہیےاور غیر پیدا شدہ چیز مال تو کیا شے ہی نہیں۔

۲؎ استثناء کی صورت یہ ہے کہ باغ کا مالک یا کھیت والا خریدار سے کہے کہ اتنے روپیہ کے عوض میں نے یہ پھل تیرے ہاتھ فروخت کیے مگر ان میں سے دس من میرے باقی تیرے،یہ منع ہے کہ دس من نکل جانے پر بقایا کی خبر نہیں کہ کتنے ہوں یا بالکل نہ ہوں،صرف دس من ہی اس باغ یا کھیت میں ہوں چونکہ بیع مجہول رہ جاتی ہے اس لیے منع ہے۔

۳؎ عرایا عریة کی جمع ہے،بمعنی خالی ہوجانا۔عریہ کی صورت یہ ہے کہ کوئی باغ والا اپنے باغ کا ایک درخت کسی فقیر کو دیدے کہ تو اس کے پھل کھایاکر اب فقیر ان پھلوں کی وجہ سے باغ میں آنے جانے لگےجس سے مالک کے بال بچوں کو تکلیف ہواس لیے مالک اسے کچھ کھجوریں اس درخت میں لگے ہوئے پھل کے عوض دے کر باغ سے رخصت کردے اگرچہ یہ بھی مزابنہ بیع معلوم ہوتی ہے مگر درحقیقت تبدیل ہبہ ہے اس لیے جائز ہے اس کی اور تفسیر بھی ہے مگر یہ قوی ہے۔(اشعہ،مرقات،لمعات)

روایت ہے حضرت سہل ابن ابی حثمہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تر کھجور چھوہاروں کے عوض فروخت کرنے سے منع فرمایا ۲؎ مگر عریہ کی اجازت دی کہ درخت کے پھل چھوہاروں کے عوض بیچے جائیں کہ عریہ والے تر کھجور کھاسکیں ۳؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ آپ صحابی ہیں،انصاری ہیں، ۳ھ میں پیدا ہوئے،حضور انور کی وفات کے وقت آٹھ سال کے تھے،بعض محدثین نے فرمایا کہ آپ بیعت الرضوان میں شریک ہوئے اور احد و تمام غزوات میں حاضر رہے۔واللہ اعلم!(اشعہ)

۲؎ تمر سے مراد تر کھجور ہے کہ اکثر تر میوہ کو ہی تمر یعنی پھل کہا جاتا ہے نہ کہ خشک کو،اس تمر سے مراد خشک چھوہارے ہیں،چونکہ تر کھجور سوکھ کر گھٹ جاتی ہے اور خبر نہیں کتنی گھٹےاس لیے اس میں سود کا احتمال ہے۔

۳؎ یہاں عریہ کی صورت یہ ہے کہ باغ والے نے کسی فقیر کو ایک درخت کے پھل خیرات دیئے یہ فقیر اتنے روز تک صبر نہیں کرسکتا کہ موسم بھر توڑتا رہے کھاتا رہے،دوسرے فقیر کے پاس خشک چھوہارے تھے اسے اور اس کے بچوں کو تر کھجوریں کھانے کا شوق تھا،چھوہارے والا فقیر چھوہارے کے عوض یہ کھجوریں خرید لے،اب درخت والے کو اکٹھے چھوہارے مل گئےاور چھوہارے والے کو تر کھجوریں اگرچہ یہ بیع مزابنہ ہوئی مگر فقراء کی حاجت روائی کے لیے جائز رکھی گئی۔مرقات میں ہے کہ جب بیع مزابنہ سے منع کیا گیا تو فقراء صحابہ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم لوگ تر کھجوروں سے محروم ہوجائیں گے تب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع عریہ کی اجازت دی،معلوم ہوا حضور مالک احکام ہیں۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے بیع عرایا میں اجازت دی کہ پانچ وسق سے کم یا پانچ وسق تک درخت کے پھل اندازاً چھوہاروں کے عوض بیچ دے	

	۱؎داؤد ابن حصین نے شک کیا ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎ اوسق وسق کی جمع ہے،وسق وہ پیمانہ ہے جس میں ساٹھ صاع پھل سماتے ہیں،ایک صاع قریبًا ساڑھے چار سیر ہوتا ہے،چونکہ باغ والے فقراء کو ایک دو درخت ہی عاریۃً دیا کرتے تھے جس میں اندازًا اتنی ہی کھجوریں ہوتی تھیں اس لیے اتنی ہی کی اجازت دی گئی۔

۲؎یعنی اس حدیث کے اسناد میں داؤد ابن حصین بھی ہیں،عمرو ابن عثمان ابن عفان کے آزاد کردہ غلام،محدثین نے ان کے بارے میں اختلاف کیا،ابن معین کہتے ہیں وہ ثقہ تھے دیگر محدثین کے نزدیک غیر ثقہ،ابو حاتم کہتے ہیں کہ یہ تھے تو ضعیف مگر چونکہ امام مالک نے ان سے روایت لے لی اس لیے قوی ہوگئے۔(اشعہ)یعنی داؤد ابن حصین کو یاد نہ رہا کہ ان کے شیخ نے پانچ وسق فرمائے یا اس سے کم۔حق یہ ہے کہ بیع عریہ پانچ وسق سے کم میں جائز ہے پانچ میں ناجائز اور یہ بیع صرف فقراء کریں امیر نہ کریں۔(مرقات واشعہ) یہاں ایک فقہی معمہ بن جاتا ہے،بتاؤ وہ کون سی بیع ہے جو فقیر کرے امیر نہ کرے،وہ بیع عریہ ہے۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھلوں کی تجارت سے انکی پختگی ظاہر ہونے سے پہلے منع فرمایا ۱؎تاجر کو بھی منع فرمایا اور خریدار کو بھی ۲؎(مسلم،بخاری)اور مسلم کی ایک روایت میں یہ ہے کہ سرخ ہونے سے پہلے کھجور کے پھل کی تجارت سے اور سفید پڑنے سے پہلے اور آفات سے امن سے پہلے بالیوں کی تجارت سے منع فرمایا ۳؎

۱؎یعنی درختوں پر لگے ہوئے ان پھلوں کی تجارت سے منع فرمایا جو ابھی ناقابل نفع ہوں جن سے کوئی نفع حاصل نہ ہو سکے،بالکل کچے و نرم پھل جب سخت پڑ جائیں تو اگرچہ ابھی کچے ہوں ان کی بیع جائز ہے کہ ان سے نفع حاصل ہوسکتا ہے جیسے کچے آم،کھٹائی اچار،مربے میں کام آتے ہیں،کچی کھجوریں یعنی بسر کھائی جاتی ہیں۔معلوم ہوا کہ ناقابل نفع پھل مال ہی نہیں اور تجارت میں دو طرفہ مال چاہیے۔

۲؎تاجر کو اس سے منع فرمایا کہ پھل ہلاک ہوجانے کی صورت میں وہ خریدار سے قیمت بغیر کچھ دیئے لے گا اور خریدار کو اس لیے منع فرمایا کہ ہلاکت کی صورت میں اس کا مال ضائع ہوجائے گا یہ بیع بالاتفاق ممنوع ہے،اس کی ممانعت میں حضرت عبداللہ ابن عباس،جابر،ابوہریرہ،زید ابن ثابت،ابو سعید خدری،عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے احادیث مروی ہیں۔

۳؎یعنی گندم جو وغیرہ کی بالیاں سفید پڑنے سے پہلے اور کھجور وغیرہ پھل سرخ ہونے سے پہلے خطرہ میں ہوتے ہیں،بے وقت بارش آندھی وغیرہ سے برباد ہوسکتے ہیں اس لیے ان کی بیع نہ کرو،بالیاں سفید ہونے پر اور کھجوریں وغیرہ سرخ ہونے پر اگر جھڑ بھی جائیں تو کچھ نہ کچھ کام آجاتے ہیں ان کی بیع درست ہے،نیز دانہ کی بیع بالی میں درست ہے۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھلوں کی تجارت سے منع فرمایا حتی کہ وہ

	رنگ پکڑلیں [1] عرض کیا گیا کہ رنگ پکڑنا کیا ہے فرمایا سرخ ہو جائیں فرمایا بتاؤ اگر اللہ تعالٰی پھل روک لے تو تم سے کوئی اپنے بھائی کا مال کس کے عوض لے گا [2] (مسلم،بخاری)

[1] صحیح یہ ہے کہ تَزْهِيَ،ضَرَبَ يَضْرِبُ،کا واحد مؤنث ہے نہ کہ باب افعال کا زهایزهي عرب میں مستعمل ہے،نخل مذکر بھی ہے مؤنث بھی اس لیے اس کے صیغے مؤنث مذکر دونوں آتے ہیں،قرآن شریف میں ایک جگہ ہے"نَخْلٍ خَاوِيَةٍ"دوسری جگہ ہے"نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ"،زهي يزهي زیادہ مستعمل ہے زهي يزهو کم۔

[2] ظاہر یہ ہے کہ یہ سوال حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا گیا اور جواب سرکار عالی نے دیا،حضرت انس اس سوال و جواب کہ ناقل ہیں،ممکن ہے یہ سوال حضرت انس سے کیا گیا ہو اور آپ نے یہ جوابًا تقریر فرمائی ہو۔خلاصہ یہ ہے کہ پھل سرخ پڑنے سے پہلے خطرہ میں ہیں،آفات سے برباد ہوسکتے ہیں بربادی کی صورت میں بائع خریدار سے قیمت کس چیز کے عوض لے گا۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے برسوں تک کی فروخت سے منع فرمایا [1] اور آفتوں کے نقصانات وضع کردینے کا حکم دیا [2] (مسلم)

[1] یعنی باغ کی چند بہاریں خریدنے سے منع فرمایا مثلًا خریدار مالک باغ سے کہے کہ میں تجھ سے اس باغ کی چھ سال تک کی بہاریں خریدتا ہوں،چونکہ یہ معدوم یعنی اس کی خریداری ہے جو ابھی پیدا بھی نہ ہوئی نہ مال بنی اس لیے ممنوع ہے اس ممانعت پر بھی سب کا اتفاق ہے۔

[2] یہ حکم بادشاہ وقت کو ہے کہ خراجی زمینوں کے خراج کی وصولی میں آفات کا خراج کم کردیں۔(طحاوی)اور ہوسکتا ہے کہ بائع کو حکم ہو یعنی اگر مالک باغ نے رسیدہ پھل فروخت کیے پھر بھی توڑنے سے پہلے کوئی آفت آگئی تو بہتر یہ ہے کہ بقدر نقصان قیمت کم وصول کرے اور اگر ساری قیمت لے چکا ہے تو بقدر نقصان واپس کردے،یہ حکم استحبابی ہے،اب بھی نیک لوگ اس پر عمل کرتے ہیں،حکام تباہی کی صورت میں لگان معاف یا کم کردیتے ہیں۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر تم اپنے کسی بھائی کے ہاتھ پھل بیچو [1] پھر ان پر کوئی آفت آن پڑے تو تمہیں یہ حلال نہیں کہ اس سے کچھ بھی لو تم اپنے بھائی کا مال ناحق کیسے لے سکتے ہو [2] (مسلم)

[1] بھائی فرمانا مہربان بنانے کے لیے ہے ورنہ مسلمان کے ہاتھ باغ بیچے یا کافر کے ہاتھ حکم یہ ہی ہے جو آگے آرہا ہے یہ تقاضاء انسانیت ہے۔

[2] اگر قبضہ دینے سے پہلے پھل برباد ہوگئے تب تو ازروئے فتویٰ بائع کو قیمت لینا حرام ہے کہ جب خریدار کو کچھ دیا ہی نہیں تو قیمت کس کی لے رہا ہے اور اگر قبضہ دینے کے بعد ہلاک ہوئے تو ازروئے تقویٰ قیمت لینا حلال نہیں یعنی ٹھیک

نہیں ایسے موقعہ پر رعایت کرنی چاہیے۔امام شافعی فرماتے ہیں کہ فرمان عالی شان ڈرانے دھمکانے کے لیے ہے یا حدیث میں وہ صورت مراد ہے کہ پھل درستی سے پہلے فروخت کیے پھر وہ ضائع ہوگئے تو چونکہ وہ بیع ہی درست نہ تھی لہذا قیمت کیسی۔حضرت امام مالک کے ہاں رسیدہ پھل بھی ہلاک ہوجانے پر قیمت واپس کرنا واجب ہے،وہ اس حدیث سے ظاہری معنی پر عمل کرتے ہیں۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ لوگ غلہ بازار کے اونچے حصے میں خریدتے تھے ۱؎ پھر اسی جگہ بیچ دیتے تھے ۲؎ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اسی جگہ بیچ دینے سے منع فرمادیا حتی کہ اسے وہاں سے منتقل کردیں ۳؎(ابوداؤد)میں نے یہ حدیث بخاری میں نہ پائی۔	

۱؎ بازار مدینہ میں ایک طرف سے لوگ آتے تھے دوسری طرف سے نکلتے تھے،آنے والے حصہ کو اعلیٰ سوق کہتے تھے،جدھر سے تاجر مال کے اونٹ داخل کرتے تھے،نکلنے والے حصہ کو اسفل سوق یہاں وہ ہی مراد ہے ورنہ زمین مدینہ ہموار ہے وہاں اونچائی نیچائی نہیں۔

۲؎ بغیر قبضہ کیے ہوئے جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔

۳؎ بعض ائمہ نے فرمایا کہ منقول چیزیں بغیر منتقل کیے خریدار کے قبضہ میں نہیں آتیں یعنی ان پر قبضہ کرنے میں وہاں سے منتقل کردینا ضروری ہے،وہ اس حدیث کے ظاہر سے دلیل پکڑتے ہیں مگر حق یہ ہے کہ یہاں نقل سے مراد نقل مکانی نہیں بلکہ نقل قبضہ ہے یعنی اسی جگہ پڑی ہوئی چیز پر بغیر قبضہ کیے فروخت کرنا منع ہے،اگر چیز وہاں ہی رہی مگر اسے اپنے قبضہ و کنڑول میں لے لیا تو اس کی بیع درست ہے جیسا کہ اگلی حدیث میں آرہا ہے،اگلی حدیث اس حدیث کی شرح ہے کہ وہاں **حتّٰی یستوفیه** اور **حتّٰی یکتاله** ہے لہذا یہ حدیث واضح ہے اگلی حدیث کے متعارض بھی نہیں۔

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو غلہ خریدے تو اس پر قبضہ کیے بغیر نہ بیچے ۱؎ اور حضرت ابن عباس کی روایت میں یوں کہ اسے ماپ لے ۲؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ یعنی قبضہ سے پہلے چیز کی فروخت جائز نہیں۔قبضہ کی مختلف صورتیں ہیں:مکان میں اپنا سامان رکھ دینا یا اپنا قفل لگادینا قبضہ ہے،زمین میں حد بندی کرکے اپنی اینٹ گاڑ دینا قبضہ ہے،وزنی کھلی چیز کا وزن ناپ کرلینا قبضہ ہے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خریدی ہوئی چیز کو بغیر قبضہ نہیں فروخت کرسکتے مگر اسے ہبہ کرسکتے ہیں کہ قبضہ کی قید فروخت کے لیے ہے،اسی طرح جو چیز وراثۃً ملے اس کی بیع قبضہ سے پہلے بھی جائز ہے۔(مرقات)

۲؎ جو چیز ناپ تول سے خریدی جائے اس کا تولنا ناپنا مشتری کا قبضہ ہوتا ہے۔**یکتاله** لفظ **یستوفیه** کی تفسیر ہے مگر جو چیز اندازاً فروخت و خرید کی جائے جیسے دانہ کے ڈھیر کی تجارت وہاں ناپ تول ضروری نہیں۔وہ جو حدیث شریف میں ہے کہ غلے کی بیع جائز نہیں جب تک کہ تاجر خریدار دونوں کے وزن علیحدہ علیحدہ نہ ہوجائیں یعنی تاجر بھی تول لے اور خریدار الگ تول

لےوہاں وہ صورت مراد ہے جہاں دو بیع جمع ہوں جیسے بیع سلم میں تاجرکسی سے غلہ خریدے اور سلم کے خریدار سے کہے کہ تو اس پر قبضہ کرتو اب ایک بار وہ تولےجس نے مسلم الیہ یعنی بائع کو غلہ دیااور دوبارہ رب السلم یعنی خریدار تو لے،عام بیعوں میں صرف ایک تول ہی کافی ہےجیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا لہذا یہ حدیث اس دوبار تول کی حدیث کے خلاف نہیں۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں جس چیز سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا وہ یہ ہے کہ غلہ قبضہ کیے بغیر فروخت کردیا جائے حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ میں ہر چیز غلہ ہی کی مثل سمجھتا ہوں ا(مسلم،بخاری)	

ایعنی حضور انور سے میں نے صرف غلہ کے متعلق سنا ہے کہ غلہ کی بیع بغیر قبضہ کئے جائز نہیں مگر میرا اجتہاد یہ ہے کہ ہر چیز کا یہ ہی حکم ہے کہ بغیر قبضہ کیے ان کی فروخت درست نہیں کیونکہ علت مشترک ہے تو حکم بھی مشترک چاہیے۔علوم ہوا کہ قیاس کرنا جائز ہے۔اس حدیث سے آج کل کے بیوپاری عبرت پکڑیں کہ کپڑے کا جہاز ولایت سے چلتا ہے،ابھی کراچی بندرگاہ پر نہیں پہنچ پاتا کہ کئی جگہ اس کی فروخت نفع سے ہوچکتی ہے،بعد میں پھر ان کے دیوالے ہوتے ہیں،بغیر دیکھی اور بغیر قبضہ کی کوئی چیز کی تجارت ہرگز نہ کرنی چاہیے کہ یہ شرعًا گناہ بھی ہے اور سخت نقصان کا باعث بھی۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا کہ تجارتی قافلے سے آگے ہی نہ جا ملو اور کوئی دوسرے کی خریداری پر خریداری نہ کرے ۲اور نہ نرخ بڑھاؤ ۳اور نہ شہری دیہاتی کے لیے تجارت کرے ۴اور اونٹ و بکری کو نہ روکو ۵پھر جو اس کے بعد جانور خریدے اسے دوھنے کے بعد دونوں میں سے بہتر چیز کا اختیار ہے ۶ اگر اس سے راضی ہوتو رکھ لے اور اگر ناراضی ہو تو اسے واپس کردے ایک صاع چھوہاروں کے ساتھ ۷(مسلم،بخاری)اور مسلم کی روایت میں یہ بھی ہے کہ جو روکی ہوئی بکری خریدلے تو اسے تین دن تک اختیار ہے پھر اگر اسے واپس کرے تو اس کے ساتھ گندم کے سواء اور کوئی غلہ ایک صاع دے ۸	

ایعنی تجارتی قافلے کی آمد سن کر شہر سے باہر ہی ان سے سامان نہ خرید لو،بلکہ انہیں بازار میں مال لے آنے دوتاکہ انہیں بازاری بھاؤ کی خبر ہوجائے اور ان کے بازار میں آمد سے نرخ ارزاں ہوجائے۔

۲یہاں لفظ **بیع** بمعنی فروخت بھی ہوسکتا ہے اور بمعنی خرید بھی یعنی جب دو شخص کوئی چیز خرید و فروخت کررہے ہوں اور سودا طے ہوچکا اور قریبًا بات پختہ ہوگئی تو نہ توکوئی شخص بھاؤ بڑھا کر وہ چیز خریدےاور نہ کوئی شخص بھاؤ سستا کرکے

خریدار کو توڑے،یہ دونوں باتیں ممنوع ہیں،نیلام کا یہ حکم نہیں ہاں بولی دیتے وقت بات طے نہیں ہوتی جو بولی بڑھائے وہ لے لے یہ جائز ہے۔

۳؎ نیلام میں اگر کوئی شخص بولی بڑھادے مگر خریدنا مقصود نہ ہو صرف چیز کی قیمت بڑھانا مقصود ہو کہ دوسرا آدمی اس سے زیادہ کی بولی دے یہ نجش ہے اور ممنوع ہے کہ دھوکا دہی ہے۔

۴؎ اس طرح مال لانے والے دیہاتیوں کو آج کے بھاؤ پر مال فروخت نہ کرنے دے بلکہ اس کا مال خود سنبھال لے کہ جب مہنگا ہوگا فروخت کردوں گا،جیسا کہ آج کل بعض آڑھتی یا دلال کرتے ہیں ناجائز ہے کہ اس سے چیزیں مہنگی ہوتی ہیں بلکہ قحط پڑ جانے کا خطرہ ہوتا ہے باہر کا مال بکنے دو تاکہ مخلوق کو آرام رہے۔

۵؎ **تصروا**،ت کے پیش ص کے فتح سے،یا بالعکس ت کے فتح ص کے پیش سے۔(اشعہ)**تصریہ** سے بنا بمعنی دودھ تھن میں روک دینا،نہ نکالناایسے جانور کو **مصرات** کہتے ہیں یہ حرکت خریدار کو دھوکا دینے کے لیے کی جاتی ہے کہ وہ زیادتی دودھ سے دھوکا کھا کر قیمت زیادہ دے جائے۔

۶؎ یعنی اگر کسی نے دودھ کا جانور خریدامگر دھوکا کھا گیا کہ خریدتے وقت تو دودھ زیادہ تھا بعد میں کم نکلا،تاجر نے کئی وقت سے دودھ نکالا نہ تھااس لیے اس وقت دودھ بہت ہواتو اب خریدار کو اختیار ہے۔

۷؎ یعنی اگر جانور رکھنا ہے تو خیراور اگر رکھنا نہیں ہے تو اس دودھ کے عوض جو اس نے پیا ساڑھے چار سیر خرمے جانور فروخت کرنے والے کو دے دے،اس دودھ کے عوض جو خریدتے وقت جانور کے ساتھ لیا تھا کہ وہ تاجر کے مملوکہ جانور کا تھا لہذا تاجر کی ملک تھا۔اس حدیث کے ظاہر پر امام شافعی کا عمل ہے وہ فرماتے ہیں کہ وہ دودھ تھوڑا ہو یا زیادہ اس کے عوض ایک صاع چھوہارے ہی دیئے جائیں گے جیسے نفس کی دیت سو اونٹ ہیں کہ قاتل مقتول کی دیت سو اونٹ دے گا،نفس مقتول خواہ کیسا ہی ادنی یا اعلیٰ ہو اور خریدار کو مصرات جانور کے واپس کردینے کا حق ہوگا،امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث قابل عمل نہیں کہ قرآن کریم کی اس آیت کے خلاف ہے"**فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ**"جس سے دودھ مصرات کی قیمت یا مثل دینا معلوم ہوتا ہے یا یہ حدیث سود حرام ہونے سے پہلے کی ہے کہ اس وقت معاملات میں اس قسم کی کمی بیشی درست تھی۔(مرقات،لمعات وغیرہ)

۸؎ حدیث کا یہ جزو امام شافعی کے بھی خلاف ہے کہ ان کے ہاں مصرات جانور کے ساتھ صرف ایک صاع کھجوریں ہی دی جاتی ہیں،کھجور یا چھوہارے کے سوا کوئی اور چیز نہیں دے سکتے مگر اس جزء سے معلوم ہوا کہ سوا گندم کے اور غلے بھی دے سکتے ہیں،ہمارے امام صاحب کے ہاں یہ حدیث یا منسوخ ہے حرمت سود کی احادیث سے یا متروک العمل قرآن کریم کی مخالفت کی وجہ سے۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے کہ تم لوگ غلہ لانے والوں سے آگے ہی نہ جا ملو۱؎ جو کوئی ان سے آگے ہی مل جائے اور خریداری کرلے پھر جب قافلہ کا سردار بازار میں آئے تو اسے اختیار ہے	

۲؎(مسلم)	

۱؎جلب جالب کی بھی جمع ہے اور مجلوب کی بھی،جالب باہر سے مال لانے والا قافلہ یا کوئی خاص شخص اور مجلوب باہر سے لایا ہوا مال،اونٹ وغیرہ ہوں یا اور مال،یہاں دونوں معنی ہوسکتے ہیں یعنی مال لانے والے قافلے سے شہر سے باہر مل کر مال نہ خرید لو،یا باہر سے لائے ہوئے مال سے بیرون شہر میں نہ جا ملو۔

۲؎اگر جلب جالب کی جمع تھی تو سید سے مراد سردار قافلہ ہے اور اگر مجلوب کی جمع تھی تو سید سے مراد مال کا مالک ہے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وہ بیع درست ہوچکی تھی ورنہ اختیار رد کے کیا معنی، رد بیع جب ہوسکتا ہے جب کہ بیع درست ہوچکی ہو۔حق یہ ہے کہ مالک مال کو بیع رد کرنے کا حق جب ہوگا جب کہ بازار میں وہ چیز گراں ہواور اس سے سستی لے لی گئی ہو،لیکن اگر بھاؤ برابر ہے یا ارزاں ہے تو اختیار نہیں،یہ ہی قول قرین قیاس بھی ہے کہ رد کا حق دفع نقصان کے لیے ہوتا ہے،جب اس کا نقصان ہوا ہی نہیں تو رد کیسا۔(مرقات)

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ آنے والے سامان سے آگے ہی نہ جا ملو حتی کہ اسے بازار میں لا ڈالا جائے ۱؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ تاجروں سے باہر شہر ہی جا ملنے کی ممانعت یا تو جب ہے جبکہ شہر میں تنگی ہو،مال ملتا نہ ہویا جب جبکہ ان سے سستا خرید لیا جائے اصل بھاؤ بتایا نہ جائے اگر یہ دونوں چیزیں نہیں ہیں تو باہر جا ملنا جائز ہے،ضلع فیض آباد میں اکثر دکاندار جنگل میں بیٹھے رہتے ہیں،گاؤں سے آنے والوں کا مال وہاں ہی خرید لیتے ہیں۔

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کوئی شخص اپنے بھائی کی بیع پر بیع نہ کرے اور نہ اپنے بھائی کے پیغام پر پیغام دے ہاں مگر جب کہ وہ اسے اجازت دیدے ۱؎(مسلم)	

۱؎یہ دونوں ممانعتیں جب ہیں جب کہ خریدار و تاجر ایک قیمت پر راضی ہوچکے ہوں،ایسے ہی لڑکے لڑکی والے پیغام نکاح پر راضی ہوچکے ہوں کہ اس صورت میں اس کے بھاؤ بڑھا دینے یا پیغام نکاح دینے میں پہلے کا نقصان ہوگا،ہاں اگر پہلا شخص اجازت دیدے تو درست ہے اور اگر پہلے فریقین کی رضا مندی مکمل نہ ہوئی تھی صرف کچی پکی بات ہی تھی تو دوسرا شخص بھاؤ بڑھا بھی سکتا ہے اور پیغام بھی دے سکتا ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کے بھاؤ پر بھاؤ نہ لگائے ۱؎(مسلم)	

۱؎لا یسم الرجل میں لا یسم باب نَصَرَ کا نہی واحد مذکر غائب ہے سوم سے مشتق بمعنی بھاؤ و نرخ یعنی کوئی شخص طے شدہ بھاؤ پر بھاؤ نہ لگائے کہ اس میں پہلے خریدار یا پہلے تاجر کا نقصان ہے، مسلمان کی قید اتفاقی ہے،اس حکم میں کافر ذمی

بھی شامل ہے ہاں حربی کافر کا بھاؤ چڑھا کر خرید لینا یا گھٹا کر فروخت کردینا درست ہے۔(از مرقات)کہ کافر حربی کو نقصان پہنچانا درست ہے۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ شہری دیہاتی کے لیے تجارت نہ کرے ا؎ لوگوں کو چھوڑ دو کہ اللہ بعض کو بعض کے ذریعہ روزی دے ۲؎(مسلم)	

ا؎ اس کی شرح پہلے ہوچکی کہ جب دیہاتی لوگ گاؤں سے غلہ لائیں تو انہیں فروخت کرلینے دوان کا غلہ خود شہری جمع کرلیں تاکہ گرانی پر فروخت کیا جائے کہ اس سے شہر میں گرانی بڑھتی ہے،اب بھی تنگی پر اسٹاک کرنا بلیک کرنا ممنوع ہوتا ہے۔

۲؎ یعنی اگر شہر والوں کو ان گاؤں والوں کے ذریعہ روزی ملے ارزانی میسر ہوجائے تو تم کیوں آڑ بن کر اسے روکنا چاہتے ہو۔قانون قدرت یہ ہی ہے کہ بعض بندوں کو بعض کے ذریعہ روزی ملتی ہے کسی کی دیوار گرتی ہے تو راج مزدوروں کی روزی کھلتی ہے۔

روایت ہے حضرت ابو سعیدخدری سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو پہناؤں سے منع فرمایا اور دو تجارتوں سے ا؎ چھونے اور پھینکنے کی تجارت سے منع فرمایا ۲؎ اور چھونے کی بیع یہ ہے کہ ایک شخص کا دن رات میں دوسرے کا کپڑا اپنے ہاتھ سے چھولیناہے کہ سوا چھونے کے اور طرح نہ الٹے پلٹے ۳؎ اور پھینکنے کی بیع یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے کی طرف اپنا کپڑا پھینک دے اور دوسرا اس کی طرف اپنا کپڑا پھینک دے ان کی بیع ہوجائے بغیر دیکھے بھالے ۴؎ اور بغیر آپس کی پسندیدگی کے،رہے دو ممنوع پہنائے ایک تو صماء پہناوا ہے صماء یہ ہے کہ اپنا کپڑا ایک کندھے پر اس طرح ڈالے کہ دوسری کروٹ کھلی رہے کہ اس کے اوپر کپڑا بالکل نہ ہو ۵؎ اور دوسرا پہناوا اپنے کپڑے سے احتباء کرنا ہے جب کہ وہ بیٹھا ہو کہ شرمگاہ پر کپڑا بالکل نہ ہو ۶؎(مسلم،بخاری)	

ا؎ **لبستین** لام کے کسرہ سے **لبس** بمعنی پہننے یا پوشش **لبسة** کا تثنیہ ہے یعنی دو پہناوے یا دو طرح لباس پہننا۔**بیعتین بیعة** کا تثنیہ بمعنی فروخت،یہاں مطلقًا تجارت کے معنے میں ہے جس میں خریدو فروخت دونوں شامل ہیں ایسی بیع میں خریدار و تاجر دونوں گنہگار ہوں گے۔

۲؎ کہ ان دونوں صورتوں میں خریدار کو چیز دیکھنے کا موقعہ نہیں ملتاجس سے وہ مال کے عیب و خوبی پر مطلع نہیں ہوتا اور خریداری بعد اطلاع چاہیے۔

۳؎ اب بھی بڑے شہروں میں اس نامعقول بیع کا رواج ہے کہ دکان پر چیزیں پھیلی ہوئی ہیں،خریدار نے جس چیز پر ہاتھ لگادیا وہ بک گئی الٹ پلٹ کر دیکھنے کی اجازت نہیں،اس بیع میں اکثر دھوکا ہوتا ہے،خریدار لٹ جاتا ہے کہ چیز کا ظاہر اچھا ہوتا ہے اندرون خراب۔

۴؎ کپڑے سے مراد وہ کپڑا ہے جسے فروخت کرنا ہے یعنی کپڑا کپڑے کے عوض بیچنا ہے تو کوئی دوسرے کے کپڑے کو نہ دیکھے اپنا کپڑا یہ اس کی طرف پھینک دے اوروہ اس کی طرف یہ پھینک ہی بیع ہوجائے،یہ بھی اس لیے ممنوع ہے کہ اس میں دیکھ بھال کا موقعہ نہیں ملتا۔

۵؎ خیال رہے کہ **صماء صمم** سے بنا بمعنی ٹھوس ہونا کہ کوئی سوراخ یا منفذ نہ ہواس لیے سخت پتھر کو صخرہ صماء کہتے ہیں یعنی ٹھوس چٹان اور سخت بند کی ہوئی سر بمہر شیشی قازوبہ صمام کہتے ہیں۔اشتمال صماء کی دو تفسیریں ہیں: ایک یہ کہ انسان اپنے بدن پر از سرتاپا ایک کپڑا اس طرح مضبوط لپیٹ لے کہ ہاتھ پاؤں جکڑ جائیں کھلنا مشکل ہوجائے،یہ بھی ممنوع ہے۔ دوسری تفسیر وہ ہے جو یہاں مذکور ہے کہ جسم پر صرف ایک کپڑا ہو وہ بھی اس طرح اوڑھا جائے کہ آدھا بدن ننگا رہے کہ جب ایک کندھا کھلا ہے تو اس طرف کا سارا بدن کھلا رہے گا،چونکہ یہ ننگا پہناوا ہے اس لیے ممنوع ہے،طواف میں جو اضطباع کرتے ہیں وہاں ستر نہیں کھلتا کیونکہ تہبند بھی بندھا ہوتا ہے۔

۶؎ **احتباء** اکڑوں بیٹھنے کو کہتے ہیں اس طرح کہ چوتڑ زمین پر لگے ہوں،دونوں گھٹنے کھڑے ہوں اور دونوں ہاتھ گھٹنوں کا حلقہ باندھے ہوں،اگر صرف ایک کپڑا اوڑھ کر احتباء کیا گیا ہو تو شرمگاہ برہنہ ہوجائے گی لہذا ممنوع ہے لیکن اگر تہبند بندھا ہو تو چونکہ ستر نہیں کھلتا لہذا جائز ہے۔وہ جو حدیث شریف میں ہے کہ حضور انور کعبہ کے سایہ میں احتباء فرمائے بیٹھے تھے وہاں یہ دوسری صورت تھی لہذا یہ حدیث اس عمل شریف کے خلاف نہیں،دونوں حدیثیں حق ہیں۔(اشعہ اللمعات وغیرہ)

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پتھر پھینکنے کی بیع ۱؎ اور دھوکے کی بیع سے منع فرمایا ۲؎ (مسلم)	

۱؎ پتھر پھینکنے کی بیع کی تین صورتیں ہیں:ایک یہ کہ زمین کا خریدار مالک زمین سے کہے کہ میں پتھر پھینکتا ہوں جہاں میرا پتھر گرے وہاں تک کی زمین بعوض پانچسو روپیہ میری ہوگئی یہ ممنوع ہے۔دوسرے یہ کہ دکان پر مختلف چیزیں رکھی ہیں خریدار کہے کہ میں کنکر پھینکتا ہوں جس چیز پر کنکر لگ جائے وہ دو روپیہ کے عوض میری ہے۔تیسرے یہ کہ تاجر کہے میں کنکر پھینکتا ہوں جس چیز پر لگے وہ دو روپے کے عوض تیری یہ سب جاہلیت کی بیع تھیں،چونکہ ان میں دھوکا ہے اس لیے منع ہے۔

۲؎ غرریا تو **غَرہ** بالفتح سے بمعنی مجہول الانجام چیز یعنی خطرناک یا **غِرہ** بالکسر سے بنا بمعنی دھوکا،اسی سے غرور ہے۔بیع غرور کی بہت صورتیں ہیں:بیع منابذہ اور پتھر پھینکنے کی بیع وغیرہ بھی اس میں داخل ہیں،دریا میں مچھلی،ہوا میں اڑتے ہوئے پرندے،بھاگے ہوئے غلام کی بیع سب بیع غرر ہیں۔امام شافعی کے ہاں یہ بیع فاسد ہیں ہمارے ہاں کبھی فاسد،کبھی باطل۔خیال رہے کہ ہمارے ہاں فاسد وباطل بیع میں فرق ہے کہ بیع فاسد سے بعد قبضہ ملک حاصل ہوجاتی ہے،بیع باطل میں کبھی ملک حاصل نہیں ہوتی مگر امام شافعی کے ہاں دونوں بیعیں ایک ہی ہیں،اس کی مفصل بحث کتب فقہ میں ملاحظہ فرمایئے۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حمل کے حمل کی فروخت سے منع فرمایا[1] یہ ایک تجارت تھی جس کا جاہلیت والے کاروبار کرتے تھے کہ ایک اونٹ خریدتا تاآنکہ اونٹنی بچہ دے پھر اس کے پیٹ کی بچی بچہ دے[2] (مسلم،بخاری)	

[1] اس جملہ شریف کے دو معنے ہوسکتے ہیں:ایک یہ حمل بیع یعنی کہ میری اونٹنی گابھن ہے اس کے پیٹ کی بچی جب جوان ہو کر بچی دے گی اس کی بیع میں آج کرتا ہوں یہ بیع باطل ہے کہ معدوم چیز کی بیع ہے،نہ معلوم اونٹنی کے پیٹ میں مادہ ہے یا نر،دوسری یہ کہ کسی تجارت میں حمل کے حمل کی پیدائش سے اداء قیمت یا اداء سامان کی مدت مقرر کی جائے کہ اس کی قیمت میں جب دوں گا جب اس اونٹنی کے پیٹ کی بچی بچہ دے گی،یہ بیع فاسد ہے کہ وقت اداء مجہول ہے۔
[2] اس جملہ کی وہ ہی دو تفسیریں ہیں جو ابھی عرض کی گئیں کہ اونٹ خریدا مگر اس کی قیمت فلاں اونٹنی کی حمل کی بچی کے بچہ جننے پر دی جائے گی یا وہ ہی اونٹ خریدا ہے جو اس اونٹنی کے حمل کی بچی جنے گی،یہ بیع غرر ہے پہلی صورت میں فاسد ہے دوسری صورت میں باطل۔

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نر کو مادہ پر چھوڑنے کی اجرت سے منع فرمایا[1] (بخاری)	

[1] عسب جانور کے نطفہ کو بھی کہتے ہیں اور نر کے مادہ پر چوٹ کرنے کو بھی اور اس عمل کی اجرت کو بھی،یہاں تمام معنے درست ہیں۔یہ اجرت اکثر فقہاء کے ہاں حرام ہے،بعض نے جائز مانا ہے خلاف مستحب تاکہ نسل منقطع نہ ہوجائے کہ بغیر اجرت کے نر والے اس پر راضی نہ ہوں گے تو نسل ہی ختم ہوجائے گی،اگر نر کو عاریۃً لے کر مادہ پر چوٹ کرائی گئی پھر بطور ہبہ نر والے کو کچھ دے دیا گیا یا خود نر کو کچھ کھلا دیا گیا تو بالاتفاق جائز ہے۔(لمعات و مرقات)ممانعت کی وجہ جہالت ہے کہ نہ معلوم نر کتنی بار چوٹ کرے اور نہ معلوم کہ مادہ حاملہ ہو کہ نہ ہو،پنجاب میں بھینس کو تیار کرانے کی اجرت دو روپیہ ایک بار چھوڑنے کی لیتے ہیں،اس بار میں کتنے ہی بار جست کرے ایک بار یا دو بار۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ کی چوٹ کی تجارت اور کھیتی کے لیے پانی اور زمین بیچنے سے منع فرمایا[1] (مسلم)	

[1] اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کو اپنی زمین و پانی کاشت کے لیے دے کہ تخم تو محنتی کا ہو اور زمین و پانی زمین والے کا اور پیداوار کا کچھ حصہ اس کام والے کو ملے جسے مخابرہ کہتے ہیں،اس کے جواز میں اختلاف ہے جو پہلے ذکر ہوا۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا بچے پانی کی فروخت سے[1] (مسلم)	

۱؎ یعنی اگر کسی کے پاس اپنی ضرورت سے بچا ہوا پانی ہو تو وہ کسی پیاسے آدمی یا پیاسے جانور کو پی لینے دے،اس کی قیمت نہ لے کہ یہ خلاف مروت ہے لیکن اگر دوسرا شخص اپنے کھیت کو پانی بچا ہوا دینا چاہتا ہے تو اس کی بیع بالکل درست ہے۔(مرقات)غالبًا یہ حکم کنوؤں اور کھیت والوں کو ہے جن کا پانی نالی کے ذریعے کھیت میں جارہا ہے،اس نالی سے کوئی شخص یا جانور پانی پی لے جہاں عرب شریف میں پانی کی تجارت پر ہی پانی والے گزارہ کرتے ہیں ان کے لیے یہ حکم نہیں ہے کہ اس صورت میں یہ پانی بچا ہوا نہیں بلکہ اپنی ضرورت کا ہے،وہاں پانی کی تجارت خصوصًا کویت سے آگے ریگستان میں یہ تجارت بڑی ضروری و لازمی ہے،ہم نے اس سفر میں منزل رماح میں بیس روپے ڈرام پانی خریدا،قریبًا سو میل کے ایریا(Area)میں یہاں دو تین کنوئیں ہیں،ان کنوؤں پر دور دراز سے انسان جانور آکر پانی پیتے ہیں،سینکڑوں روپے کا پانی فروخت ہوتا ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بچا ہوا پانی نہ بیچا جائے تاکہ اس سے گھاس فروخت کی جائے ۱؎(مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی کنوئیں والا پانی کی بیع کو گھاس کی بیع کا ذریعہ بنائے۔اس کی صورت یہ ہے کہ کسی شخص نے بنجر زمین جسے عربی میں موات کہتے ہیں آباد کی وہاں کنواں لگوالیا،لوگ اس زمین کے اردگرد اپنے جانور چراتے ہیں،وہ زمین موات جو ہوئی یہ شخص جانوروں کو چرنے سے روک نہیں سکتا،وہ بہانہ یہ کرے کہ کسی جانور کو بلامعاوضہ پانی نہ پینے دے جو اس کے اپنے کنوئیں کا ہے،نیت یہ ہو کہ اس پانی کی روک سے جانور یہاں کی گھاس چرنا چھوڑ دیں گے پھر یہ گھاس میری اپنی ہوگی کہ اس سے پیسہ کماؤں گا،یہ جرم ہے کہ کنواں تو اس کا ہے مگر زمین سرکاری چھوٹی ہوئی ہے،یہ پانی کے بہانہ چراگاہ کی گھاس پر قبضہ کرنا چاہتا ہے ورنہ اپنی زمین کی کھڑی گھاس اور کاٹی ہوئی گھاس کی بیع جائز ہے۔(مرقات)یہاں ذکر حمی یعنی چراگاہ کا ہے۔

	روایت ہے انہی سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غلہ کے ایک ڈھیر پر گزرے تو اپنا ہاتھ شریف اس میں ڈال دیا آپ کی انگلیوں نے اس میں تری پائی ۱؎ تو فرمایا اے غلہ والے یہ کیا عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے بارش پڑ گئی ۲؎ فرمایا تو گیلے غلہ کو تو نے ڈھیر کے اوپر کیوں نہ ڈالا تاکہ اسے لوگ دیکھ لیتے ۳؎ جو ملاوٹ کرے وہ ہم میں سے نہیں ۴؎(مسلم)

۱؎ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم غلہ کے بازار میں تشریف لے گئے تو کسی دکان پر گندم یا جو یا کسی اور غلہ کا ڈھیر تھا،حضور انور نے اس ڈھیر میں اپنا ہاتھ شریف داخل کیا تو پتہ لگا کہ ڈھیر کے اوپر تو غلہ سوکھا ہوا ہے مگر اندر سے گیلا ہے یعنی تاجر نے لوگوں کو دھوکا دے رکھا ہے غالبًا دکاندار کو یہ خبر نہ تھی کہ یہ بھی جرم ہے،وہ سمجھے تھے کہ خود گیلا کرنا گناہ ہے جو باہر سے قدرتی طور پر گیلا ہوجائے اس میں ہمارا کیا گناہ،لہذا اس سے ان صحابی کا فسق ثابت نہیں ہوتا،نیز گناہ کرلینا

اور چیز ہے فسق کچھ اور یہ گناہ تھا جس سے توبہ ہوگئی اگر اس گناہ پر جم جاتے توبہ نہ کرتے تو فسق ہوتا،رب تعالیٰ فرماتاہے:"وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا"۔

۲؎ یعنی گندم بارش سے بھیگ گیا تھامیں نے اسے بھیگے ڈھیر پر سوکھا گندم ڈال دیا۔خلاصہ یہ ہے کہ خود دھوپ سے اوپر کا حصہ نہ سوکھ گیا تھاورنہ ان پر عتاب نہ ہوتا،بلکہ سوکھا گندم ڈالا گیا تھا۔

۳؎ یعنی سوکھا گندم اوپر نہ ڈالنا چاہیے تھا تاکہ خریدار دھوکا نہ کھاتا۔اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ تجارتی چیز کا عیب چھپانا گناہ ہے بلکہ خریدار کو عیب پر مطلع کردے کہ وہ چاہے تو عیب دار سمجھ کر خریدے چاہے نہ خریدے۔دوسرے یہ کہ حاکم یا بادشاہ کا بازار میں گشت کرنا،دکانداروں کی ان کی چیزوں کی،باٹ ترازو کی تحقیقات کرنا،قصور ثابت ہونے پر انہیں سزا دینا سنت ہے،آج جو یہ تحقیقات حکام کرتے ہیں اس کا ماخذ یہ حدیث ہے۔

۴؎ اس سے معلوم ہوا کہ تجارتی چیز میں عیب پیدا کرنا بھی جرم ہے اور قدرتی پیدا شدہ عیب کو چھپانا بھی جرم۔دیکھو بارش سے بھیگے غلہ کو چھپانا ملاوٹ ہی میں داخل فرمایا۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فروخت میں استثناء کرلینے سے منع فرمایا مگر جب کہ وہ شے معلوم ہوا ۱؎ (ترمذی)

۱؎ استثناء وہ ممنوع ہے جس سے بیع محض مجہول و نامعلوم رہ جائے جیسے کوئی شخص باغ کے پھل فروخت کرے اور کہے کہ ان میں سے دس من تو میرے ہوں گے باقی تیرے ہاتھ فروخت یا اس ڈھیر کا چار من گندم میرا باقی تیرے ہاتھ فروخت کرتا ہوں کہ اب یہ خبر نہ رہی کہ باقی ہے کتنا لیکن اگر یوں کہے کہ آدھے یا تہائی یا چوتھائی میرے باقی تیرے تو جائز ہے کہ یہ استثناء معلوم ہے۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انگور فروخت کرنے سے منع فرمایا حتی کہ سیاہ پڑ جائیں اور دانوں کی بیع سے منع فرمایا حتی کہ سخت پڑ جائیں ۱؎ (ترمذی)ابوداؤد نے یوں ہی روایت کی ان دونوں کے ہاں حضرت انس کی روایت سے یہ نہیں ہے کہ چھوہاروں کی فروخت سے منع فرمایا تاآنکہ سرخ پڑ جائیں مگر حضرت عمر کی روایت سے فرماتے ہیں کہ حضور نے چھوہاروں کی بیع سے منع فرمایا حتی کہ سرخ ہوجائیں ۲؎ اور ترمذی و ابوداؤد نے حضرت انس سے روایت کی اور وہ زیادتی مصابیح میں ہے یعنی

	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان کہ چھوہاروں کی بیع سے منع فرمایا حتی کہ سرخ ہوجائے یہ ان دونوں کی روایت میں حضرت ابن عمر سے ہے فرماتے ہیں کھجور کی تجارت سے منع فرمایا تاآنکہ سرخ پڑ جائیں۳ ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے غریب ہے۔

۱؎ پھلوں کی تیاری مختلف صورتوں سے معلوم ہوتی ہے۔چنانچہ دانے والے سیاہ انگور کی تیاری اس پر سیاہی جھلکنے سے معلوم ہوتی ہے اور دانوں کی تیاری سختی سے محسوس ہوتی ہے کہ چٹکی میں دبانے سے سخت معلوم دے،ان علامات سے قبل نہ تو انگور قابل نفع مال ہے نہ دانے،ان کی بیع جائز نہیں کیونکہ بیع میں دو طرفہ مال چاہیے اور یہ دونوں چیزیں اس وقت مال نہیں۔

۲؎ یہ صاحب مصابیح امام بغوی پر اعتراض ہے کہ انہوں نے بحوالہ ترمذی و ابوداؤد حضرت انس کی روایت میں یہ جملہ بھی شامل کیا،حالانکہ یہ جملہ حضرت ابن عمر کی روایت میں ہے نہ کہ حضرت انس کی۔

۳؎ یہ امام بغوی پر دوسرا اعتراض ہے کہ انہوں نے حضرت انس کی روایت میں عَنْ بَیْعِ التَّمَرِ نقل کیا،حالانکہ یہ روایت عبداللہ ابن عمر کی ہے اس میں بھی عَنْ بَیْعِ النَّخْلِ ہے نہ کہ عَنْ بَیْعِ التَّمَرِ۔خلاصہ حدیث یہ ہوا کہ کسی پھل کی بیع اس کی تیاری اور قابل انتفاع ہونے سے پہلے جائز نہیں اور ہر چیز کے قابل انتفاع ہونے کی علامتیں مختلف ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ادھار کی بیع ادھار سے کرنے سے منع فرمایا۱؎ (دارقطنی)

۱؎ اس کی بہت صورتیں ہیں:ایک تو یہ ہے کہ بیع کے وقت نہ قیمت دی جائے،نہ مبیع پر قبضہ ہو یہ ناجائز ہے،جواز بیع کے لیے کم سے کم ایک طرف فی الحال قبضہ ضروری ہے،دوسری صورت یہ ہے کہ مثلًا زید کا عمرو پر دس گز کپڑا قرض تھا اور بکر کے عمرو پر دس روپے قرض تھے تو زید بکر سے کہے میں تیرے دس روپوں کے عوض اپنا وہ کپڑا فروخت کرتا ہوں جو میرا عمرو پر ہے،اب تم مجھ سے روپے نہ مانگنا بلکہ ان کے عوض عمرو سے کپڑا وصول کرلینا،بکر کہے مجھے قبول ہے یہ بیع ناجائز ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ کوئی کسی شخص سے کوئی چیز ادھار خرید لے جب اس ادھار کی مدت ختم ہو تو تاجر خریدار سے قیمت کا تقاضا کرے خریدار کہہ دے کہ فی الحال میرے پاس پیسے نہیں،مجھے ایک ماہ کی مہلت اور دے میں قیمت میں اتنا اضافہ کرتا ہوں،تاجر کہے منظور ہے حالانکہ اس چیز پر بھی قبضہ نہیں کیا گیا یہ بھی ممنوع ہے۔(لمعات واشعہ)خیال رہے کہ کالی کَلَاءٌ سے بنا بمعنی تاخیر و مہلت و حفاظت،رب فرماتا ہے:"قُلْ مَنْ یَّکْلَؤُکُمْ بِالَّیْلِ"۔

	روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی۱؎ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے بیعانہ کی بیع سے منع فرمایا ۲؎ (مالک،ابوداؤد،ابن ماجہ)

۱؎ان کے دادا عبداللہ ابن عمرو ابن عاص ہیں،ان کی روایت میں ہمیشہ تدلیس ہوتی ہے کیونکہ خبر نہیں کہ جَدِّہٖ کی ضمیر عمرو کی طرف لوٹتی ہے یا اَبِیْہِ کی طرف۔

۲؎عربی میں عربان کی چند لغتیں ہیں:عُربان،اُربان،عَربون،اَربون،پہلے حرف کو پیش،دوسرے کو جزم،آخری دو میں پہلے حرف کو زبر بھی۔ بیعانہ کی صورت یہ ہے کہ خریدار بھاؤ طے ہوتے وقت کچھ رقم بیچنے والے کو دے دے اور وعدہ کرے کہ فلاں تاریخ کو میں پوری رقم دے کر چیز لے لوں گا اگر نہ لوں تو یہ رقم ضبط جیساکہ آج کل عام رواج ہے۔یہ بیع تین اماموں کے ہاں منع ہے مگر امام احمد ابن حنبل کے ہاں جائز،حضرت عبداللہ ابن عمر کی روایت میں اس کی اجازت بھی ہے ہم یہ کہہ چکے ہیں کہ حضرت عمرو ابن شعیب کی روایتیں مدلس و منقطع ہوتی ہیں۔(مرقات)

روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجبور کی۱؎اور دھوکے اور پکنے سے پہلے پھلوں کی بیع سے منع فرمایا ۲؎(ابوداؤد)	

۱؎ مضطر سے مرا دیا مجبور ہے یا محتاج یعنی کسی کی چیز جبرًا نہ خریدو کہ راضی نہ ہو تم اس کی چیز فروخت کردو،یہ بیع فاسد ہے،کبھی حکومت ظلمًا کسی کا مال نیلام کرادیتی ہیں،وہ بے چارہ روتا رہتا ہے،حکومت کے جرمانے یا ٹیکس کی وصولی کے لیے چیزیں نیلام ہوتی ہیں ان کا خریدنا جائز نہیں یا یہ مطلب ہے کہ جو محتاج شخص قرض یا بھوک کی وجہ سے تنگ آکر اپنی چیزیں نہایت سستی بیچےوہ نہ لو کہ خلاف مروت ہے بلکہ ایسے کی حتی الامکان امداد کرو۔(لمعات و مرقات و اشعہ)خیال رہے کہ دیوالیہ کا مال نیلام کردینا جائز ہے مگر حاکم نیلام کرے،یہ ظلمًا بیع نہیں ہے بلکہ قرض خواہوں کا قرض ادا کرنے کے لیے ہے۔

۲؎دھوکا کی تجارت سے مراد یا فریب کی بیع ہے کہ تاجر ناقص مال کو اچھا بتا کر کسی کے ہاتھ بیچ دے۔اس صورت میں خریدار کو خیار غیب ملے گا کہ چیز کے عیب پر مطلع ہو کر واپس کرسکے گا یا جہالت کی بیع مراد ہے کہ ظاہر چیز کا اچھا ہو اندرون خراب،اس صورت میں خیار عیب ملے گا۔پھل پکنے سے مراد پھل قابل نفع ہونا ہے لہذا جو چیزیں گدر ہو کر استعمال کی جاتی ہیں ان کی گدر کی بیع جائز ہے۔اور جو چیز یں کچی بھی کام آتی ہیں ان کی کچی کی بیع بھی درست ہے،آم کچے گدر فروخت کیے جاسکتے ہیں،مٹر کی پھلیاں کچی بھی سبزی کے طور پر کام آتی ہیں ان کی کچی کی تجارت درست ہے۔

روایت ہے حضرت انس سے کہ بنی کلاب کے ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نر جانوروں کی چوٹ کے متعلق پوچھا۱؎آپ نے اس سے منع فرمایا۲؎اس نے عرض کیا یارسول اللہ ہم تو نر چھوڑتے ہیں تو ہمیں ویسے ہی کچھ دے دیا جاتا ہے تواسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدیہ کے متعلق اجازت دی ۳؎(ترمذی)	

۱؎ کہ نر کو مادہ پر چھوڑنے کی اجرت کیسی ہے،وہاں اس کا رواج عام تھا،اب بھی اس کا عام رواج ہے۔

۲؎ جمہور علماء کے نزدیک یہ ممانعت تحریمی ہے اور اس کی اجرت مکروہ تحریمی،امام احمد حنبل کے ہاں بلا کراہت جائز،یہ حدیث جمہور کی دلیل ہے۔نطرق باب افعال سے ہے،طرق جانور کی منی کو بھی کہتے ہیں اور اس کی چوٹ کو بھی یہاں دوسرے معنی میں ہے۔(مرقات)

۳؎ اس سے معلوم ہوا کہ اگر نر والا عاریۃً جانور دے دے،پھر مادہ والا بطور ہدیہ اسے کچھ پیسے یا چارہ دے تو بلاکراہت درست ہے،یہ ہی تمام آئمہ کا مذہب ہے غرضکہ جمہور کے ہاں اس کی اجرت منع،ہدیہ جائز۔

	روایت ہے حضرت حکیم ابن حزام سے فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ جو چیز میرے پاس نہ ہو اسے فروخت کردوں ۱؎(ترمذی)اور ترمذی و ابوداؤد اور نسائی کی ایک روایت میں یوں ہے فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ میرے پاس کوئی شخص آتا ہے مجھے فروخت کرنے کو کہتا ہے اور میرے پاس چیز ہوتی نہیں ۲؎ تو میں اس کے لیے بازار سے خرید لیتا ہوں ۳؎ تو فرمایا جو چیز تمہارے پاس نہ ہو وہ نہ بیچو۔

۱؎ اس میں بھاگے ہوئے غلام،دریا کی مچھلی،ہوا کے پرندے یا گم شدہ مال کی تمام بیع داخل ہے کہ یہ تمام تجارتیں ممنوع ہیں،ہاں بیع سلم بالاتفاق جائز ہے اگرچہ بائع کے پاس وہ چیز عقد کے وقت ہوتی نہیں،یونہی دوسرے کے مال کی بیع اس کی بغیر اجازت موقوف ہے کہ اگر وہ اجازت دے دے تو جائز ہوجائے گی۔

۲؎ اس کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ بازار سے اس کے لیے خریدے جسے دلالی کہتے ہیں یہ تو درست ہے۔دوسرے یہ کہ اپنے لیے خریدے اور خود مالک بن کر پہلے خریدار کو دے،یہ ممنوع ہے،یہاں یہ ہی مراد ہے کہ اس صورت میں اس نے یہ چیز فروخت کی جس کا بوقت بیع مالک نہ تھا،ہاں ایسی چیز کا وعدہ بیع کرلینا یا آرڈر(Order)لے لینا درست ہے جیسا کہ آج کل بعض لوگ کرتے ہیں کہ آرڈر(Order)وصول کرکے چیز خرید کر بھیجتے یا بنا کردیتے ہیں،ہم موچی سے جوتا بنواتے ہیں سلائی پہلے دے دیتے ہیں،اسے استصناع کہتے ہیں یہ بالاتفاق درست ہے۔

۳؎ یہاں مرقات نے فرمایا کہ اس جگہ غیر مقبوض یا غیر مملوک اعیان کی بیع منع ہے جیسے کہے میں فلاں غلام تمہارے ہاتھ فروخت کرتا ہوں حالانکہ وہ غلام یا تو اپنا ہے ہی نہیں یا ہے مگر بھاگا ہوا ہے یا فلاں پرندہ جواڑ رہا ہے فروخت کرتا ہوں کہ شکار کرکے تمہارے حوالہ کروں گا یہ ممنوع ہے مگر صفات کی بیع جائز ہے خواہ مملوک یا مقبوض ہو یا نہ ہو جیسے بیع سلم میں اور چیز بنوانے میں ہوتا ہے،یہ بہت نفیس توجیہ ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بیع میں دو فروختوں سے منع فرمایا ۱؎(مالک،ترمذی،ابوداؤد،نسائی)

[1] ایک بیع میں دو بیعوں کی دو صورتیں ہیں:ایک یہ کہ یوں کہے میں فلاں چیز نقد دس[10] روپے میں فروخت کرتا ہوں اور ادھار بیس[20] روپے کے عوض یہ ممنوع ہے کہ اس میں قیمت کا صحیح پتہ نہ لگا۔ دوسری بیع بالشرط کہ یوں کہے کہ میں اپنا غلام تجھے سوروپے میں دیتا ہوں،بشرطیکہ تو مجھے اپنی لونڈی یا زمین پچاس روپیہ میں دے دے،اس میں بھی قیمت ایک اعتبار سے مجہول ہے اس کے علاوہ دیگر بیع بالشرط بھی منع ہے بشرطیکہ شرط فاسد ہو،اگر شرط صحیح ہو تو بیع درست ہے۔

	روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روای فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے ایک عقد میں دو فروختوں سے منع فرمایا[1](شرح سنہ)

[1] صفقہ کہتے ہیں ہاتھ مارنے یا ہاتھ ملانے کو،چونکہ اہل عرب بیع کے وقت تاجر سے ہاتھ ملاتے تھے اس لیے بیع کو بھی **صفقہ** کہہ دیتے ہیں یعنی ایک بیع کے ضمن میں دوسری بیع کرلینے سے منع فرمایا،اس کی دو صورتیں ابھی عرض کی گئیں۔(مرقات)

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہ تو ادھار اور فروخت جائز ہے[1] اور نہ فروخت میں دو شرطیں جائز[2] نہ اس کا نفع جائز جس کا ذمہ دار نہ ہو اور نہ وہ چیز بیچنا حلال جو تیرے پاس نہ ہو[3](ترمذی،ابوداؤد،نسائی)اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث صحیح ہے۔

[1] اس کی دوصورتیں ہیں: ایک یہ کہ بائع خریدار سے کہتے ہیں تیرے ہاتھ یہ چیز سو روپے کے عوض فروخت کرتا ہوں بشرطیکہ تو مجھے دس روپے قرض بھی دے،یہ حرام ہے کہ ایک قسم کا سود ہے کیونکہ خریدار نے دس روپے قرض کے عوض میں اس چیز کے خریدنے کا نفع بھی حاصل کرلیایا اس کے برعکس کہ قرض مانگنے والے سے ساہوکار کہے میں تجھے سو روپیہ اس شرط پر قرض دیتا ہوں کہ دس روپے میں اپنی بکری میرے ہاتھ فروخت کردے یعنی بیع میں قرض کی شرط ہو تو منع اور قرض میں بیع کی شرط ہو تب منع۔دوسرے یہ کہ ساہوکار قرض مانگنے والے سے کہےمیں تجھے سو روپے قرض دیتا ہوں بشرطیکہ تم میری فلاں چیز اتنے میں خرید لو یعنی مہنگی اس میں بھی وہ ہی قباحت ہے کہ قرض کے ذریعہ نفع کمارہا ہے۔

[2] اس جملہ کی شرح میں بہت گفتگو ہے،بعض محدثین تو فرماتے ہیں کہ یہ جملہ پہلے جملہ کی تفسیر ہے یعنی سلف بیع کی،بعض نے فرمایا کہ دو کا ذکر اتفاقی ہے،بیع بالشرط مطلقًا منع ہے جیسا کہ بعض احادیث میں ہے کہ حضور انور نے بیع اور شرط سے منع فرمایا،ان کا خیال ہے کہ شرطان سے مراد دونوں قسم کی شرطیں ہیں یعنی نہ تو بائع خریدار پر کوئی شرط لگائے کہ یہ چیز تیرے ہاتھ فروخت کرتا ہوں بشرطیکہ دو ماہ تک اس کو میں ہی استعمال کروں گا یا تو مجھے اتنے روز کے لیے اپنا مکان عاریۃً یا کرایہ پر دے اور نہ خریدار تاجر پر کوئی شرط لگائے کہ کپڑا تو خریدتا ہوں بشرطیکہ تو مجھے سی کر یا دھوکر دے،یہ دونوں قسم کی شرطیں بیع کو فاسد کردیں گی جب کہ شرطیں خود فاسد ہوں۔شرط فاسد وہ کہلاتی ہے جسے بیع نہ چاہے،جسے خود بیع ہی

چاہے وہ شرط صحیح ہے اس کی تجارت فاسد نہیں ہوتی جیسے تاجر کہے کہ چیز بیچتا ہوں بشرطیکہ تو مجھے روپے کھرے دے یا ابھی نقد دے یا خریدار کہے کہ خریدتا ہوں بشرطیکہ مال اصل ہو نقل نہ ہو وغیرہ۔

۳؎ یعنی جو چیز تیرے قبضہ میں نہ ہو اس کا بیچنا بھی ممنوع ہے اور جس چیز کا تو ابھی مالک نہ بنا اس کی فروخت بھی منع۔**مالم یضمن** سے مراد جو اپنے ضمان و قبضہ میں نہ آئی جیسے ہم کوئی چیز خریدیں اور بغیر قبضہ کیے فروخت کردیں،یہ منع ہے اس کی شرح گزرچکی۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں میں نقیع بازار میں اونٹ اشرفیوں کے عوض فروخت کرتا تھا۱؎ پھر اشرفیوں کے عوض درہم لے لیتا تھا اور درہم کے عوض فروخت کرتا تھا پھر ان کے عوض اشرفیاں لے لیتا تھا ۲؎ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ و سلم سے اس کا تذکرہ کیا آپ نے فرمایا اس میں مضائقہ نہیں کہ اس دن کے بھاؤ سے یہ لے لو جب تک کہ تم اس طرح الگ نہ ہو کہ تمہارے درمیان کچھ بقایا ہو۳؎(ترمذی،ابوداؤد،نسائی،دارمی)

۱؎ **نقیع** نون وق سے،مدینہ منورہ کے قریب ایک جگہ تھی جس میں بازار تھا اور میلہ لگا کرتا تھااور ایک چرا گاہ کا نام بھی ہے جو مدینہ منورہ سے بیس کوس دور ہے،یہاں پہلے معنی مراد ہیں۔

۲؎ آپ کا یہ عمل اپنے اجتہاد سے تھا آپ نے خیال فرمایا کہ مثلًا درہم ایک دینار ہی ہےاور ایک دینار دس درہم ہی ہیں،درہم کے عوض دینار لینا گویا درہم ہی لینا ہیں۔معلوم ہوا کہ صحابہ کرام زمانہ نبوی میں حضور انور کے پاس رہتے ہوئے بھی اجتہاد کرتے تھے،یہ بھی معلوم ہوا کہ یقین پر قدرت ہوتے ہوئے بھی ظن پر عمل جائز ہے۔(مرقات)

۳؎ یعنی تمہارا یہ عمل دو شرطوں سے جائز ہے:ایک تو درہم و دینار کے موجودہ بھاؤ کا اعتبار ہوگا،ان کے بھاؤ بدلتے رہتے ہیں،ہمارے ہاں بھی ایک زمانہ میں اشرفی پندرہ بیس روپیہ کی تھی،پھر چڑھتے چڑھتے اسی نوے تک پہنچ گئی،دوسری شرط یہ ہے کہ فریقین دونوں بدلوں پر قبضہ کیے بغیر نہ ہٹیں کیونکہ اشرفی کے عوض چاندی کے درہم لینا یا اس کے برعکس بیع صرف ہے اور بیع صرف میں اگر جنسیں مختلف ہوں تو زیادتی جائز مگر ادھار حرام۔غرضکہ اس کو الگ بیع قرار دیا گیا اور اس پر بیع صرف کے احکام جاری کیے گئے۔

	روایت ہے حضرت عداء ابن خالد ابن ہوذہ سے ۱؎ انہوں نے ایک تحریر نکالی کہ یہ وہ ہے جو عداء ابن خالد ابن ہوذہ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خریدا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے غلام یا لونڈی خریدی جس میں نہ کوئی عیب ہے نہ فساد نہ کوئی خرابی ۲؎ مسلمان کی مسلمان سے بیع ۳؎(ترمذی)اور فرمایا

یہ حدیث غریب ہے۔[4]	

[1] آپ قبیلہ بنی ربیعہ سے ہیں،بصرہ کے دیہات میں رہتے تھے،غزوہ حنین کے بعد اسلام لائے،صحابی ہیں مگر آپ سے صرف یہی ایک حدیث منقول ہے۔

[2] یعنی اس میں نہ کوئی بیماری ہے جنون،جذام،برص وغیرہ اور نہ کوئی بری عادت زنا،چوری،شراب خواری وغیرہ نہ نفرت والی کوئی چیز جیسے حرامی ہونا وغیرہ۔غائلہ وہ عیب کہلاتا ہے جو کبھی ہلاکت کا باعث بن جائے۔خلاصہ یہ ہے کہ یہ غلام ظاہری اور چھپے ہوئے عیوب سے پاک ہے،اس میں کوئی ایسی خرابی نہیں ہے جس سے خریدار کو خیار عیب ہے۔اس تحریر میں اس جانب اشارہ ہے کہ خریدو فروخت اگرچہ ولی بلکہ نبی سے ہو اس پر شرعی احکام ضرور جاری ہوں گے اور اس قسم کی تحریر اس کی شان کے خلاف نہیں ہوگی،یہ بھی معلوم ہوا کہ قانونًا بیع نامہ تاجر کی طرف سے ہونا چاہیے،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَلْيُمْلِلِ الَّذِیْ عَلَيْهِ الْحَقُّ"لیکن خریدار کی طرف سے بھی خریدنامہ ہوسکتا ہے کہ اس میں بھی احتیاط ہے۔

[3] یعنی یہ ایسی خرید و فروخت ہے جیسی مسلمان کی مسلمان سے ہوتی ہے کہ مسلمان اپنے بھائی مسلمان کا خیر خواہ ہوتا ہے،اسے دھوکا نہیں دیتاورنہ یہ بیع مسلمان کی نبی سے تھی نہ کہ عام مسلمان سے۔خیال رہے کہ نبی لغوی مؤمن و مسلم ہوتے ہیں نہ کہ اصطلاحی،اصطلاح میں تو وہ عین ایمان ہیں کہ ان کو ماننے سے انسان مؤمن بنتا ہےاسی لیے بیع منصوب ہے کہ کاف تشبیہ پوشیدہ ہے۔

[4] کیونکہ اس کی اسناد میں عباد ہیں جو ضعیف ہیں،ان کے بارے میں محدثین فرماتے ہیں لَیْسَ بِشَیْءٍ۔خیال رہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت سے قبل خرید و فروخت دونوں کی ہیں مگر ہجرت کے بعد فروخت بہت کم کی ہے۔(اشعہ ولمعات)

روایت ہے حضرت انس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کمبل وپیالہ نیلام کیا[1] تو فرمایا اس کمبل و پیالے کو کون خریدتا ہےتو ایک صاحب بولے میں انہیں ایک درہم میں لیتا ہوں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کون ایک درہم پر بڑھاتا ہے دوسرے صاحب نے دو درہم حاضر کیے تو ان ہی کے ہاتھ فروخت کردیں[2](ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ)	

[1] حلس وہ بڑا کمبل ہے جو اونٹ پر ڈالا جائے یا فرش پر بچھایا جائے،چھوٹا کمبل جو ایک آدمی ہی اوڑھ سکے کساء کہلاتا ہے،یہ دونوں چیزیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی نہ تھیں بلکہ ایک فقیر و مسکین کی تھیں جو حضور انور سے کچھ مانگنے آیا تھا،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بھیک سے بچالیا اس کی دو چیزیں نیلام کرکے اسے کام پر لگادیا۔

[2] اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ نیلام جائز ہے جسے عربی میں بیع من یزید کہتے ہیں۔دوسرے یہ کہ ایک کے بھاؤ پر دوسرا آدمی بھاؤ لگا سکتا ہےجب کہ پہلا بھاؤ طے نہ ہوا ہو،جن احادیث میں بھاؤ پر بھاؤ لگانے سے منع کیا گیا ہے وہاں بھاؤ طے ہوچکنے کے بعد مراد ہے۔تیسرے یہ کہ کسی کی چیز دوسرا آدمی وکیل بن کر فروخت کرسکتا ہے۔چوتھے یہ کہ بیع تعاطی یعنی فقط لین دین سے جائز ہے اگرچہ منہ سے ایجاب و قبول نہ ہو۔پانچویں یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہماری جان

و مال کے مالک ہیں کہ ہماری چیز بغیر ہماری رضا مندی فروخت کرسکتے ہیں کیونکہ وہ صحابی حضور سے مانگنے آئے تھے نہ کہ چیز بکوانے مگر حضور نے ان سے بغیر پوچھے ان کی چیزیں نیلام کر دیں،قرآن شریف فرمارہا ہے کہ مسلمان کو حضور کے مقابلہ میں اپنی جان و مال کا کوئی اختیار نہیں جس کا جس سے چاہیں نکاح کر دیں فرماتا ہے:"وَمَا کَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ"الخ۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت واثلہ ابن اسقع سے[1] فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو عیب دار چیز فروخت کردے جس پر خبردار نہ کرے تو وہ اللہ تعالٰی کی ناراضی میں رہے گا یا فرشتے اس پر لعنت کرتے رہیں گے[2](ابن ماجہ)

[1] آپ کے اسلام کے وقت میں اختلاف ہے،بعض فرماتے ہیں کہ تیاری غزوہ تبوک کے وقت ایمان لائے،بعض فرماتے ہیں کہ اس سے پہلے لاچکے تھے بلکہ اصحاب صفہ سے تھے،تین سال حضور انور کی خدمت میں رہے،۹۸ یا ۱۰۰ سال کی عمر میں دمشق میں وفات پائی،آپ دمشق کے آخری صحابی ہیں۔(اشعہ)

[2] عَیِّبٌ یا تو ی کے شد اور کسرہ سے ہے صفت مشبہ یای کے سکون سے مصدر،اگر مصدر ہے تو مبالغہ کے لیے ارشاد ہوا یعنی جو عیب دار چیز کو فروخت کرے وہ گویا سراپا عیب فروخت کررہا ہے،عیب کا تاجر ہے،اس جرم پر اتنی سخت سزا اس لیے ہے کہ دھوکا دینا مؤمن کی شان کے خلاف ہے،نہ مؤمن کو دھوکا دے نہ کافر کو،یہ شرعی قومی ملکی جرم ہے۔

باب

باب ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ اس باب میں ممنوع تجارتوں کے متعلق مختلف احادیث مذکور ہوں گی اس لیے اس کا ترجمہ مقرر نہ فرمایا یعنی متفرق احادیث کا باب جس میں مختلف ممنوع تجارتوں کا ذکر ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص پیوند لگانے کے بعد درخت کھجور خریدے ۱؎ تو اس کے پھل بیچنے والے کے ہوں گے ہاں مگر خریدار شرط لگائے ۲؎ اور جو کوئی ایسا غلام خریدے جس کے پاس مال ہو ۳؎ تو اس کا مال بیچنے والے کا ہوگا ہاں مگر یہ کہ خریدار شرط لگائے ۴؎ (مسلم) بخاری نے صرف پہلی صورت بیان کی۔	

۱؎ کھجور کی تابیر کے معنے ہم باب الاعتصام میں عرض کرچکے ہیں کہ نر کھجور کی شاخ مادہ کھجور میں لگانا تاکہ پھل اچھے اور زیادہ آئیں،یہاں مراد ہے تابیر کے بعد پھل لگ جانا جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے،اگر تابیر ہوچکی ہے مگر ابھی پھل نہیں لگے تو یہ حکم بھی نہیں۔غرضکہ یہاں پھل والا درخت مراد ہے جس کے پھل پختہ یا گدر ہوچکے ہوں۔

۲؎ امام مالک و شافعی رحمہما اللہ کے ہاں تابیر والے پھل دار درخت کے پھل خریدار کے ہوں گے اور اگر تاجر شرط کرلے تو اس کے ہوں گے،ہمارے ہاں بہرحال پھل بائع کے ہیں،ہمارے ہاں تابیر سے مراد پھل دار ہوجانا ہے اگر درخت پھلدار نہیں تو خواہ تابیر ہوچکی ہو،حکم بھی یہ نہیں،ابن ابی لیلیٰ کے ہاں پھل بہرحال خریدار کے ہیں کہ درخت کے تابع ہیں۔

۳؎ یعنی غلام ماذون تھا جسے تجارت کی اجازت مولیٰ نے دے رکھی تھی اس وجہ سے اس کے پاس مال جمع ہوگیا تھا۔اب اسے فروخت کیا گیا تو مال چونکہ مولیٰ کا تھا اسی کا رہے گا،یہاں مال کی نسبت غلام کی طرف قبضہ کی نسبت ہے نہ کہ ملکیت کی،وہ مال تھا مولیٰ کا مگر قبضہ میں غلام کے تھا۔

۴؎ یعنی اگر خریدار کہے کہ میں وہ غلام مع اس کے مال کے خریدتا ہوں تب تو مال خریدار کا ورنہ بائع کا،امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں فروخت شدہ غلام کے جسم کے کپڑے بھی بائع کے ہوں گے حتی کہ خریدنے کے بعد خریدار اسے اپنا تہبند پہنائے بائع کا تہبند اتار دے۔(مرقات)اس سے معلوم ہوا کہ جانور خریدا تو اس کی جھول،زنجیر اور دوسرا جسم کا سامان بائع کا ہوگا اگر خریدار شرط لگائے تو اس کا ہوگا۔خیال رہے کہ اگر غلام کے پاس چاندی کے روپے تھے تو اس کے مع روپوں کے

خریدنے کے وہ ہی احکام ہوں گے جو بیع صرف کے ہوتے ہیں یعنی اگر خریدار چاندی سے خریدے تو اس کے روپوں سے زائد روپے دے تاکہ اصل روپیہ روپے کے عوض ہوجائے اور زیادتی غلام کے عوض کہ یہ بیع صرف غلام کی نہیں بلکہ چاندی اور غلام کی ہے۔

	روایت ہے حضرت جابر سے کہ آپ ایک اونٹ پر سفر کررہے تھے جو تھک گیا تھا اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گزرے تو اسے مارا تو وہ اونٹ ایسی رفتار سے چلنے لگا کہ ایسا کبھی نہ چلتا تھا۱ پھر حضور نے فرمایا اسے میرے ہاتھ ایک اوقیہ میں بیچ دو۲ میں نے بیچ دیا مگر اپنے گھر تک اس کی سواری کی شرط لگائی ۳ پھر جب میں مدینہ آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اونٹ لایا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس کی قیمت کھری کردی اور ایک روایت میں ہے کہ اس کی قیمت عطا فرمائی اور اونٹ بھی واپس دے دیا ۴ (مسلم،بخاری)اور بخاری کی ایک روایت ہے کہ آپ نے حضرت بلال سے فرمایا کہ انہیں قیمت ادا کردو کچھ زیادہ بھی دے دو تو انہوں نے ایک قیراط زیادہ دیا۵

۱ یہ حضور انور کا معجزہ ہے۔معلوم ہوا کہ ان کا ہاتھ بے زوروں کا زور ہے،بے سہاروں کا سہارا، اب بھی جس کمزور پر حضور نگاہ کرم فرمادیں وہ طاقتور ہوجائے۔شعر

تو مرا دل دہ و دلیری بیں   روبہ خویش خوان وشیری بیں (اشعہ)

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے تم دل بخشو پھر میری بہادری دیکھو،مجھے اپنی بلی بنالو پھر میری شیری دیکھو۔

۲ اُوقیہ الف کے پیش یا فتح سے،چالیس درہم کا ہوتا ہے مگر وقیہ بغیر الف کے کبھی اوقیہ کے ہم معنی ہوتا ہے اور کبھی سات مثقال کا۔اس کی جمع وقایا ہے جیسے خطیئہ کی خطایا،اور اوقیہ کی جمع اواقی ہے جیسے اعجوبہ کی جمع اعاجیب۔اس سے معلوم ہوا کہ مال والے کو اس کا مال بیچنے کی رغبت دینا جائز ہے۔(مرقات)

۳ اس حدیث کی بنا پر امام احمد نے جانور کی بیع بالشرط جائز رکھی کہ بائع اس پر اپنے لیے سوار ہونے کی شرط لگاسکتا ہے،امام مالک کے ہاں تھوڑے فاصلہ تک سواری کی شرط لگانا جائز ہے کیونکہ اس موقعہ پر مدینہ طیبہ قریب تھا لیکن امام اعظم و شافعی کے ہاں یہ شرط مطلقًا ناجائز ہے کیونکہ دوسری احادیث میں بیع بالشرط سے ممانعت فرمائی گئی ہے۔اس حدیث کے متعلق ان دو بزرگوں نے چند باتیں فرمائیں:ایک یہ کہ یہ شرط داخل بیع نہ تھی بلکہ بعد بیع عاریۃً وہ اونٹ لیا گیا جیسا کہ بعض روایات میں ہے۔دوسرے یہ کہ یہ شرط حضرت جابر نے پیش نہ کی بلکہ حضور انور نے بطور رعایت عطا فرمائی جیسے آج کل بعض تاجر کمیشن یا انعامی بونڈ پر چیزیں بیچتے ہیں کہ یہ شرطیں خود اپنی طرف سے لگادیتے ہیں یا پوسٹ آفس(Post Office)کا محکمہ

خطوط لفافے ٹکٹ اس شرط پر بیچتے ہیں کہ ہم مال منزل پر پہنچادیں گے۔تیسرے یہ کہ یہ صورۃً بیع تھی،حقیقتًا نہ تھی جیساکہ آگے رہا ہے کہ حضور انور نے حضرت جابر کو رقم بھی عطا فرمادی اور اونٹ بھی۔(لمعات و مرقات)

۴؎اس جملہ نے اس تجارت کی نوعیت بتلادی کہ لفظ بیع شراء کے تھے مگر حقیقت عطا کی تھی۔

۵؎قیراط آدھے دانق کو کہتے ہیں دانق تہائی درہم ہے لہذا قیراط درہم کا چھٹا حصہ ہوا،یہ قیراط حضرت جابر کو قیمت سے الگ دیا گیا تھا جسے حضرت جابر ہمیشہ اپنے پاس رکھتے تھے اور خرچ کرتے رہتے تھے حتی کہ یزید ابن معاویہ کے زمانہ میں واقعہ حرہ کے موقعہ پر جب یزیدی فوج نے حضرت جابر کا مال لوٹا تو یہ قیراط بھی چھین لیا۔(مرقات)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ادائے قرض و ادائے حقوق کا وکیل بنانا بھی جائز ہے اور حق سے کچھ زیادہ دینا بھی جائز،یہ زیادتی سود نہ تھی سود کی نوعیت کچھ اور ہوتی ہے۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ حضرت بریرہ آئیں بولیں کہ میں نو اوقیہ پر مکاتبہ ہوگئی ہوں ہر سال میں ایک اوقیہ ۱؎ آپ میری امداد فرمائیں تو حضرت عائشہ نے فرمایا اگر تمہارے مولٰی یہ پسند کریں کہ میں انہیں سارا روپیہ ایک دم گن دوں اور تمہیں آزادکروں اور تمہاری ولا میرے لیے رہے ۲؎وہ اپنے مولاؤں کے پاس گئیں انہوں نے اس کا انکار کیا مگر یہ کہ ولاء ان کے لیے ہو۳؎اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم انہیں لے لو اور آزاد کردو۴؎پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے مجمع میں قیام فرمایا اللہ کی حمدوثناء کی ۵؎پھر فرمایا بعد حمد وثناء کے لوگوں کا کیا حال ہے کہ ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو اللہ کی کتاب میں نہیں ہیں ۶؎جو شرط بھی ایسی ہو جو اللہ کی کتاب میں نہیں وہ باطل ہے،اگرچہ سو شرطیں ہوں ۷؎لہذا اللہ کا فیصلہ لائق عمل ہے اور اللہ کی شرط بہت مضبوط ہے ولاء اسی کے لیے ہے جو آزاد کرے ۸؎(مسلم،بخاری)

۱؎حضرت بریرہ بروزن کریمہ مشہور صحابیہ ہیں،پہلے ایک یہودی کی لونڈی تھیں،پھر حضرت عائشہ صدیقہ کی لونڈی بنیں،آپ کی ملک پر آزاد ہوئیں کہ یہودی نے آپ کو مکاتبہ کیا تھا،پھر حضرت عائشہ صدیقہ نے خرید لیا۔(اشعہ)اوقیہ کی تحقیق پہلے ہو چکی ہے۔مکاتب وہ غلام ہے جسے مولٰی کہہ دے کہ اتنی رقم مجھے دے تو آزاد ہے۔

۲؎اس طرح کہ تو اپنے کو اداء بدل کتابۃ سے معذور کردے جس سے کتابۃ ختم ہوجائے پھر میں تجھے نو اوقیہ کے عوض خرید کر آزاد کردوں تو تم میری آزاد کردہ لونڈی ہو اور تمہاری ولاء میرے لیے ہو،ورنہ مکاتب کی بیع درست نہیں اور جو مکاتب کی امداد کرے کہ اس کا بدل کتابۃ ادا کردے وہ اس کا مالک نہیں ہوجاتا نہ ولاء اسے ملتی ہے۔

۳؎ یعنی بریرہ کے مولیٰ اس فسخ کتابۃ پر تو راضی ہوگئے فروخت کردینے پر بھی راضی ہو گئے مگر فروخت میں شرط یہ لگاتے تھے کہ ولاء یعنی حق میراث انہیں ملے یہ شرط بھی فاسد تھی اس سے بیع بھی فاسد ہوتی۔

۴؎ اس حدیث کی بنا پر امام مالک اور احمد ابن حنبل مکاتب کی بیع جائز مانتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ حضور انور نے بریرہ مکاتبہ کی بیع درست رکھی مگر ہمارے امام اعظم و شافعی فرماتے ہیں کہ مکاتب کی رضا سے اس کی فروخت کتابۃ کا فسخ ہے،گویا مکاتب اپنی کتابۃ ختم کررہا ہے اور اپنے کو فروخت کرارہا ہے یہاں یہ ہی ہوا،بعض آئمہ نے اس حدیث کی وجہ سے بشرط عتق بیع کو جائز رکھا کہ یہاں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا نے آزادی کی شرط پر خریدا،ہمارے ہاں ایسی بیع فاسد ہے کہ یہ بیع بالشرط ہے،یہاں بائع یا حضرت بریرہ نے یہ شرط نہ لگائی تھی بلکہ خود ام المؤمنین نے آزادی کی پیشکش کی تھی،شرط اور پیش کش میں بڑا فرق ہے۔

۵؎ وعظ سے پہلے حمد الٰہی سنت رسول اللہ ہے صلی اللہ علیہ وسلم اور حمد و صلوۃ دونوں پڑھنا سنت صحابہ ہے،دونوں ہی پڑھنا چاہئیں۔

۶؎ کتاب اللہ سے مراد یا لوح محفوظ ہے یا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا دین اسلام کیونکہ یہ قاعدہ **الولاء لمن اعتق** ولاء آزاد کرنے والے کی ہے،قرآن شریف میں موجود نہیں،یا **لیس** کے معنی ہیں کہ یہ شرط قرآنی قاعدہ کے موافق نہیں،اس صورت میں کتاب اللہ سے مراد قرآن شریف بھی ہوسکتا ہے۔(مرقات)

۷؎ اس حدیث پر بہت ہی اعتراضات ہیں اس لیے بعض محدثین نے اس ساری حدیث ہی کا انکار کردیا ہے،بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ **اشترطی لھم** اے عائشہ ان کی شرط قبول کرلو اور خرید لو،ولاء تمہارے لیے ہی ہوگی۔اس حدیث پر حسب ذیل اعتراض پڑ جاتے ہیں:(۱)مکاتب غلام کی بیع جو شرعًا ناجائز ہے(۲)بائع کی شرط کو قبول کرلینا،یہ بیع بالشرط ہوئی یہ بھی فاسد ہے(۳)بشرط عتق بیع یہ بھی فاسد ہے(۴)بائع کو دھوکا دینا کہ اس کی شرط ولاء منظور کرلینا حالانکہ ولاء اسے نہ ملے بلکہ خریدار کو ملے،کیسے ہوسکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان چیزوں کی اجازت دیں۔بعض شارحین نے اس حدیث کو درست مانا مگر **واشْتَرِطِیْ لَهُمْ** لام کو علی کے معنی میں لیا اور معنی یہ کیے کہ ان کے خلاف شرط لگالو کہ ولاء اس کے ہوگی جیسے **وَمَنْ اَسَاءَ فَلَهَا** میں لام علی کے معنی میں ہے مگر صحیح بات وہ ہے جو یہاں مرقات نے فرمائی کہ چونکہ عرب شریف میں اس قسم کی بیع بالشرط کا عام رواج تھا،اس رواج کو توڑنے کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہ صدیقہ کو اس بیع کی خصوصی اجازت دی تاکہ آئندہ اس بیع کا سلسلہ ہی ختم ہوجائے اب یہ بیع جائز نہیں جیسے حضور انور نے حجۃ الوداع میں حج کے احرام کو عمرہ میں تبدیل کرادیا تاکہ یہ عقیدہ ختم ہوجائے کہ زمانہ حج میں عمرہ حرام ہے ایسے ہی یہاں ہوا اور نہ یہ حدیث ظاہری معنی پر کسی مذہب کے موافق نہیں اور دیگر تمام احادیث کے خلاف ہے۔(مرقات)

۸؎ اس فرمان عالی سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ حضور کا فیصلہ رب تعالٰی کا فیصلہ ہے،دیکھو یہ قانون کہ **الولاء لمن اعتق** ولاء آزاد کرنے والے کو ملتی ہے۔حضور کا قانون ہے مگر فرمایا گیا **قضاء اللہ** کیوں نہ ہو،رب فرماتاہے:"**مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ**"۔دوسرے یہ کہ اگر کفار مسلمانوں سے تجارت کریں تو انہیں اسلامی قوانین کی پابندی کرنا

ہوگی،دیکھو یہاں بائع یہودی ہے مگر چونکہ خریدار عائشہ صدیقہ ہیں اس لیے اس پر سارے اسلامی قانون جاری ہوگئے،لہذا کافر مسلمان کے ہاتھ سور یا شراب نہیں بیچ سکتاآپس میں کفار اس قسم کی بیع کرسکتے ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ولاء کی فروخت اور اس کے ہبہ سے منع فرمایا[1](مسلم،بخاری)

[1] ولاء ولی سے بنا بمعنی قرب،شریعت میں استحقاق میراث کو ولاء کہتے ہیں کہ اگر غلام لاوارث مرجائے تو اس کی میراث مولیٰ کو ملے،چونکہ ولاء مال نہیں ہے،نیز معتق کے ساتھ ایسی لازم ہے جیسے نسبی قرابت داروں کے ساتھ نسب منتقل نہیں ہوسکتی اس لیے اس کی بیع ناجائز ہے،قریبًا تمام آئمہ کا اس پر اتفاق ہے۔جن لوگوں نے ولاء کی بیع یا ہبہ جائز رکھاانہیں غالبًا یہ حدیث پہنچی نہیں۔(نووی،اشعہ لمعات،مرقات)

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت مخلد ابن خفاف سے[1] فرماتے ہیں میں نے ایک غلام خریدا میں نے اس کی آمدنی وصول کرلی پھر میں اس کے ایک عیب پر مطلع ہوا[2] تو میں نے اس کا مقدمہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خدمت میں پیش کیا تو آپ نے مجھے اس کے واپس کردینے کا فیصلہ اور اس کی آمدنی لوٹا دینے کا حکم دیا[3] پھر میں حضرت عروہ کے پاس گیا اور انہیں خبر دی وہ بولے شام کو میں ان کے پاس جاؤں گا اور انہیں بتاؤں گا کہ حضرت عائشہ نے مجھے خبر دی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جیسے مقدمہ میں فیصلہ یہ فرمایا کہ آمدنی خرچ کے عوض ہے[4] چنانچہ عمر کے پاس عروہ گئے تو انہوں نے فیصلہ فرمایا کہ آمدنی اس شخص سے واپس لے لو جسے دے دینے کا حکم مجھے دیا تھا[5](شرح سنہ)

[1] صحیح یہ ہے کہ مخلد تو تابعی ہیں جن سے صرف یہی ایک روایت مروی ہے لیکن ان کے والد خفاف اور دادا ایما دونوں صحابی ہیں،قبیلہ بنی غفار سے ہیں۔**مخلد** میم کے زبر اور خ کے سکون سے ہے،**خفاف** خ کے پیش اور ف کے زبر سے ہے۔(اشعہ)

۲؎ آمدنی سے مراد غلام کی کمائی ہے اور عیب سے مراد وہ پرانا عیب ہے جو بائع کے ہاں سے آیا۔لغت میں غلہ اس آمدنی کو کہاجاتا ہے جو کھیت باغ جانور سے حاصل ہو،دانے پھل،دودھ بچے،کرایہ وغیرہ یہاں کی کمائی مراد ہے یعنی مجھے غلام کے عیب کا پتہ اس وقت چلا جب میں اس کی کچھ کمائی حاصل کرچکا۔

۳؎ یعنی پہلے تو میں نے فروشندہ سے کہا کہ غلام واپس لے لےمگر جب وہ راضی نہ ہواتو خلیفۃ المسلمین حضرت عمر ابن عبدالعزیز کی بارگاہ میں مقدمہ دائر کردیا کہ یہ غلام واپس کرایا جائے تب آپ نے یہ فیصلہ کیا کہ غلام واپس دو،اس کی آمدنی بائع کے حوالہ کرو اور اپنی قیمت اس سے وصول کرو۔

۴؎ آپ حضرت عروہ ابن زبیر ہیں،مشہور تابعی ہیں،مدینہ منورہ کے سات قاریوں سے ہیں،قرشی ہیں،اسدی ہیں، ۲۳ھ میں پیدا ہوئے،بڑے فقیہ تھے،آپ نے فرمایا کہ حضرت عمر ابن عبدالعزیز نے فیصلہ غلط کیا کہ غلام کی اتنے دن کی آمدنی تمہیں واپس کرنا نہ ہوگی میں انہیں عرض کردوں گا کہ چونکہ اس زمانہ میں خریدار غلام پر کھانا پینا وغیرہ خرچ بھی کرچکا ہے اس لیے آمدنی اس کے خرچ و ضمان کے عوض ہے۔

۵؎ یعنی میں بائع کو غلام اور اس کی آمدنی دے چکا تھا،پھر مجھے آمدنی واپس دلوائی گئی۔معلوم ہوا کہ حاکم کے فیصلہ کی اپیل کرنا جائز ہےخواہ اس کے پاس کرے یا اس سے بڑے حاکم کے پاس۔امام شافعی فرماتے ہیں کہ ایسی صورت میں خریدے ہوئے جانور کے بچے،اون،دودھ،درخت کے پھل وغیرہ خریدار کے ہوں گے اور اصل شے واپس ہوگی،امام مالک کے ہاں جانور کے بچے ماں کے ساتھ واپس ہوں اون،دودھ واپس نہ ہوگا،ہمارے ہاں خریدار کے پاس بچے یا پھل کی پیدائش سے جانور یا درخت واپس نہ ہوسکے گابلکہ خریدار نقصان عیب لے گا،ان تمام آئمہ کے دلائل کتب فقہ میں ملاحظہ فرمایئے۔چنانچہ عمر ابن عبدالعزیز نے یہ سن کر اپنا پہلا فیصلہ واپس لے لیااور اب یہ ہی فیصلہ کیا۔معلوم ہوا اگر قضاء قاضی حکم منصوص کے خلاف ہو تو ٹوٹ جائے گی۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب بائع و خریدار جھگڑ پڑیں ۱؎ تو بائع کی بات معتبر ہے اور خریدار کو اختیار ہے ۲؎ (ترمذی)اور ابن ماجہ و دارمی کی ایک روایت میں یوں ہے کہ بائع و خریدار جب جھگڑ پڑیں اور چیز ویسی ہی موجود ہو اور ان کے درمیان گواہ کوئی ہو نہیں تو قول وہ ہی ہوگا جو بائع کہے یا دونوں بیع واپس کرلیں ۳؎	

۱؎ قیمت کی مقدار میں جھگڑیں یا خیار شرط میں ادھار قیمت کی مدت میں یا بیع کی صفت میں،غرضکہ کسی قسم کا جھگڑا پڑ جائے۔

۲؎ اس صورت میں خریدار اپنے دعویٰ پر گواہ لائے اگر اس کے پاس گواہ نہ ہوں تو بائع قسم کھائے پھر حاکم خریدار کو اختیار دیدے کہ وہ خریدے یا نہ خریدے۔

۳؎ اس بارے میں ہمارا مذہب یہ ہے کہ اگر مبیع چیز موجود ہے اور قیمت میں اختلاف ہوگیاتو فیصلہ گواہی پر ہوگااور اگر گواہی دونوں کے پاس ہو تو زیادتی قیمت کی گواہی مانی جائے گی اور اگر کسی کے پاس گواہی نہ ہو تو دونوں قسم کھائیں گے اور بیع

فسخ ہوجائے گی اور اگر قیمت و مبیع دونوں میں جھگڑا ہے تو قیمت کے بارے میں بائع کی گواہی قبول ہوگی اور مبیع کے متعلق خریدار کی لیکن اگر مدت یا شرط خیار یا بعض قیمت پر قبضہ کرنے میں اختلاف ہوجائے تو قسم کسی پر نہیں۔اس بارے میں جو مختلف احادیث مروی ہیں وہ صحیح نہیں لہذا اس حدیث مشہور پر اعتماد چاہیے کہ گواہ مدعی پر ہیں اور قسم منکر پر۔(اشعہ)

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مسلمان کی فسخ بیع قبول کرے تو اللہ قیامت کے دن اس کی غلطیاں معاف فرمادے گا ۱(ابوداؤد،ابن ماجہ)اور شرح سنہ میں مصابیح کے لفظ بطریق ارسال شرح شامی سے روایت کیے ۲	

۱یعنی اگر خریدو فروخت مکمل ہوچکنے کے بعد خریدار چیز واپس کرنا چاہے یا بائع وہ چیز واپس لینا چاہے تو اگرچہ انہیں یہ حق تو نہیں مگر فریق آخر کو چاہیے کہ اسے منظور کرے اور سامنے والے پر مہربانی کرے جس کے بدلہ میں پروردگار اس کی خطائیں اور غلطیاں معاف فرمائے گا۔

۲مصابیح کے الفاظ یہ ہیں"مَنْ اَقَالَ مُسْلِمًا صَفْقَةً كَرِهَهَا اَقَالَ اللّٰهُ عَشْرَتَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ"یہ مصنف مصابیح پر اعتراض ہے کہ انہوں نے یہاں ابوداؤد ابن ماجہ کی روایت متصل ہوتے ہوئے روایت مرسل کا ذکر کیا،متصل کو چھوڑ دیا۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم سے اگلے لوگوں میں ایک شخص نے دوسرے سے زمین خریدی تو زمین کے خریدار نے اپنی اس زمین میں ایک مٹکی پائی جس میں سونا بھرا تھا ۱تو خریدار نے بائع سے کہا اپنا سونا مجھ سے لے لو میں نے تم سے زمین خریدی تھی سونا نہیں خریدا تھا بیچنے والا بولا میں نے تو تیرے ہاتھ زمین اور جو کچھ زمین میں ہے سب بیچ دیا ۲ چنانچہ یہ دونوں ایک شخص کے پاس مقدمہ لے گئے تو جسے انہوں نے پنچ بنایا تھا وہ بولا ۳کیا تم دونوں کے اولاد ہے تو ان میں سے ایک بولا کہ میرے لڑکا ہے تو دوسرا بولا میری لڑکی ہے پنچ نے کہا لڑکے کا لڑکی سے نکاح کردو اور ان پر خرچ کرو اور بچا ہوا خیرات کردو ۴(مسلم،بخاری)	

۱؎ یعنی جب خریدار نے اس زمین میں کنواں یا بنیاد کھودی تو اس میں دفینہ پایا۔کان و دفینہ مل جانے کے احکام کتب فقہ میں دیکھئے۔

۲؎ سبحان اللہ! کیسے ایماندار لوگ تھے،خریدار کہہ رہا ہے کہ میں نے صرف زمین خریدی ہے اور یہ سونا زمین میں نہیں یہ تیرا ہے،بائع کہتا ہے کہ زمین کی فروخت میں اس کے اندر کی تمام چیزیں بک جاتی ہیں جیسے اس کے اندر کا پانی اور کان وغیرہ لہذا یہ سونا بھی بک گیا اور زمین کی طرح اس کا بھی تو ہی مالک ہوگیا۔

۳؎ ظاہر یہ ہے کہ یہ شخص حکومت کا مقرر کردہ حاکم نہ تھا بلکہ ان کا اپنا مقررکردہ پنچ تھا اور ہوسکتا ہے کہ حاکم ہی ہو۔ مرقات نے فرمایا کہ بعض محدثین کے خیال میں یہ حاکم داؤد علیہ السلام تھے۔واللہ اعلم!

۴؎ وَصَدِّقُوْا یا اَنْفِقُوْا کا بیان ہے یا علیحدہ حکم یعنی ان بچوں پر سارا خرچ کرو جس میں صدقہ کا ثواب ملے گا یا کچھ ان پر خرچ کرو کچھ فقراء پر۔(حاشیہ مشکوۃ)خیال رہے کہ دفینہ کے یہ احکام ہمارے دین میں نہیں،ہمارے ہاں دفینہ اگر کفار کا ہے تو اس کا اور حکم ہےاور اگر مسلمانوں کا ہے تو اور حکم،رہا یہ فیصلہ کہ کس کا دفینہ ہےعلامت سے کیا جائے گا،تفصیل کتب فقہ میں دیکھئے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قاضی و حاکم حتی الامکان فریقین میں صلح کی کوشش کرے اور ان کو اچھی بات کا حکم کرے۔

باب السلم و الرہن

سلم اور گروی کا باب ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱سلم کے لغوی معنے ہیں تسلیم یعنی سپرد کرنا،سونپنا۔شریعت میں سلم یہ ہے کہ قیمت فی الحال دی جائے،چیز ادھار ہو،یہ تجارت سات آٹھ شرطوں سے جائز ہے،چونکہ اس بیع میں قیمت فورًا سپرد کی جاتی ہے اس لیے سلم کہلاتی ہے،اسے بیع سلف یعنی ادھار کی بیع بھی کہتے ہیں کہ مال مبیع اس میں ادھار ہوتا ہے۔بیع سلم کا ثبوت قرآن شریف سے بھی ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"اِذَا تَدَایَنۡتُمۡ بِدَیۡنٍ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی فَاکۡتُبُوۡہُ"۔یہاں بیع سلم مراد ہے۔رہن کے معنی ہیں حبس یعنی قید کرنا،روکنا،شریعت میں گروی کو رہن کہتے ہیں۔جس کی حقیقت یہ ہے کہ کسی کے حق کی وجہ سے اپنی کوئی چیز حقدار کے پاس رکھ دی جائے کہ جب یہ شخص حق دار کا حق ادا کردے،اپنی چیز لے لے،رہن کا ثبوت قرآن شریف سے بھی ہے حدیث شریف سے بھی۔چنانچہ رب تعالٰی فرماتاہے:"فَرِہٰنٌ مَّقۡبُوۡضَۃٌ"اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی سے کچھ قرض لیا اوراپنی زرہ اس کے پاس گروی رکھی حتی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت وہ زرہ گروی ہی تھی جو جناب صدیق اکبر نے چھوڑائی۔(اشعہ و لمعات)

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو وہ لوگ ایک سال دو سا ل تین سال تک بیع سلم کرتے تھے ۱تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کسی چیز میں بیع سلم کرے وہ مقرر پیمانے اور وزن مقرر میں معین مدت تک سلم کرے ۲(مسلم،بخاری)	

۱اس طرح کہ دانے پھل سال دو سال کے ادھار پر خریدتے تھے کہ قیمت آج دے دی اور دانے یا پھل سال دو سال کے بعد لیں گے۔ظاہر یہ ہے کہ دانے اور پھل ایسے ہوتے تھے جو سال بھر تک بازار میں ملتے رہیں کیونکہ بیع سلم میں یہ شرط ہے کہ وہ چیز عقد کے وقت سے ادا کے وقت تک بازار میں ملتی رہے۔

۲اس حدیث سے بیع سلم کی تین شرطیں معلوم ہوئیں:خریدی چیز کا وزن معلوم ہونا،پیمانہ معلوم ہونا،وقت ادا مقرر ہونا۔احناف کے ہاں تقرر مدت بیع سلم کی شرط ہے،امام شافعی کے ہاں نہیں لہذا یہ حدیث امام اعظم کی دلیل ہے،باقی شرائط چیز کی ذات و وصف کا معلوم ہونا،ادا کی جگہ مقرر ہونا،وقت ادا تک چیز کا بازار میں ملنا دوسری احادیث و دلائل سے معلوم ہوگا۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی سے ۱؎ غلہ ادھار میعاد معین تک کے لیے خریدا اور اپنی لوہے کی زرہ اس کے پاس گروی رکھی ۲؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ اس یہودی کا نام ابو شحم تھا،قبیلہ بنی ظفر سے تھا یا تو اس وقت صرف اسی کے پاس فالتو جو تھے،کسی صحابی کے پاس ضرورت سے زائد نہ تھے یا حضرات صحابہ حضور انور سے گروی لینے پر ہرگز تیار نہ تھے اور گروی رکھنا ضروری تھا تاکہ آئندہ اس گروی کے مسائل لوگوں کو معلوم ہوسکیں اسی لیے یہودی سے قرض لیا اور اسے گروی دیا،حضور انور نے ابو شحم سے کچھ ادھار لیے تھے جیساکہ دوسری روایات میں ہے۔

۲؎ اس واقعہ سے بہت سے احکام شرعیہ معلوم ہوئے:کفار سے خرید وفروخت اور قرض کا لین دین جائز ہے اگرچہ ان کی آمدنی خالص حلال نہیں،وہ شراب وسور کی بھی تجارت کرتے ہیں،سود کا کاروبار بھی کرتے ہیں،ہر مخلوط آمدنی والے کا یہ ہی حکم ہے،حضور انور نے دنیا میں زہد وقناعت اختیار کی،جنگی سامان کفار کے ہاں گروی رکھنا درست ہے اگرچہ بحالت جنگ ان کے ہاتھ ہتھیار فروخت کرنا ممنوع ہے،ذمی کفار اپنے مال واسباب کے شرعی مالک ہیں۔رہن گھر میں بھی درست ہے،قرآن کریم میں رہن رکھنے کے لئے جو سفر کی قید ہے کہ "وَاِنۡ کُنۡتُمۡ عَلٰی سَفَرٍ "الخ یہ قید اتفاقی ہے احترازی نہیں۔خیال رہے کہ کفار کے ہاتھ قرآن شریف یا مسلمان غلام فروخت کرنا ممنوع ہے،دین میں میعاد ادا مقرر ہونی چاہیے تاکہ جھگڑا نہ پڑے۔(مرقات)

	روایت ہے انہی سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے اس حال میں وفات پائی کہ آپ کی زرہ ایک یہودی کے پاس تیس صاع جو کے عوض گروی تھی ۱؎ (بخاری)

۱؎ یا تو یہ وہ ہی واقعہ ہے جو ابھی مذکور ہوا یا یہ دوسرا واقعہ ہے،یہ زرہ حضرت ابوبکر صدیق نے چھوڑائی اور حضرت علی کو مرحمت فرمادی۔(مرقات)اور حضور انور کے تمام وعدے وقرض حضرت صدیق اکبر نے ادا کیے۔وہ جو روایت میں آتا ہے کہ مقروض میت کی روح ادائے قرض سے پہلے پھنسی رہتی ہے۔یہ اس صورت میں ہے کہ میت نے بلاضرورت قرض لیا ہو یا ناجائز کام کے لیے یا اس کی نیت ادا کی نہ ہو لہذا اس حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔ایک صاع ساڑھے چار سیر کا ہوتا ہے تو کل ۱۳۵ سیر جو ہوئے یعنی تین من پندرہ سیر۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سواری گروی ہو تو اس کے خرچ کے عوض اس پر سوار ہوا جاسکتا ہے اور جب جانور گروی ہو تو اس کا دودھ خرچ کے عوض پیا جاسکتا ہے ۱؎ اور سوار ہونے والے اور دودھ پینے والے کے ذمہ خرچ ہے ۲؎ (بخاری)

۱؎ جمہور علماء کے نزدیک اس حدیث کے معنے یہ ہیں کہ مالک یعنی مقروض اپنی گروی چیز کا خرچہ برداشت کرے اور اس سے نفع حاصل کرسکتا ہے لہذا گروی بھینس یا گھوڑے کا خرچ مالک یعنی مقروض دے گا اور دودھ یا سواری کا حق بھی مقروض ہی کو ہوگا،اس صورت میں حدیث ظاہر ہے۔اگر یہ مطلب ہو کہ قرض خواہ گروی پر خرچ کرے اور اس کے دودھ سواری سے فائدہ اٹھائے تو احادیث ربٰو سے یہ حدیث منسوخ ہے کہ جو قرض نفع کا ذریعہ ہو وہ حرام ہے،امام احمد و اسحاق اس حدیث کی

بنا پر فرماتے ہیں کہ قرض خواہ رہن سے نفع بھی اٹھائے اس پر خرچ بھی کرے وہ بھی صرف سواری دودھ کی اجازت دیتے ہیں،باقی منافع حاصل کرنا ان کے ہاں بھی حرام ہے مگر ان کا یہ قول ضعیف بھی ہے اور جمہور علماء و احادیث ربٰو کے مخالف بھی کیونکہ ان کے ہاں بھی اگر مرہون غلام قرض خواہ کے قبضہ میں فوت ہوجائے تو اس کا کفن دفن مالک پر ہے نہ کہ قرض خواہ پر۔

۲؎ اگر مقروض اس گروی کا دودھ وغیرہ استعمال کرے تو خرچہ اس کے ذمہ اور اگر قرض خواہ اس کی یہ چیزیں نہ دے تو رہن کی آمدنی سے اس کے یہ خرچ پورے کیے جائیں۔اگر آمدنی بچ رہے تو وہ قرض خواہ کے پاس امانت ہے جو اداء قرض کے وقت دی جائے اور اگر خرچ بڑھ جائے تو قرض میں شمار ہوگا،جب مقروض قرض اور یہ خرچ ادا کرے گا تب اپنی چیز واپس لے گا۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت سعید ابن مسیب سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گروی رکھنا مرہون چیز کو اس کے گروی رکھنے والے مالک سے نہیں روکتا۱؎ اس کے لیے اس مرہون کا نفع ہے اور اس ہی پر مرہون کا تاوان ۲؎(شافعی مرسلًا)اور اس کی یا اس کے معنی کی مثل جو مذکورہ حدیث کے خلاف نہیں،سعید ابن مسیب سے متصلًا مروی ہے وہ ابوہریرہ سے ۳؎	

۱؎ **لایغلق** باب افعال کا مضارع معروف ہے،پہلا رہن مصدر ہے دوسرا بمعنی مرہون یعنی کسی چیز کا گروی رکھ دینا مرہون چیز کو مالک مقروض سے روکتا نہیں بلکہ اس راہن کو اس مرہون کے استعمال کا حق ہے۔

۲؎ یعنی گروی چیز کے منافع مالک کے ہوں گے اور اس کے تمام مصارف مالک ہی پر ہوں گے وہ رہن قرض خواہ کے پاس بطور امانت مقبوض رہے گا،یہ حدیث گزشتہ حدیث کی شرح ہے کہ مالک راہن مرہون کے نفع حاصل کرے گا اور اس پر ہی اس کے خرچے ہوں گے۔مرتہن یعنی قرض خواہ کو نفع لینے کا حق ہے نہ اس پر خرچ،یہ ہی جمہور علماء اسلام کا مذہب ہے اور یہ حدیث ان کی مؤید ہے۔اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رہن پر قرض خواہ کا قبضہ تو ضروری ہے مگر قبضہ کا دوام ضروری نہیں،مالک کچھ دیر کے لیے قرض خواہ سے مرہون لے سکتا ہے کہ بغیر ملے اس سے نفع کیسے اٹھائے گا۔

۳؎ راوی معروف ہے اور اس کے فاعل امام شافعی ہیں،ہوسکتا ہے کہ مجہول ہو اور **مثلہ** نائب فاعل۔مطلب یہ ہے کہ مصابیح میں تو مرسل مروی ہے اور امام شافعی نے متصل اسناد سے بھی روایت فرمائی **عن سعید ابن مسیب عن ابی ھریرۃ**۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پیمانے تو مدینہ والوں کے ہیں اور ترازو مکہ والوں	

کے ۱؎(ابوداؤد،نسائی)	

۱؎یعنی شرعی احکام میں جہاں وزن ضروری ہےتو مکہ والوں کا وزن معتبر کہ وہ لوگ عمومًا تاجر ہیں،انہیں دن رات وزن سے کام رہتا ہےاور جہاں ناپ ضروری ہےتو مدینہ والوں کے ناپ کا اعتبار ہے کہ یہ لوگ عمومًا کاشتکار ہیں انہیں ناپنے کا کام رہتا ہے،دیکھو زکوۃ چاندی سونے کے وزن پر ہے اور وزن سے ہےتو اس میں مکہ والوں کا وزن لواور فطرہ میں ناپ کا اعتبار ہےتو مدینہ والوں کا ناپ ملحوظ۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماپ و تول والوں سے تم ایسی دو چیزوں کے ذمہ دار بنائے گئے ہو۱؎جن میں تم سے پہلے امتیں ہلاک ہوچکی ہیں۲؎(ترمذی)	

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ ان دو چیزوں سے مراد ناپ و تول جیسا کہ ترجمہ باب سے ظاہر ہے۔بعض شارحین نے ان دو سے مراد نماز و جہاد لیامگر یہ خلاف ظاہر ہے ورنہ حدیث اس باب میں نہ لائی جاتی۔(لمعات)

۲؎ان امتوں سے مراد حضرت شعیب علیہ السلام کی امت ہے جو تول و ناپ میں بے ایمانی کرتے تھے کہ لیتے تھے زیادہ دیتے تھے کم کیونکہ وہ امت بڑی جماعت تھی اس لیے انہیں امم جمع فرمایا گیا۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو کسی چیز کو بیع سلم سے خریدے تو اسے قبضہ سے پہلے دوسرے کو نہ دے ۱؎ (ابوداؤد،ابن ماجہ)	

۱؎یہ حکم اس قاعدہ کی بنا پر ہےکہ کسی چیز کی فروخت قبضہ سے پہلے جائز نہیں۔صرف سے مراد پھیرنا،منتقل کرنا ہے یعنی بیع سلم میں خریدار مسلم فیہ یعنی خریدی چیز کو قبضہ سے پہلے دوسرے کی طرف منتقل نہیں کرسکتا،نہ بیع سے نہ ہبہ یا صدقہ سے،یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ بیع سلم میں خریدار کسی اور چیز سے تبادلہ نہیں کرسکتا مثلًا بائع سے گندم خریدی تھی اور قبضہ سے پہلے جَو سے تبادلہ کرے یہ ناجائز ہے۔

باب الاحتکار

غلہ روکنے کا بیان ۱؎

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ احتکار حکرٌ سے بنا بمعنی ظلم و بد صحبتی،شریعت میں انسان یا جانور کی غذاؤں کا ذخیرہ کرلینا احتکار کہلاتا ہے۔تنگی کے زمانہ میں احتکار ناجائز ہے،فراخی میں جائز یعنی اگر انسان یا جانور بھوکے مررہے ہیں،بازار میں یہ چیزیں ملتی نہیں مگر یہ ظالم اور زیادہ مہنگائی کے انتظارمیں اشیاء ضرورت کا ذخیرہ کیے بیٹھا ہے یہ جرم ہے،ممانعت کی تمام حدیثوں میں احتکار سے یہی مراد ہے۔مطلقًا ذخیرہ کرنا حرام نہیں ورنہ مسلمان غلہ بھوسہ وغیرہ کی تجارت نہ کرسکیں گے۔(اشعہ ومرقات)

	روایت ہے حضرت معمر سے ۱؎فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو غلہ روکے وہ خطا کار ہے ۲؎(مسلم)اور ہم حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث کہ بنی نضیر کے مال کا الخ ان شاءاللہ تعالٰی باب الفیٔ میں ذکر کریں گے۔

۱؎آپ معمر ابن عبداللہ صحابی ہیں،قرشی عدوی ہیں،قدیم الاسلام ہیں،پہلے حبشہ کی جانب ہجرت کی،پھر وہاں سے مدینہ طیبہ کی طرف،وہیں عمر گزاری،ان کے علاوہ بہت سے تابعین تبع تابعین کا نام معمر ہے جن میں معمر ابن راشد بہت مشہور ہیں۔ظاہر یہ ہے کہ یہاں معمر صحابی مراد ہیں اور حدیث متصل ہے اور ہوسکتا ہے کہ معمر تابعی مراد ہوں اور حدیث مرسل ہو۔(اشعہ)

۲؎یعنی گنہگار۔امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی بنا پر فرمایا کہ مطلقًا مال کا ذخیرہ کرنا ناجائز ہے،مال غذا کی قسم کا ہو یا اور۔باقی جمہور ائمہ کے ہاں صرف غذاؤں کا روکنا منع ہے وہ بھی صرف تنگی کے زمانہ میں،اگر اس کے روکنے سے بازار پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور چیز عمومًا مل ہی رہی ہے تو بلاکراہت جائز ہے۔(مرقات)

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت عمر سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں غلہ لانے والا روزی دیا جائے گا روکنے والا لعنتی ہے ۱؎(ابن ماجہ،دارمی)

۱؎یعنی جو تاجر باہر سے شہر میں غلہ لائے جس کی وجہ سے یہاں کا قحط دور ہوجائے،اللہ اسے روزی دے اور جو غلہ کو ذخیرہ کرکے قحط پیدا کردے اس پر خدا کی پھٹکار ہو اور ہوسکتا ہے کہ یہ خبر ہو یعنی غلہ لانے والے کو برکتیں ملیں گی اور ذخیرہ والا لعنتی ہی مرے گا۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھاؤ چڑھتے گئے تو صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھاؤ مقرر فرمادیجئے۱؎ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بھاؤ مقرر فرمانے والا اللہ ہے وہ ہی تنگی و فراخی فرمانے والا روزی رساں ہے ۲؎ میری آرزو ہے کہ اپنے رب سے اس طرح ملوں۳؎ کہ تم میں سے کوئی مجھ سے خونی یا مالی ظلم کا مطالبہ نہ کرسکے ۴؎(ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ،دارمی)

۱؎یعنی دن بدن گرانی بڑھتی جارہی ہے،آپ ہر چیز پر کنٹرول(Control)فرماتے ہوئے بھاؤ مقرر فرمادیں کہ کوئی شخص اس سے زیادہ بھاؤ پر فروخت نہ کرسکے تاکہ خریداروں کو آسانی ہو جیساکہ آج کل حکومتیں کرتی رہتی ہیں۔

۲؎یعنی بھاؤ کا اتار چڑھاؤ گرانی و ارزانی رب کی طرف سے ہے یہ قدرتی چیز ہے جو انسان کی تدبیر سے دفع نہیں ہوسکتی،اس کے لیے رب سے دعائیں مانگو کہ وہ رحم کرے ارزانی بھیجے۔سبحان اللہ! کیا پیارا فرمان ہے تجربہ شاہد ہے کہ کنٹرول(Control) سے ارزانی نہیں ہوتی گرانی بڑھ جاتی ہے کہ پھر تاجر بلیک(Black)دوگنی تگنی قیمت پر فروخت کرتے ہیں بلکہ کبھی چیز ناپید ہوجاتی ہے بھلا جس چیز کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے رد فرمادیا ہو وہ مفید کب ہوسکتی ہے۔

۳؎یعنی میری وفات اس حال میں ہو یا قیامت میں اس طرح اٹھوں کہ کسی بندہ کا مجھ پر کوئی حق نہ ہو،ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو رب سے اتنے قریب ہیں اور رب سے ایسے ملے ہوئے ہیں کہ جو ان سے مل جائے وہ رب سے مل جاتا ہے،رب فرماتا ہے کہ اگر مجرم آپ کے دروازہ پر آکر استغفار کریں تو رب کو پالیں گے،حضرت حسان رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں۔شعر

ضم الالٰہ اسم النبی باسمہ　　　　اذ قال فی الخمس المؤذن اشھد

یعنی رب نے توان کے نام کو اپنے نام کے ساتھ اذان و کلمہ وغیرہ میں ملالیا،ہم نے عرض کیا ہے۔شعر

وہ رب کے ہیں رب ان کا ہے جو ان کا ہے وہ رب کا ہے

بے ان کے جو رب سے ملا چاہے دیوانہ ہے سودائی ہے

بہرحال رب سے ملنے سے مراد وفات یا قیامت میں اٹھنا ہے۔

۴؎معلوم ہوا کہ چیزوں پر کنٹرول کرنا،ان کے بھاؤ مقرر کردینا تاجروں پر بھی ظلم ہے خریداروں پر بھی،تاجروں پر اس لیے کہ جب انہیں وہ چیز اس بھاؤ پڑتی نہیں تو وہ بیچیں گے کیوں کر اگر حکومت جبرًا سستی بکوا دے تو یہ دوسرے کے مال میں ناحق تصرف ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تاجر بیوپار چھوڑ دیں گے اور لوگ بھوکے مریں گے جیسا کہ اب بھی مشاہدہ ہورہا

ہے،ہاں اگر حکومت خود تجارت کرے یا تاجروں کو مناسب بھاؤ پر مہیا کرکے دے،پھر فروخت کا بھاؤ مقرر کردے جس سے تاجروں کو نقصان نہ ہواور چیز ناپید نہ ہو تو جائز ہوسکتا ہے۔اس کی تفصیل اسی جگہ لمعات شرح مشکوۃ میں ملاحظہ فرمایئے،کچھ مرقات نے بھی اس پر روشنی ڈالی ہے،خریداروں پر اس لیے کہ جب تاجر کنڑول کی وجہ سے مال باہر سے لانا چھوڑ دیں گے تو خریدار مال کہاں سے حاصل کریں گے،شہر میں قحط پڑ جائے گا یا پھر بلیک (Black) ہوکر مال بہت ہی گراں ملے گا جیسا کہ آج دیکھا جارہا ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت عمر ابن خطاب سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو مسلمانوں پر ان کی روزی(غلہ)روکے ۱؎ اللہ اسے کوڑھ اور مفلسی میں مارے ۲؎(ابن ماجہ،بیہقی شعب الایمان اور رزین نے اپنی کتاب میں)	

۱؎ ان کی روزی فرمانے میں اشارۃً فرمایا کہ احتکار مطلقًا ممنوع ہے مگر مسلمانوں پر احتکار زیادہ برا کہ مسلمان کو تکلیف دینا دوسروں کو تکلیف دینے سے بدتر ہے۔

۲؎ حق یہ ہے کہ یہ جملہ خبر نہیں بلکہ بددعا ہے،گویا محتکر یعنی غلہ ذخیرہ کرکے لوگوں کو بھوکا مارنے والا نبی کی بددعا کا مستحق ہےاور اس کے برعکس مسلمانوں پر وسعت کرنے والا نبی کی دعا کا حقدار ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو چالیس دن غلہ روکے ۱؎ کہ اس کے مہنگے ہونے کا انتظار کرے ۲؎ تو وہ اللہ سے دور ہوگیا اور اللہ اس سے بیزار ہوگیا ۳؎(رزین)	

۱؎ چالیس دن کا ذکر حد بندی کے لیے نہیں تاکہ اس سے کم احتکار جائز ہو،بلکہ مقصد یہ ہے کہ جو احتکار کا عادی ہو جائے اس کی یہ سزا ہے۔چالیس دن کوئی کام کرنے سے عادت پڑ جاتی ہےاس لیے چالیس دن نماز باجماعت کی تکبیر اولیٰ پانے کی بڑی فضیلت ہے کہ اتنی مدت میں وہ جماعت کا عادی ہوجائے گا۔

۲؎ ہر جگہ احتکار میں یہ ہی قید ہے کہ غلہ کی گرانی کے لیے اس کا ذخیرہ کرنا ممنوع ہےوہ بھی جب کہ لوگ تنگی میں ہوں اور یہ بہت زیادہ گرانی کا انتظار کرے کہ خوب نفع سے بیچے۔

۳؎ یہ فرمان عالی شان انتہائی غضب کا ہےجو بادشاہ کی حفاظت سے نکل جائے اس کا حال کیا ہوتا ہےجو چاہے اس کا مال لوٹ لے،جو چاہے اس کا خون کردے،جو چاہے اس کے زن و فرزند کو ہلاک کردےتو جو رب تعالٰی کی امان و عہد سے نکل گیا

اس کی بدحالی کا اندازہ نہیں ہوسکتا لہذا یہ ایک جملہ ہزارہا عذابوں کا پتہ دے رہا ہے۔رب تعالٰی محفوظ رکھے،یہ حدیث احمد و حاکم نے کچھ فرق کے ساتھ حضرت ابوہریرہ سے روایت فرمائی۔

	روایت ہے حضرت معاذ سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا غلہ روکنے والا بندہ بہت برا ہے کہ اگر اللہ بھاؤ سستے کرے تو رنجیدہ ہو اور اگر مہنگے کرے تو خوش ا (بیہقی شعب الایمان اور رزین اپنی کتاب میں)

ا اس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی تکلیف پر خوش ہونا اور ان کی خوشی پر ناراض ہونا لعنتی آدمیوں کا کام ہے خوشی و غم میں مسلمانوں کے ساتھ رہنا چاہیے،غلہ کے ناجائز بیوپاریوں کا عام حال یہ ہی ہے کہ ارزانی سن کر ان کا دل بیٹھ جاتاہے،گرانی کے لیے ناجائز عمل کرتے ہیں،اُلٹے وظیفے پڑھتے ہیں،لوگوں سے قحط کی دعائیں کراتے ہیں **نعوذ باللہ**!،وقت پر بارش ہو تو ان کے گھر صفِ ماتم بچھ جاتی ہے۔

	روایت ہے حضرت ابو امامہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو چالیس دن غلہ روکے ا پھر وہ سارا غلہ خیرات بھی کردے تب بھی اس کا کفارہ نہ ہوگا ۲ (رزین)

ا چالیس دن فرمانے کی حکمتیں ابھی عرض کی جاچکیں،ہوسکتا ہے کہ چالیس دن سے کم احتکار کرنے والے کا یہ حکم نہ ہو کہ ابھی یہ گناہ اس کی طبیعت میں پختہ نہ ہوا۔

۲ یعنی اگرچہ اس صدقہ کا ثواب پائے گا مگر یہ ثواب اس گناہ کا کفارہ نہ ہوسکے گا جو غلہ روکنے سے ہوا،یہ حدیث ابن عساکر نے حضرت معاذ سے کچھ لفظی فرق کے ساتھ روایت فرمائی۔

باب الافلاس و الانظار

باب دیوالیہ کرنا اور مہلت دینا ۱؎

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ افلاس فلس بمعنی پیسہ کا مصدر ہے ہمزہ سلب کی ہے لہذا اس کے معنے ہوئے پیسہ نہ رہنا،ہوسکتا ہے کہ ہمزہ تصییر کی ہو یعنی اس کے پاس روپیہ اشرفیوں کی بجائے پیسے بن جانا یا پیسے رہ جانا۔انظار نظرٌ سے بنا بمعنی ڈھیل یا مہلت دینا یعنی مقروض کا دیوالیہ ہو جانا ا ور اس کو قرض خواہوں یا حکومت کی طرف سے مہلت دینا کہ مال حاصل ہونے پر ادا کرے ابھی اس پر تقاضا نہ ہو،یہ حکم قرآن کریم سے حاصل ہوافرماتاہے:"وَ اِنۡ کَانَ ذُوۡ عُسۡرَۃٍ فَنَظِرَۃٌ اِلٰی مَیۡسَرَۃٍ"۔اس مہلت دینے کا بڑا اجروثواب ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو دیوالیہ ہوجائے ۱؎ پھر کوئی شخص اپنا مال بعینہٖ اسی طرح پالے ۲؎ تو دوسروں سے زیادہ حق دار اس کا یہ ہی ہوگا ۳؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ امام شافعی علیہ الرحمۃ کے ہاں مَن عام ہے جس میں ساری قسم کے دیوالیہ داخل ہیں مگر احناف کے ہاں مَن سے مردار وہ خریدار ہے جو تاجر سے ادھار خرید کر لایا،پھر دیوالیہ ہوگیا،اس فرق مطلب کی وجہ سے ان دونوں اماموں میں بڑا اختلاف ہے جیساکہ آئندہ ذکر ہوگا۔

۲؎ بعینہٖ پانے سے مراد یہ ہے کہ نہ تو ذاتًا وہ مال فنا ہوا ہو نہ صفاتًا کہ نہ تو وہ چیز دیوالیہ نے خرچ کرکے فنا کردی ہو نہ اسے وقف یا ہبہ یا بیع کردیا ہو،اگر ایسا کرچکا ہے تو اس کا یہ حکم نہیں۔

۳؎ امام شافعی کے ہاں اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ اگر دیوالیہ کے پاس کسی کو اپنا مال مل جائے تو وہ اپنا مال لے لے،دوسرے قرض خواہ اس میں شریک نہ ہوں گے یہ مال کسی قسم کا بھی ہو،ہمارے احناف کے ہاں اس سے صرف یہ صورت مراد ہے کہ کسی شخص نے کسی سے کوئی چیز بشرط خیار خریدی کہ خیار بائع کو تھا اچانک خریدار دیوالیہ ہوگیا تو اب بائع اپنا خیار استعمال کرکے چیز واپس لے سکتا ہے اور اگر اس مال کی کچھ قیمت بھی لے چکا ہے تو بقدر قیمت وضع کرکے باقی چیز واپس لے سکتا ہےاس کے علاوہ اور کسی صورت میں یہ مال نہیں لے سکتا،حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ نے یہ ہی فیصلہ فرمایا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی یہ ہی منقول ہے۔(مرقات)یہ اختلاف خیال میں رہے۔

روایت ہے حضرت ابو سعید سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص	

نبی کریم صلی اللّٰہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کچھ پھلوں میں جو اس نے خریدے تھے گھاٹے میں پڑگیا تو اس پر بہت قرض ہوگیا ۱؎ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے فرمایا اس پر صدقہ کرو لوگوں نے اسے صدقہ دیا مگر صدقہ اس کے ادائے قرض تک نہ پہنچ سکا ۲؎ تب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے اس کے قرض خواہوں سے فرمایا جو پاؤ وہ لے لو ۳؎ تو تمہیں اس کے سواء کچھ نہ ملے گا ۴؎ (مسلم)	

۱؎ یعنی اس نے بہت باغ والوں سے قرض پھل خریدے،پھر یا تو پھل یکدم ارزاں ہوگئے کہ ان کا بھاؤ بہت گر گیا یا پھل خراب ہوگئے دیوالیہ ہوگیا،ان کا قرض ادا نہ کرسکا،نہ اس کے مال کی قیمت سے ہی ان کا قرض ادا ہوسکتا تھا دیوالیہ اسی کو کہتے ہیں۔

۲؎ یعنی لوگوں نے اسے صدقات و خیرات بھی حتی الامکان دیئے مگر قرض اتنا زیادہ تھا کہ اس کا مال اور یہ صدقات مل کر بھی ادا نہ ہوسکتا تھا،صدقہ کا یہ حکم استحبابی تھا۔معلوم ہوا کہ دیوالیہ کو صدقہ دینا بہتر ہے،کسی مسلمان کی گردن چھوڑنا بہت ثواب ہے۔

۳؎ یعنی مقروض کی تمام املاک تجارتی مال،جائیداد،مکانات وغیرہ جو کچھ اس کی ملک و قبضہ میں ہے تم لوگ آپس میں بقدر حصہ تقسیم کرلو،اگر تمام املاک قرض کا نصف ہے تو ہر قرض خواہ اپنا آدھا قرض وصول کرے اگر قرض کا تہائی ہے تو ہر قرض خواہ اپنا تہائی قرض وصول کرے،یہ حضرت امام اعظم کی دلیل ہے کہ کوئی شخص مقروض کے قبضہ سے کسی خاص چیز پر قبضہ نہیں کرسکتا بلکہ قرض خواہوں کے ساتھ بقدر حصہ وصول کرے گا۔

۴؎ یعنی اس وقت زیادہ نہ ملے گا اور نہ تم مقروض کو قید و بند کرسکتے ہو،اسے مہلت دوجب اس کے پاس مال ہوجائے لے لو،یہ مطلب نہیں کہ اب تمہارا بقیہ قرض ملے گا ہی نہیں،مارا گیا یا معاف ہوگیا۔خیال رہے کہ اس مقروض کو قید کرایا جاسکتا ہے جس کے متعلق شبہ ہوکہ اس کے پاس مال تو ہے مگر چھپالیا ہے پھر جب اس کی ناداری معلوم ہوجائے تو اسے قید نہیں کیاجاسکتا۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ نبی کریم صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک شخص لوگوں کو قرض دیا کرتا تھا اور اپنے نوکر کو اسے اس نے کہہ رکھا تھا ۱؎ کہ جب تو کسی تنگ دست کے پاس تقاضا کو جائے تو اسے معاف کردے ۲؎ ہوسکتا ہے کہ اللّٰہ ہم کو معافی دے دے فرمایا کہ وہ اللّٰہ سے ملا تو رب نے اس سے در گزر فرمائی ۳؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ نوکر سے وہ نوکر مراد ہے جو مقروضوں سے تقاضا کرنے کو مقرر تھا جیسا کہ عام تجار ساہوکار ایسے لوگ رکھتے ہیں۔ فتی ساتھی کو بھی کہتے ہیں نوکر و غلام کو بھی،اس کے لغوی معنی ہیں جوان۔

۲؎ یا سارا قرض معاف کردے یا کچھ قرض یا مہلت دے دے کہ جلدی تقاضا نہ کرے،معافی میں یہ سب کچھ داخل ہے۔
۳؎ کہ اس کے سارے گناہ بخش دے۔اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ غلام یا نوکر کو قرض وصول کرنے کا وکیل کرسکتے ہیں۔دوسرے یہ کہ وکیل کو معافی یا نرمی کرنے کی اجازت دے سکتے ہیں۔تیسرے یہ کہ دعا میں جمع کے صیغے استعمال کرنا بہتر ہے کہ اس نے کہا تھا عنّا کہ اگر ایک کے حق میں دعا قبول ہوگئی تو ان شاءالله سب کے حق میں قبول ہوجائے گی،چوتھے یہ کہ گزشتہ دین کے احکام ہمارے لیے بھی قابل عمل ہیں جب کہ قرآن یا حدیث میں نقل ہوں۔(نووی،مرقات)پانچویں یہ کہ اپنے مقروض پر مہربانی کرنا اپنی بخشش کا ذریعہ ہے۔

روایت ہے حضرت ابوقتادہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم نے جو چاہے اسے الله تعالٰی روز قیامت کی تکالیف سے نجات دے ۱؎ تو چاہیے کہ وہ تنگدست کو مہلت دے یا معافی ۲؎(مسلم)	

۱؎ کُرَبَ کاف کے پیش ر کے فتح سے،کربة کی جمع ہے بمعنی تکلیف،محنت،مشقت اس لفظ میں قیامت کی دھوپ،پیاس، گھبراہٹ ملائکہ کی سختی وغیرہ سب کچھ داخل ہے۔
۲؎ **فلینفس تنفیس** سے بنا بمعنی تاخیر کرنا،دیر لگانا،مہلت دینا۔وضع سے مراد یا قرض بالکل معاف کردینا،اگر قرض خواہ کی طرف سے وکیل قبض کو اس کی اجازت ہوتو وہ یہ کام کرسکتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ تم بھی رب تعالٰی کے مقروض ہو لہذا اپنے مقروضوں کو معافی یا آسانی دو تم پر الله آسانی کرے گا۔

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں میں نے رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو تنگدست کو مہلت دے یا معافی ۱؎ تو الله اسے روز قیامت کی تکلیف سے نجات دے گا ۲؎(مسلم)	

۱؎ تنگدست کی قید لگانے سے معلوم ہوا کہ مقروض جو فراخی والا ہو مگر نادہندہ ہو اسے مہلت نہ دی جائے،وہ خبیث النفس ہے اس سے وصول ہی کیا جائے۔
۲؎ خلاصہ یہ ہے کہ قیامت کی تکالیف سے بچنا چاہو تو لوگوں کو مصائب سے بچاؤ کَمَا تَدِیۡنَ تُدَانُ۔

روایت ہے حضرت ابوالیسر سے ۱؎ فرماتے ہیں میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو کسی تنگدست کو مہلت یا معافی دے ۲؎ تو الله اسے اپنے سایہ میں جگہ دے گا ۳؎(مسلم)	

۱؎ آپ کا نام کعب ابن عمرو ہے،کنیت ابو الیسر انصاری ہے،بیعت عقبہ و غزوہ بدر میں شریک ہوئے،آپ ہی نے بدر کے دن حضرت عباس ابن عبدالمطلب کو قید کرکے بارگاہ رسالت میں پیش فرمایا، ۵۵ھ؁ میں مدینہ پاک میں وفات پائی وہاں ہی دفن ہوئے۔(اشعہ)

۲؎ مہلت و معافی میں فرق واضح ہے مگر دونوں کی جزاء و ثواب یکساں ہے۔

۳؎ اپنے سایہ سے مراد عرش اعظم کا سایہ ہے کہ قیامت میں صرف اسی کا سایہ ہوگا،وہاں ہی دھوپ اور تپش سے امان ہوگی،مقروض پر آسانی کرنے والا تنہائی میں اپنے گناہ یاد کرکے رونے والا،گناہ کرنے کے ارادہ پر رب کو یاد کرکے ہٹ جانے والا وغیرہ اس کے سایہ میں ہوں گے۔

روایت ہے حضرت ابو رافع سے فرماتے ہیں کہ رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جوان اونٹ قرض لیا۱؎ پھر آپ کے پاس صدقہ کے اونٹ آئے ابو رافع کہتے ہیں کہ مجھے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اس شخص (قرض خواہ) کا اونٹ ادا کردوں ۲؎ میں نے عرض کیا کہ میں تو اس سے اچھا رباعی دانت والا اونٹ ہی پارہا ہوں ۳؎ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے وہ ہی دے دو کہ بہترین شخص وہ ہے جو قرض اچھی طرح ادا کرے ۴؎(مسلم)	

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ فقراء پر خیرات کرنے کو قرض لیاورنہ آپ صدقہ کے اونٹ سے ادا نہ فرماتےاور ہوسکتا ہے کہ اپنے لیے قرض لیا ہوپھر صدقہ کا اونٹ اپنی جیب سے خریدکر ادا کردیا اور وہ قیمت خیرات کردی ہو۔بکر نو عمر جوان اونٹ کو کہتے ہیں اسی لیے حضرت ابوبکر صدیق کو ابوبکر کہا جاتا ہے کہ آپ جوان اونٹ پر سواری کرتے تھے۔(اشعہ) یا اس لیے کہ بکر کے معنی ہیں اول،چونکہ آپ ایمان،صحابیت وغیرہ بہت سے کمالات میں اول رہے لہذا آپ کو ابوبکر یعنی اولیت والے کہا گیا،ابو بمعنی والا،یہ حدیث امام شافعی و جمہور آئمہ کی دلیل ہے کہ حیوان کا قرض لینا جائز ہے،ہمارے امام اعظم کے ہاں منع ہے وہ اس حدیث کو منسوخ فرماتے ہیں۔

۲؎ اگرفقیر کے لیے قرض لیا تھا تب تو اس کے معنی ظاہر ہیں اور اگر اپنے لیے قرض لیا تھا تو مطلب وہ ہی ہے جو ابھی عرض کیا گیا کہ صدقہ کے اونٹ کی قیمت فقیر کو دے دی اونٹ قرض خواہ کو عطا فرمادیا جیسے آج ہم قربانی کی کھال کی قیمت خیرات کردیتے ہیں،اس صدقہ کی فروخت جائز ہے۔

۳؎ یعنی چھ برس کی عمر والا اونٹ جس کے رباعی دانت اگ گئے ہوں،رباعی دانت وہ ہیں جو کیلوں کے برابر ہوتے ہیں۔

۴؎ اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ اگر مقروض بغیر شرط لگائے قرض سے کچھ زیادہ دے دے خواہ وصف کی زیادتی ہو یا تعداد میں وہ سود نہیں۔سود وہ ہے جو قولًا یا عادتًا مشروط ہو،امام مالک کے یہاں غیر مشروط زیادتی عدد بھی حرام ہے،زیادتی وصف درست ہے۔دوسرے یہ کہ قرض خواہ کو خوش دلی سے قرض ادا کرے۔خیال رہے کہ یہاں حضور انور نے اعلیٰ درجہ کااونٹ قرض خواہ کو دیا اور اس کی قیمت اپنی طرف سے فقیر کو دی لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ صدقہ کا

مال اس طرح رعایۃً یامروت کرکے دینا کیسے درست ہے۔متولی کو چاہیے کہ صدقہ کی بہتری کی تدبیر کرے،گویا یہ اونٹ حضور انور نے خود قرض لے کر ادا فرمایا پھر اس کی قیمت صدقہ میں دی۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تقاضائے قرض کیا تو آپ پر سختی کی ۱؎ صحابہ نے کچھ کرنا چاہا ۲؎ تو حضور نے فرمایا کہ اسے چھوڑ دو کہ حق والے کو کچھ کہنے کا حق ہے ۳؎ اور اس کے لیے اونٹ خرید لو وہ اسے دے دو صحابہ نے عرض کیا کہ ہم تو اس کی عمر سے بہتری پاتے ہیں ۴؎ فرمایا وہ ہی خرید لو اور وہ ہی اسے دے دو کہ تم میں بہترین وہ ہے جو قرض اچھی طرح ادا کرے ۵؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یہ سختی کرنے والا قرض خواہ یا تو کوئی یہودی وغیرہ کافر ہوگا یا آداب سے ناواقف بدوی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احترام سے خبردار نہ تھے،وہ تو بغیر قرض بھی گفتگو میں بہت سختی کرتے تھے اور حضور انور تحمل فرماتے تھے،ورنہ صحابہ کرام سے یہ سختی ناممکن ہے۔(لمعات و مرقات)

۲؎ مارپیٹ یا سخت جواب یا بارگاہ عالی سے نکال دینا چاہا۔

۳؎ یعنی قرض خواہ کو حق ہے کہ اگر مقروض غنی ہوکر ٹال مٹول کرے تواس کے خلاف دعوی کردے یا اسے ظالم خائن کہے یا کہے کہ تو نادہند بہانہ خور ہے۔خیال رہے کہ یہ قانون نادہند مقروضوں کے لیے ہے جو حضور انور نے اس موقع پر بیان فرمایاورنہ حضور انور ان تمام ٹال مٹول وغیرہ سے معصوم ہیں۔

۴؎ یعنی جو اونٹ اس نے آپ کو قرض دیا تھا وہ کم عمر اور دبلا تھا،اب بازار سے ایسے دبلے کم عمر اونٹ نہیں ملتےاس سے اچھے موٹے رباعیہ مل رہے ہیں۔

۵؎ طبرانی،ابن حبان،حاکم،بیہقی نے حضرت زید ابن سعنہ سے روایت کی کہ میں یہود کے بڑے پادریوں میں سے تھا،میں نے حضور انور میں تمام علامات نبوت تو دیکھ لی تھیں دو کی آزمائش کرنا چاہتا تھا ایک حلم،دوسرے سختی کے جواب میں نرمی،میں نے حضور انور کو کچھ چھوہارے ادھار دیئے اور وقت اداء سے دو دن قبل تقاضا کرنے کے لیے آگیا،آپ کی چادر پکڑ کر نہایت سختی سے بولا کہ میرا قرض دو،بنی عبدالمطلب عموماً نادہند ہوتے ہیں،جناب عمر فاروق نے فرمایا کہ اگر اس آستانہ کا ادب مانع نہ ہوتا تو یہ تلوار تیرے سر پر ہوتی،حضور انور نے فرمایااے عمر بہتر ہوتا کہ تم مجھے قرض ادا کرنے کا مشورہ دیتے تم نے الٹا میرے محسن پر سختی کی،جاؤ ان کا قرض ادا کرو اور بیس ۲۰ صاع زیادہ کھجوریں دے دو اس سختی کے عوض جو تم نے اس پر کی،میں نے کہا اے عمر میں نبوت کی دو علامتوں کا امتحان کررہا تھا،میں نے درست پالیں،میں پڑھتا ہوں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔یہ تو قرض خواہ کا معاملہ ہے،آستانہ عالیہ پر بھیک مانگنے والوں نے سختی سے مانگا ہے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں عطائیں بھی دی ہیں اور دعائیں بھی،جیسا کہ بخاری،ابوداؤد،وغیرہ کی روایت میں ہے۔(مرقات)

	روایت ہے ان ہی سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

	فرمایا غنی کا ٹال مٹول ظلم ہے ۱؎ اور جب تم میں سے کسی کا قرض غنی پر حوالہ کیا جائے تو حوالہ قبول کرلے ۲؎(مسلم)

۱؎ یعنی جس مقروض کے پاس ادائے قرض کے لیے پیسہ ہو پھر ٹالے تو وہ ظالم ہے اسے قرض خواہ ذلیل بھی کرسکتا ہے اور جیل بھی بھجواسکتا ہے،یہ شخص مقروض گنہگار بھی ہوگا کیونکہ ظالم گنہگار ہوتا ہی ہے۔

۲؎ حوالہ کے معنی ہیں نقل ذمۃ الی ذمۃ یعنی اپنا قرض دوسرے کے ذمہ ڈال دینا۔اتبع باب افعال کا ماضی مجہول ہے یعنی تابع بنایا جائے،ملئ بمعنی غنی جس کی جیب مال سے بھری ہو،یہ امر استحبابی ہے یعنی اگر تمہارا مقروض تم سے کہے کہ میرا قرض فلاں سے وصول کرلینا اور وہ فلاں بھی قبول کرلے تو بہتر ہے کہ اس مقروض کا پیچھا چھوڑ دواور اس غنی سے ہی وصول کرلو،تمہیں تو اپنے قرض سے غرض ہے۔

	روایت ہے حضرت کعب ابن مالک سے کہ انہوں نے مسجد میں ابن ابی حدرد سے اپنے قرض کا تقاضا کیا ۱؎ زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں تو ان کی آوازیں کچھ اونچی ہوگئیں حتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر سے سن لیں ۲؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف تشریف لائے حتی کہ اپنے حجرہ شریف کا پردہ اٹھایا اور حضرت کعب ابن مالک کو پکارا فرمایا اے کعب عرض کیا حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) حاضر ہوں آپ نے اپنے ہاتھ شریف سے اشارہ کیاکہ آدھا قرض معاف کردو،حضرت کعب نے کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے کردیافرمایا اُٹھو اب ادا کردو ۳؎(مسلم،بخاری)

۱؎ ان کا نام عبداللہ ابن ابی حدرد ہے،کنیت ابو محمد،بیعت حدیبیہ اور غزوہ خیبر میں شریک تھے،مسجد سے مراد خارج مسجد ہے کہ داخل مسجد میں دنیاوی کلام ممنوع ہیں۔

۲؎ حضرت کعب نے کہا ہوگا کہ ابھی قرض دو،انہوں نے کہا ہوگا کہ میرے پاس ابھی نہیں،اس سے جھگڑا پیدا ہوگیا ہوگا جیسا کہ عمومًا تقاضے کے وقت ہوتا ہے۔

۳؎ سبحان اللہ! کیا نفیس فیصلہ ہے کہ منٹوں میں مہینوں کا جھگڑا طے فرمالیا۔اس سے چند مسئلے ثابت ہوئے:ایک یہ کہ قرض کی معافی کی صورت میں بقیہ قرض کی اداء فورًا ضروری ہے۔دوسرے یہ کہ حدود مسجد میں قرض کا مطالبہ کرنا جائز ہے۔تیسرے یہ کہ معافی و رعایت کی سفارش کرنا جائز ہے۔چوتھے یہ کہ صلح کرانے والا فریقین کا لحاظ رکھے کہ کچھ اسے دبائے کچھ اسے۔پانچویں یہ کہ جائز سفارش قبول کرلینا بہتر ہے۔چھٹے یہ کہ اشارہ پر اعتماد کرسکتے ہیں کہ یہ کلام کے قائم مقام ہے دیکھو حضور انور نے آدھے قرض کا اشارہ ہی فرمایا۔(مرقاۃ)

	روایت ہے حضرت سلمہ ابن اکوع سے فرماتے ہیں ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر تھے کہ ایک جنازہ لایا

	گیا لوگوں نے عرض کیا اس پر نماز پڑھیے ۱؎ فرمایا کیا اس پر کچھ قرض ہے ۲؎ عرض کیا نہیں آپ نے نماز پڑھ لی پھر دوسرا جنازہ لایا گیا فرمایا کیا اس پر کچھ قرض ہے عرض کیا گیا ہاں،فرمایا کیا کچھ مال چھوڑا بھی ہے،عرض کیا تین اشرفیاں تو حضور نے اس پر نماز پڑھ لی ۳؎ پھر تیسرا جنازہ لایا گیا فرمایا کیا اس پر کچھ قرض ہے عرض کیا گیا تین اشرفیاں فرمایا کیا اس نے کچھ مال چھوڑا بھی ہے عرض کیا نہیں ۴؎ فرمایا اپنے یار پر تم ہی نماز پڑھو۔ابوقتادہ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ اس پر نماز پڑھیں اس کا قرضہ میرے ذمہ ہے تب آپ نے نماز پڑھی ۵؎(مسلم،بخاری)

۱؎ غالبًا عرض کرنے والے اس میت کے والی وارث تھے یا اس کے دوست احباب،اس زمانہ میں ہر شخص کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ ہماری میت پر جنازہ حضور پڑھیں اس لیے دور دور سے جنازے حضور کی بارگاہ میں لائے جاتے تھے۔

۲؎ قرض سے مراد بندوں کا حق مالی ہے خواہ بیوی کا مہر ہو یا کسی کا تجارتی دین یا ہاتھ کا لیا ہوا ادھار جسے دست گرداں کہتے ہیں۔

۳؎ غالبًا حضور انور کو کشف،الہام یا وحی سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ اس پر قرض تین دینار یا اس سے بھی کم ہے اس لیے آپ نے اس جواب پر نماز پڑھ لی ورنہ اگر قرض اس سے زائد ہوتا تو آپ نماز نہ پڑھتے جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہورہا ہے۔(لمعات،مرقات)

۴؎ شاید یہ تین جنازے ایک ہی دن ایک ہی مجلس میں کچھ فاصلہ پر لائے گئے اور ہوسکتا ہے کہ یہ مختلف دنوں کے واقعات ہوں مگر پہلا احتمال زیادہ قوی ہے۔

۵؎ اس واقعہ سے چند مسائل معلوم ہوئے،ایک یہ کہ نماز جنازہ فرض کفایہ ہے کہ بعض کے ادا کرنے سے ادا ہوجاتی ہے۔دوسرے یہ کہ گناہ یا بری رسمیں روکنے کے لیے عالم دین یا شیخ وقت گنہگار پر جنازے پڑھنے سے انکار کرسکتا ہے۔تاکہ لوگ عبرت پکڑیں اور یہ رسمیں چھوڑ دیں،انصار مدینہ قرض لینے کے بہت عادی تھے،ان کے مکان جائیدادیں،سامان یہود کے ہاں گروی تھے،معمولی باتوں پر قرض لے لیا کرتے تھے،اس بری رسم کو مٹانے کے لیے حضور نے مقروضوں پر یہ سختی فرمائی،پھر جب یہ آیت کریمہ اتری"اَلنَّبِیُّ اَوۡلٰی بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ مِنۡ اَنۡفُسِہِمۡ" تو سرکار نے اعلان فرمادیا کہ اب جو فوت ہوا کرے گا تو اس کا مال اس کے وارثوں کے لیے ہوگا اور اس کا قرض یا اس کے یتیم غریب بچوں کی پرورش میرے ذمہ ہوگی۔حق تو یہ ہے کہ اب بھی ہمیں اور ہمارے بچوں کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہی پال رہے ہیں جیسے قرآنی فرمان"اَوۡلٰی بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ"سارے مسلمانوں کو شامل ہے ایسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش سب مسلمانوں کو شامل ہے۔تیسرے یہ کہ میت کی طرف سے ضامن بننا جائز ہے اکثر علماء کا یہی قول ہے،امام اعظم کے ہاں یہ ضمان جائز نہیں،وہ

فرماتے ہیں کہ یہ ضمانت نہ تھی بلکہ وعدہ ادا تھا،ضمانت اور وعدہ ادا میں بڑا فرق ہے،امام صاحب کے ہاں اگر میت مال چھوڑ دے تو اس کی تقسیم میراث یا ادائے قرض کی ذمہ داری جائز ہے۔(از لمعات،مرقات)خیال رہے کہ صاحبین کے ہاں میت کی ضمانت اسی حدیث کی بنا پر جائز ہے،فتویٰ قول صاحبین پر ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا جو لوگوں کے مال قرض لے جس کے ادا کر دینے کا پختہ ارادہ رکھے ۱؎ تو اللہ اس سے ادا کراہی دیتا ہے اور جوان کے برباد کرنے کا ارادہ کرے تو اللہ اس پر بربادی ڈالتا ہے ۲؎(بخاری)	

۱؎ اور ظاہر ہے کہ ایسا آدمی بغیر ضرورت قرض لے گا ہی نہیں اور نہ ناجائز کاموں کے لیے قرض لے گا،رب کا خوف رکھنے والا قرض سے حتی الامکان بچتا ہے۔

۲؎ یعنی جس کی نیت قرض لیتے وقت ہی ادا کرنے کی نہ ہو،پہلے ہی سے مال مارنے کا ارادہ ہو،ایسا آدمی بے ضرورت بھی قرض لے لیتا ہے اور ناجائز طورپر بھی۔غرضکہ یہ حدیث بہت سی ہدایتوں پر مشتمل ہے اور تجربہ سے ثابت ہے کہ نیک آدمی کا قرض ادا ہو ہی جاتا ہے خواہ زندگی میں خود ادا کرے یا بعد موت اس کے وارث ادا کریں جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق نے حضور انور کی وفات کے بعد حضور کا قرض ادا کیا،زرہ چھڑائی،اگر یہ بھی نہ ہو تو بروز قیامت رب تعالٰی ایسے مقروض کا قرض اس کے قرض خواہ سے معاف کرادے گا یا قرض خواہ کو قرض کے عوض جنت کی نعمتیں بخش دے گا،بہرحال حدیث واضح ہے۔اس پر یہ اعتراض نہیں کہ حضور انور پر قرض کیوں رہ گیا تھا،وہ رب نے کیوں ادا نہ کرایا کہ حضرت صدیق کا ادا کرنا رب تعالٰی ہی کی طرف سے تھا اور نہ یہ اعتراض ہے کہ بعض مقروضوں کے قرض قیامت میں رب تعالٰی ادا یا معاف کرادے گا جیساکہ احادیث میں ہے۔

روایت ہے حضرت ابوقتادہ سے فرماتے ہیں ایک شخص نے عرض کیا رسول اللہ فرمایئے اگر میں اللہ کی راہ میں صبر کرتے اور طلب اجر کرتے پیچھے ہٹتے نہیں بلکہ آگے بڑھتا مارا جاؤں تو کیا اللہ میری خطائیں مٹادے گا ۱؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں ۲؎ جب وہ شخص چل دیا تو اسے پکارا اور فرمایا ہاں قرض کے سواء حضرت جبرائیل نے یوں ہی کہا ہے ۳؎(مسلم)	

۱؎ یعنی میں بحالت جہاد صابر بھی ہوں،بہادر بھی،غازی بھی اور آخر میں شہید بھی کیا اتنی صفات جمع ہونے پر میرے گناہ معاف ہوں گے یا نہیں۔

۲؎ یعنی ہاں تیرے سارے اگلے پچھلے صغیرہ کبیرہ گناہ معاف ہوں گے۔اس سے معلوم ہوا کہ غازی شہید تمام گناہوں سے پاک و صاف ہوجاتا ہے۔

۳؎ یعنی اے شخص میرے فرمان کا مطلب غلط نہ سمجھنا ان تمام صفات سے گناہ معاف ہوں گے نہ کہ حقوق خصوصًا حقوق العباد وہ تو ادا کرنے سے ہی معاف ہوں گے،مجھے جبریل امین نے ابھی توجہ دلائی کہ تجھے یہ سمجھادوں کہ تو میرا کلام غلط نہ سمجھے۔فقیر کی اس شرح سے بہت سے سوالات اُٹھ گئے،نہ یہ اعتراض پڑسکتا ہے کہ قرض گناہوں میں داخل ہی نہ تھا قرض تو حضور نے بھی لیا ہے پھر اس کے استثناء فرمانے کی کیا ضرورت تھی،نہ یہ کہ حضور انور کو تبلیغ کرنا نہ آتا تھااس لیے جبریل امین نے تبلیغ کرناسکھایا،نہ یہ کہ حضور انور نے پہلے اسے مسئلہ غلط کیوں بتلایا،تبلیغ میں غلطی تو شانِ نبوت کے خلاف ہے وغیرہ وغیرہ۔خیال رہے کہ یہاں نفس قرض کی معافی کا ذکر ہےجو جہاد و شہادت سے بھی نہیں ہوتی اور حج کے بیان میں قرض میں ٹال مٹول،جھوٹے وعدے،وقت پر ادا نہ کرنا مراد ہے جیسے بخشش کا وعدہ فرمایا گیا کہ حاجی کے قرض بھی معاف ہوجاتے ہیں یعنی قرض کے یہ گناہ معاف ہوجاتے ہیں لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ جبریل امین نے قرآن کے علاوہ اور بھی چیزیں نازل فرمائی ہیں۔

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شہید کے سارے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں سوائے قرض کے ۱؎(مسلم)

۱؎ یہ استثناء منقطع ہے کیونکہ قرض لینا گناہ نہیں ورنہ انبیاء کرام خصوصًا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ لیتے اور ہوسکتا ہے کہ قرض سے مراد ناجائز قرض لینا ہو حرام رسوم میں خرچ کرنے کے لیے یا لوازم قرض مراد ہوں یا بلاعذر ٹال مٹول کرنا،وقت پر ادا نہ کرنا،جھوٹے وعدہ کرنا وغیرہ تب مستثنٰی منقطع ہے مگر پہلے معنی زیادہ قوی ہیں کہ یہ گناہ تو حج سے بھی معاف ہوجاتے ہیں تو ان شاءاللہ جہاد سے بھی معاف ہوں گے۔مرقات نے یہاں فرمایا کہ قرض سے مراد حقوق العباد ہیں لہذا ناحق خون،ناحق کسی کی آبروریزی بھی اس میں داخل ہے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی وفات یافتہ شخص لایا جاتاجس پر قرض ہوتا تو آپ پوچھتے ۱؎کیا اس نے ادائے قرض کے لیے کچھ چھوڑا ہے پھر اگر خبردی جاتی کہ اس نے ادائے قرض کے لیے چھوڑا ہے تو نماز پڑھ لیتے ۲؎ورنہ مسلمانوں سے فرمادیتے کہ اپنے یار پر نماز پڑھ لو۳؎جب اللہ نے آپ پر کشائشیں فرمائیں ۴؎تو کھڑے ہو کر فرمایا میں مسلمانوں کا ان کی جانوں سے زیادہ والی ہوں ۵؎تو جو مسلمان فوت ہو قرض چھوڑے تو اس کی ادا میرے ذمہ ہے اور جو مال چھوڑے تو اس کے وارثوں کے لیے ہے ۶؎(مسلم،بخاری)

۱؎ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ پوچھنا اپنے علم کے لیے نہیں،حضور تو ہر شخص کے ہر کھلے چھپے اعمال سے خبردار ہیں،دو قبروں پر کھڑے ہوکر فرمادیا کہ یہ چغل خور تھا اور یہ پیشاب کی چھینٹوں سے نہ بچتا تھابلکہ یہ سوال لوگوں کو بتانے کے

لیے ہے کہ ہمارا نماز نہ پڑھنا قرض کی سزا میں ہے جیسے رب تعالٰی قیامت میں بندوں سے پوچھ کر حساب و کتاب لے کر سزا و جزا دے گا،وہ بھی لوگوں کی تسلی کے لیے ہے نہ کہ رب کے اپنے علم کے لیے۔

۲؎یعنی اگر قرض نہیں ہوتا تب بھی نماز پڑھ لیتےاور اگر قرض تو ہوتا مگر ادائے قرض کے لیے مال چھوڑا ہےتب بھی جنازہ پڑھ لیتے۔

۳؎یعنی ہم نہ پڑھیں گے تم پڑھ لو۔معلوم ہوا کہ ہر مسلمان پر جنازہ پڑھا جائے گا خواہ گنہگار ہو یا حقوق العباد اس کے ذمہ ہوں،نماز تو حق اسلامی ہے،یہ سختی لوگوں کو قرض سے بچانے کے لیے تھی۔

۴؎مالی آمدنیاں شہر و علاقے فتح فرما کر اور نیاز مندوں کے ہدایا عقیدت کے ذریعہ سے۔(مرقات)

۵؎اس آیت کریمہ کی طرف اشارہ ہے"اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ"الخ۔

۶؎اس سے معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے تمام دینی و دنیاوی امور کے مالک ہیں،آپ مالک ہیں ہم سب حضور کے غلام جیسے غلام مقروض کا قرض مولٰی چکاتا ہےایسے ہی ہمارے دنیا و آخرت کے قرض ان شاءاللہ حضور ہی چکائیں گے۔چاہیے تو یہ تھا کہ ہمارے متروکہ مال بھی حضور ہی لیتے کہ غلام کا مال مالک کا ہوتا ہےمگر یہ کریم کریمانہ ہے کہ وراثت نہیں لیتے قرض ادا کردیتے ہیں۔خیال رہے کہ رب تعالٰی نے اپنے لیے فرمایا:"نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیۡہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیۡدِ"ہم تمہاری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں اور اپنے حبیب کے لیے فرمایا:"اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کی جانوں سے زیادہ قریب یا مالک ہیں،اپنے لیے فرمایا فِیۡۤ اَنۡفُسِکُمْ،حضور کے لیے فرمایا مِنْ اَنۡفُسِکُمْ۔پتہ لگا کہ جس طرح تعلق بندے کا رب سے ہے اسی طرح تعلق حضور سے ہے یعنی دینی،ایمانی،جانی وغیرہ اس کو صاحب ذوق ہی سمجھ سکتا ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابوخلدہ زرقی سے ۱؎فرماتے ہیں ہم حضرت ابوہریرہ کے پاس اپنے ایک دیوالیہ ساتھی کے متعلق گئے ۲؎تو فرمایا کہ یہ ہی وہ واقعہ ہے جس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ جو شخص دیوالیہ ہوکر فوت ہو جائے ۳؎تو خاص سامان والا اپنے سامان کا زیادہ حق دار ہے جب کہ بعینہٖ وہ ہی پائے ۴؎(شافعی،ابن ماجہ)	

۱؎ آپ کا نام خالد ابن دینار ہے،ابو خلدہ کنیت،قبیلہ عامر ابن زریق سے ہیں جو بنی تمیم کا ایک خاندان ہے،درزی گری کرتے تھے،تابعی ہیں،ثقہ ہیں،حضرت انس ابوالعالیہ خواجہ حسن بصری سے روایات کرتے ہیں ان سے وکیع وغیرہ نے روایات لیں(مرقات،اشعہ،لمعات)

۲؎ جن پر قرض بہت ہوگیا تھا ادا کی کوئی صورت نہ تھی ان کے پاس کچھ ایسے خریدے ہوئے مال بھی تھے جن کی قیمت ادا نہ ہوئی تھی ہم نے حضرت ابوہریرہ سے دیوالیہ کے مسائل پوچھے۔

۳؎ فوت ہوجانے کا ذکر اس لیے فرمایا کہ اب اس سے قرض وصول ہونے کی کوئی صورت نہیں رہتی زندگی میں تو امید تھی کہ آئندہ کما کر دے گا۔

۴؎ اس کی بحث باب الافلاس کے شروع میں گزر گئی کہ اس سے مراد یا تو امانت کی چیزیں ہیں یا وہ چیزیں جو دیوالیہ نے دیوالیہ نکلنے سے پہلے خریدیں،خیار بائع کو تھا،وہ دیوالیہ ہونے پر اپنے خیار کا حق استعمال کرسکتا ہے مگر جو چیز فروخت کرچکا ہے اس کی قیمت میں دوسرے قرض خواہوں کے برابر ہوگا کہ اسے بقدر حصہ قرض وصول ہوگا۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مؤمن کی جان اپنے قرض میں معلق رہتی ہے ۱؎ حتی کہ اس کا قرض ادا کردیا ۲؎ (شافعی،احمد،ترمذی،ابن ماجہ،دارمی)	

۱؎ یا تو فی الحال جنت میں داخل ہونے یا نیکوں کے ساتھ ملنے یا درجات حاصل کرنے سے روکی جاتی ہے،ادائے قرض کی منتظر رہتی ہے یا قیامت میں قرض کی ادا تک جنت میں جانے سے روکی جائے گی جب تک کہ قرض کی معافی یا کوئی اور صورت نہ ہوجائے،کتنی ہی صالح نیک ہو جنت میں داخل نہ ہوسکے گی۔

۲؎ یہاں مرقات نے فرمایا کہ اس قرض سے وہ قرض مراد ہے جو انسان بغیر ضرورت کے لے لے اور ادا نہ کرنے میں بلاوجہ ٹال مٹول کرے اور مرتے وقت ادا کے لیے مال نہ چھوڑے اگر ان تین شرطوں میں سے ایک شرط بھی نہ ہو تو اللہ تعالٰی کے فضل سے امید ہے کہ اسے محبوس نہ کرے گا جیساکہ دوسری احادیث میں ہے۔چنانچہ ابن ماجہ میں ہے کہ قیامت میں قرض خواہ کو مقروض سے قصاص دلوایا جاوے گا سوائے تین مقروضوں کے:ایک وہ جو جہاد وغیرہ دینی ضروریات کے لیے قرض لے۔دوسرے وہ جس کے ہاں بے کفن میت پڑی ہو اس کے کفن دفن کے لیے قرض لے۔تیسرے وہ جو اپنے دین پر خطرہ محسوس کرے اور نکاح کے ضروری و جائز خرچ کے لیے قرض لے،ان کے قرض رب تعالٰی قرض خواہوں سے معاف کرادے گا،وہ حدیث اس حدیث کی شرح ہے۔(مرقات)

روایت ہے حضرت براء ابن عازب سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کے دن مقروض اپنے قرض میں گرفتار رہے گا ۱؎ حتی کہ اپنے رب سے تنہائی کی شکایت کرے گا ۲؎ (شرح سنہ)اور مروی ہے کہ حضرت معاذ مقروض ہو جاتے تھے ۳؎ ان کے قرض خواہ نبی کریم صلی اللہ	

علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ۴؎ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قرض میں ان کا سارا مال بیچ دیا حتی کہ حضرت معاذ خالی ہاتھ اٹھ گئے ۵؎ یہ مصابیح کے لفظ ہیں اسے میں نے منتقٰی کے سوا کسی اصول کی کتاب میں نہ پایا ۶؎ وہاں عبدالرحمان ابن کعب ابن مالک سے روایت کی فرمایا حضرت معاذ ابن جبل سخی جوان تھے کچھ بچاتے نہ تھے وہ قرض لیتے رہے ۷؎ حتی کہ ان کا سارا مال قرض میں ڈوب گیا ۸؎ تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تاکہ حضور انکے قرض خواہوں سے کچھ کہہ سنا دیں ۹؎ تو اگر وہ لوگ کسی کے لیے چھوڑنے والے ہوتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر معاذ کے لیے ضرور چھوڑتے ۱۰؎ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی وجہ سے معاذ کا سارا مال بیچ دیا حتی کہ حضرت معاذ کسی چیز کے بغیر اٹھ کھڑے ہوئے ۱۱؎ (سعید نے ارسالًا اپنی سنن سے روایت کی)	

۱؎ کہ اپنے دوست واحباب سے علیحدہ کھڑا کیا جائے گا اس کے سارے نیک احباب جنت میں پہنچ جائیں گے مگر یہ نہ جا سکے گا اگرچہ کتنا ہی نیک و صالح ہو رب تعالٰی سے اپنی تنہائی اور جنت میں نہ پہنچ سکنے کی فریاد کرے گا،شور مچائے گا،یہ تنہائی و تاخیر اور میدان محشر کی دھوپ و تپش میں کھڑا رہنا بھی پوری مصیبت ہوگی۔

۲؎ کسی غمخوار کو نہ پائے گا جو اس کا قرض ادا کرے،صرف یہ ہی صورت ادائے قرض کی ہوگی کہ رب تعالٰی اس مقروض کی نیکیاں قرض خواہ و قرض کے عوض دے یا ان سے معاف کرائے۔

۳؎ حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ کے مقروض ہوتے رہنے کی وجہ آگے آرہی ہے کہ آپ سخی بہت تھے قرض لے کر بھی خیرات و صدقات دیتے رہتے تھے۔

۴؎ کہ ہمارا قرض ادا کرایا جائے۔معلوم ہوا کہ قرض خواہوں کا کچہری میں مقروض پر دعویٰ کرنا حاکم سے فریاد کرنا درست ہے،اس کی اصل یہ ہی حدیث ہے۔

۵؎ یہ حدیث مختصر ہے،اولًا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ کو قرض ادا کرنے کا حکم دیا،انہوں نے عرض کیا کہ میرے پاس روپیہ بالکل نہیں،پھر انکی رضا سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا مال نیلام فرمادیا یا فروخت کردیا، اب بھی اس پر ہی عمل ہے،ہاں اگر مقروض نہ تو ادائے قرض کرے،نہ اپنا مال فروخت کرے تب حاکم اسے قید کردے تاکہ وہ اپنا مال خود فروخت کرے قرض ادا کرے یا حاکم کو فروخت کی اجازت دے،جبرًا حاکم اس کا مال فروخت نہیں کرے گا۔(مرقات)بعض صورتوں میں قرض خواہوں کے مطالبہ پر حاکم خود بھی فروخت کرسکتا ہے اور دیوالیہ و مجور بھی کرسکتا ہے کہ اعلان کردے کوئی اس سے لین دین نہ کرے یہ دیوالیہ ہے۔(حاشیہ مشکوٰۃ)

۶؎ یعنی یہ حدیث صحاح ستہ وغیرہ کتب حدیث میں نہیں صرف ابن تیمی حنبلی کی کتاب منتقیٰ میں ہے۔صاحب مشکوۃ کا مقصد یہ ہے کہ میری تلاش میں کمی ہے کہ مجھے کتب اصول میں یہ حدیث نہ ملی ان میں ہے ضرور،اگر نہ ہوتی تو منتقیٰ میں نہ ہوتی لہذا یہ مصابیح پر اعتراض نہیں بلکہ دفع اعتراض ہے۔خیال رہے کہ ہم احناف کے ہاں مرسل حدیث قبول ہے،جیسا کہ کتب اصول میں مصرح ہے۔

۷؎ یعنی حضرت معاذ کی سخاوت کا یہ حال تھا کہ اپنی آمدنی میں سے تو کیا بچاتے ساری آمدنی خیرات صدقے ہدایا میں خرچ کرکے اور قرض بھی لیتے رہے،دعوتیں،ہدیے،صدقے خیرات کرتے رہے۔

۸؎ یہاں مال سے مراد روپیہ پیسہ نہیں بلکہ جائیداد اور گھر کا سامان،سواری کے جانوروغیرہ ہیں کہ اگر روپیہ پیسہ ہوتا تو ان چیزوں کے فروخت کی کیا ضرورت پڑتی۔خیال رہے کہ قرض اولًا روپیہ پیسہ سے ادا کیا جاتا ہے،پھر منقولہ سامان فروخت کرکے،پھر غیر منقولہ جائیداد،پھر رہنے کا سامان فروخت کرکے۔

۹؎ یا تو یہ سارا یا کچھ قرض معاف کرادیں یا قرض خواہوں کو صبر کی سفارش فرمادیں کہ ابھی کچھ اور مہلت دے دیں،مطالبہ قرض جلدی نہ کریں،لیکلّم میں سب چیزیں داخل ہیں۔

۱۰؎ یعنی قرض خواہوں نے حضور انور کی سفارش بھی نہ مانی نہ تو قرض ہی معاف کیا،نہ مہلت ہی دی۔خیال رہے کہ حضور انور نے قرض خواہوں سے سفارش فرمائی تھی،حکم نہ دیا تھا اور پیغمبر کی سفارش یا مشورہ ماننا بہتر ہے واجب نہیں،حکم ماننا واجب ہے اس مشورہ کے نہ ماننے سے حضرت معاذ کو بالکل مایوسی ہوگئی کہ جب قرض خواہوں نے حضور انور کی سفارش نہ مانی تو اب کس کی مانیں گے،تب وہ عمل ہوا ہو آگے مذکور ہے۔

۱۱؎ اس سے معلوم ہوا کہ حاکم دیوالیہ کا سارا مال منقولہ فروخت کرے اس کا قرض ادا کردے گا کوئی چیز حتی کہ رہنے کا مکان بھی نہ چھوڑے گا۔آج کل حکام کبھی مقروض کا رہائشی مکان وہ بھی مختصر سا چھوڑ دیتے ہیں،یہ بھی کسی بڑے ساہوکار دیوالیہ کے لیے ورنہ سب ہی نیلام یا فروخت کردیتے ہیں۔خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل بیان قانون کے لیے تھا اور حضرت جابر کے والد کا قرض بطور معجزہ تمام ادا کرادینا کہ تھوڑی کھجوروں سے سارا قرض ادا ہوگیا پھر ایک کھجور بھی کم نہ ہوئی یہ کرم کریمانہ تھا،اگر یہاں قانون پر عمل نہ ہوتا تو بعد کے لوگوں کو یہ احکام کیسے معلوم ہوتے،لہذا حدیث پاک پر اعتراض نہیں کہ یہاں بھی حضرت جابر کی طرح قرض ادا کیوں نہ کرادیا گیا۔دیکھو بعض سائلوں کا حضور انور نے کمبل وپیالہ نیلام کرکے انہیں کام پر لگادیا اور بعض سائلوں کو عطیے دے کر غنی کردیا،جلوے مختلف ہیں۔

	روایت ہے حضرت شرید سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال والے کا ٹال مٹول اس کی آبرو کو اس کی سزا کو درست کردیتا ہے ۲؎ ابن مبارک نے فرمایا آبرو حلال کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس سے سخت کلامی کرے اور سزا یہ ہے کہ اسے قید کردیا جائے ۳؎ (ابوداؤد،نسائی)

۱؎ آپ صحابی ہیں،ثقہ ہیں،اولًا حضر موت میں رہتے تھے،پھر طائف میں قیام کیا،آپ کا نام پہلے مالک تھا حضور انور نے شرید رکھا،آپ اپنے کسی ہم قوم کو مار کر مکہ معظمہ بھاگ آئے تھے،شرید کے معنی ہیں بھاگ آنے والا۔

۲؎ یعنی جو مقروض مال رکھتا ہو مگر قرض ادا نہ کرتا ہو تو قرض خواہ کو حق ہے کہ اسے ذلیل کرے،اس کی نادہندی کا طعنہ دے یا اسے حاکم سے سزا دلوادے،سزا خود نہ دے گا حاکم سے دلوائے۔
۳؎ یعنی ابن مبارک نے حضور کے دونوں کلمات کی تفسیریوں فرمائی کہ آبرو ریزی کے معنی یہ ہیں کہ اس سے سخت کلامی کرے مثلًا کہے تو ظالم ہے نادہندہے لوگوں کا مال مارنے والا ہے،یہ مطلب نہیں کہ اسے تہمتیں یا ناجائز الزام لگائے،اسی طرح سزا کا مطلب یہ ہے کہ اسے حاکم کے ذریعہ قید کرادے،یہ مطلب نہیں کہ اسے خود مارے پیٹے یا قتل کرے یا حبس بے جا میں رکھے۔

روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک جنازہ لایا گیا ۱؎ تاکہ آپ اس پر نماز پڑھیں تو فرمایا کیا تمہارے دوست پر کچھ قرض ہے ۲؎ لوگوں نے کہا ہاں فرمایا کیا اس کی ادا چھوڑی ہے عرض کیا نہیں فرمایا اپنے دوست پر نماز پڑھ لو ۳؎ حضرت علی ابن ابی طالب نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا قرض میرے ذمہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے اس پر نماز پڑھی ۴؎ ایک روایت میں اس کے معنے ہیں اور جناب علی سے فرمایا اللہ تمہارے نفس کو آگ سے آزاد کرے جیسے تم نے اپنے مسلمان بھائی کی جان چھوڑائی ۵؎ ایسا کوئی مسلمان بندہ نہیں جو اپنے بھائی کا قرض ادا کرے مگر قیامت کے دن اللہ اس کی جان کو چھوڑ دے گا ۶؎ (شرح سنہ)	

۱؎ جنازہ جیم کے کسرہ سے وہ ڈولی ہے جس میں میت رکھی جائے اور جیم کے فتح سے خود میت،یہاں فتح سے ہے۔
۲؎ پہلے کہا جاچکا ہے کہ مالی معاملات کے قرض کو دَین کہا جاتا ہے جیسے کسی کے ذمہ کرایہ یا مال کی قیمت رہ گئی ہواور دست گردان کو قرض کہتے ہیں،یہاں دونوں معنی مراد ہوسکتے ہیں اور ممکن ہے کہ بطریق عموم مشترک عام معنی مراد ہوں۔
۳؎ ہم نہ پڑھیں گے،پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ حضور کی یہ سختی لوگوں کو قرض سے ڈرانے کے لیے تھی کہ اہل مدینہ عمومًا بلاضرورت بھی قرض لے لیتے تھے،اتنی سختی کے بغیر یہ عادت چھوٹ نہیں سکتی تھی،حکیم کا نشتر بھی رحمت ہے۔
۴؎ اس کی بحث پہلے گزر چکی کہ میت کی طرف سے کفالہ اور ضمانت اکثر آئمہ کے ہاں جائز ہے،ہمارے ہاں بھی، صاحبین جائز فرماتے ہیں اور اسی پر فتویٰ ہے۔
۵؎ رِھَان بمعنی مرہون ہے یعنی گروی رکھی ہوئی چیز،چونکہ ہر شخص کا نفس اپنے نیک و بد اعمال میں مثل گروکے ہے اس لیے رِھَان سے مراد نفس لیا جاتا ہے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ"۔مرقات نے فرمایا رِھَان

رھین کی جمع ہے جیسے کریم کی کرام،چونکہ ہر انسان کا عضو گناہ کرتا رہتا ہے اس لیے ہر عضو گروی و گرفتار ہے تو گویا ہر شخص مرہون چیزوں کا مجموعہ ہے۔

۶؎ یعنی جیسا برتاوا تم رب کے بندوں کے ساتھ کروگے تمہارے ساتھ بھی قیامت میں ایسا ہی معاملہ کیا جائے گا،اگر پھانسو گے تو پھنسو گے اگر پھنسے ہوؤں کو چھوڑاؤ گے تو چھوڑ دیئے جاؤ گے۔خیال رہے کہ میت کو قرض سے چھوڑانے کی دو صورتیں ہیں،اپنا قرض ہو تو معاف کر دو،دوسرے کا ہو تو ادا کردو۔

	روایت ہے حضرت ثوبان سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو اس حال میں مرے کہ وہ غرور خیانت اور قرض سے پاک و صاف ہو وہ جنت میں داخل ہوگا ۱؎(ترمذی،ابن ماجہ،دارمی)

۱؎ کبر یعنی غرور یہ ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے اور اپنے کو اونچا جانے یہ ممنوع ہے،کفار پر کبر خصوصًا جہاد میں ثواب ہے،انبیاء و اولیاء پر کبر کفر ہے۔غلول غلٌّ سے بنا بمعنی بندھنا،چونکہ خیانت کی وجہ سے قیامت میں انسان کے ہاتھ بندھے ہوں گے،گرفتار ہوگااس لیے اسے غلول کہتے ہیں۔غلّ غ کے کسرہ سے عداوت و کینہ اور غ کے فتح سے قید و بند،اگرچہ غلول غنیمت میں خیانت کو کہتے ہیں مگر یہاں مطلقًا خیانت مراد ہے خواہ مال کی ہو یا عزت و آبرو کی یا دین و ایمان کی یا کسی کے اسرار وبھید کی۔(ازلمعات)دَین کے معنے ہم عرض کرچکے ہیں۔ممکن ہے کہ یہاں دین سے مراد بندوں کا قرض،شریعت کا اور رب کا سب ہی ہوں لہذا یہ حدیث بہت جامع ہے۔

	روایت ہے حضرت ابو موسیٰ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالٰی کے نزدیک ان بڑے گناہوں کے بعد جن سے اللہ نے منع کیا سب سے بڑا جرم یہ ہے کہ انسان مقروض ہوکر مرے جس کی ادا نہ چھوڑے ۱؎(احمد،ابوداؤد)

۱؎ اس حدیث سے معلوم ہورہا ہے کہ قرض لینا گناہ کبیرہ نہیں کیونکہ اسے فرمایا گیا بَعْدَ الْکَبَائِرِ اور نہ بذات خود ممنوع ہے۔اس وقت منع ہے جب کہ اس کے ذریعہ لوگوں کے حقوق مارے جائیں اور ممکن ہے کہ یہاں قرض سے وہ قرض مراد ہوں جو انسان بلاضرورت یا حرام رسمیں پوری کرنے کے لیے لےاور ادا کرنے کی نیت نہ ہو،ورنہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جب وفات ہوئی تو آپ کی زرہ قرض میں گروی تھی اور آپ نے کچھ مال میراث یا ادائے قرض کے واسطے نہ چھوڑا۔حجرہ وغیرہ جو کچھ تھا وہ وقف تھا صدیق اکبر نے آپ کا قرض ادا کیا،لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں۔

	روایت ہے حضرت عمرو ابن عوف مزنی سے ۱؎ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ آپ نے فرمایا مسلمانوں میں صلح جائز ہے ۲؎ بجز اس صلح کے جو حلال کو حرام کردے یا حرام

	کو حلال ۳؎ اور مسلمان اپنی شرطوں پر رہیں،بجز اس شرط کے جو حلال کو حرام کرے یا حرام کو حلال ۴؎(ترمذی،و ابن ماجہ،ابوداؤد)اور ابوداؤد کی روایت **شروطھم** پر ختم ہوگئی ۵؎

۱؎ آپ قدیم الاسلام صحابی ہیں،آپ کے ہی متعلق یہ آیت کریمہ اتری"**تَوَلَّوْا وَّ اَعْیُنُھُمْ تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ**"۔مدینہ منورہ میں رہے،وہیں امیر معاویہ کے آخر زمانہ میں انتقال فرمایا۔

۲؎ چونکہ اکثر قرض کے موقعہ پر ہی صلح کرائی جاتی ہے کہ کچھ قرض خواہ کو دبایا جاتا ہےکچھ مقروض کوکہ قرض خواہ کچھ معاف کردے اور مقروض جلدی ادا کردے اس لیے صاحب مشکوۃ یہ حدیث دیوالیہ مقروض کے باب میں لائے۔

۳؎ مثلًا زوجین میں اس طرح صلح کرائی جائے کہ خاوند اس عورت کی سوکن(اپنی دوسری بیوی)کے پاس نہ جائے گا یا مسلمان مقروض اس قدر شراب و سود اپنے کافر قرض خواہ کو دے گا۔پہلی صورت میں حلال کو حرام کیا گیا،دوسری صورت میں حرام کو حلال،اس قسم کی صلحیں حرام ہیں جن کا توڑ دینا واجب ہے۔

۴؎ یعنی مسلمان نے جس سے جو شرط کی ہواسے پورا کرے۔اس میں وعدے،کرائے،قیمتیں سب داخل ہیں۔ہاں حرام شرطوں کا توڑ دینا واجب ہے کیونکہ حق اللہ اور حق شریعت سب پر مقدم ہے۔

۵؎ یہ حدیث احمد،ابوداؤد،حاکم نے حضرت ابوہریرہ سے پہلا جملہ نقل فرمایا۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت سوید ابن قیس سے فرماتے ہیں کہ میں اور مخرفہ عبدی ۱؎ مقام ہجر سے کپڑا لائے ہم اسے مکہ معظّمہ میں لائے تو ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پاپیادہ چلتے ہوئے تشریف لائے تو ہم سے پائجامہ کا بھاؤچکایا ۲؎ ہم نے وہ آپ کے ہاتھ بیچ دیا وہاں ایک شخص تھا جو مزدوری پر تول رہا تھا ۳؎ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تول دو اور نیچا تو لو ۴؎(احمد،ابوداؤد، ترمذی،ابن ماجہ)ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے صحیح ہے ۵؎

۱؎ سوید ابن قیس کی کنیت ابو عمرو ہے،صحابی ہیں،آپ سے صرف یہ ہی ایک حدیث مروی ہے،مخرفہ بھی صحابی ہیں واؤ بمعنی مع ہے یا عاطفہ ہر دونوں صاحب شرکت میں مقام ہجر سے کپڑا تجارت کے لیے لائے تھے،ہجر کا کپڑا مشہور تھا،ہجر تین بستیوں کے نام ہیں،یمن کا ایک شہر ہے،بحرین کے ایک علاقہ کا نام بھی ہےاور مدینہ منورہ کے قریب ایک بستی بھی ہے۔(اشعہ)یہاں تیسری بستی مراد ہےیہ کپڑا اسی بستی سے آیا تھا۔(مرقاۃ)

۲؎حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے پائجامہ خریدنا تو ثابت ہے مگر پہننا ثابت نہیں ہمیشہ تہبند شریف استعمال فرمایا، حضرت عثمان غنی شہادت کے دن پائجامہ پہنے ہوئے تھے،پائجامہ ہی میں آپ کی شہادت ہوئی،بھاؤ چکانے کا مطلب یہ ہے کہ بھاؤ طے کرکے خرید لیا۔(مرقات)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خود دوکان پر جانااور تاجر کی منہ مانگی قیمت نہ دینا بلکہ اس سے طے کرنا کچھ کم کرانا سنت ہے،اگرچہ اپنے خدام سے ہی خرید کی جائے اس بھاؤ تاؤ کرنے میں عار نہیں،حضور انور کے زمانہ شریف میں پائجامہ کا استعمال ہوتا تھا۔

۳؎چونکہ اس زمانہ میں نوٹ تو تھے نہیں درہم کا عام رواج تھا جن کے گننے میں بہت وقت لگتا ہے اس لیے تول کر ادا کئے جاتے تھے،درہم تولنے والا تاجر کی طرف سے مقرر ہوتا تھا جس کی اجرت(تولائی)خریدار کے ذمہ ہوتی تھی،اب بھی حکم یہ ہی ہے کہ قیمت کی تولائی خریدار کے ذمہ،مال کی تولائی بائع کے ذمہ ہے کہ قیمت دینا خریدار پر لازم ہےاور مال دینا بائع پر ضروری ہے۔تولنے والا جس کا کام کرے،اس سے دام لے۔آج کل مال کی تولائی خریدار سے لیتے ہیں یہ غلط ہے۔

۴؎یعنی جو قیمت طے ہے اس سے زیادہ دے دو،یہ کرم کریمانہ ہے کہ طے شدہ سے زیادہ قیمت عطا کی،مہنگی خریدنے میں نقصان ہے،طے شدہ سے زیادہ دینے میں احسان۔نقصان برا،احسان اچھا۔

۵؎اسے نسائی،ابن حبان اور حاکم نے اپنی مستدرک میں نقل فرمایا۔(مرقات)

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر میرا کچھ قرض تھاتومجھے عطا فرمایا اور زیادہ دیا۱؎ (ابوداؤد)	

۱؎غالبًا یہ وہ ہی واقعہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مدینہ منورہ کے راستے میں ان کا تھکا ہوا اونٹ خریدا،اس کی قیمت مدینہ منورہ میں تشریف لاکر مرحمت فرمائی اور اونٹ بھی دے دیااور قیمت بھی زیادہ عطا کی،چونکہ یہ زیادتی عقد میں مشروط نہ تھی اس لیے سود نہیں بلکہ انعام اور کرم خسروانہ ہے۔اس کی تحقیق شروع باب میں ہوچکی جہاں یہ قصہ مذکور ہوا۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن ابی ربیعہ سے فرماتے ہیں کہ مجھ سے نبی کریم نے چالیس ہزار قرض لیے۱؎پھر آپ کے پاس مال آیا ۲؎تو مجھے ادا فرمادیا اور فرمایا اللہ تعالٰی تمہارے گھر بار اور مال میں برکت دے قرض کا عوض شکریہ اور ادا ہے ۳؎(نسائی)	

۱؎چالیس ہزار درہم قرض لیے۔غالبًا کسی جہاد میں لشکر پر خرچ کے لیے قرض لیے ہوں گے ورنہ اتنے بڑے قرض کی حضور انور کو ذاتی خرچ کے لیے ضرورت نہ تھی۔الحمدللہ! ابھی مرقات میں نظر پڑی کہ یہ قرض غزوہ حنین کے لیے لیا گیا تھا فقیر کا خیال درست نکلااور یہ رقم درہم تھی۔

۲؎یا کسی جہاد سے مال غنیمت آیاخراج وغیرہ تھا مال بہت آیا تھا۔

۳؎اس سے اشارۃً معلوم ہوا کہ قرض پورا ادا کرے زیادہ نہ دے کیونکہ اِنَّمَا حصر کے لیے آتا ہےلیکن یہاں وجوب ولزوم کا ذکر ہےکہ مقروض پر ادا اور دعا دونوں لازم ہیں۔رہی زیادتی وہ مقروض کی مہربانی ہےلہذا یہ حدیث زیادہ دینے کی احادیث کے خلاف نہیں۔(مرقاۃ)معلوم ہوا کہ مقروض دلی تنگی سے قرض ادا نہ کرے بلکہ خوش دلی سے دے اور دعائیں بھی دے کہ قرض خواہ نے قرض دے کر اس پر مہربانی کی۔

	روایت ہے حضرت عمران ابن حصین سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کا کسی شخص پر کوئی حق ہو وہ اسے مہلت دے دے تو اسے ہر دن کے عوض صدقہ کا ثواب ہوگا ۱؎(احمد)

۱؎حق میں قرض،دَین،مکان،دکان کا کرایہ،اپنے کام کی اجرت تمام حقوق داخل ہیں۔مَن فرما کر یہ اشارہ لیا کہ جو بھی مہلت دیدے یا دلوادے یا مہلت کا سبب بن جائےاسے ہر دن صدقہ کا ثواب ہےمثلًا یکم تاریخ کو کرایہ دار پر کرایہ ادا کرنا لازم ہےکسی نے سفارش کرکے اسے دو چار دن کی مالک مکان سے مہلت دلوادی کہ یہ تو بیچارہ غریب ہےابھی اس کے پاس نہیں ہے،کچھ مہلت دے دوتو مالک مکان کو بھی اور اس سفارشی کو بھی ان دو چار دنوں میں ہر دن اتنے روپے خیرات کرنے کا ثواب ملے گا۔اس لیے اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے فرمایاکہ صدقہ دینے سےقرض دینا پھر مہلت دینا افضل ہے۔صدقہ تو غیر حاجت مند بھی لے لیتے ہیں مگر قرض حاجت مند ہی لیتا ہے۔

	روایت ہے حضرت سعد ابن اطول سے فرماتے ہیں میرا بھائی وفات پا گیا اوراس نے تین سو اشرفیاں چھوڑیں اور چھوٹے بچے چھوڑے میں نے چاہا کہ ان پر خرچ کروں ۱؎تو مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارا بھائی قرض میں گرفتار ہے ان کا قرض ادا کرو۲؎فرماتے ہیں میں چلا اور ان کا قرض ادا کردیا پھرمیں نے حاضر ہو کر عرض کیا یارسول اللہ میں نے بھائی کا سارا قرض ادا کردیا ۳؎کچھ باقی نہ رہا ہاں ایک عورت دو اشرفیوں کا دعوی کرتی ہےاور اس کے پاس گواہ ہے نہیں فرمایا اسے دے دو وہ سچی ہے ۴؎(احمد)

۱؎اسی طرح کہ قرض خواہوں کو کچھ نہ دوں سب اس کے بچوں پر ہی خرچ کروں یا پہلے بچوں پر خرچ کروں ان کے جوان ہونے پر اگر کچھ بچے تو قرض خواہوں کو دوں،عرب میں اس قسم کی بے قاعدگیوں کا عام رواج تھا۔

۲؎یعنی پہلے قرض دواس سے جو بچے وہ مرحوم کے بچوں پر خرچ کرو۔اب بھی حکم یہ ہی ہےکہ ادائے قرض میراث سے پہلے ہے۔اولًا کفن دفن،پھر ادائے قرض،پھر تہائی مال سے وصیت کا اجراء پھر تقسیم میراث اس کا ماخذ یہ حدیث بھی ہے۔

۳؎یعنی جن کے قرضوں کا ثبوت گواہی وغیرہ سے تھا وہ تو ادا کردیا اس میں سے ایک پیسہ باقی نہ بچا۔

۴؎ غالبًا حضور انور کو اس بی بی کی سچائی وحی سے معلوم ہوئی اس لیے جیسے اور وحی کی اتباع مسلمانوں پر لازم ہے ایسے ہی اس وحی کی اتباع بھی لازم ہے ورنہ حاکم اپنے خصوصی علم پر مقدمہ کا فیصلہ نہیں کرسکتا گواہی و شہادت پر ہی فیصلہ کرے گا۔(مرقات) یہ حدیثیں باب الافلاس میں اس لیے لائی گئیں کہ ان سے دیوالیہ کے احکام میں مدد ملتی ہے ورنہ ان میں دیوالہ کا ذکر نہیں۔

روایت ہے حضرت محمد ابن عبداللہ ابن جحش سے ۱؎ فرماتے ہیں ہم مسجد کے صحن میں بیٹھے تھے جہاں جنازے رکھے جاتے ہیں ۲؎ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان تشریف فرماتھے ۳؎ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نگاہ آسمان کی طرف اٹھائی پھر کچھ دیکھا پھر اپنی نگاہ شریف جھکالی اور اپنا ہاتھ اپنی پیشانی پر رکھا فرمایا سبحان اللہ سبحان اللہ کیسی سختی نازل ہوئی ۴؎ فرماتے ہیں ہم ایک دن رات خاموش رہے ہم نے بھلائی کے سواء کچھ نہ دیکھا حتی کہ سویرا ہوگیا ۵؎ محمد (راوی) فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا وہ کون سی سختی تھی جو نازل ہوئی فرمایا قرض کے متعلق ۶؎ اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر کوئی شخص اللہ کی راہ میں مارا جائے پھر زندہ ہو پھر اللہ کی راہ میں مارا جائے، پھر زندہ ہو، پھر اللہ کی راہ میں مارا جائے، پھر زندہ حالانکہ اس پر قرض ہو تو جنت میں نہیں جاسکتا حتی کہ اس کا قرض ادا کردیا جائے ۷؎ (احمد) اور شرح سنہ میں اس کی مثل ہے۔

۱؎ آپ قرشی اسدی، صحابی ہیں، ہجرت سے پانچ سال پہلے پیدا ہوئے، اپنے والد عبداللہ ابن جحش کے ساتھ پہلے تو حبشہ کو ہجرت کر گئے پھر مدینہ منورہ کو حضرت ام المؤمنین زینب بنت جحش کے بھائی حضور انور کے سالے ہیں، عظیم المرتبت صحابی ہیں۔(لمعات، مرقات، اشعہ)

۲؎ یعنی جس جگہ جنازے رکھ کر نماز جنازہ پڑھی جاتی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ زمانہ نبوی میں نماز جنازہ داخل مسجد میں نہ ہوتی تھی بلکہ خارج مسجد میں ہوا کرتی تھی، یہ ہی امام اعظم کا قول ہے کہ نماز جنازہ داخل مسجد میں منع ہے لہذا یہ امام صاحب کی دلیل ہے۔ظاہر یہ ہے کہ خارج مسجد میں جنازہ صرف نماز کے لیے رکھے جاتے ہیں نہ کہ اور کسی مقصد کے لیے، امام شافعی کے ہاں داخل مسجد میں بھی جنازہ کی نماز درست ہے۔(از مرقات)

۳؎ یہ لفظ اصل میں بیننا تھا، ظهرینا زائد ہے بیان قریب کے لیے یعنی ہم سے اتنے قریب تھے کہ گویا پشت سے پشت ملی ہوئی تھی ہماری پیٹھوں کے بیچ تھے۔

۴؎ معلوم ہوا کہ حضور کی نگاہوں سے غیبی حجاب اُٹھے ہوئے تھے کہ وہاں ہی تمام صحابہ حاضر ہیں اور اسی جگہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں مگر جو کچھ حضور دیکھ رہے ہیں دوسرے نہیں دیکھتے۔یہ **سبحان اللہ** فرمانا اظہار تعجب کے لیے ہے،یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ سختی کسی خاص شکل میں تھی جو آنکھوں سے نظر آرہی تھی کوئی خاص وحی نہ تھی کہ وحی کا تعلق کان سے ہے۔ہم لوگ خواب میں آفتوں مصیبتوں کو کالی عورت،حملہ کرنے والے سانپ کی شکل میں دیکھتے ہیں،شاہ مصر نے قحط کے سات سال سات گائیوں اور سات بالیوں کی شکل میں دیکھے تھے۔

۵؎ یعنی ہم سمجھتے تھے کہ کوئی آسمانی وبال یا مصیبت فوری آنے والی ہے تو ایک دن ورات بہت فکر وتردد میں گزرا مگر خدا کا شکر ہے کوئی آفت نہ آئی۔

۶؎ یعنی کوئی وبال یا غیبی آفت نہ تھی بلکہ قرض کی سختی ہے جو مقروض پر ہوگی۔

۷؎ **یقضی** کی دو قرأتیں ہیں:معروف و مجہول یعنی خود مقروض ادا کرے یا اس کے ورثا اس کی طرف سے ادا کریں۔معلوم ہوا شہادت جیسی عبادت سے بھی قرض معاف نہیں ہوتا۔وہ جو روایت میں ہے کہ حج سے قرض بھی معاف ہوجاتا ہے،وہاں ادائے قرض کی بے اعتدالیاں مراد ہیں یعنی ادائے قرض میں جو مقروض کی طرف سے وعدہ خلافی،ٹال مٹول ہوجاتی ہے وہ معاف ہوجائے گی ورنہ قرض ادا کرکے حج کو جانا چاہیے لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔

باب الشرکۃ و الوکالۃ

شرکت اور وکالت کا باب [1]

الفصل الاول

پہلی فصل

[1] شرکت کے معنی ساجھی ہونا،وکالت کے معنی ہیں دوسرے پر اعتماد کرکے اس سے اپنا کام کرانا۔شرکت کی بہت قسمیں ہیں:شرکت منافع میں،شرکت اصل چیز میں،شرکت حقوق بدنی میں جیسے قصاص یا حد قذف میں مطالبہ کرنے والوں کی شرکت اور شرکت حق مال میں جیسے کسی کتاب کو حق شفعہ ملے،پھر شرکت عنان،شرکت معاوضہ،شرکت وجوہ،،شرکت صنائع یہ بھی شرکت ہی کے اقسام ہیں،ان کی تفاسیر واحکام کتب فقہ میں ملاحظہ فرمایئے۔

روایت ہے حضرت زہرہ ابن معبد سے کہ ان کو ان کے دادا عبداللہ ابن ہشام [1] بازار لے جاتے تھے غلہ خریدتے تھے [2] تو ان سے حضرت ابن عمرو اور ابن زبیر ملتے تھے تو کہتے تھے ہمیں شریک کرلو [3] کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے لیے برکت کی دعا کی ہے [4] تو وہ انہیں شریک کرلیتے تھے بہت دفعہ پورا اونٹ ویسے کا ویسا ہی نفع میں پالیتے تھے [5] جسے وہ اپنے گھر بھیج دیتے تھے اور حضرت عبداللہ ابن ہشام کو ان کی ماں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئی تھیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا اور ان کے لیے دعائے برکت کی تھی [6]۔(بخاری)	

[1] حضرت زہرہ تابعین میں سے ہیں،تمام محدثین فرماتے ہیں کہ آپ اولیاء کاملین سے تھے۔امام دارمی فرماتے ہیں کہ آپ اپنے وقت کے ابدال تھے،اپنے دادا عبداللہ ابن ہشام سے جو صحابی ہیں اور حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن عاص اور عبداللہ ابن زبیر سے ملاقات رکھتے ہیں ان حضرات سے روایات لیتے ہیں۔(اشعہ)

[2] تاکہ انہیں خرید و فروخت آجائے۔معلوم ہوا کہ اولاد کو جیسے عبادات سکھائی جائیں ویسے ہی انہیں معاملات کی تعلیم دی جائے ،تجربہ کرایا جائے کہ معاملات بھی عبادات کی طرح ضروری ہیں ان کے احکام سخت ہیں۔

[3] کہ اپنے مال میں ہمارا مال ملالو،اس سے غلہ خریدو،پھر فروخت کرو۔نفع ہمارا تمہارا ہم اگرچہ تجارت جانتے ہیں مگر جو خصوصیت تم کو میسر ہے ہم کو نہیں وہ خصوصیت یہ ہے۔

۴؎ تمہیں ضرور ہر کام میں برکت و نفع ہوگا ہم بھی تمہارے ساتھ نفع میں شریک ہوجائیں گے۔موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کے لیے دعا کی تھی کہ "وَاَشۡرِكۡهُ فِیۡۤ اَمۡرِیۡ" خدایا انہیں بھی میرا شریک کار بنادے کہ ہم دونوں نبی ہوں،دونوں دینی خدمات کریں،اجرو ثواب میں شریک رہیں۔

۵؎ اونٹ سے مراد اونٹ کا بوجھ یعنی گندم کی بوریاں ہیں یعنی بسا اوقات ایک اونٹ گندم کا بیوپار کرتے تو پورا اونٹ نفع میں بچ رہتا جیسے ایک صحابی کو حضور انور نے اشرفی دی کہ قربانی کے لیے بکری خرید لاؤ انہوں نے ایک اشرفی کی بکری خریدی اور دو اشرفیوں کے عوض فروخت کردی پھر ایک اشرفی کی دوسری بکری خریدی،پھر بکری اور ایک اشرفی لاکر حضور انور کی بارگاہ میں پیش کی۔حضور انور نے انہیں دعا دی اور اشرفی خیرات کردینے کا حکم دیا،یہ ہے پور امال نفع میں بچ رہنا۔

۶؎ عبداللہ ابن ہشام کی والدہ کا نام زینب بنت حمید تھا،عبداللہ گود میں تھے،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں جب پیش ہوئے تو پیار میں حضور نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور برکت کی دعا دے دی،پھر کیا تھا وارے نیارے ہوگئے۔معلوم ہوا کہ بچوں کے سر پر ہاتھ پھیرنا دعا کرنا سنت ہے،بہار شریف میں ایک بزرگ گزرے ہیں حضرت مخدوم الملک،ایک بار انہیں ان کی چھوٹی بہن نے سلام کیا تو آپ نے جواب سلام دے کر فرمایا ٹھنڈی رہو،اللہ نے یہ دعا ایسی قبول فرمائی کہ ان کی قبر بھی ٹھنڈی کردی۔ہم نے دوپہر کے وقت ان کی قبر پر ہاتھ رکھا دھوپ قبر پر ہے،سخت دھوپ تھی تمام قبریں گرم تھیں مگر یہ قبر ٹھنڈی تھی حالانکہ چونا گچھ کی قبر تھی۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ انصار نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے درمیان کھجوروں کے درخت تقسیم فرمادیں ۱؎ فرمایا نہیں بلکہ تم ہماری طرف سے قیمت کرو اور پھلوں میں ہم تمہارے شریک ہیں ۲؎ وہ بولے ہم نے سن لیا اطاعت کریں گے ۳؎ (بخاری)	

۱؎ یہ واقعہ شروع ہجرت کا ہے جب مہاجر مکہ مکرمہ وغیرہ سے مدینہ پاک آئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین و انصار میں عقد مواخات یعنی بھائی چارہ قائم فرمایا کہ فلاں مہاجرین فلاں انصار کا بھائی اور فلاں فلاں کا،تب انصار نے عرض کیا کہ ہمارے باغ ہمارے بھائی مہاجرین میں اس طرح تقسیم فرمادیجئے کہ ہر انصار کے باغ میں اس کے مہاجر بھائی کا آدھا حصہ ہو،یہ تھی وہ بے مثال مہمان نوازی جس کی مثال آسمان نے نہ دیکھی ہوگی۔

۲؎ سبحان اللہ! کیا پیارا فرمان ہے مقصد تو یہ تھا کہ انصار کے باغ انہیں کے رہیں کہ یہ ان کی روزی کا ذریعہ ہیں مگر ظاہر اسی طرح فرمایا کہ مہاجرین کو باغبانی آتی بھی نہیں اور ان کے پاس اتنا وقت بھی نہیں کہ باغ کو پانی دینے وغیرہ کا کام کیا کریں،محنت تم کرو،پھل آدھا آدھا کردیا کرو،مقصد اور ہے اظہار کچھ اور تاکہ انصار کے مال محفوظ رہیں اور ان کی دل شکنی بھی نہ ہو۔(مرقات)صاحب مشکوٰۃ کا یہ حدیث یہاں لانے سے مقصد یہ ہے کہ پھلوں میں شرکت جائز ہے کہ درخت ایک شخص کے ہوں پھل مشترکہ اس لیے یہ حدیث یہاں لائے،اس سے بہت مسائل مستنبط ہوسکتے ہیں۔کوئی شخص کسی سے اپنے

باغ کی تمام خدمات لے اس طرح کہ باغ اس کا محنت دوسرے کی پیداوار مشترکہ یہ جائز ہے کھیتی وغیرہ کا بھی یہی حال ہے کہ زمین ایک کی،محنت دوسرے کی،پیداوار مشترک یہ بھی جائز ہے۔
۳؎ انصار کی نیت یہ تھی کہ ہم نے اپنا باغ نصف مہاجر بھائی کو دے ہی دیا،اب باغ بھی مشترکہ ہے پیداوار بھی مشترکہ کام غیر مشترک کام ہم ہی کریں گے مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نیت کچھ اور تھی جو ابھی عرض کی گئی۔

روایت ہے حضرت عروہ ابن ابی الجعد بارقی سے ۱؎ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک اشرفی دی تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وہ بکری خریدیں انہوں نے حضور کے لیے دو بکریاں خرید لیں پھر ایک بکری ایک اشرفی سے بیچ دی ۲؎ اور آپ کی خدمت میں بکری اور اشرفی لائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تجارت میں برکت کی دعا فرمائی ۳؎ پھر اگر وہ مٹی بھی خرید لیتے تو اس میں بھی نفع کمالیتے تھے ۴؎ (بخاری)	

۱؎ آپ صحابی ہیں،بارق ابن عوف ابن عدی کی اولاد سے،آپ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کوفہ کا حاکم مقرر کیا،آپ وہاں ہی رہے اس لیے آپ کا شمار اہلِ کوفہ سے ہوتا ہے،بعض محدثین نے فرمایا کہ آپ عروہ ابن جعد ہیں ابی جعد نہیں مگر حق یہ ہے کہ آپ عروہ ابن ابی الجعد ہیں۔
۲؎ حق یہ ہے کہ حضرت عروہ اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وکیل مطلق تھے اور وکیل مطلق کو خرید و فروخت ہر چیز کا حق ہوتا ہے اس لیے آپ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بکری فروخت بھی کردی اگر فقط خریدنے کے لیے وکیل ہوتے تو آپ کو فروخت کرنے کا حق نہ ہوتا۔اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وکیل خرید کو سستا مال خریدنے کا حق ہے کہ اس میں مؤکل کا نفع ہی ہے۔اگر بارہ آنے سیر دودھ خریدنے کا کسی کو وکیل کیا اس نے اعلیٰ درجہ کا دودھ جو بارہ آنے سیر بکتا ہے دس آنے سیر خرید لیا تو یقینًا جائز ہے کہ مؤکل کا فائدہ ہی کیا ہاں وکیل بیع سستی نہیں بیچ سکتا جب کہ مؤکل نے قیمت مقرر کردی ہو کہ اس میں مؤکل کا نقصان ہے۔
۳؎ گویا آپ حضرت عروہ کی اس دانائی و فراست سے بہت خوش ہوئے،تجارتی سمجھ بھی اللہ تعالٰی کی رحمت ہے جیسے میسر ہو انہوں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا سے یہ نعمت رب کی طرف سے پائی۔
۴؎ مٹی کا لفظ یا تو بطور تمثیل فرمایا گیا مراد معمولی چیز ہے،یعنی اگر نہایت معمولی چیز کی تجارت بھی کرتے تب بھی نفع کمالیتے تھے یا مٹی ہی مراد ہے کہ مٹی کی تجارت جائز ہے۔خصوصًا مدینہ پاک کی مٹی کی تجارت تو اب بھی بڑے زور سے ہوتی ہے،وہاں کی خاک شفاء حجاج تحفہ کے طور پر لاتے ہیں کمہار جنگلی مٹی مفت اٹھالاتے ہیں اور شہر میں فروخت کرتے ہیں یہ بھی جائز ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ اسے مرفوع فرما کر فرماتے ہیں کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے میں دو شریکوں کا تیسرا ہوتا ہوں جب تک کہ ان میں کا ایک اپنے ساتھی سے خیانت نہ کرے ۱؎ جب خیانت کرتا ہے تو ان کے درمیان سے میں نکل جاتا ہوں ۲؎ (ابوداؤد)رزین نے یہ اور بڑھایا کہ شیطان آجاتا ہے ۳؎	

۱؎ اللہ تعالیٰ کے تیسرا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت و برکت ان دونوں صاحبوں کے شریک حال ہوجاتی ہے رب کو ان کا شریک قرار دینا مجازاً ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تجارتی کاروبار شرکت میں کرنا اکیلے اکیلے کرنے سے بہتر ہے جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے۔علیحدگی کی صورت میں ہر ایک دوسرے کی مخالفت کرتا ہےاور شرکت میں ایک دوسرے کا تعاون کرتا ہےاور اللہ تعالیٰ بندوں کی مدد کرنے والے کی مدد کرتاہے،اس سے کاروبار کے بہت مسائل مستنبط ہوسکتے ہیں۔
۲؎ یعنی اپنی برکت نکال لیتا ہوں بے برکتی داخل فرمادیتا ہوں،یہ تجربہ سے بھی ثابت ہے کہ جب تک تجارت میں نیک نیتی سے شرکت رہے بڑی برکت ہوتی ہےاور جہاں نیت خراب ہوتی تو برکت گئی اور دکان کا دیوالیہ ہوابارہا کا تجربہ ہے۔
۳؎ یعنی بدنیت شریکوں کے ساتھ شیطان شامل رہتا ہے کہ ان سے صدہا گناہ کراتا ہے پھر ہر ایک شریک چوری، جھوٹ،حسد،بغض وغیرہ کرنے لگتا ہے،آخر کار بہت بدنامی اور لڑائی کے ساتھ ان کی علیحدگی ہوتی ہے،جب شیطان شریک ہوگیا تو پھر گناہوں کی کیا کمی۔

روایت ہے ان ہی سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ آپ حضور نے فرمایا کہ جو تم سے امانتداری کرے اس کی امانت ادا کرو ۱؎ اور جو تم سے خیانت کرے اس سے تم خیانت نہ کرو ۲؎ (ترمذی،ابوداؤد،دارمی) ۳؎	

۱؎ یعنی جو شخص تمہیں امین جان کر اپنے مال،اسرار،عزت و آبرو وغیرہ کو تمہارے سپرد کرے تو تم امین ہی بن کر اسے دکھا دو کہ اس کے کسی معاملہ میں خیانت نہ کرو۔
۲؎ علماء فرماتے ہیں کہ حدیث فتویٰ پر شامل ہوسکتی ہےاور تقویٰ پر بھی،فتویٰ یہ ہے کہ خائن سے بقدر خیانت بدلہ لے سکتے ہیں،اگر کسی نے تمہارے سو روپے مار لیے تو جب کبھی وہ تمہارے پاس اپنی کچھ رقم امانت یا قرض دے تو اپنا حق وضع کرکے باقی مال اسے دو کہ یہ وضع خیانت نہیں بلکہ اپنا حق وصول کرنا ہے،مگر تقویٰ یہ ہے کہ ایسے شخص سے بھی بدلہ میں یہ معاملہ نہ کرے،اپنا حق علیحدہ مانگے مگر اس کا یہ حق پورا ادا کرے،یہ اعلیٰ درجہ کا اخلاق ہے، رب تعالیٰ فرماتاہے:"**اِدۡفَعۡ بِالَّتِیۡ ہِیَ اَحۡسَنُ**"۔حضور فرماتے ہیں"واحسن اِلی من اساءَ الیك"جو تم سے برائی کرے تم اس سے بھلائی کرو۔خیال رہے کہ کافر حربی کی بھی خیانت جائز نہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے موقع پر ان خون کے پیاسے دشمنوں کی

امانتیں ادا کیں جنہوں نے قتل کے ارادے سے حضور کا گھر گھیر لیا تھا،حضرت علی کو حضور نے مکہ معظّمہ چھوڑا اور آپ صدیق اکبر کے ساتھ روانہ ہوگئے، حضرت علی سے فرما گئے کہ ان ہی لوگوں کی میرے پاس امانتیں ہیں تم وہ ادا کرکے مدینہ آجانا۔

۳؎ یہ حدیث بخاری نے اپنی تاریخ میں،حاکم نے اپنی مستدرک میں،دارقطنی نے حضرت انس سے روایت کی۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ میں نے خیبر جانے کا ارادہ کیا تو میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ کو سلام کیا اور عرض کیا کہ میں خیبر جانے کا ارادہ کررہا ہوں ۱؎ فرمایا جب تم ہمارے وکیل کے پاس جاؤ تو ان سے پندرہ وسق لے لینا ۲؎ پھر اگر تم سے کوئی نشانی مانگیں تو ان کے گلے پر ہاتھ رکھ دینا ۳؎ (ابوداؤد)

۱؎ صحابہ کرام جب کبھی سفر میں جاتے تو حضور انور کو مل کر،آپ سے وداع ہوکر،آپ کی دعائیں و نصیحتیں لے کر جاتے تھے ان کے لیے یہ دعائیں نصیحتیں سفر کا بہترین توشہ ہوتی تھیں۔بعض حضرات توصراحۃً عرض کرتے تھے کہ سفر کو جارہاہوں کچھ توشہ عنایت فرمایا جائے،اس کے مطابق حضرت جابر حضور انور سے وداع ہونے حاضر ہوئے آپ اپنے کسی کام کو خیبر جا رہے تھے۔

۲؎ ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے،ایک صاع ساڑھے چار سیر کا،حضور انور نے آپ کو وکیل قبض بنایا کہ ہماری اتنی کھجوریں یا جوان وکیل سے وصول کرکے ہمارے پاس لے آنا وہ حضرت خیبر میں وکیل وصولی بنا کر بھیجے گئے تھے کہ اہل خیبر سے حضور کے حصہ کی کھجوریں یہود خیبر سے وصول کرکے اپنے پاس رکھیں جب کوئی شخص مدینہ آئے گا ہم اس کے ہاتھ منگوالیں گے۔اس حدیث سے دو طرح وکالت ثابت ہوئی اور دوقسم کی ثابت ہوئی:وکالت قبض،وکالت وصولی۔

۳؎ حضور انور نے اس پہلے وکیلِ وصول کو اولاً سمجھادیا تھاکہ آدمی تمہارے پاس جو آئے گااس کو ہم یہ علامت سمجھا دیں گے تاکہ کوئی اور شخص ناجائز طور پر ان سے یہ مال نہ لے لے۔خیال رہے کہ یہ عمل ہم کو تعلیم کے لیے ہے ورنہ تمام صحابہ سچے،عادل،قابل اعتماد ہیں ان پر جھوٹ یا دھوکہ کا احتمال بھی نہیں ہوسکتا،انہیں حضرت جابر نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا تھاکہ حضور انور نے مجھ سے تین لپ بھرکر درہم دینے کا وعدہ فرمایا تھاکہ حضور کی وفات ہوگئی،جناب صدیق اکبر نے بغیر گواہ وقسم لیے وہ وعدہ پورا کیا،کیوں؟ اس لیے کہ صحابہ عادل ثقہ ہیں ان کی بات قبول ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت صہیب سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تین چیزوں میں برکت ہے ۲؎ ادھار بیچنا،قرض دینااور گیہوں جو سے ملانا ۳؎ مگر گھر کے لیے نہ کہ

	تجارت کے لیے ۴؎(ابن ماجہ)

۱؎آپ صہیب ابن سنان ہیں،کنیت ابو یحییٰ،علاقہ موصل میں دجلہ و فرات کے درمیان کے رہنے والے،آپ کے علاقہ پر روم نے حملہ کرکے آپ کو غلام بنالیا اور بنی کلب قبیلہ نے آپ کو رومیوں سے خرید لیا۔بنی کلب نے عبداللہ ابن جدعان کے ہاتھ فروخت کردیامکہ معظّمہ لاکر انہوں نے ہی آپ کو آزاد کیا،آپ اور عمار ابن یاسر ایک ہی دن ایمان لائے جب کہ حضور انور دار ارقم میں پناہ گزین تھے۔آپ نے کفار مکہ کے ہاتھوں اسلام لاکر بہت مصیبتیں اٹھائیں،آپ کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی"وَ مِنَ النَّاسِ مَنۡ یَّشْرِیۡ نَفْسَہُ"الخ۔نوے سال عمر ہوئی، ۸۰ھ؁ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی،بقیع میں دفن ہوئے،آپ کے فضائل بے شمار ہیں بدر وغیرہ تمام غزوات میں شریک رہے۔

۲؎ برکت و کثرت میں فرق ہے ہر زیادتی کثرت ہےمگر خیر و نفع کی زیادتی برکت ہے،کثرت سے برکت اعلیٰ ہے۔عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا"وَجَعَلَنِیۡ مُبٰرَکًا"رب نے مجھے برکت والا بنایا،کثرت والا نہ کہا۔

۳؎فقراء کو ادھار بیچ دینے میں دعائیں بھی ملتی ہیں،لوگوں کی تعریفیں بھی، رب کی رحمت بھی۔قرض دینے سے مراد ہے مضاربۃ پر مال دینا کہ مال ہمارا ہو محنت دوسرے کی،نفع میں شرکت۔گندم میں قدرے جو ملانے سے سنت بھی ادا ہوتی ہے۔خرچ میں کفایت بھی،روٹی زود ہضم بھی ہوتی ہے،قدرے ٹھنڈی بھی،گندم گرم ہے جو ٹھنڈے۔

۴؎یعنی گندم دکھا کر جو ملا کر نہ بیچو کہ اس میں خریدار کو دھوکا دہی ہےبلکہ اپنے کھانے کے لیے گندم میں جو ملاؤ فروخت میں جو خریدار کودکھاؤ وہ ہی دو۔

	روایت ہے حضرت حکیم ابن حزام سے ۱؎کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ہاتھ ایک اشرفی بھیجی تاکہ آپ کے لیے قربانی خرید لیں انہوں نے ایک اشرفی سے مینڈھا خریدا اور اسے دو دینار میں بیچ دیا ۲؎پھر واپس بازار آئے اور ایک اشرفی سے قربانی خرید لی پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قربانی اور دوسری قربانی سے بچی ہوئی اشرفی لائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشرفی تو خیرات کردی ۳؎اور انہیں دعا دی کہ ان کی تجارت میں ہمیشہ برکت ہو ۴؎(ترمذی،ابوداؤد)

۱؎آپ کی کنیت ابو خالد ہے،قرشی ہیں، حضرت خدیجہ کے بھتیجے،خانہ کعبہ میں پیدا ہوئے،واقعہ فیل سے تیرہ سال پہلے فتح مکہ میں ایمان لائے،مدینہ منورہ میں وفات پائی، عمر ایک سو بیس سال ہوئی، ۵۴ھ؁ میں وفات ہوئی۔

۲؎ آپ کو یقین تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے اس بیچ دینے سے ناراض نہ ہوں گے اس لیے جانور بیچ دیاورنہ آپ صرف خریدنے کے لیے وکیل تھے نہ کہ فروخت کرنے کے۔

۳؎ آپ نے حکیم کی یہ بیع جائز رکھی۔اس سے معلوم ہوا کہ بعض صورتوں میں قربانی کے لیے خریدا ہوا جانور فروخت کرکے دوسرا جانور خرید سکتے ہیں،خصوصًا جب کہ قربانی کرنے والا غریب نہ ہو امیر ہو،یہ بھی معلوم ہوا کہ قربانی کے جانور کی قیمت سے بچا ہوا پیسہ اپنے کام میں نہ لائے بلکہ خیرات کردے تاکہ اپنا صدقہ خود نہ کھائے۔

۴؎ چنانچہ رب تعالٰی آپ کو ہمیشہ تجارتوں میں برکت دیتا تھا جو لوگ آپ کے ساتھ مل کر تجارت کرتے تھے وہ بھی مالدار ہوجاتے تھے اور بڑے بڑے تاجر آپ کے مشورہ سے بیوپار کرتے تھے۔(مرقات)

باب الغصب و العارية

مال ہتھیا لینے اور مانگ کر لینے کا باب ۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱غصب کے معنی ہیں کسی کے مال پر ناجائز قبضہ کرلینا جیسے کوئی چیزکسی سے مانگ کر لائے پھر نہ دے یا امانت کا انکار کردیا لہذا غصب چوری ڈکیتی میں فرق ہے۔عاریت کے معنے ہیں کسی کی چیز سے اس کی اجازت پر بغیر معاوضہ نفع حاصل کرنا جیسے کسی کا برتن کچھ دن کے لیے مانگ لینا،پھر کام نکال کر واپس کردینا۔غصب حرام ہے،عاریت جائز۔عاریت عار بمعنی شرم و غیرت سے بنا،چونکہ اہل عرب اس کا م میں شرم کرتے تھے اس لیے اسے عاریت کہا گیا،ننگے کو بھی عاری اسی لیے کہتے ہیں کہ ننگا رہنے میں شرم و عار ہوتی ہے،بعض نے فرمایا عاریت تعاور سے ہے بمعنی تبادلہ کرنا،دست بدست لین و دین۔

	روایت ہے حضرت سعد ابن زید سے ۱ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو بالشت بھر زمین ظلمًا لے لے تو قیامت کے دن اسے سات زمینوں کا طوق پہنایا جائے گا ۲(مسلم،بخاری)

۱آپ عشرہ مبشرہ سے ہیں حضرت عمر فاروق کی بہن فاطمہ آپ ہی کے نکاح میں تھیں،آپ ہی کے ذریعہ حضرت عمر ایمان لائے،سواء بدر تمام غزوات میں شامل رہے،بدر کے دن آپ حضرت طلحہ کے ساتھ کفار قریش کی تلاش میں گئے تھے،حضور انور نے آپ کو حصہ غنیمت کے مال سے دیا،ستر۷۰سال سے زیادہ عمر ہوئی، ۵۱ھ میں مقام عقیق میں انتقال ہوا،آپ کی نعش مدینہ پاک لائی گئی،بقیع میں دفن ہوئے۔

۲اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زمین کے سات طبقے اوپر نیچے ہیں صرف سات ملک نہیں پہلے تو اس غاصب کو زمین کے سات طبق کا طوق پہنایا جائے گا،پھر اسے زمین میں دھنسایا جائے گا لہذا جن احادیث میں ہے کہ اسے زمین میں دھنسایا جائے گا وہ احادیث اس حدیث کے خلاف نہیں،یہ حدیث بالکل ظاہر پر ہے کہ کسی تاویل کی ضرورت نہیں،اللہ تعالٰی اس غاصب کی گردن اتنی لمبی کردے گا کہ اتنی بڑی ہنسلی اس میں آجائے گی۔معلوم ہوا کہ زمین کا غصب دوسرے غصب سے سخت تر ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کوئی کسی کا جانور بغیر اس کی اجازت کے نہ دوہے ۱کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرے گا کہ کوئی

اس کے بالاخانہ پر گھس آئے پھر اس کا خزانہ توڑ کر غلہ لے جائے ۲؎ اور لوگوں کے جانوروں کے تھن ان کی غذاؤں کے خزانہ ہیں ۳؎ (مسلم)	

۱؎ یعنی کسی کی بکری،گائے،بھینس،اونٹنی وغیرہ کا دودھ بغیر اس کی اجازت نہ نکالے،اہل عرب اس طرح دودھ کی چوری بھی کرتے تھے کہ کسی کا جانور پکڑا دودھ دوہ لیا یہ بھی حرام ہے۔

۲؎ بعض نسخوں میں بجائے طَعَامُهٗ کے مُتَبَاعَةُ ہے،اہلِ عرب اکثر اپنا سامان بالاخانوں پر رکھے تھے اس لیے بالاخانہ کا ذکر فرمایا ورنہ چوری تہہ خانہ سے بھی حرام ہے اور بالاخانہ سے بھی۔

۳؎ یعنی جیسے کسی کا مال بغیر اجازت اس کے گھر سے لینا حرام ہے ایسے ہی کسی کے جانور کا دودھ مالک کی اجازت کے بغیر دوہ لینا حرام ہے،یہ حدیث جمہور علماء کی دلیل ہے کہ کسی کا جانور بغیر اجازت نہ دوہے،ہاں مخمصہ یعنی سخت بھوک کی حالت میں اجازت ہے کہ اس طرح دوہ کو پی لے اور جان بچالے۔ہمارے امام صاحب فرماتے ہیں اگر مردار بھی پائے اور غیر کا مال بھی تو مردار کھاکر جان بچالے اور غیر کے مال کو ہاتھ نہ لگائے۔(مرقات)امام محمد و اسحاق کے ہاں دوسرے کا جانور بغیر اجازت دوہ لینا جائز ہے ان کی دلیل حدیث ہجرت ہے کہ صدیق اکبر نے بحالت سفر ایک قریش کے غلام سے اس کی بکری کا دودھ دوہلوایا اور خرید کر حضور کو پلایا،حالانکہ بکری کا مالک وہاں موجود نہ تھا،نیز بعض روایات میں ہے کہ جو کسی کی بکری پائے وہ تین بار آواز دے کہ کس کی بکری ہے میں دودھ دوہتا ہوں اگر تین آوازوں میں مالک نہ ملے تو دوہ لے اور پی لے مگر یہ دلیلیں کمزور ہیں کیونکہ پہلی حدیث کے مطابق کہا جاسکتا ہے کہ اس غلام کو دودھ بیچنے کی مالک کی طرف سے اجازت تھی اور یہ دوسری حدیث مخمصہ کی حالت کے لیے ہے جب کہ بھوک سے جان نکل رہی ہو،ورنہ غیر کا مال بغیر اجازت لینا کس طرح درست ہوسکتا ہے،یوں ہی کسی کے باغ کے پھل اس کی اجازت کے بغیر نہ توڑے نہ کھائے،نہ اٹھائے نہ لے جائے۔جن احادیث میں اجازت ہے کہ کھائے مگر لے نہ جائے وہاں بھی مخمصہ کی حالت مراد ہے کہ بھوکے کی جان پر بن گئی ہے وہ یہ کھاکر جان بچائے،ہاں جنگلی پھل کسی کی ملک نہیں جیسے کوکن بیر وہ شکار کے جانور کی طرح کسی کی ملک نہیں جو چاہے کھائے۔(ازلمعات واشعہ مع زیادۃ)اس کی تحقیق کتب فقہ میں دیکھئے۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بعض بیویوں کے پاس تھے کہ امہات المؤمنین میں سے کسی نے ایک پیالہ بھیجا ۱؎ جس میں کچھ کھانا تھا تو جس کے گھر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے انہوں نے خادم کے ہاتھ مارا جس سے پیالہ گر کر ٹوٹ گیا ۲؎ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیالے کے ٹکڑے جمع کیے پھر جو کھانا پیالے میں تھا اس میں ڈالا ۳؎ اور آپ فرماتے جاتے تھے کہ تمہاری ماں غیرت کر گئیں ۴؎ پھر خادم کو روک لیا حتی کہ جن کے گھر میں حضور تھے ان کے پاس سے پیالہ	

	لایا گیا تو جن کا پیالہ ٹوٹ گیا تھا انہیں درست پیالہ دے دیا ۵؎ اور ٹوٹا ہوا پیالہ توڑنے والی کے گھر میں رکھ دیا ۶؎ (بخاری)

۱؎ بعض بیویوں سے مراد حضرت عائشہ صدیقہ ہیں جیساکہ دوسری روایتوں میں ہے یا تو حضرت انس ان کا نام بھول گئے یا احترامًا ان کا نام ظاہر نہ فرمایا،کھانا بھیجنے والی بی بی صفیہ ہیں اور ہوسکتا ہے کہ حضرت زینب یا ام سلمہ ہوں،حضور کی بارگاہ میں اکثر و بیشتر ہدیے جب ہی آتے تھے جب کہ آپ حضرت عائشہ صدیقہ کے گھر پر ہوتے۔(اشعہ و مرقات)

۲؎ آپ خادم کو مارنا نہ چاہتی تھیں کہ وہ تو بے قصور تھا بلکہ ارادہ پیالہ چھینکنے کا تھا اس کے ہاتھ پر ہاتھ مارنا اسی نیت پر تھا۔چنانچہ خادم کو چوٹ نہ لگی اور پیالہ گر گیا اسی لیے حضور انور نے خادم کو قصاص نہ دلوایا پیالہ کا عوض دلوایا۔

۳؎ یہ ہے سرکار کا حلم و اخلاق اور نعمت الٰہی کی قدر دانی کہ آپ ام المؤمنین پر ناراض نہ ہوئے اور کھانا ضائع نہ جانے دیا۔اس سے پتہ لگا کہ گرے ہوئے لقمہ کو بھی جھاڑ پونچھ کر کھالینا چاہیے جیساکہ دوسری روایتوں میں صراحۃً آتا ہے۔

۴؎ یعنی ام المؤمنین نے یہ کام ظلمًا نہیں کیا نہ وہ اس میں گنہگار ہیں بلکہ فطرت بشری کی بنا پر کیا کہ قدرتی طور پر ہر بی بی اپنی سوکن کی چیز کو اپنے گھر آنا پسند نہیں کرتی،فطری چیز پر پکڑ نہیں ہوا کرتی۔سبحان اللہ! کیسی برکت والی ماں ہیں کہ یہاں ان کی صفائی حضور انور بیان فرمارہے ہیں اور دوسرے مقام پر ان کی صفائی اللہ تعالٰی قرآن میں بیان فرمارہا ہے ان خطاؤں پر ہماری لاکھوں عبادتیں قربان۔

۵؎ یہ پیالہ کا ضمان نہ تھا ورنہ قیمت دلوائی جاتی کیونکہ پیالہ شرعًا مثلی چیز نہیں ہے قیمتی چیز ہے جس کے توڑنے پر بدلہ میں قیمت واجب ہوتی ہے بلکہ یہ عمل شریف اخلاقًا تھا کیونکہ دونوں پیالے حضور ہی کے تھے،وہاں ضمان کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔بعض شارحین نے اس کی اور وجہیں بھی بیان کی ہیں مگر یہ وجہ نہایت اعلٰی ہے،دینے والے بھی حضور ہیں اور لینے والے بھی،گھر کا سامان خاوند کا ہوتا ہے نہ کہ بیوی کی ملک۔

۶؎ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ ٹوٹا پیالہ بھی مال ہے،اس کی بیع و معاوضہ جائز ہے،کبھی تو یہ ٹھیکریاں جُڑ کر کام دیتی ہیں اور کبھی الگ الگ ہی کچھ کام دے جاتی ہیں۔دوسرے یہ کہ کسی کی چیز توڑ دینا بھی غصب کی ایک قسم ہے جب کہ یہ توڑنا زیادتی کی بناء پر ہو اور اس کا تاوان لازم ہے اسی لیے صاحب مشکوٰۃ یہ حدیث غصب کے باب میں لائے،جناب عائشہ صدیقہ کا یہ فعل صورۃً تعدی تھا لہٰذا یہ اعتراض نہیں پڑسکتا کہ صاحب مشکوٰۃ یہ حدیث **باب الغصب** میں کیوں لائے۔(مرقات)

	روایت ہے عبداللہ ابن یزید سے ۱؎ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم سے راوی کہ حضور انور نے لوٹ مار کرنے اور ناک کان کاٹنے سے منع فرمایا ۲؎ (بخاری)

۱؎ آپ خَطمی انصاری ہیں،صلح حدیبیہ میں آپ ۱۷ سال کے تھے،بیعت الرضوان میں شریک تھے،حضرت عبداللہ ابن زبیر کے زمانہ میں انہی کی طرف سے کوفہ کے گورنر تھے اور انہی کے زمانہ میں وفات پائی،آپ سے آپ کے بیٹے موسیٰ اور آپ کے پوتے ابوبردہ ابن ابی موسیٰ وغیرہم نے روایات لیں،امام شعبی آپ کے کاتب رہے۔

۲؎ یعنی نہ تو کسی مسلمان کا مال لوٹنا جائز ہے اور نہ کسی انسان یا حیوان کے ناک کان زندگی میں یا بعد موت کاٹنا جائز۔ اس سے معلوم ہوا کہ کٹی ہوئی پتنگ یا اس کی ڈور لوٹنا حرام ہے کہ یہ بھی نُھبہ ہے۔خیال رہے کہ لٹائی ہوئی چیز کا لوٹ لینا جائز ہے جیسے نکاح کے چھوہارے اور دُلہا دُلہن پر بکھیر کے پیسے کہ اسے عربی میں نثر کہتے ہیں نہ کہ نُھبہ،یوں ہی علاجًا و قصاصًا ناک کان کاٹنا جائز کہ وہ مثلہ نہیں بلکہ علاج یا قصاص ہے لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں"اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ"الخ۔اہل عرب جنگوں میں مقتولین کے ناک کان کاٹ ڈالتے تھے اور ایک دو مہمانوں کی آمد پر زندہ بکری کا ہاتھ یا پیر کاٹ کر پکالیتے تھے یہاں اس سے منع فرمایا گیا۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں سورج گہن گیا جس دن کہ حضرت ابراہیم ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی ۱؎ تو حضور نے لوگوں کو دو رکعتیں چھ رکوعوں اور چار سجدوں سے پڑھائی ۲؎ پھر فارغ ہوئے حالانکہ سورج اصلی حالت پر لوٹ چکا تھا فرمایا جن چیزوں کی تمہیں خبر دی گئی ہے ان میں سے کوئی چیز نہیں مگر میں نے اپنی اس نماز میں وہ سب دیکھ لیں ۳؎ حتی کہ آگ لائی گئی اور یہ جب تھا جب تم نے مجھے دیکھا کہ میں پیچھے ہٹا ۴؎ اس خوف سے کہ اس کی لپٹ مجھے پہنچ جائے ۵؎ اور حتی کہ میں نے آگ میں تیرنے والے کو دیکھا جو اپنی آنتیں آگ میں کھینچ رہا ہے ۶؎ وہ اپنے نیزے سے حاجیوں کی چوری کرلیتا تھا اگر اس کی حرکت معلوم ہوجاتی تو کہہ دیتا تھا کہ یہ میرے نیزے سے لگ رہا اور اگر اس سے بے خبر رہی تو لے جاتا ۷؎ اور حتی کہ میں نے اس میں بلی والی کو دیکھا جس نے بلی کو باندھ رکھا کہ اسے کچھ نہ کھلایا اور نہ اسے چھوڑا کہ زمین کے کیڑے مکوڑے کھالیتی یہاں تک کہ وہ بھوک سے مر گئی ۸؎ پھر جنت لائی گئی اور یہ جب تھا کہ تم نے مجھے دیکھا کہ میں آگے بڑھا حتی کہ اپنی جگہ کھڑا ہوگیا ۹؎ اور میں نے اپنا ہاتھ بڑھایا میں چاہتا تھا کہ اس کے کچھ پھل لے لوں تاکہ تم انہیں دیکھو پھر رائے یہ ہی قائم ہوئی کہ ایسا نہ کروں ۱۰؎ (مسلم)

۱؎ اس کی تحقیق **باب صلوۃ الکسوف** میں ہوچکی کہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات چاند کی دسویں تاریخ کو ہوئی،ریاضی کے قاعدہ سے اس دن سورج گرہن لگ سکتا ہی نہ تھا مگر رب تعالٰی نے ان کا قاعدہ توڑ دیا،حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ بقر عید سنہ ۸ھ میں بی بی ماریہ قبطیہ کے پیٹ سے پیدا ہوئے اور سولہ یا اٹھارہ مہینہ کی عمر پاکر وفات پا گئے اور بقیع میں دفن ہوئے۔

۲؎ اس طرح کہ ہر رکعت میں تین رکوع اور دو سجدے کیے اس کی تحقیق نماز کسوف میں گزرچکی۔ہمارے ہاں اس نماز کی ہر رکعت میں بھی اور نمازوں کی طرح ایک رکوع اور دو سجدے ہی ہوں گے،اس کے جوابات اسی باب میں عرض کردیئے گئے۔

۳؎ یعنی جنت اور وہاں کی نعمتیں اور دوزخ اور وہاں کے سارے عذاب اپنی ان آنکھوں سے ملاحظہ فرمالیے،حدیث بالکل ظاہری معنے پر ہے۔اس میں کسی تاویل اور توجیہ کی ضرورت نہیں اس کی پوری تحقیق نماز کسوف میں ہوچکی ہے۔

۴؎ **باب الکسوف** میں گزرچکا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نماز میں دوبار کچھ جنبش فرمائی ایک بار تو آگے بڑھ کر کچھ لینے کے ارادے سے اور ایک بار پیچھے ہٹ کر بچنے کے قصد سے،اُسے فرمارہے ہیں کہ جب تم نے مجھے دیکھا کہ میں عین نماز کی حالت میں کسی خطرناک چیز سے بچتے ہوئے پیچھے ہٹا تو اس وقت دوزخ ہمارے سامنے تھی اس سے بچنا مقصود تھا۔

۵؎ یہ فرمان ایسا ہی ہے جیسے کہ بادل یا آندھی آنے پر حضور انور کا چہرہ مبارک متغیر ہوجاتا تھا کہ کہیں عذاب یا قیامت نہ آگئی ہو،حالانکہ سرکار کو معلوم تھا کہ قیامت ابھی نہیں آسکتی اور آپ کے ہوتے عذاب نازل نہیں ہوسکتا،یوں ہی حضور انور کو معلوم تھا کہ دوزخ کی آگ ہم پر اثر نہیں کرسکتی،حضور انور کی تو بڑی شان ہے۔مؤمن دوزخ میں جا کر دوزخی مسلمان کو نکال لائیں گے اور آگ کے اثر سے محفوظ رہیں گے،یہ خوف دراصل خوف الٰہی ہے لہذا یہ حدیث واضح ہے۔

۶؎ **محجن حجن** سے بنا بمعنی اپنی طرف کھینچنا،اب **محجن** وہ لاٹھی ہے جس کے کنارے پر خم دار گولا لگا ہو اس کے ذریعہ آسانی سے چیز اپنی طرف کھینچی جائے،اس **محجن** والے کا نام عمرو ابن لحی ہے،لام کے پیش ح کے فتح سے۔ **قصب** بمعنی آنت جمع **اقصاب** یعنی اس کی آنتیں باہر نکل پڑی تھیں۔جب وہ چلتا پھرتا ہے تو آنتیں گھسٹتی ہیں۔رب کی پناہ!

۷؎ غرضکہ فیشن ایبل(Fashion Able)سیاسی چور تھا کہ حجاج کے کپڑے دن دہاڑے اس طرح چوری کرتا تھا کہ پکڑا بھی نہ جائے اور چوری بھی کرے،مالک نے دیکھ لیا تو کہہ دیا ارے مجھے خبر نہ ہوئی کہ میرے محجن سے تیرا کپڑا لگ گیا ہے،نہ دیکھا تو مال اپنا کرلیا۔

۸؎ شاید یہ عورت اسرائیلی تھی جس نے بلی پر یہ ظلم کیا تھا۔اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نماز میں جنت و دوزخ ملاحظہ فرمایا جو عالَم غیب کی چیز ہیں۔دوسرے یہ کہ قیامت کی بعد ہونے والے عذابوں کو حضور کی نگاہ ملاحظہ فرمالیتی ہے یعنی آپ اگلے پچھلے کھلے چھپے حالات کو دیکھ لیتے ہیں۔تیسرے یہ کہ یہ حرکت نماز فاسد نہیں کرتی۔چوتھے یہ کہ جانوروں پر ظلم بھی عذاب کا باعث ہے۔اس کی مکمل بحث ہم نماز کسوف کے بیان میں کرچکے ہیں۔

۹؎ ظاہر یہ ہے کہ **مقامی**(اپنی جگہ)سے مراد آخری وہ جگہ ہے جہاں تک آپ آگے بڑھ کر پہنچے تھے اور ہوسکتا ہے کہ مطلب یہ ہو کہ پہلے ہم آگے بڑھے،پھر پیچھے ہٹے حتی کہ مصلے پر وہاں ہی لوٹ آئے جو ہماری جگہ تھی۔

۱۰؎ یعنی ہم نے ہاتھ بڑھایا اور ہمارا ہاتھ جنت کے خوشہ تک پہنچ گیا چاہا کہ توڑ لیں اوراس غیبی پھل کو شہودی بناکر تمہیں دکھاویں بلکہ کھلادیں مگر خیال یہ ہوا کہ جنت و دوزخ پر ایمان بالغیب نہ رہے گا اس لیے چھوڑ دیا،بعض روایات میں ہے کہ اگر ہم وہ پھل توڑ لیتے تو تم تاقیامت کھاتے رہتے کبھی ختم نہ ہوتے۔اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ جنت و دوزخ پیدا ہوچکی ہیں۔دوسرے یہ کہ جنت کے پھل دنیا کی طرح عینی اور حقیقی خیالی و تمثیلی نہیں۔تیسرے یہ کہ ہلاکت اور عذاب کی جگہ سے ہٹ جانا سنت ہے۔چوتھے یہ کہ تھوڑا عمل نماز کو فاسد نہیں کرتا۔پانچویں یہ کہ گناہ صغیرہ ہمیشہ کرنے سے کبیرہ بن جاتا ہے اور دوزخ کا سبب ہوجاتا ہے۔چھٹے یہ کہ رب نے حضور کے ہاتھ میں وہ قدرت دی ہے کہ اٹھے تو مغرب و مشرق میں پہنچ جائے اور ہر جگہ تصرف کرکے،دیکھو بظاہر ہاتھ شریف دو تین فٹ کے فاصلہ پر پہنچا لیکن درحقیقت وہ جنت میں پہنچ چکا تھا اور وہاں کے خوشے پکڑ چکا تھا اب بھی حضور کا ہاتھ ہر بیکس کو سہارا دیتا ہے۔ساتویں یہ کہ حضور جنت اور وہاں کی نعمتوں کے مالک ہیں جو چاہیں لے لیں اور دے دیں،دیکھواس موقعہ پر رب نے نہ فرمایا کہ آپ خوشہ کیوں توڑ رہے ہیں حضور انور نے خود ہی چھوڑ دیا۔

	روایت ہے حضرت قتادہ سے فرماتے ہیں میں نے حضرت انس کو فرماتے سنا کہ ایک دفعہ مدینہ میں دہشت پھیل گئی ۱؎ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو طلحہ سے گھوڑا مانگا جسے مندوب کہا جاتا تھا ۲؎ آپ اس پر سوار ہوئے پھر جب واپس ہوئے تو فرمایا ہم نے وہاں کچھ بھی نہ دیکھا اور ہم نے اس گھوڑے کو دریا پایا ۳؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ افواہ یہ پھیل گئی کہ دشمن کا لشکر یا ڈاکو حملہ آور ہو گئے اس پر شور مچ گیا،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تن تنہا حضرت ابوطلحہ کے گھوڑے پر وہاں پہنچ گئے فرماتے جاتے تھے مت گھبراؤ میں آگیا مت گھبراؤ میں آگیا۔

۲؎ مندوب یا تو ندبٌ سے بنا بمعنی طلب اور بلاوا۔مندوب بمعنی مطلوب،مرغوب،محبوب اور یا نُدْبَۃٌ سے بنا بمعنی اثر زخم،چونکہ یہ گھوڑا بہترین تھا اوراس کے جسم میں زخم کا اثر بھی تھا اس لیے اسے مندوب کہا جاتا تھا۔(مرقات)

۳؎ یعنی وہاں حملہ وغیرہ کچھ نہیں ہوا یونہی وہم تھا اور یہ گھوڑا بہت تیز اور سبک رفتار ہے۔خیال رہے کہ یہ گھوڑا اڑیل تھا آج حضور کی برکت سے ٹھیک ہوگیا پھر ٹھیک ہی رہا۔اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ جانور عاریۃً لے سکتے ہیں۔دوسرے یہ کہ جانور کا نام رکھنا جائز ہے۔تیسرے یہ کہ خطرناک مقام پر اکیلے پہنچ جانا بھی جائز ہے۔چوتھے یہ کہ دشمن کی تحقیق کرنا اور اس سے باخبر رہنا ضروری ہے۔پانچویں یہ کہ خوف دور ہوجانے پر لوگوں کو مطمئن کرنا سنت ہے،آج خطرہ کا بھی الارم (Alarm) ہوتا ہے اور اس کے جاتے رہنے کا بھی۔چھٹے یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو رب نے بہت قوی دل عطا فرمایا تھا اور حضور بے مثل بہادر تھے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت سعید ابن زید سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ حضور نے فرمایا جو بنجر زمین کو آباد کرے[1] وہ اس کی ہے[2] کسی ظالم رگ کا اس میں کوئی حق نہیں[3] (احمد،ترمذی،ابوداؤد)اور مالک نے ارسالًا حضرت عروہ سے روایت کی[4] اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے غریب ہے[5]	

[1] زمین میت وہ زمین ہےجو نہ تو کسی کی ملکیت ہو نہ اس سے بستی کے فوائد وابستہ ہوں لہذا بستی کے قریب کی چراگاہیں،گھوڑ دوڑ کے میدان،فوجی چھاؤنیوں کی زمینیں ارض میت نہیں۔اسے آباد کرنے کے معنی یہ ہیں کہ اسے قابلِ کاشت بنائے ہموار کرے،اس میں رہے باغ وغیرہ لگائے۔

[2] یعنی ایسی زمین کو آباد کرنے والا اس کا مالک ہوجائے گا۔صاحبین اور امام شافعی اس حدیث کو مطلق رکھتے ہیں حاکم کی اجازت کی قید نہیں لگاتے مگر امام اعظم سلطان کی اجازت ضروری فرماتے ہیں یعنی اگر حکومت کی اجازت سے آباد ہوئی ہے تو آباد کار اس کا مالک ہے ورنہ نہیں،ان حضرات کے ہاں یہ فرمان عالی مذہبی قانون ہے،امام اعظم کے ہاں سیاسی حکم تھا یعنی حضور انور سلطان تھے آپ نے لوگوں کو اجازت دی تھی کہ بنجر زمینیں آباد کرو تم مالک ہو،اگر اب بھی بادشاہ یہ اعلان کردے تو حکم نافذ ہوگا۔آج کل بعض نواب راجے اپنی ریاستیں آباد کرنے کے لیے مربعے دیتے ہیں لوگ آباد کرلیتے ہیں وہ حکم اسی حدیث سے حاصل ہے،دوسری روایت میں ہےللمرأ الّا مَاطَابَتْ بِہٖ نفس بہ انسان اس زمین کا مالک ہے جس پر سلطان راضی ہو وہ حدیث اس حدیث کی شرح ہے۔(مرقات)

[3] یعنی اگر اس زمین میں کوئی شخص کھیت بوئے یا باغ لگائے تو آباد کرنے والا شخص اس کھیت یا باغ کو اکھڑوا سکتا ہے اپنی زمین خالی کراسکتا ہے،عرق تنوین سے ہے یعنی رگ،مراد خود رگ والا یعنی انسان ہے۔

[4] یعنی عروہ اگرچہ صحابی ہیں مگر انہوں نے خود حضور انور سے یہ حدیث نہ سنی ان سے کسی اور راوی نے بیان کی انہوں نے اس راوی کا نام نہ لیا۔خیال رہے کہ صحابی کی مرسل حدیث بالاتفاق قبول ہے،تابعی کی مرسل حدیث امام شافعی کے ہاں حجت نہیں،ہمارے ہاں حجت ہے۔مرقات نے فرمایا کہ شاید حضرت عروہ نے سعید ابن زید سے ہی روایت کی ہے مگر امام مالک کی روایت میں سعید ابن زید کا نام شاید مذکور نہیں اس لیے وہ حدیث مرسل ہوئی اور احمد کی اسناد متصل۔

[5] یہ حدیث مختلف الفاظ سے مختلف اسنادوں سے بہت آئمہ نے روایت کی۔چنانچہ بیہقی نے باسناد حسن حضرت عائشہ صدیقہ سے مرفوعًا روایت کی فرمایا کہ "العباد عباد اللہ والبلاد بلاد اللہ من احیا من موات الارض شیئا فھو لہ ولیس لعرق ظالم حق"۔

روایت ہے حضرت ابو حرہ رقاشی سے وہ اپنے چچا سے راوی	

	۱؎فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبردار ظلم نہ کرنا خبردار کسی شخص کا مال دوسرے کو حلال نہیں مگر اس کی خوش دلی سے ۲؎(بیہقی شعب الایمان،دارقطنی فی مجتبیٰ)

۱؎ابوحرہ تابعی ہیں،بصری ہیں۔حق یہ ہے کہ ثقہ ہیں،اگرچہ بعض نے انہیں ضعیف بھی کہا ہے،ان کے چچا صحابی ہیں جن کا نام معلوم نہ ہوسکا مگر صحابی کا نام معلوم نہ ہونا مضر نہیں کیونکہ سارے صحابہ عادل ہیں۔(اشعہ و مرقات)

۲؎شخص سے مراد حربی کافر کے علاوہ دیگر لوگ ہیں،یہ حدیث بہت سے احکام کا ماخذ ہے۔مالی جرمانے کسی کی چوری،کسی کا مال لوٹ لینا،کسی کا مال جبرًا نیلام کردینا یہ سب حرام ہے۔خیال رہے کہ دیوالیہ کا مال درحقیقت اس کے قرض خواہوں کا مال ہے اس لیے حاکم دیوالیہ کی اجازت کے بغیر نیلام کردیتا ہے۔غرضکہ بعض صورتیں اس سے مستثنٰی ہیں۔لَا تَظۡلِمُوۡا کے معنی ہیں کہ غیر پر ظلم نہ کرو یا اپنے پر ظلم نہ کرو۔

	روایت ہے حضرت عمران ابن حصین سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ آپ نے فرمایا اسلام میں نہ تو دور سے لانا جائز نہ دور لے جانا جائز ۱؎نہ شغار حلال ۲؎اور جو لوٹ مچائے وہ ہم میں سے نہیں ۳؎(ترمذی)

۱؎جلب وجنب زکوۃ میں بھی ہوتا ہے اور گھوڑ دوڑ میں بھی،ہم نے یہ معنے زکوۃ کے جلب و جنب کے کئے ہیں،اس کی شرح کتاب الزکوۃ میں گزرچکی۔گھوڑ دوڑ میں گھوڑے کے ساتھ دوسرا گھوڑا لگانا اس پر سے اس گھوڑے کو ڈانٹنا جلب ہے اور دوسرا گھوڑا خالی رکھنا کہ اس کے تھکنے پر اس پر سوار ہوجائے جنب ہے۔(لمعات)

۲؎نکاح کے عوض نکاح کرنا کہ ہر ایک نکاح دوسرے نکاح کا مہر ہو شغار کہلاتا ہے۔امام اعظم کے ہاں یہ نکاح درست ہوگا اور شرط باطل مہر مثل واجب ہوگا،بعض اماموں کے ہاں نکاح ہی درست نہیں۔ان شاءاللہ اس کی بحث کتاب النکاح میں ہوگی۔

۳؎یعنی ہماری جماعت سے نہیں یا ہمارے طریقہ سے نہیں،ہم لوٹنے لٹانے یعنی بکھیر کا فرق پہلے عرض کرچکے ہیں۔

	روایت ہے حضرت سائب ابن یزید سے وہ اپنے والد سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ۱؎فرمایا تم میں سے کوئی اپنے مسلمان بھائیوں کی لاٹھی نہ تو دل لگی سے لے نہ ارادۃً جو اپنے بھائی کی لاٹھی لے لے وہ اسے واپس دے دے ۲؎ (ترمذی،ابوداؤد)اور ابوداؤد کی روایت جادا تک ہے۔

۱؎آپ صغیر السن صحابی ہیں، ۲ھ میں پیدا ہوئے،حجۃالوداع میں اپنے والد کے ساتھ حاضر ہوئے،اس وقت آپ سات سال کے تھے،آپ کی کنیت ابو یزید کندی ہے،حضرت عمر نے آپ کو بازار مدینہ کا حاکم مقرر فرمایا تھا، ۸۰ھ یا ۸۶ھ میں مدینہ منورہ میں انتقال ہوا،آپ مدینہ منورہ کے آخری صحابی ہیں جو وہاں فوت ہوئے۔

۲؎ عصا وہ معمولی لاٹھی کہلاتی ہےجو بوڑھوں کے ہاتھوں میں رہتی ہے کبھی جانور ہانکنے کی قمچی کو عصا کہہ دیتے ہیں،یہاں دونوں معنے بن سکتے ہیں۔مقصدیہ ہے کہ کسی کی معمولی چیز بھی دانستہ یا نادانستہ طور پر نہ لو۔اگر نادانی میں لے چکے ہو تو معلوم ہونے پر فورًا واپس کردوچیز چھپانے چرانے کا مذاق بھی جائز نہیں۔(اشعہ)

روایت ہے حضرت سمرہ سے ا؎وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا جو کسی شخص کے پاس بعینہٖ اپنا مال پائے وہ وہی اس کا حق دار ہے ۲؎اور خریدار بیچنے والے کا پیچھا کرے ۳؎(احمد،ابوداؤد،نسائی)	

ا؎آپ سمرہ ابن جندب فنزاری ہیں،انصار کے حلیف بہت احادیث کے حافظ ہیں، ۵۹ھ میں بصرہ میں وفات پائی۔

۲؎یہ جملہ پہلے بھی دیوالیہ کے بیان میں گزر گیا ہےوہاں اس کا مطلب اور تھایہاں غصب چوری یا ڈکیتی کا مال مراد ہےیعنی اگر غاصب یا چور یا ڈاکو چوری کا مال فروخت کردے،پھر مالک خریدار کے پاس وہ مال پائے تو اس سے لے لے گا خریدار یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں نے خریدا ہے۔اس سے دو مسئلے ثابت ہوئے:ایک یہ کہ ناجائز قبضہ سے قابض مالک نہیں ہوجاتا۔چور رشوت خورسود خورچوری،رشوت اور سود کے مال کے مالک نہیں کہ یہ ناجائز قبضے ہیں۔ دوسرے یہ کہ غیر کا مال بغیر اس کی اجازت فروخت نہیں کر سکتے اگر فروخت کردیا تو بیع درست نہ ہوگی۔

۳؎یعنی مالک سے خریدار قیمت نہیں مانگ سکتا بلکہ چیز اس کے حوالے کردے گا اور بیچنے والے کا پیچھا کرے گا اور اس سے قیمت لے گالیکن اگر کوئی شخص جانتے ہوئے چور یا غاصب سے چیز سستی خریدلے تو مجرم ہے کہ یہ چور و غاصب کا مددگار معاون ہے،حدیث میں اس خریدار کا ذکر ہے جو بے خبری سے غاصب سے خریدے۔

روایت ہے ان ہی سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں ہاتھ پر وہ چیز واجب ہے جو اس نے لی حتی کہ اسے ادا کردے ا؎(ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ)	

ا؎ یَدٌ یعنی ہاتھ سے مراد ہاتھ والا ہے۔مطلب یہ ہے کہ جو کوئی کسی کا مال عاریت،امانت،ودیعت،غصب وغیرہ کسی ذریعہ سے لےاس پر اس مال کا لوٹانا واجب ہے جب تک کہ لوٹانہ دے گا ذمہ دار رہے گا،اگر مال ہلاک ہوجائے تو غاصب پر تاوان لازم ہے،امانت وغیرہ میں تاوان نہیں اور ہلاک کردینے کی صورت میں سب پر تاوان ہے غاصب پر۔ بہرحال واپس کرنا لازم ہےمالک مانگے یا نہ مانگے۔عاریت میں مدت معینہ پوری ہوجانے پر بغیر مانگے واپس کرنا لازم ہےمگر امانت بغیر مانگے واپس دینا لازم نہیں مانگنے پر لازم ہے۔(ازمرقات مع زیادۃ)

روایت ہے حضرت حرام ابن سعد ابن محیصہ سے ا؎کہ براء ابن عازب کی اونٹنی کسی باغ میں گھس گئی ۲؎اسے خراب کر دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ یہ فرمایا کہ دن میں تو باغ والوں پر باغ کی حفاظت لازم ہے ۳؎اور رات میں جانور جو بربادی کرجائیں ان کے جانور والے ضامن ہیں ۴؎	

	(مالک،ابوداؤد،ابن ماجہ)

۱؎ حرام تابعی ہیں،ان کے والد صحابی،حرام اپنے والد اور براء ابن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں ۱۱۳ھ میں وفات پائی ثقہ ہیں۔(مرقات و اشعہ)

۲؎ عربی میں بستان یا روضہ ہر باغ کو کہتے ہیں مگر حائط وہ باغ کہلاتا ہے جس کے اردگرد دیوار ہو۔

۳؎ یعنی باغ والے نے دربار رسالت میں فریاد کی تو فیصلہ یہ فرمایا کہ دن میں باغ والے اپنے باغ کی نگرانی کریں کسی جانور کو نہ گھسنے دیں کیونکہ دن میں عمومًا جانور کام کاج کو نکلتے ہیں ان کے مالک ان کی پوری نگرانی نہیں کرسکتےاور رات کو جانور والے اپنے جانوروں کی نگرانی کریں کہ رات میں جانور باندھے جاتے ہیں۔

۴؎ خلاصہ فیصلہ یہ ہے کہ اگر کسی کا جانور کسی دوسرے کا باغ یا کھیت دن میں خراب کردیں تو اس کا تاون جانور والے پر نہیں کہ قصور باغ والے کا اپنا ہےاور اگر رات میں یہ واقعہ ہوا تو جانور والے پر برباد شدہ باغ کی قیمت باغ کے مالک کو دینا لازم ہے۔کیا ہی نفیس فیصلہ ہے آج کل حکومتیں ایسے جانور کو پکڑ کر قید کردیتی ہیں اور مالک جانور سے جرمانہ خود وصول کرلیتی ہیں جس کا باغ یا کھیت اجڑا اسے کچھ نہیں ملتا یہ ظلم ہے۔حضرت امام شافعی و مالک کے ہاں اگر مالک جانور کے ساتھ ہو اور پھر جانور کھیت برباد کرے منہ سے یا پاؤں سے تو بہرحال جانور والے پر تاوان ہے دن میں برباد کرے یا رات میں،اگر مالک ساتھ نہ ہو تو وہ تفصیل ہے جو یہاں مذکور ہے۔احناف کے ہاں اگر مالک کے ساتھ نہ ہو تو تاوان واجب نہیں خواہ دن میں ہلاکت ہو یا رات میں،تفصیل کتب فقہ میں ملاحظہ فرمایئے۔(از مرقات)

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کھر باطل ہیں اور فرمایا آگ باطل ہے ۱؎(ابوداؤد)

۱؎ یعنی جو چیز جانور کے پاؤں تلے آکر برباد ہلاک ہوجائے اس کا ضمان مالک پر نہیں،یونہی اگر کسی کے گھر کی آگ اُڑ کر دوسرے کی چیز کو جلادے تو آگ والے پر ضمان نہیں،یہ دونوں حکم اس صورت میں ہیں کہ مالک جانور اور آگ والے کی زیادتی نہ ہو،اگر ہوگی تو تاوان لازم ہوگامثلًا آندھی چلتے ہوئے کوئی بلاوجہ بے احتیاطی سے آگ جلائے جس سے دوسرے کے گھر میں آگ لگ جائے تو یقینًا تاوان واجب ہوگا،یونہی بے احتیاطی سے جانور یا موٹر تیز دوڑائے کہ کوئی کچل جائے تو تاوان یقینًا لازم ہے۔آج کل حکومت بے احتیاط ڈرائیور پر جرمانے وغیرہ کرتی ہے،ریل کے حادثہ کی صورت میں کانٹے والے یا دوسرے ذمہ دار لوگ پکڑے جاتے ہیں،انکا ماخذ اس قسم کی احادیث ہیں۔بہرحال قصوروار کی پکڑ ہے،بے قصور معافی میں ہے۔

	روایت ہے حضرت حسن سے وہ حضرت سمرہ سے راوی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی جانوروں پر آئے تو اگران میں ان کا مالک موجود ہو تب تو اس سے اجازت لے لے ۱؎اور اگر وہاں مالک نہ ہو تو تین آوازیں دے اگر کوئی اس کی آواز کا جواب دے تو اس سے

اجازت لے لے اور اگر کوئی جواب نہ دے تو دوہ لے اور پی لے مگر لے نہ جائے ۲؎(ابوداؤد)	

۱؎اور اجازت لےکرجانور دوہے،دودھ پیئے کہ مالک کی اجازت پر اس کی چیز استعمال کرسکتے ہیں۔

۲؎یہ حکم اس مجبورو مضطر کے لیے ہے جو بھوک سے مررہا ہواور کوئی کھانے کی چیز میسر نہ ہو وہ ایسی مجبوری میں اس جانور کا دودھ بغیر مالک کی اجازت بھی پی لے بلکہ اگر مالک موجود ہو اور اجازت نہ دے تب بھی پی لے کہ جان جارہی ہے اس کا بچانا ضروری ہے،پھر جب خدا دے تو اس کی قیمت مالک کو ادا کردےاور یہ پینا بھی بقدرضرورت جائز ہے جس سے جان بچ جائے،بلاضرورت یا ضرورت سے زیادہ ہرگز نہ پیئے۔(مرقات،لمعات وغیرہ)ایسی مجبوری میں تو مردار بلکہ سور وغیرہ حرام گوشت بھی حلال ہوجاتے ہیں،رب فرماتاہے:"فَمَنِ اضۡطُرَّ فِیۡ مَخۡمَصَۃٍ غَیۡرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثۡمٍ" اسی لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لے نہ جائے کہ یہ ضرورت سے زیادہ ہے لہذا حدیث پر چکڑالویوں کا یہ اعتراض نہیں ہوسکتا کہ اس میں چوری جائز کردی گئی۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جوکسی باغ میں جائے وہ کھا تو لے ذخیرہ نہ کرے ۱؎(ترمذی،ابن ماجہ)اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔	

۱؎اس کا مطلب بھی وہ ہی ہے جو ابھی عرض کیا گیا کہ بھوکا مسافر جب بھوک سے جان بلب ہو اور کسی باغ پر گزرے جس کا مالک موجود نہیں یا ہے تو اجازت نہیں دیتا،ایسی حالت میں اس کی بغیر اجازت بقدر بقاءحیات پھل کھالے،لے نہ جائے،پھر آمدنی ہونے پر اس کی قیمت ادا کردے لہذا حدیث واضح ہے۔**خبنہ** خ کے پیش ب کے جزم سے **خبن** سے بنا بمعنی دامن،دامن میں چھپائی چیز کو **خبنہ** کہتے ہیں پھرہر ذخیرہ کی ہوئی چیز کو خبنہ کہنے لگے۔(اشعہ،مرقات،لمعات)

روایت ہے حضرت امیہ ابن صفوان سے وہ اپنے والد سے راوی ۱؎کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے حنین کے دن ان کی زرہ عاریۃً لی وہ بولے یا رسول اللہ کیا غصب سے لیتے ہیں ۲؎فرمایا نہیں بلکہ عاریۃً جس کا ضمان دیا جائے گا ۳؎(ابوداؤد)	

۱؎ امیہ کے والد کا نام صفوان ابن امیہ ابن خلف جمحی ہے،یہ قرشی ہیں،فتح مکہ کے دن یہ بھاگ گئے تھے،عمیر ابن وہب اور وہب ابن عمیر نے ان کے لیے حضور سے امان لے لی،حضور انور نے ان دونوں کو اپنی چادر عنایت کی،فرمایا صفوان کو دے دویہ امان کی چادر ہے۔چنانچہ یہ حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے مگر ایمان نہ لائے،غزوہ حنین و طائف میں موجود رہے مگر بحالت کفرحضور انور نے انہیں ان دونوں غزوؤں کی غنیمت سے دیاتالیف قلب کے لیے،تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی داد ودہش دیکھ کر آپ ایمان لے آئے مکہ مکرمہ میں رہے،پھر ہجرت کرکے مدینہ منورہ آئے،حضرت عباس کے پاس ٹھہرے حضرت عباس نے ان کی آمد کی خبر حضور انور کو دی،حضور نے فرمایا فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں،ان کی بیوی ایک ماہ پہلے

ایمان لاچکی تھیں،آپ کا نکاح قائم رکھا گیا،صفوان مکہ معظّمہ میں ۴۲ھ میں فوت ہوئے انکا اسلام قبول ہوا بڑے فصیح و اشرف مکہ میں تھے۔(اکمال،مرقات)

۲؎ ابھی صفوان ایمان نہ لائے تھے بحالت کفر ہی مدینہ منورہ میں ٹھہرائے گئے تھے تاکہ قرآن شریف سنیں شاید ایمان کی توفیق مل جائے ورنہ مکہ معظّمہ واپس جائیں اس وقت کا یہ واقعہ ہے،آپ آداب سے واقف نہ تھے ورنہ مؤمن ایسی بات کبھی نہیں کہہ سکتا۔اس سے معلوم ہوا کہ کفار سے عاریۃً ہتھیار زرہ وغیرہ لے کر جہاد کرسکتے ہیں۔

۳؎ یہاں ضمان سے مراد خود اس زرہ کی واپسی ہے نہ کہ گم ہوجانے کی صورت میں اس کی قیمت کیونکہ عاریت والی چیز مستعیر کے پاس امانت ہوتی ہے ہلاک ہوجانے پر اس کا ضمان نہیں،یا مطلب یہ ہے کہ اگر بحالت جہاد یہ زرہ خراب ہوگئی تو ضمان دیا جائے گا کہ تلف کردینے کی صورت میں عاریت کا ضمان ہے۔حضرت علی،ابن مسعود،خواجہ حسن بصری،قاضی شریح کا یہ ہی مذہب،امام اعظم بھی یہ ہی فرماتے ہیں مگر حضرت ابن عباس،ابوہریرہ،عطاء فرماتے ہیں کہ عاریت تلف ہوجانے پر ضمان ہے،یہ ہی امام شافعی و احمد بن حنبل کا مذہب ہے وہ حضرات اس حدیث کے ظاہری معنی سے دلیل پکڑتے ہیں،امام صاحب کے نزدیک چونکہ عاریت امانت ہے لہذا تلف ہوجانے پر اس کا ضمان نہیں۔

روایت ہے حضرت ابو امامہ سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ عاریۃً(مانگی ہوئی چیز)ادا کی جائے اور عاریت کا جانور واپس کیا جائے ۱؎ قرض ادا کیا جائے اور کفیل ضامن ہے ۲؎(ترمذی،ابوداؤد)	

۱؎ **منحه** وہ دودھ کا جانور یا درخت یا زمین ہے جو عاریۃً کچھ روز کے لیے کسی کو دودھ پینے،پھل کھانے،کھیتی باڑی کرنے کو دیئے جائیں،یہ بھی عاریت کی ہی قسم ہے۔اور **مؤدة** کے معنی ہمارے ہاں یہ ہیں کہ اصل شے واپس کی جائے گی،امام شافعی کے ہاں یہ ہیں کہ ہلاک ہوجانے پر قیمت یا مثل بھی دیا جائے گا اس اختلاف کا ذکر ابھی گزرچکا۔

۲؎ یعنی مقروض زندگی میں تو خود قرض ادا کرے اور اگر بغیر ادا کیے مرجائے تو اس کے ورثاء اس کے مال سے ادا کریں،ادائے قرض میراث پر مقدم ہے اور قرض کا ذمہ دار وہ ہے کہ اگر مقروض نہ دے تو یہ دے۔خیال رہے کہ کفالہ اور حوالہ میں بڑا فرق ہے یہاں کفیل کا ذکر ہے۔

روایت ہے حضرت رافع ابن عمرو غفاری سے فرماتے ہیں میں لڑکا تھا انصار کے درخت کھجور پر پتھر ماررہا تھا ۱؎ کہ مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کیا گیا فرمایا اے لڑکے درخت پر پتھر کیوں مارتا ہے میں نے عرض کیا کھاؤں گا ۲؎ فرمایا تو پتھر نہ مار اور جو نیچے گرے ان میں سے کھالے ۳؎ پھر ان کے سر پر ہاتھ پھیرا فرمایا خدایا اس کا پیٹ بھردے ۴؎ (ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ)اور ہم حضرت عمرو ابن شعیب کی حدیث ان شاءاللہ باب اللقطة میں بیان کریں گے۔	

۱؎ یعنی پتھر کے ذریعہ کھجور کے پھل جھاڑ کر کھارہا تھاکہ مجھے باغ والے نے پکڑ لیا۔
۲؎ یعنی سخت بھوکا ہوں،مجبورًا جھاڑ کر کھارہا ہوں،جان بچانا مقصود ہے نہ کہ چوری کرنا یا گھر لے جانا۔
۳؎ یعنی درخت جھاڑنا ضرورت سے زائد ہے،گرے پھلوں سے بھی پیٹ بھرسکتا ہے،یہ اجازت بھی اس بنا پر دی گئی کہ میں بھوکا تھاجیسا کہ اگلے مضمون سے معلوم ہورہا ہے،ورنہ مالک کی اجازت کے بغیر گرے پھل بھی نہیں کھاسکتے۔فقیر نے عراق میں دیکھا کہ گرے پھل کھانے کی مالک کی طرف سے عام اجازت ہوتی ہے جیسے ہمارے ہاں کھیت کٹنے پر گری ہوئی بالیاں کھیت والے نہیں اٹھاتےان کے سامنے ہی فقراءومساکین چن لیتے ہیں۔
۴؎ غالبًا یہ آخری جملہ کسی اور راوی کا کلام ہے ورنہ رافع ابن عمرو فرماتے ہیں کہ میرے سر پر ہاتھ پھیرا۔اس جملے سے معلوم ہورہا ہے کہ یہ بھوکے تھے اور مجبوری کی حالت میں کھجوریں کھارہے تھے اگرچہ ایسی حالت میں درخت سے توڑنے کی بھی اجازت ہے مگر جب کہ نیچے گرے ہوئے پھلوں سے حاجت پوری ہوسکتی ہے تو توڑنے کی کیا ضرورت لہذا حدیث واضح ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت سالم سے وہ اپنے باپ سے راوی ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو زمین کا کچھ حصہ ناحق لے لے اسے قیامت کے دن سات زمینوں تک دھنسایا جائے گا ۲؎ (بخاری)

۱؎ ان کے والد سیدنا عبداللہ ابن عمر ہیں،آپ فاروق اعظم کے پوتے ہیں،تابعی ہیں فقہاء مدینہ سے ہیں ۱۰۶ھ میں مدینہ پاک میں انتقال ہوا،آپ کی کنیت ابو عمرو قرشی ہے۔
۲؎ یہ عذاب تو قیامت کے دن ہوگا بعد میں دوزخ کا عذاب اس کے علاوہ ہے کیونکہ حقوق العباد میں بڑا فرق ہے کہ اور چیزیں فانی ہیں،زمین پشت ہا پشت تک باقی رہتی ہے،اس کی سزا بھی زیادہ۔لمعات میں فرمایا گیا کہ بعض غاصبین زمین کو دھنسانے کی سزا دی جائے گی اور بعض کے گلے میں طوق بناکر ڈالی جائے گی لہذا یہ حدیث طوق والی حدیث کے خلاف نہیں۔(لمعات)اور ہوسکتا ہے کہ ایک ہی غاصب کو دو وقت میں یہ دو عذاب ہوں۔

	روایت ہے حضرت یعلی ابن مرہ سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو شخص ناحق کوئی زمین لے لے تو اسے اس کا مکلّف کیا جائے گا اس کی ساری مٹی سارے محشر میں اٹھائے پھرے ۱؎ (احمد)

۱؎ یہ غاصب زمین کا دوسرا عذاب ہےاور اس کے سر پر اتنے حصے کی تحت الثریٰ تک کی مٹی رکھی جائے گی اور کہا جائے گا سارے محشر میں اٹھائے پھر،آج دھوپ میں ایک ٹوکرا مٹی لے کر چلنا وبال جان ہوتا ہے تو سوچ لو کہ قیامت کی دھوپ

میں اتنا بوجھ لے کر سارے محشر میں پھرنا کیسا ہوگا۔اللہ کی پناہ! خیال رہے کہ یہ تکلیف شرعی نہ ہوگی،تکلیف شرعی کی جگہ دنیا ہے بلکہ عذابی و عقابی تکلیف ہوگی۔

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو شخص ظلمًا بالشت بھر زمین لے لے اللہ اسے اس کا مکلّف کرے گا اسے سات زمینوں کی تہ تک کھودے پھر قیامت کے دن تک اس کا طوق پہنائے گا حتی کہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کردیا جائے[1](احمد)	

[1]یہ غاصب زمین کا تیسرا عذاب ہے یا ایک ہی شخص کو یہ تینوں عذاب تین وقت میں دیئے جائیں گے یا کسی کو وہ گزشتہ عذاب اور کسی کو یہ یعنی یہ شخص خود سات تہ زمین تک بورنگ(Boring)کرے اور خود ہی اپنے گلے میں طوق بنا کر پہنے پھرے۔اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ سے مراد ہے قیامت کا آخری حصہ جس کی تفسیر حتّی یقضی الخ ہے۔خیال رہے کہ قیامت میں مؤمن کے بعض علانیہ گناہوں کی سزا علانیہ ہوگی لہذا یہ حدیث پردہ پوشی کی احادیث کے خلاف نہیں۔

باب الشفعۃ

شفعہ کا باب[1]

الفصل الاول

پہلی فصل

[1]**شفعہ** شین کے پیش سے ہے **شفع** سے بنا بمعنی جوڑنا ملانا اسی لیے جفت عدد کو شفع کہتے ہیں اور طاق کو وتر،رب فرماتاہے:"وَ الشَّفْعِ وَالْوَتْرِ"سفارش کو شفاعت اور سفارشی کو شفیع کہتے ہیں کہ یہ شخص اپنے کو ملزم کے ساتھ ملا دیتا ہے،حق قرب کو شفعہ اس لیے کہتے ہیں کہ شفیع دوسری زمین خرید کر اپنی زمین سے ملاتا ہے دیگر اماموں کے ہاں صرف شرکت والے کو حق شفعہ پہنچتا ہے مگر ہمارے امام اعظم کے ہاں پڑوسی کو بھی پہنچتا ہے جسے حق جوار کہتے ہیں،اس پر حدیث صحیحہ وارد ہیں۔ایک روایت میں اما م احمد ابن حنبل بھی امام اعظم کے ساتھ ہیں فریقین کے دلائل کتب فقہ میں دیکھئے،ہم بھی ان شاءاللہ موقعہ پر عرض کریں گے۔(ازاشعہ)

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر اس زمین پر شفعہ کا فیصلہ فرمایا جو تقسیم نہ کی گئی ہو[1] مگر جب حدیں مقرر ہوگئیں اور راستے پھیر دیئے گئے تو شفعہ نہیں[2](بخاری)	

[1]یعنی جس زمین میں دو شخص شریک ہیں ان میں سے ایک شخص اپنا حصہ فروخت کررہا ہے تو دوسرا شریک ہی خریدے گا،اگر یہ نہ خریدے تو دوسرا خرید سکتا ہے،اگر اس شریک کی بے خبری میں یہ زمین وغیرہ فروخت ہوگئی تو شریک مطلع ہوکر وہ بیع ختم کراسکتا ہے۔اس حدیث کا عموم بتارہا ہے کہ زمین قابل تقسیم ہو یا نہ ہو بہرحال حق شفعہ اس میں ہوگا،امام شافعی کے ہاں ناقابل تقسیم میں شفعہ نہیں،یہ حدیث ان کے خلاف ہے۔

[2]آخری جملہ حضرت جابر کا اپنا قول ہے،حضور انور کا فرمان نہیں حضور کا فرمان عالی **مالم یقسم** پر ختم ہوگیا۔(مرقات)اگر حضور انور کا فرمان عالی مانا جائے تو ان احادیث کے خلاف ہوگا جن میں پڑوسی کے حق شفعہ کا ثبوت ہے اور اگر حضور عالی کا فرمان بھی ہو تب بھی اس کے معنی یہ ہیں کہ شفعہ شرکت نہ رہا کیونکہ شرکت تو ختم ہوچکی،رہا شفعہ جوار یعنی پڑوسی کی وجہ سے حق شفعہ یہ دوسری احادیث سے ثابت ہے لہذا یہ جملہ ان احادیث کے خلاف نہیں کہ اس میں مطلقًا شفعہ کی نفی نہیں شفعہ شرکت کی نفی ہے لہذا یہ حدیث امام اعظم کے خلاف نہیں،تفصیل کتب فقہ میں ملاحظہ ہو۔

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ	

	علیہ وسلم نے ہر مشترکہ زمین میں جو تقسیم نہ کی گئی ہو شفعہ کا حکم دیا گھر ہو باغ ۱؎ کہ اپنے ساجھی کو خبر دیئے بغیر اسے بیچنا جائز نہیں ۲؎ پھر وہ ساجھی اگر چاہے لے لے اگر چاہے چھوڑ دے اور اگر اسے بغیر خبر دیئے بیچ دیا تو وہ ہی اس کا حق دار ہوگا ۳؎ (مسلم)

۱؎ اس سے معلوم ہوا کہ شفعہ صرف غیر منقول چیزوں میں ہوگا جیسے گھر،باغ کھیت وغیرہ،منقولی چیز میں شفعہ نہیں جیسے جانور،سامان وغیرہ،ہاں حمام وغیرہ جو ناقابل تقسیم ہے اس میں ہمارے ہاں شفعہ ہے،شوافع کے ہاں نہیں۔
۲؎ یہ ناجائز بمعنی گناہ نہیں بلکہ بمعنی جاری نہ ہونا ہے یعنی اگر ایک شخص اپنا زمین کا حصہ بغیر ساجھی کو خبر کئے بیچ دے تو یہ بیع لازم نہ ہوگی،ساجھی دعویٰ کرکے خود لے سکتا ہے۔
۳؎ یعنی ساجھی کو اس بیع کی جب بھی خبر لگے تو وہ دعویٰ کرکے یہ بیع اپنے حق میں کراسکتا ہے کہ وہی قیمت جو خریدار نے دی ہے خریدار کو ادا کردے اور زمین پر قبضہ کرلے۔اس سے معلوم ہوا کہ شفیع کا بیع کی خبر پاکر خاموش رہنا اس کے حق شفعہ کو باطل کردیتا ہے۔ضروری ہے کہ اطلاع پاتے ہی کہہ دے کہ میں اس زمین کا شفیع ہوں اور میں اسے خریدوں گا ذرا بھی خاموش رہا کہ حق شفعہ گیا،تفصیل کتب فقہ میں ہے۔حق شفعہ کا مقصد یہ ہے کہ اس کے پڑوس میں کوئی ایسا آدمی نہ آبسے جو اس کے لیے تکلیف کا باعث ہو،اچھا پڑوس اللہ کی رحمت ہے اور برا پڑوس رب کا عذاب،اہل عرب کہتے ہیں الجار قبل الدار گھر سے پہلے پڑوسی کو دیکھو۔

	روایت ہے حضرت ابو رافع سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اپنا پڑوسی اپنے قرب کی وجہ سے حق دار ہے ۱؎ (بخاری)

۱؎ سَقَب س اورق کے زبر سے بمعنی قرب اور ملنا یعنی پڑوسی اپنے پڑوسی ہونے کی وجہ سے شفعہ کا حقدار ہے غیر پڑوسی کو اس کا حق نہیں پہنچتا۔حضرت عمر ابن شرید سے مروی ہے کہ اس فرمان عالی پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ سقب کیا چیز ہے؟ تو فرمایا سقبہ شفعہ جب خود حضور سقب کی تفسیر شفعہ سے فرمارہے ہیں تو اس میں کسی اور تاویل کی گنجائش نہیں رہی اس لیے تمام محدثین حتی کہ امام بخاری بھی یہ حدیث باب الشفعة میں لائے۔لہذا یہ حدیث حنفیوں کی قوی دلیل ہے کہ پڑوسی کو حق شفعہ ملتا ہے،بعض لوگوں نے اس حدیث کے معنے یہ کیے کہ پڑوسی حسن سلوک کا مستحق ہے نہ کہ شفعہ کا وہ غلط ہیں،جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود سقب کی شرح شفعہ سے فرمائی تو اب کسی اور کی شرح کیونکر معتبر ہوسکتی ہے،ہاں اگر ایک زمین یا مکان میں کوئی شریک ہے اور دوسرا پڑوسی تو اس کا حق شفعہ شریک کو ملے گا نہ کہ پڑوسی کو یہی اس پہلی حدیث کا مطلب ہے۔(لمعات و مرقات،اشعہ وغیرہ)

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی پڑوسی اپنے پڑوسی کو اپنے دیوار

میں لکڑی گاڑنے سے منع نہ کرے ۱؎(مسلم،بخاری)	

۱؎یعنی اگر تمہاری دیوار میں تمہارا پڑوسی کیل،کھونٹی،میخ وغیرہ گاڑنا چاہے اور تمہارا اس میں کوئی نقصان نہ ہو تو بہتر ہے کہ اسے منع نہ کرو،امام اعظم و احمد ابن حنبل کا یہی مذہب ہے کہ یہ حکم استحبابی ہے،امام شافعی وغیرہم نے اسے وجوب پر محمول کیا مگر مذہب حنفی قوی ہے کیونکہ یہی حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام پر پیش کی تو وہ حضرات اس پر خاموش ہوگئے تو جناب ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ناراض ہوکر بولے میں جانتا ہوں تم لوگ اس سے منہ پھیر چکے ہو،میں تمہارے سینوں پر ماروں گا۔معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ نے اس کو امروجوبی نہ سمجھا ورنہ اس پر عمل نہ چھوڑتے۔خیال رہے کہ فی زمانہ پڑوسی دوسرے کی دیوار میں کیل گاڑکر دیوار کے دعویدار بن جاتے ہیں اس لیے احتیاط چاہیے کہ یہ بھی ایک قسم کا نقصان ہے اور نقصان کی صورت میں منع کرنا بلاکراہت جائز ہے۔صاحب کتاب یہ حدیث اس باب میں اس لیے لائے تاکہ معلوم ہوکہ پڑوسی کو شفعہ کی طرح دیوار میں کیل گاڑنے کا بھی حق ہے۔

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم راستہ کے متعلق جھگڑو تو راستہ کی چوڑائی سات گز رکھی جائے ۱؎(مسلم)	

۱؎اس کی صورت یہ ہے کہ ایک جانب عمارتوں کی لائن بنی ہے،سامنے سفید زمین پڑی ہو،اب اس کے مقابل دوسری جانب عمارتیں بننا شروع ہوگئیں،پرانی لائن والے چوڑا راستہ چھوڑانا چاہتے ہیں مگر یہ لوگ کم تاکہ انہیں زمین زیادہ مل جائے تو سات ہاتھ یعنی پاکستانی ساڑھے تین گز چوڑا راستہ چھوڑا جائے،شریعت میں گز ڈیڑھ فٹ کا ہوتا ہے لیکن اگر پہلے ہی راستہ زیادہ چوڑا چھوٹا ہوا ہو تو اب کم کرنے کا کسی کو حق نہیں۔(لمعات ومرقات) خیال رہے کہ ذکر گلی کوچوں کا ہے،بڑی سڑکیں زیادہ چوڑی چھوڑی جائیں گی اور اگر کسی کی زمین میں دوسروں کی کوٹھری تک جانے کا راستہ ہے تو اتنی جگہ چھوڑی جائے گی کہ جنازہ اور بھری ہوئی مشک لے کر لوگ نکل سکیں۔ حق یہ ہے کہ راستوں کی چوڑائی زمان و مکان اور شہروں کے لحاظ سے مختلف ہے۔(مرقات)

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت سعید ابن حریث سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ تم میں سے جو بھی گھر یا زمین بیچے وہ اس لائق ہے کہ اسے برکت نہ دی جائے مگر یہ کہ وہ پیسہ اس کی مثل میں لگائے ۱؎ (ابن ماجہ،دارمی)	

۱؎یہ فرمان عالی بالکل برحق ہے جس کا تجربہ بہت ہی کیا گیا ہے کہ زمین کا پیسہ اگر زمین میں نہ لگایا جائے تو ہوا کی طرح اڑ جاتا ہے۔چاہیے کہ زمین فروخت ہی نہ کرے اور اگر کرے تو زمین ہی میں لگائے۔ہم نے بہت لوگ بعد میں

روتے دیکھے،یہاں مرقات نے فرمایا کہ غیر منقولی چیز کی قیمت منقولی چیزوں میں لگانا بہتر نہیں کہ غیر منقولی چیزیں نفع میں زیادہ ہیں آفات میں کم کہ انہیں نہ چور چرا سکے نہ ڈاکو لے جاسکے بلکہ زمین وغیرہ کا بیچنا ہی بہتر نہیں۔(اشعہ،لمعات ومرقات)قربان اس محبوب کے جسے ہمارے دین کی بھی فکر ہے دنیا کی بھی صلی اللہ علیہ وسلم۔طبرانی نے حضرت معقل ابن یسار سے بروایت حسن مرفوعًا روایت فرمائی کہ اگر کوئی بلا سخت ضرورت اپنا مکان بیچے تو اللہ اس کا مال برباد کردیتا ہے۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ پڑوسی اپنے شفعہ کا حق دار ہے[1] اس کا انتظار کیا جائے اگرچہ وہ غائب ہو جب کہ دونوں کا راستہ ایک ہو[2] (احمد،ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ،دارمی)[3]	

[1]یہ حدیث گزشتہ حدیث بخاری کی شرح ہے وہاں **سقبہ** تھا،اس حدیث نے بتایا کہ وہاں **سقب** سے مراد شفعہ ہے۔

[2]یعنی جو پڑوسی شفعہ کا حق پاتا ہے وہ ہے جس کا راستہ اور اس کے گھر کا راستہ ایک ہو،ایسا ہی پڑوسی اگر غائب بھی ہو تو اس کے پیچھے مکان زمین نہ بیچے،اس کے آنے پر خبر دے کر فروخت کرے ورنہ خریدار کو بھی تکلیف ہوگی اور اس پڑوسی کو بھی وہ مقدمہ کرے گا اور زمین واپس لے گا۔

[3]اس کی اسناد میں **عبدالملك ابن ابی سلیمان عن عطا عن جابر** ہے،بعض لوگوں نے عبدالملک ابن سلیمان میں طعن کیا کہ یہ قوی نہیں مگر چونکہ حدیث بخاری سے اس کو قوت حاصل ہے لہذا حدیث قابلِ عمل ہے۔ہم پہلے عرض کرچکے ہیں کہ حضرت امام ابوحنیفہ نے جب یہ حدیث لی تو عبدالملک اس کی اسناد میں شامل تھے ہی نہیں،اس وقت حدیث بالکل صحیح تھی،بعد کا ضعف پہلے والوں کو مضر نہیں۔(مرقات مع زیادۃ)

روایت ہے حضرت ابن عباس سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا ساجھی شفیع ہے اور شفعہ ہر چیز میں ہے[1](ترمذی)اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث ابن ابی ملیکہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بطریق ارسال مروی ہے یہ ہی زیادہ صحیح ہے۔[2]	

[1]یعنی ہر غیر منقولی یا ہر قابل شفیع چیز میں شفعہ ہے،منقولی چیزوں میں شفعہ نہیں،بعض لوگوں نے اس حدیث کی بنا پر حیوانات،سامان وغیرہ میں شفعہ مانا ہے مگر غلط ہے۔(مرقات)

[2]یعنی مرسل حدیث متصل سے اسنادًا صحیح تر ہے حدیث مرسل سوائے امام شافعی کے تمام آئمہ کے ہاں قبول ہے اگر مرسل دوسری وجہ سے فوت ہوجائے تو ان کے ہاں بھی قبول ہے۔خیال رہے کہ عبید اللہ ابن ابی ملیکہ ثقہ تابعی ہیں،آپ عبداللہ ابن زبیر کے زمانہ میں قاضی تھے،رضی اللہ عنہم۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن حبشی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بیری کاٹے[1]اللہ اسے	

	اوندھے منہ آگ میں ڈالے۔(ابوداؤد)اور فرمایا یہ حدیث مختصر ہے کہ جو جنگل کی وہ بیری کاٹے جس سے مسافر سایہ لیتے ہوں اور محض ظلم و ستم سے کاٹے اس میں اس کا کوئی حق نہ ہو تو اللہ اسے اوندھے منہ آگ میں ڈالے ۲؎

۱؎ اس سے مکہ معظّمہ یا مدینہ منورہ کی بیری مراد ہے،حرم مکہ میں تو ہر خود رو درخت کا کاٹنا ممنوع ہے،مدینہ منورہ میں بیریاں کمیاب ہیں،نیز اس کا سایہ ٹھنڈا و مفید ہوتا ہے اس لیے خصوصیت سے بیری کا ذکر فرمایا۔

۲؎ یعنی یہ حدیث معنیً مختصر ہے اگرچہ الفاظ پورے ہیں گویا مجمل ہے قابل شرح ہے۔**غشم** ظلم کو کہتے ہیں تو ظلمًا عطف تفسیری ہے۔خلاصہ یہ ہے کہ جنگل کی بیری رفاہ عام کی چیز ہے جس سے انسان و حیوان فائدے اٹھاتے ہیں،اسے ظلمًا کاٹ دینا سب پر ظلم ہےاس لیے وہ کاٹنے والا دوزخ کا مستحق ہے،سر سے مراد سارا جسم ہے۔اس سے اشارۃً معلوم ہوا کہ بلاضرورت مفید درخت کاٹنا ممنوع ہےاور درخت لگانا ثواب کہ جب تک لوگ اس سے فائدہ حاصل کرتے رہیں گے اسے ثواب پہنچتا رہے گا،یہ بھی صدقہ جاریہ ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت عثمان ابن عفان سے فرماتے ہیں جب زمین میں حدیں مقرر کردی جائیں تو اس میں شفعہ نہیں ۱؎ اور نہ کنوئیں میں شفعہ ہے نہ نر کھجور میں ۲؎ (مالک)

۱؎ یعنی اگر مشترک زمین کو تقسیم کرکے ہر حصہ کی حدود قائم کرلی جائیں تو شرکت کا شفعہ جاتا رہا،اب اگر ہوگا تو شفعہ جوار ہوگا،اس کی بحث پہلے ہوچکی لہذا یہ حدیث شفعہ جوار کی احادیث کے خلاف نہیں۔

۲؎ اہلِ عرب مشترک باغ کے حصے فروخت کرتے تھے کبھی زمین کبھی کھجور تو فرمایا گیا کہ اگر زمین فروخت ہوئی تو شفعہ ہے لیکن اگر صرف کھجور فروخت کی تو شفعہ نہیں کہ کھجور زمین نہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی صرف عمارت فروخت کرے نہ کہ زمین تو شفعہ نہ ہوگا۔

باب المساقاۃ و المزارعۃ

پانی دینے اور کھیتی کرانے کا باب ۱؎

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ کسی سے اپنے باغ کو پانی دلوانا کچھ حصہ پیداوار کے عوض پر مساقات کہلاتا ہےاور کسی کو ٹھیکہ پر زمین دینا کہ میری زمین کاشت تم کروپیداوار میں تمہارا اتنا حصہ مزارعت کہلاتا ہے۔مساقات باغ میں ہوتی ہے،مزارعت کھیت میں،یہ دونوں مساقات مزارعت امام اعظم کے ہاں ممنوع ہیں،صاحبین اور باقی اماموں کے ہاں درست،فتویٰ قول صاحبین پر ہے۔امام اعظم فرماتے ہیں اس میں نامعلوم بلکہ معدوم چیز پر کرایہ ہے،نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مخابرہ سے منع فرمایا،شاید امام اعظم کو یہ احادیث پہنچی نہیں۔واللہ اعلم!

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے یہود کو خیبر کے کھجور کے باغ اور وہاں کی زمین اس شرط پر دی کہ اس میں اپنے مالوں سے کام کریں ۱؎ اور اس کے آدھے پھل رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے لیے ہوں ۲؎(مسلم)اور بخاری کی روایت میں یوں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر یہود کو اس شرط پر دیا کہ کام کاج کریں اسے جوتیں بوئیں اور پیداوار کا آدھا ان کا ہوگا ۳؎

۱؎ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر فتح فرمایا اور وہاں سے یہود کو نکالنا چاہاتو انہوں نے عاجزی سے عرض کیا کہ ہمیں یہیں رہنے دیں اور جو چاہیں شرط لگالیں،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم جب تک چاہیں گے تمہیں رکھیں گے اس شرط پر کہ یہاں کی تمام زمین ہماری ہوگی،باغبانی اور کاشتکاری کی محنت تم کرو گے اس کا سامان بھی تمہارا ہوگا،ہل بیل چرسہ وغیرہ جو کچھ پیداواری ہوگی وہ آدھی تمہاری آدھی ہماری۔چنانچہ زمانہ نبوی وعہد صدیقی میں ایسا ہی رہا،شروع خلافت فاروقی میں تو اس پر عمل رہامگر بعد میں آپ نے ان یہود کواریحہ اور شام کی طرف نکال دیا۔خیال رہے کہ یہودی بڑے موذی و غدار تھے،مدینہ منورہ کے نکالے ہوئے بنی نضیر بھی یہیں آبسے تھے،غزوہ خندق انہی کہ حرکتوں سے واقع ہوااللہ نے بچالیاورنہ یہ تو ختم کرچکے تھے یہ تو حضور کی وسعت قلبی تھی جوانہیں اتنی رعایتیں عطافرمائیں،آجکل کی سی کوئی حکومت ہوتی تو دنیا سے ایسے غداروں کا بیج مٹادیتی۔

۲؎اورآدھے یہود کے۔اس سے معلوم ہوا کہ اگر مزارعت وغیرہ میں ایک فریق کے حصے کا ہی ذکر کیا جائے دوسرے سے خاموشی رہے تب بھی جائز ہے کیونکہ دوسرے کا حصہ خود بخود معلوم ہوجاتا ہے اور یہاں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام وہ مسلمان مراد ہیں جن کا خیبر میں حصہ تھا،ذکر صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے مگر مراد امت بھی ہے۔

۳؎دیا سے مراد ہے قبضہ میں دیا۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خیبر کا کچھ حصہ صلح سے اور کچھ جنگ سے قبضہ میں آیا اسی لیے وہاں کے یہود غلام نہ بنائے گئے،یہ حدیث ان بزرگوں کی دلیل ہے جو مزارعت و مساقات دونوں کو جائز کہتے ہیں،یہ حضرات فرماتے ہیں کہ جن احادیث میں مخابرہ سے منع کیا گیاوہاں وہ صورت مراد ہے کہ اجرت کے لیے کسی خاص حصے کی پیداوار مقرر ہو کہ اس حصے کی پیداوار تیری ہوگی باقی میری لہذا احادیث میں تعارض نہیں،امام اعظم فرماتے ہیں کہ خیبر کا یہ معاملہ مساقات یا مزارعت نہ تھا بلکہ بطور جزیہ تھااور آدھا ان کو دینا بطور عطیہ،اس کی مکمل بحث یہاں مرقات میں دیکھئے۔

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں ہم کھیتی باڑی کراتے تھے اوراس میں کچھ حرج نہ جانتے تھے ۱؎حتی کہ رافع ابن خدیج نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا تب اس وجہ سے ہم نے یہ کام چھوڑ دیا ۲؎ (مسلم)	

۱؎مخابرہ کے وہی معنی ہیں جو ابھی عرض کیے گئے کہ زمین ایک کی ہو محنت دوسرے کی پیداوار مشترک۔

۲؎یہ حدیث ظاہری معنے سے امام اعظم کی دلیل ہے کہ کھیتی باڑی کسی اور سے کرانا مطلقًا ممنوع ہے۔صاحبین فرماتے ہیں کہ اس سے خاص صورت مراد ہے جیساکہ ابھی عرض کیا گیا اس کی دلیل اگلی حدیث ہے بہرحال فتویٰ قول صاحبین پر ہی ہے اور آج عمل بھی اس ہی پر ہے۔(لمعات)

روایت ہے حضرت حنظلہ ابن قیس سے وہ حضرت رافع ابن خدیج سے ۱؎راوی فرماتے ہیں مجھے میرے چچا نے خبر دی کہ صحابہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں زمین کرایہ پر دیتے تھے ۲؎اس کے عوض جو نالیوں پر اگ جائے یا اس چیز پر جسے زمین والا بیان کردیتا تھا۳؎ہم کو نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم نے اس سے منع فرمادیا ۴؎میں نے حضرت رافع سے کہا کہ درہم و دینار کے عوض کیا ہے فرمایا اس میں حرج نہیں ۵؎ اور جس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمادیا وہ تو ایسی صاف چیز ہے ۶؎کہ اگر حلال و حرام کی سمجھ رکھے اس میں غور کرے تو اسے جائز نہ رکھے کیونکہ اس میں جواسا ہے ۷؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ حنظلہ ابن قیس زرقی انصاری ہیں،ثقہ تابعین سے ہیں،مدینہ پاک کے رہنے والے اور رافع ابن خدیج صحابی ہیں،آپ کے حالات جلد اول میں بیان ہوچکے۔

۲؎انھم کا مرجع یا صحابہ ہیں یا ناس یا حضرت رافع ابن خدیج کے وہ تمام چچا جو زمین کے مالک تھے۔
۳؎مشکوۃ شریف کے بعض نسخوں میں یستبینه ہے بیان سے مشتق اور بعض نسخوں میں یستثنیه ہے استثناء کا مضارع،ہمارا ترجمہ پہلی روایت پر ہے۔مطلب یہ ہے کہ زمین والا کرایہ دار کو جگہ دکھایا بتادیتا تھا کہ اس کی پیداوار تیری ہوگی،باقی ساری زمین کی پیداوار میری۔
۴؎یہ حدیث پہلی حدیث کی شرح ہے کہ حضور انور نے مطلقًا زمین کرایہ پر دینے سے منع نہ فرمایا بلکہ اس نوعیت کے کرایہ سے منع فرمایا کہ زمین کا کرایہ حصہ کی پیداوار سے ادا کیا جائے۔
۵؎کیونکہ اس میں کسی کو کوئی دھوکہ نہیں۔اس کرایہ کی دو صورتیں ہیں:ایک یہ کہ زمین والا مزارع کو حق خدمت روپیہ سے ادا کرے۔دوسرے یہ کہ مزارع پیداوار ساری خود لے لے اور مالک کو نقد روپیہ دے،دونوں صورتیں جائز ہیں ان پر آج کل بھی عمل ہے۔
۶؎غالبًا یہ کلام حضرت رافع ابن خدیج کا ہے یا کسی اور کا۔
۷؎ مخاطرہ خطر سے بنا بمعنی دھوکا یا ہلاکت یا اندیشہ،جوئے کو مخاطرہ اس لیے کہتے ہیں کہ وہاں فریقین کو دھوکا ہوتا ہے کہ ہر ایک اندیشہ و فکر کرتا ہے کہ نہ معلوم میں ہاروں یا جیتوں،ایسے ہی یہاں ہے کہ زمین والے کو بھی اندیشہ ہے کہ شاید میرے حصہ کی زمین میں پیداوار بالکل نہ ہو یا بہت کم ہو،ایسے ہی مزارع کو دھوکا ہے وہ اندیشہ کرتا ہے کہ نہ معلوم کہ میرے حصہ کی زمین میں پیداوار ہو کہ نہیں اور ہو تو کتنی ہو اس لیے اس سے منع فرمادیا گیا اور اگر مطلقًا پیداوار کے مقرر حصے پر زمین دی کہ کل پیداوار کا آدھا یا تہائی تیرا باقی میرا تو بالکل جائز ہے کہ اس میں نہ کسی کو اندیشہ ہے نہ دھوکا،نقصان ہوا تو دونوں کا،نفع ہوا تو دونوں کا۔

روایت ہے حضرت رافع ابن خدیج سے فرماتے ہیں کہ ہم مدینہ والے زیادہ زمیندار تھے۱؎اور ہم میں سے بعض اپنی زمین کرایہ پر دیتے تھے وہ کہتا تھا یہ ٹکڑا میرا ہے اور یہ تمہارا ہے ۲؎تو بہت دفعہ اس ٹکڑا میں پیداوار ہوتی تھی اور اس میں نہ ہوتی تھی۳؎اس لیے ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمادیا۴؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ یعنی زمینوں کے مالک،پنجاب میں کاشتکار کو زمیندار کہتے ہیں وہ معنے یہاں نہیں۔عربی میں حقل زمین کو کہتے ہیں اور محاقلہ بالی میں دانہ کی بیع دوسرے کھلے دانہ کے عوض۔
۲؎یعنی اے مزارع اس میں جو پیداوار ہوگی وہ بحق مالکانہ میری ہے اور اس ٹکڑے میں جو پیداوار ہوگی وہ بحق خدمت تیری،دونوں جگہ دکھا کر معین کردیتے تھے۔
۳؎اس لیے کبھی زمین کا مالک محروم ہوجاتا تھا اور کبھی مزارع محروم،پھر جھگڑے فساد ہوتے تھے کہ محروم دوسرے کے حصے سے لینا چاہتا تھا وہ دیتا نہ تھا جیساکہ ہارا ہوا جواری جیتے ہوئے سے لڑپڑتا ہے جس سے مار پٹائی بلکہ کبھی قتل وخون ہوجاتا ہے۔
۴؎اور جھگڑے فساد کی جڑ کاٹ دی۔

	روایت ہے حضرت عمرو سے ۱؎ فرماتے ہیں میں نے طاؤس سے کہا ۲؎ کاش آپ کھیتی کرانا چھوڑ دیتے کیونکہ لوگ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے ۳؎ وہ بولے اے عمرو میں انہیں زمین دیتا ہوں اور ان کی مدد کرتا ہوں ۴؎ اور صحابہ کے بڑے عالم نے مجھے خبر دی ہے یعنی حضرت ابن عباس نے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع نہ فرمایا بلکہ یہ فرمایا ہے کہ تم میں سے کسی کا اپنے بھائی کو عاریۃً زمین دے دینا کچھ مقرر اجرت لینے سے بہتر ہے ۵؎ (مسلم،بخاری)

۱؎ یہاں عمرو سے مراد عمرو ابن دینار ہیں جن کی کنیت ابویحیٰی ہے،تابعین میں سے نہایت متقی ثقہ ہیں،عمرو ابن واقد دمشقی یا عمرو ابن میمون اودی یا عمرو ابن تشرید ثقفی مراد نہیں۔(لمعات و مرقات)

۲؎ طاؤس ابن کیسان آئمہ دین علمائے تابعین بہتر صالحین سے ہیں،چالیس حج کیے،مقبول الدعاء تھے،حضرت عبداللہ ابن عباس کے خاص صحبت یافتہ۔عمرو ابن دینار فرماتے ہیں کہ میں نے طاؤس جیسا عالم،عامل نہ دیکھا،آپ نے مکہ معظمہ میں ۱۰۵ھ میں وفات پائی،آپ سے امام زہری اور کئی ایک خلفاء نے روایات لیں ہیں۔

۳؎ کھیتی کرانے کے متعلق صحابہ کا اختلاف رہا،بعض حضرات مطلقًا ناجائز سمجھتے تھے،انہیں یا تو مفصل حدیث نہ پہنچی تھی یا وہ حدیث کا مطلب نہ سمجھے تھے اس لیے عمرو ابن دینار نے **یزعمون** فرمایا۔

۴؎ یعنی یہ کام ناجائز نہیں اور اس میں غریبوں کی مدد ہوجاتی ہے کہ وہ لوگ اس زمین میں کام کاج کرکے پیٹ پال لیتے ہیں غرضکہ یہ کام جائز بھی ہے نافع بھی۔

۵؎ خلاصہ یہ ہے کہ وہ ممانعت تحریم یا کراہت کی نہیں ہے بلکہ خلاف اولیٰ کے لیے ہے یعنی غریب بھائی کو عاریۃً زمین دے دینا اس سے بہتر ہے کہ اس سے کچھ کرایہ لیا جائے کہ کبھی زمین میں کچھ بھی پیدا نہیں ہوتا اور کرایہ اس پر بلاوجہ پڑ جاتا ہے۔خیال رہے کہ رافع ابن خدیج کو یہ احادیث مختلف ذرائع سے پہنچیں،بعض احادیث انہوں نے براہ راست حضور سے سنیں،بعض احادیث اپنے چچاؤں کی معرفت پہنچیں اس لیے وہ کبھی تو فرماتے ہیں میں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا اور کبھی فرماتے ہیں مجھ سے میرے بعض چچاؤں نے کہا انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا لہذا حدیث میں اضطراب نہیں بلکہ روایات میں اختلاف ہے لہذا یہ حدیث مضطرب اصطلاحی نہیں اس لیے مسلم،بخاری نے ان احادیث کی تخریج فرمائی ورنہ اصطلاحی اضطراب حدیث کو ضعیف کردیتا ہے۔اور کرایہ زمین کی ممانعت کی بہت وجوہ احادیث میں وارد ہیں،بعض میں ہے کہ کرایہ نہ لینا اپنے بھائی مسلمان کو یوں ہی عاریۃً دے دینا افضل ہے،بعض میں ہے کہ کاشت وغیرہ کی وجہ سے جہاد سے باز نہ رہو،بعض میں ہے کہ جب اسی کرایہ کی بناء پر جھگڑے بڑھ گئے تو حضور انور نے اس سے منع فرمادیا،بعض میں ہے کہ زمیندار کاشتکار کے لیے زمین کے حصے مقرر کردیتا کہ اس کی پیداوار تیری اتنے کی میری اس سے منع فرمایا۔غرضکہ بعض صورتوں میں مزارعت جائز ہے،بعض میں مکروہ،بعض صورتوں میں بالکل ممنوع،تمام احادیث درست ہیں۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس کے پاس زمین ہو تو وہ اسے خود بوئے یا کسی اپنے بھائی کو عاریۃً دے دے اگر نہ مانے تو اپنی زمین روک رکھے۱؎(مسلم،بخاری)

۱؎یہ امر اخلاقی ہےیعنی تقاضائے اخلاق یہ ہے کہ یا تو اپنے مال سے خود نفع اٹھائے یا دوسروں کو نفع پہنچائے،اگر یہ دونوں کام نہیں کرتا تو وہ جانے سنبھال رکھے اپنی زمین،یہ زمین غیر نافع ہےاور ممکن ہے کہ انکار کرنے والا دوسرا شخص ہو یعنی اگر دوسرا آدمی اس عاریت کو قبول نہ کرے تو اپنی زمین محفوظ رکھےکچھ روز کاشت نہ کرنے سے زمین کی طاقت بڑھتی ہے،یہ روکنا بھی اسے مفید ہوگا۔

	روایت ہے حضرت ابو امامہ سے کہ انہوں نے ہل اور کچھ کھیتی باڑی کا سامان دیکھا۱؎تو فرمایا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ یہ چیزیں کسی کے گھر میں داخل نہ ہوں گی مگر اللہ اس گھر میں ذلت ڈال دے گا۲؎(بخاری)

۱؎یا تو کسی گھر میں رکھے ہوئے دیکھے یا کسی کو وہ آلات استعمال کرتے ملاحظہ فرمایا۔

۲؎یہ فرمان عالی شان اس زمانہ کا ہے جب اسلام میں جہاد کی سخت ضرورت تھی ایسے موقعہ پر تمام کاروبار بند کرکے جہاد کیے جاتے ہیں یعنی جس قوم نے فوجی طاقت گم کردی اور کھیتی باڑی میں مصروف ہوگئے تو ذلیل ہوجائیں گے،دنیا میں وہ ہی قوم زندہ رہتی ہے جس کی زندگی سپاہیانہ ہو۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت رافع ابن خدیج سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں ۱؎کہ جو کسی کی زمین بغیر اس کی اجازت سے کھیتی کرے تو اسے کھیت سے کچھ نہ ملے گا ہاں ا سے خرچ مل جائے گا ۲؎(ترمذی،ابوداؤد)اورترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۳؎

۱؎اس طرح کہ مالک زمین کو یا تو خبر ہی نہ ہواور یہ وہاں تخم بودے یا مالک منع کرتا رہے اور یہ بیج ڈال دے،**بغیر اذن** ان دونوں صورتوں کو شامل ہے۔

۲؎خرچ سے مراد تخم کی قیمت،پانی اور اس کی اپنی محنت کا کرایہ ہے،حضرت امام احمد کا یہی مذہب ہے کہ ایسی صورت میں پیداوار زمین والے کی ہےاور تخم پانی حق خدمت کاشتکار کو دلوادیا جائے،باقی اماموں کے ہاں پیداوار تخم والے کی ہےاور زمین والے کو اتنے عرصہ کا کرایہ زمین دلوایا جائے گا یا اگر اس کاشت سے زمین ناقص ہوگئی تو نقصان دلایا جائے گاکیونکہ پیداوار

تخم کا نتیجہ ہے زمین تو اس کا ظرف ہے،یہ حدیث چونکہ صحیح نہیں اس لیے ان بزرگوں نے اس پر عمل نہ فرمایا۔(مرقات مع زیادۃ)

۳؎ اور شرح سنہ میں فرمایا کہ یہ حدیث ضعیف ہے،احمد نے فرمایا کہ **بغیر اذنھم** حدیث میں نہیں ہے،ابو اسحاق نے یہ زیادت اپنی طرف سے کی ابواسحاق،رافع ابن خدیج سے راوی ہیں۔(مرقات)

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت قیس ابن مسلم سے وہ حضرت ابوجعفر سے راوی ۱؎فرماتے ہیں مدینہ میں ایسا کوئی گھر والا مہاجر نہیں جو تہائی یا چوتھائی پر کھیتی نہ کرتا ہو اور حضرت علی اور سعد ابن مالک،عبداللہ ابن مسعود،عمر ابن عبدالعزیز،قاسم،عروہ اور ابوبکر و عمرو علی کی اولاد نے اور ابن سیرین نے کھیتیاں کرائیں ۲؎اور عبدالرحمٰن ابن اسود کہتے ہیں کہ میں عبدالرحمٰن ابن یزید کے ساتھ کھیتی میں شرکت کرلیتا تھا ۳؎اور حضرت عمر نے لوگوں سے اس شرط پر معاملہ کیا تھا کہ اگر عمر اپنے پاس سے بیج دیں تو انہیں آدھی پیداوار اور اگر وہ لوگ بیج دیں تو انہیں اتنی پیداوار ۴؎(بخاری)۵؎	

۱؎ قیس ابن مسلم جدلی کوفی تابعی ہیں، ۱۲۰ھ میں وفات پائی،اشعہ نے فرمایا کہ ان کا مذہب مرجیہ تھا۔**واللہ اعلم**! امام ابوجعفر کا نام محمد باقر ہے،ان کے صاحبزادے امام جعفر صادق ہیں،آپ امام زین العابدین کے فرزند ہیں، تابعی ہیں،حضرت جابر ابن عبداللہ سے روایات لی ہیں،آپ سے آپ کے فرزند امام جعفر صادق راوی۔

۲؎ قاسم محمد ابن ابوبکر صدیق کے فرزند ہیں جو مدینہ منورہ کے مشہور سات فقہاء سے ہیں،یوں ہی عروہ ابن زبیر ابن عوام جو اکابر تابعین سے ہیں،آل عمرو غیرہم ثقہ تابعین سے ہیں،یہ سب اپنی زمین میں مزارعت کراتے یا کرتے تھے کہ بعض زمین کے مالک تھے،دوسروں سے کاشت کراتے تھے،بعض دوسروں کی زمین میں خود کاشت کرتے تھے۔معلوم ہوا کہ نہ تو کھیتی باڑی کرنا منع نہ کرانا۔جن احادیث میں اس کی ممانعت ہے وہاں وجہ کچھ اور ہے جو پہلے عرض کی جاچکی وہاں مطالعہ فرمایئے۔

۳؎ عبدالرحمٰن ابن اسود قرشی زہری ثقہ تابعین مدینہ سے ہیں اور عبدالرحمٰن ابن یزید اسلمی مدنی تابعی ہیں اگرچہ ضعیف ہیں،ان دونوں کا مزارعت کرنا کرانا علامت جواز ہے۔

۴؎ یعنی زمین تو حضرت فاروق اعظم کی ہے اگر بیج بھی آپ ہی دیں،مزارع صرف محنت کریں تو ان کا اتنا حصہ اور اگر بیج بھی مزارع کا ہو تو اتنا حصہ کچھ زائد۔ معلوم ہوا کہ مزارعت بہرحال جائز ہے خواہ بیج زمین والے کا ہو یا مزارع کا مگر پیداوار کے حصہ پر مزارعت ہو نہ کہ کسی خاص جگہ کی پیداوار۔

۵؎بخاری نے یہ تمام احادیث وآثار تعلیقًا یعنی بغیر اسناد روایت فرمائیں،بہتر تھا کہ مصنف یوں فرماتے رواہ البخاری تعلیقًا تاکہ طریقہ روایت واضح ہوجاتا۔

باب الاجارۃ

کرایہ کا باب ا

الفصل الاول

پہلی فصل

ا نفع عوض پر فروخت کرنا شرعًا اجارہ کہلاتا ہے۔قیاس چاہتاہے کہ اجارہ جائز نہ ہو کہ اس میں معدوم کی فروخت ہے مگر شریعت نے ضرورت کا لحاظ رکھتے ہوئے اسے جائز قرار دیا،نص کے مقابل قیاس قابل عمل نہیں جیسے دائی کو روٹی کپڑے پر نوکر رکھنا جائز ہے اگرچہ اس کا دودھ بھی نامعلوم ہے اور روٹی کپڑا بھی غیر مقرر مگر ضرورۃً جائز یا جیسے حمام میں اجرت پر غسل کہ اگرچہ پانی کی مقدار معلوم نہیں مگر ضرورۃً جائز قرار دیا گیا،اسی طرح یہ بھی ہے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن معقل ا سے فرماتے ہیں کہ ثابت ابن ضحاک نے فرمایا ۲ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھیتی کرانے سے منع فرمایا ۳ اور زمین کرایہ پر دینے کی اجازت دی اور فرمایا اس میں کوئی حرج نہیں ۴ (مسلم)	

ا معقل بروزن محمد،غین اور ف سے،آپ صحابی ہیں،بیعۃ الرضوان میں شریک ہوئے،مدینہ منورہ میں قیام رہا،عہد فاروقی میں آپ کو بصرہ بھیج دیا گیا،وہاں ہی ۶۰ھ میں وفات ہوئی،بعض نسخوں میں عبداللہ ابن معقل عین و قاف سے ہے،سکون عین سے قاف کے کسرہ سے وہ تابعین میں سے ہیں۔(اشعہ و مرقات)

۲ آپ کا نام ثابت،کنیت ابو یزید ہے،انصاری خزرجی ہیں،بیعۃ الرضوان میں شریک تھے اس وقت نو عمر تھے،فتنہ عبداللہ ابن زبیر کے زمانہ میں وفات پائی، ۳ھ میں پیدائش ہے، ۷۰ھ میں وفات۔

۳ اس ممانعت کی وجہ پہلے ہوچکی کہ اگر کسی خاص حصہ زمین کی پیداوار کو اجرت قرار دیا جائے تو مزارعت ممنوع ہے ورنہ جائز،یہاں وہ ہی ممنوع صورت مراد ہے۔

۴ یعنی زمین کو نقد روپیہ میں کرایہ پر دینا بلا کراہت درست۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم نے پچھنے لگوائے اور لگانے والے کو مزدوری دی ا اور نسوار لی ۲ (مسلم،بخاری)	

ا اس سے معلوم ہوا کہ آپریشن(Operation)پچھنے سینگی لگوانا جائز ہے اس کی اجرت بھی مباح۔جن احادیث میں اس کی اجرت سے ممانعت آئی وہ تمام منسوخ ہیں۔

۲؎ استعط باب افتعال کا ماضی ہے،سعوط ہر وہ دوا ہے جو ناک میں چڑھائی جائے پتلی ہو یا خشک،اس سے نسوار کا جواز معلوم ہوا البتہ حرام یا مکروہ چیز کی نسوار سے بچے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں کہ اللہ نے کوئی نبی نہ بھیجا مگر انہوں نے بکریاں چرائیں ا؎صحابہ نے عرض کیا حضور آپ نے فرمایا ہاں میں مکہ والوں کی بکریاں کچھ قیراط کے عوض چراتا تھا ۲؎(بخاری)	

ا؎ بکریاں چرانے سے طبیعت میں حلم و بردباری،محنت کا شوق،ملکی انتظام کی قابلیت اور رعایا پروری پیدا ہوتی ہے کہ بکریاں ہر وقت محافظ کی حاجت مند ہوتی ہیں اور ان میں انتظام نہیں ہوتا،ہر ایک جدھر منہ اُٹھا چل دیتی ہے،جو انہیں سنبھال لے گا،وہ ان شاءاللہ تعالٰی رعایا کو بھی سنبھال لے گا،تبلیغ خوب کرسکے گا،عام طور پر رعایا کو بکریاں سے اور بادشاہ کو چرواہے سے تشبیہ دی جاتی ہے۔

۲؎ قراریط قیراط کی جمع ہے،قیراط دینار کا بیسواں حصہ یا چوبیسواں حصہ ہے،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ کی بکریاں ایک قیراط روز یا ماہوار کے عوض چرائی ہیں۔خیال رہے کہ نبی تبلیغ دین پر اجرت نہیں لیتے،دوسرے کاموں پر اجرت لیتے ہیں لہذا یہ حدیث قرآن کریم کی آیت "لَاۤ اَسۡـَٔلُكُمۡ عَلَیۡهِ اَجۡرًا" کے خلاف نہیں کہ وہاں علیہ سے مراد دین کی تبلیغ ہے،بعض لوگوں نے کہا کہ قراریط مکہ معظّمہ میں ایک جگہ کا نام ہے جہاں حضور انور بغیر اجرت بکریاں چَراتے تھے مگر یہ درست نہیں،ورنہ یہ حدیث باب الاجارہ میں نہ لائی جاتی لہذا حق یہ ہی ہے کہ قراریط قیراط کی جمع ہے۔(مرقات و لمعات وغیرہ)اشعہ میں شیخ نے فرمایا کہ اللہ تعالٰی نے نبوت بادشاہوں و امیروں میں نہ رکھی بلکہ بکری چَرانے اور تواضع کے پیشہ کرنے والوں میں رکھی۔چنانچہ ایوب علیہ السلام درزی گری کرتے تھے،زکریا علیہ السلام بڑھئی پیشہ۔

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے کہ میں قیامت کے دن تین شخصوں کا مدمقابل ہوں گاا؎ایک وہ شخص جو میرے نام پر وعدہ دے پھر عہد شکنی کرے ۲؎دوسرا وہ شخص جو آزاد کو بیچے پھر اس کی قیمت کھائے۳؎تیسرا وہ شخص جو مزدور سے کام پورا لے اور اس کی مزدوری نہ دے ۴؎(بخاری)	

ا؎ یعنی سخت سزا دوں گا جیسے کوئی دشمن اپنے دشمن پر قابو پائے تو اس کی کوئی رعایت نہیں کرتا،ایسے ہی میں انکی رعایت و رحم نہ کروں گا لہذا یہ حدیث واضح ہے۔

۲؎ اس کی بہت صورتیں ہیں:کسی کو خدا کا نام لے کر امان دی پھر موقعہ پاکر اسے قتل کردیا،کسی سے رب کی قسم کھا کر کوئی وعدہ کیا پھر پورا نہ کیا،عورت سے رب تعالٰی کا نام لے کر بہت سے وعدوں پر نکاح کیا،پھر وہ ادا نہ کیے،اسی لیے نکاح

کے وقت کلمے پڑھاتے ہیں کہ دونوں خاوند بیوی حقوق میں جکڑ جائیں،رب تعالٰی فرماتا ہے:"الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ"۔غرضکہ وعدہ خلافی یوں ہی بری ہے مگر جب وعدہ رب تعالٰی کا نام لے کر کیا گیا ہو،پھر خلاف کرنا زیادہ برا کہ اس میں اللہ تعالٰی کے نام شریف کی بے حرمتی بھی ہے۔

۳؎ کھانے کا ذکر اتفاقی ہے وہ قیمت کھائے یا نہ کھائے،آزاد کو غلام بنا کر فروخت کردینا ویسے ہی بہت برا ہے،یوسف علیہ السلام کے بھائی اسی جرم پر زیادہ شرمندہ تھے جن کی معافی ہوئی۔

۴؎ کام پورا لینے میں اسی جانب اشارہ ہے کہ اگر مزدور بیچ ہی میں کام چھوڑ دے شرارۃً تو وہ مزدوری کا حقدار نہیں،نائی آدھی حجامت کرکے انکار کردے تو بجائے اجرت کے سزا کا مستحق ہوگا،کام پورا کرنے پر اجرت کا مستحق ہوگا،روزانہ اجرت دی جائے یا ماہوار جو طے ہوگیا ہو۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی ایک جماعت کسی گھاٹ پر گزری ۱؎ جس میں ایک سانپ یا بچھو کا ڈسا ہوا تھا تو گھاٹ والوں میں سے ایک شخص ان کے پاس آکر بولا کیا تم میں کوئی دم کرنے والا ہے گھاٹ میں ایک شخص بچھو یا سانپ کا کاٹا ہوا ہے ۲؎ تو صحابی میں سے ایک صاحب کچھ بکریوں کی شرط پر چلے گئے ۳؎ سورۂ فاتحہ پڑھ دی وہ اچھا ہوگیا وہ اپنے ساتھیوں کے پاس کچھ بکریاں لائے صحابہ نے ناپسند کیں ۴؎ وہ بولے تم نے کتاب اللہ پر اجرت لی ہے یہاں تک کہ مدینہ منورہ آئے بولے یا رسول اللہ انہوں نے کتاب اللہ پر اجرت لی ہے تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یقینًا اجرت لینے کی سب سے زیادہ لائق کتاب اللہ ہے ۵؎ (بخاری)اور ایک روایت میں یوں ہے کہ تم نے ٹھیک کیا بانٹ لو اور اپنے ساتھ ہمارا حصہ بھی رکھو ۶؎	

۱؎ اس گھاٹ پر کوئی قبیلہ آباد تھا،اب بھی عرب میں کنوؤں پر بستیاں آباد ہوتی ہیں جو پانی کی تجارت سے گزارہ کرتی ہیں۔عربی میں لدیغ بچھو کاٹے کو کہتے ہیں،سلیم سانپ کاٹے کو نیک فال کے لیے کہ اللہ اسے سلامت رکھے۔

۲؎ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ جھاڑ پھونک دم درود کا زمانہ صحابہ میں تھا۔دوسرے یہ کہ لوگوں کو پتہ تھا کہ صحابہ کرام دم درود کرتے تھے اور قرآن شریف اور دعاؤں میں تاثیر ہے،یہ گھاٹ والے مسلمان نہ تھے جیسا کہ دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے۔

۳؎ یعنی ان صحابی نے پہلے طے فرمالیا کہ ہم دم کردیں گے اور ان شاءاللہ تمہارا بیمار اچھا ہوجائے گا مگر تیس بکریاں لیں گے وہ راضی ہوگئے۔یہ بھی اجارہ ہوااسی لیے یہ حدیث باب الاجارہ میں میں لائی گئی۔اگر بغیر طے کیے یہ بکریاں تھیں تو وہ ہدیہ یا نذرانہ ہوتا نہ کہ اجرت۔

۴؎ یعنی رب تعالٰی فرماتاہے:"وَلَا تَشۡتَرُوۡا بِاٰیٰتِیۡ ثَمَنًا قَلِیۡلًا"میر ی آیات تھوڑی قیمت کے عوض نہ فروخت کرو یہ بھی فروخت کی ایک صورت ہے لہذا یہ معاوضہ درست نہ ہوا۔

۵؎ یعنی ناجائز کام پر اجرت لینا منع ہے،قرآن کریم پڑھنا یا اس سے علاج کرنا منع نہیں تو اس کی اجرت کیوں منع ہوگی۔اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:(۱)قرآنی آیات سے علاج جائز ہے خواہ دم کرکے ہو یا تو تعویذ لکھ کر یا گنڈا کرکے،کہ دھاگے وغیرہ پر دم کردے اور دھاگہ مریض کے باندھے،اس علاج پر اجرت لیناجائز ہے(۲)قرآن کریم یا احادیث یا فتویٰ لکھنے کی اجرت لینا جائز ہے(۳)قرآن شریف کی تجارت درست ہے یعنی قرآن شریف فروخت کرنا ان مسائل پر سب کا اتفاق ہے(۴)قرأۃ قرآن تعلیم قرآن پر اجرت لینا درست ہے،اس میں امام ابوحنیفہ،امام زہری و اسحاق کا اختلاف ہے،رضی اللہ عنہم۔ان حضرات کی دلیل اگلی حدیث ہے جو آرہی ہے،باقی آئمہ کے ہاں درست ہے۔(مرقات)مگر اب تعلیم قرآن پر اجرت بھی بالاتفاق جائز ہے،متاخرین احناف کا فتویٰ بھی یہی ہے تاکہ دین ختم نہ ہوجائے۔(اشعہ)

۶؎ معلوم ہوتا ہے کہ اب تک ان حضرات نے یہ بکریاں بانٹیں اور کھائیں نہ تھیں اور واپس بھی نہ کی تھیں کہ اب تک انہیں جائز یا ناجائز ہونے کا یقین نہ تھا۔یہ ساری بکریاں دم کرنے والے کی تھیں مگر حضور انور کا ان تمام صحابہ میں تقسیم کرانااور اپنا حصہ بھی ان میں رکھنایہ بتانے کے لیے ہے کہ یہ بڑی طیب اور بہترین کمائی ہے جسے ہم بھی اور ہمارے صحابہ بھی کھارہے ہیں۔اس میں اشارۃً یہ بتایا گیا کہ مسافر لوگ آپس میں مل بانٹ کر چیزیں کھائیں،اکیلے کھالینا مروت اور اخلاق کے خلاف ہے۔(از لمعات ومرقات)یہ بھی معلوم ہوا کہ اپنے خدام سے کچھ مانگنا نہ ناجائز،نہ اس میں کوئی ذلت،یہ تو ان خدام کے لیے باعث فخروعزت ہے۔شعر

کلاہ گوشہ دہقان بآفتاب رسید | کہ سایہ برسرش افگند چوں تو سلطانے

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت خارجہ ابن صلت سے وہ اپنے چچا سے راوی ۱؎ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو عرب کے ایک قبیلہ پر گزرے وہ لوگ بولے ہمیں خبر ملی ہے کہ تم ان محبوب کے پاس سے بڑی خیر لے کر آئے ہو ۲؎ تو کیا تمہارے پاس کوئی دوا یا دم درود ہے ہمارے ہاں ایک دیوانہ قید میں بندھا ہوا ہے ۳؎ ہم بولے ہاں چنانچہ وہ لوگ بیڑیاں پہنے ایک دیوانہ لائے میں نے تین دن

تک صبح شام اس پر سورۂ فاتحہ پڑھی کہ اپنا تھوک جمع کرتا پھر اس پر تھتکار دیتا تھا۴ وہ تو گویا رسیوں سے کھل گیا انہوں نے مجھے کچھ اجرت پیش کی میں بولا نہیں حتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لوں ۵ حضور نے فرمایا کھاؤ میری زندگی کی قسم یہ اجرت اسی کے لیے ہے جو جھوٹے دم سے کھائے تم نے تو سچے دم سے کھایا ہے۶(احمد،ابوداؤد)	

۱؎ خارجہ بنی تمیم سے ہیں،تابعی ہیں،ان کے چچا کا نام معلوم نہ ہوا مگر چونکہ وہ صحابی ہیں لہذا ان کا نام معلوم نہ ہونا مضر نہیں کہ صحابہ سب عادل اور ثقہ ہیں۔(مرقات)

۲؎ غالبًا یہ حضرات اپنی قوم کے نمائندہ بن کر وفد کی شکل میں بارگاہ عالی میں حاضر ہوئے،وہاں سے واپسی پر یہ واقعہ پیش آیا اس زمانہ میں جو حضور کے پاس آتا تھا تو لوگ اس کی آنکھوں کی زیارتیں کیا کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ بڑے داتا کے دربار سے آرہے ہیں،بھرے پڑے آئے ہوں گے معلوم کیا کیا لائے ہوں گے،اسی سلسلہ میں یہ لوگ بھی ان سے ملنے آئے اور عرض کیا،اب بھی ہم نے دیکھا کہ مدینہ سے آنے والوں کی آنکھیں لوگ چومتے ہیں،ان کے ہاتھ پیروں پر پیشانیاں رگڑتے ہیں،یہ نئی بات نہیں زمانہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے چلی آرہی ہیں۔خیر سے مراد دین اور دنیا کی بھلائی ہے اسی لیے ان لوگوں نے دوا کا ذکر بھی کیا اور دعا کا بھی۔

۳؎ اس سے معلوم ہوا کہ حضور کے آستانے بوسوں سے فریاد کرنا اور ان پر اپنے دکھ درد پیش کرکے دفعیہ کے لیے عرض کرنا سنت صحابہ ہے،وہ ایسا دیوانہ تھا جسے باندھنا پڑ گیا تھا بالکل ہی مخبوط الحواس۔

۴؎ اب بھی بعض صوفیاء کچھ پڑھ کر بیمار پر تھپکار دیتے ہیں ان کی دلیل یہ حدیث ہے بعض صرف پھونک مار دیتے ہیں اس کی روایتیں بھی ہیں۔منشاء یہ ہوتا ہے کہ جیسے پھولوں سے لگ کر ہوا مہک جاتی ہے اور دور تک لوگوں کے دماغ معطر کردیتی ہے،ایسے ہی قرآن والے منہ میں رہ کر ہوا یا تھوک میں شفا کی تاثیر پیدا ہوجاتی ہے،بھٹی کے پاس ہوا گرم ہوتی ہے،پانی کے پاس ٹھنڈی،ایسے ہی قرآن کے پاس کی ہوا شافی ہوتی ہے۔خیال رکھیئے کہ جانوروں کے نام میں تاثیر ہے،کسی کو شیر کہہ دیا خوش ہوگیا،گدھا کہہ دیا ناراض ہوگیا تو کیا خالق کے ناموں میں تاثیر نہ ہوگی،ضرور ہوگی۔

۵؎ یعنی میرے دم سے اتنا فائدہ ہوا کہ اسے بالکل ہی آرام ہوگیا گویا مرض نے اسے جکڑ رکھا تھا اس دم سے کھل گیا۔معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ چند ساعتوں کی صحبت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے علم،عمل وغیرہ سب کچھ ہی لے آتے تھے۔خیال رہے کہ اسے اجرت کہنا مجازًا ہے درحقیقت یہ نذرانہ تھا اجرت پہلے طے کی جاتی ہے۔

۶؎ معلوم ہوا کہ ناجائز اور جھوٹے جنتر منتر پر اجرت یا نذرانہ لینا حرام ہے حق دم درود پر اجرت بھی جائز نذرانہ بھی۔لَعَمْرِیْ قسم شرعی نہیں وہ تو صرف خدا کے نام کی ہوتی ہے بلکہ قسم لغوی ہے جیسے رب تعالٰی فرماتا ہے: "وَالتِّیْنِ وَ الزَّیْتُوْنِ"انجیر اور زیتون کی قسم،لہذا یہ فرمان عالی اس حدیث کے خلاف نہیں جس میں ارشاد ہوا کہ غیر خدا کی قسم نہ کھاؤ،لِمَنْ اَکَلَ کی خبر محذوف ہے۔

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مزدور کی مزدوری اس کا پسینہ سوکھنے سے پہلے دے دو [1] (ابن ماجہ)	

[1] یعنی مزدوری دینے میں ٹال مٹول نہ کروجس وقت دینے کا معاہدہ ہو اسی وقت دے دو بلا تاخیر لہذا حدیث پر نہ تو یہ اعتراض ہے کہ اگر مزدور کو پسینہ نہ آیا ہو تو اسے مزدوری دو ہی نہیں،نہ یہ سوال ہے کہ ماہوار تنخواہیں دینا منع ہیں، ہر دن کام کرتے ہی دے دی جائیں،حدیث کی فہم کے لیے عقل کامل ضروری ہے۔

روایت ہے حضرت حسین ابن علی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مانگنے والے کا حق ہے اگرچہ وہ گھوڑے پر آئے [1] (احمد،ابوداؤد) [2] اور مصابیح میں مرسل ہے [3]	

[1] یعنی اگر کسی سائل بھکاری پر آثار غناہوں اور وہ اپنے کو فقیر ظاہر کرے تو اس کی بات پر اعتماد کرکے اسے صدقہ دے سکتے ہو،بہت دفعہ انسان کے پاس گھوڑا ہوتا ہے مگر اس کا سامان گرو اور قرض سر پر سوار ہوتا ہےاس لیے اس کا ظاہری حال نہ دیکھو اس کی بات کا اعتبار کرو،اگر وہ کہے کہ یہ گھوڑا کرایہ کا ہے مجھے بھی کچھ دو،اس گھوڑے کو بھی کچھ دوتو بھی اس کی بات مان لو۔اسی لیے یہ حدیث کرایہ کے باب میں لائےورنہ صدقہ کو کرایہ سے کیا تعلق۔

[2] یہ حدیث ابوداؤد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے طبرانی کبیر میں حضرت ہرماس ابن زیاد سے ابن عدی میں کامل میں حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ سائل کا حق ہے اگرچہ وہ گھوڑے پر سوار چاندی کی لگام لگائے آئے۔(مرقات)

[3] حق یہ ہے کہ یہ حدیث مرسل نہیں بلکہ مسند ہےاگرچہ حضرت حسین نے حضور علیہ السلام کو بحالت سمجھ بوجھ نہ پایامگر آپ نے یہ روایت حضرت عبداللہ ابن عمر سے کی،شاید صاحب مصابیح کو اس پر اطلاع نہ ہوئی۔(از مرقات) مصابیح کے بعض نسخوں میں یہ لفظ نہیں ہے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت عتبہ ابن نذر سے [1] فرماتے ہیں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے کہ آپ نے سورۃ **طسم** پڑھی حتی کہ حضرت موسیٰ کے قصہ پر پہنچے [2] فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے نفس کو اپنی پاکدامنی کی حفاظت اور اپنے پیٹ کی روٹی پر آٹھ یا دس سال اجرت پر دیا [3] (احمد،ابن ماجہ)	

۱؎ بعض نسخوں میں عقبہ ابن منذر ہے،بعض میں عتبہ ابن ندر،ن کا پیش دال مشدد مفتوح،بعض میں عتبہ ابن عبد سلمٰی ہے،غرضکہ ان کے نام میں بہت گفتگو ہے۔
۲؎ یعنی حضور انور نے سورۂ قصص تلاوت کی جس میں موسیٰ علیہ السلام کا حضرت شعیب علیہ السلام کے ہاں رہنا آٹھ بلکہ دس سال بکریاں چَرانا ان کی صاحبزادی صفورا سے نکاح وغیرہ مذکور ہے۔
۳؎ مقصد یہ ہے کہ اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے محنت مزدوری کرنا اچھا ہے سوال بُرا،بڑے سے بڑے شخص کو معمولی محنت سے عار نہ کرنی چاہیے۔خیال رہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا حضرت شعیب کی بکریاں چرانا بی بی صفورا کا مہر نہ تھا بلکہ نکاح کی شرط تھی اس لیے آپ نے فرمایا تھا"عَلٰۤى اَنْ تَاْجُرَنِیْ ثَمٰنِیَ حِجَجٍ"تم میری مزدوری آٹھ سال کرو،اگر مہر ہوتا تو علیٰ کی بجائے ب آتی اور آپ اپنے بجائے بی بی صفورا کا ذکر فرماتے،قرآن کریم فرماتاہے:"اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوٰلِكُمْ"بیویاں اپنے مالوں سے تلاش کرو لہذا مذہب حنفی بالکل حق ہے کہ مہر میں مال دینا پڑے گا خدمت زوجہ مہر نہیں بن سکتا،امام شافعی کا فرمان کہ خدمت پر نکاح درست ہے،اس آیت سے ثابت نہیں ہوتا۔خیال رہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو آٹھ دس سال بکریوں کے بہانہ سے رکھا مگر مقصود تھا انہیں اپنے پاس رکھ کر کلیم اللہ بننے کے لائق بنانا،ڈاکٹر اقبال نے ایک شعر میں یہ مضمون حل کردیا۔شعر

اگر کوئی شعیب آئے میسر | شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

	روایت ہے حضرت عبادہ ابن صامت سے فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ جنہیں میں کتاب اللہ یعنی قرآن سکھاتا تھا ان میں سے ایک شخص نے مجھے کمان دی ہے ۱؎ یہ کوئی بڑا قیمتی مال نہیں ہے اس پر میں اللہ کی راہ میں تیر پھینکوں گا فرمایا اگر تم آگ کا ہار پہنایا جانا پسند کرتے ہو تو اسے قبول کرلو ۲؎(ابوداؤد،ابن ماجہ)

۱؎ یعنی ایک طالب علم نے مجھے بطور ہدیہ کمان دی ہے،معمولی چیز ہے اور میں نے بھی جہاد کے لیے رکھی ہے اس کی تجارت نہیں کرتا،ارشاد ہوا کہ مجھے اس کا لینا درست ہے یا نہیں اور کمان آیا تعلیم قرآن کی اجرت ہے یا کچھ اور۔
۲؎ یعنی یہ کمان بظاہر ہدیہ ہے مگر درحقیقت گزشتہ تعلیم کی اجرت ہے اور تعلیم قرآن پر اجرت لینا ممنوع ہے۔یہ حدیث حضرت امام ابوحنیفہ وغیرہم رضی اللہ عنہم کی دلیل ہے کہ تعلیم قرآن پر اجرت لینا ممنوع ہے بلکہ وہ حضرات تو مطلقًا علم دین سکھانے پر اجرت منع فرماتے ہیں،متاخرین احناف نے اسے جائز فرمایا تاکہ دین ضائع نہ ہوجائے۔خیال رہے کہ پچھلی احادیث میں قرآن شریف سے علاج دم درود پر اجرت جائز فرمائی گئی تھی،یہاں تعلیم قرآن کی اجرت سے ممانعت ہے لہذا احادیث میں تعارض نہیں شیخ نے فرمایا کہ وہ احادیث بیان جواز کے لیے تھیں اور یہ حدیث بیان استحباب کے لیے یعنی تعلیم قرآن پر اجرت جائز تو ہے مگر بہتر نہیں یا یہ مطلب ہے کہ تم نے قرآن شریف پڑھایا تھا فی سبیل اللہ اس وقت تمہاری نیت اجرت کی قطعًا

نہ تھی جو کام اللہ کے لیے کر چکے ہو اب اس پر اجرت لے کر اسے بگاڑتے کیوں ہو۔واللہ اعلم!مرقات نے فرمایا کہ الکتاب سے مراد یا تو قرآن شریف ہے یا کتابت یعنی لکھنے کی تعلیم۔

باب احیاء الموات و الشرب

باب بنجر زمین کا آباد کرنااور پانی دینا ۱؎

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎موات وہ زمین کہلاتی ہے جو نہ تو کسی کی ملک ہو نہ بستی والوں کی ضروریات کے لیے ہو،نہ اس پر کوئی کاشت وغیرہ کرتا ہو۔موات کا مقابل عامر ہے یعنی آباد زمین،شرب شین کے کسرہ سے پانی کا حصہ یا پانی کی باری یا پانی دینے کا حق۔موات زمین آباد کرنے کا حکم پہلے گزرچکا کہ اگر سلطان اعلان کردے کہ جو یہ زمین آبادکرے وہ اسی کی ہےتب تو آباد کرنے والامالک ہوگا ورنہ نہیں،امام شافعی کے ہاں مالک ہوگا۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ آپ نے فرمایاجو کسی ایسی زمین کو آباد کرے ۱؎ جو کسی کی ملک نہ ہو تو وہ ہی اس کا حقدار ہے،عروہ فرماتے ہیں کہ جناب عمر نے اپنی خلافت میں اسی پر فیصلہ کیا ۲؎(بخاری)	

۱؎یعنی بادشاہ کی اجازت سے آباد کرے۔(احناف)

۲؎ہمارے ہاں یہ دونوں فرمان سیاسی تھےیعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ پاک میں اورحضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں قانون نافذ فرمادیا تھا،اب بھی اگر سلطان یہ قانون نافذ کردےتو یہ ہی حکم ہوگا کہ جو ایسی زمین آباد کرے گاوہ مالک ہوگا،امام شافعی کے ہاں یہ حکم شرعی تھا اب بادشاہ اسلام یہ قانون بنائے یا نہ بنائےزمین آباد کرنے والا اس کا مالک ہوگا۔لَیْسَت لِاَحَدٍ کے معنی یہ ہیں کہ نہ تو وہ زمین کسی کو ملک ہو نہ شہر کی ضروریات کے لیے ہو لہذا حدیث ظاہر ہے۔

روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ حضرت صعب بن جثامہ نے فرمایا ۱؎کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ چراگاہیں اللہ اور رسول ہی کی ہیں ۲؎ (بخاری)	

۱؎ **جثامہ** جیم کے فتح،ث کے شد و فتح سے،حضرت صعب ابن جثامہ لیثی ہیں،صحابی ہیں،ودان اور ابواء میں رہتے تھے،خلافت صدیقی میں وفات پائی۔

۲؎رؤسائے عرب اپنے جانوروں کے لیے خاص چراگاہیں مقرر کرلیتے تھے جن میں انکے سواء کوئی اپنے جانور نہ چراسکتا تھاحضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا۔اس فرمان عالی کے دو مطلب ہوسکتے ہیں:ایک یہ کہ چراگاہیں بنانے کا حق صرف

اللہ رسول ہی کو ہے دوسرے کو نہیں تو حضور انور اپنے جانوروں کے لیے چراگاہیں مقرر کرسکتے ہیں لیکن آپ نے کبھی مقرر فرمائیں نہیں۔دوسرے یہ کہ صرف جہاد کے جانوروں ہی کے لیے چراگاہیں مقرر ہوسکتی ہیں اپنے نجی جانوروں کے لیے نہیں ہوسکتی۔تیسرے یہ کہ کوئی شخص اللہ رسول کی بغیر اجازت چراگاہ نہ بنائے کہ چراگاہ بنانے،اجازت دینے کا حق اللہ رسول ہی کو ہے۔خیال رہے کہ اللہ کا ذکر برکت کے لیے ہے،چراگاہ کی اجازت صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کی جائے گی۔

روایت ہے حضرت عروہ سے[1] فرماتے ہیں کہ حضرت زبیر نے ایک انصاری شخص سے حرہ کی نال کے متعلق جھگڑا کیا[2] تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے زبیر تم پانی دے لو پھر اپنے پڑوسی کی طرف پانی چھوڑ دو[3] انصاری نے کہا کہ وہ آپ کے پھوپھی زاد جو ہوئے[4] اس پر حضور کے چہرے کا رنگ بدل گیا[5] پھر فرمایا اے زبیر پانی دو پھر پانی روک لو حتی کہ مینڈھ تک لوٹ جائے پھر اپنے پڑوسی کی طرف پانی چھوڑ دو[6] یعنی اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زبیر کو اپنا پورا حق لینے کا صریح حکم دیا جب کہ انصاری نے آپ کو ناراض کردیا حالانکہ حضور نے ان دونوں کو وہ مشورہ دیا تھا جس میں دونوں کے لیے گنجائش تھی[7]۔(مسلم،بخاری)

1. آپ عروہ ابن زبیر ابن عوام ہیں،تابعی ہیں،مدینہ منورہ کے سات فقہاء سے ہیں،آپ کی والدہ اسماء بنت ابوبکر صدیق ہیں اور زبیر حضرت صفیہ کے فرزند ہیں،حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب حضور انور کی پھوپھی ہیں،حضرت زبیر سولہ برس کی عمر میں اسلام لائے،سب سے پہلے اللہ کی راہ میں تلوار آپ نے چلائی،احد کے دن حضور انور کے پاس سے نہ ہٹے،عمرو ابن جرموز نے آپ کو قتل کیا،۲۴ سال عمر پائی،۳۶ھ میں جنگ صفین میں شہید ہوئے،اولًا وادی سباع میں دفن کیے گئے،پھر وہاں سے بصرہ منتقل کردیئے گئے،آپ کی قبر زیارت گاہ خلق ہے،فقیر نے زیارت کی ہے۔(از مرقات)

2. پتھریلی زمین کو حرہ کہتے ہیں،قدرتی پہاڑی نالہ شراح کہلاتا ہے،ان دونوں صاحبوں کے کھیت برابر تھے جو اس نالے سے سینچے جاتے تھے،جھگڑا ہوا آگے پانی دینے کا،انصاری کہتے تھے پہلے میں پانی دوں،زبیر فرماتے ہیں پہلے میں دوں۔

3. کیونکہ آپ کا کھیت اوپر تھا جدھر سے پانی آتا تھا اور انصاری کا کھیت نیچے بہاؤ کی طرف اور اوپر والا پہلے پانی دیتا ہے۔

4. یعنی آپ نے اس فیصلہ میں ان کی قرابت داری کا لحاظ فرمایا ہے یعنی شارحین نے فرمایا کہ یہ شخص قوم انصار سے تو تھا مگر مؤمن نہ تھا یا یہودی تھا یا منافق مگر ترجیح اسے ہے کہ تھا تو مسلمان مگر نو مسلم تھا،آداب بارگاہ سے بے خبر تھا اسی لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم یا دوسرے صحابہ نے اسے کوئی سزا نہ دی۔(مرقات)اشعہ نے فرمایا یہ منافق ہی تھا جیسے عبداللہ ابن اُبی کہ قبیلہ انصار سے تھا مگر منافق تھا قتل اس لیے نہ کرایا کہ منافقوں کو قتل نہ کرایا جاتا تھا۔ **واللہ اعلم!**

5. یعنی حضور انور کو اس کے اس کلام سے بہت ہی تکلیف ہوئی حتی کہ چہرہ انور سرخ ہوگیا،منافقوں،ناواقفوں سے بسا اوقات حضور انور ایسی باتیں سن لیتے تھے تکلیف ہوتی تھی مگر صبر فرماتے تھے۔

۶؎ پہلے تو فرمایا تھا کہ اے زبیر اپنی زمین تر کرکے پانی انصاری کو دے دواب پورا حق زبیر کو عطا فرمایا کہ پہلے تم اپنے کھیت کو پانی دو،پھر اتنی دیر تک پانی روکے رکھو کہ کھیت آس پاس کی مینڈھ (بنّا)تک پہنچ جائے اور کھیت لبریز ہوجائے تب انصاری کو دو۔

۷؎ یعنی پہلے انصاری کی رعایت کی گئی تھی اور حضرت زبیر کو حسن اخلاق کی تعلیم دی گئی تھی مگر جب انصاری نے اس سے فائدہ نہ اٹھایا بلکہ الٹا ناراض ہوگیاتو ہر ایک کو پورا حق دیا گیا،پہلے فضل تھا اب عدل۔اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ اپنا حق معاف کردینااور اپنے مجرم کو سزا نہ دینا اخلاق صحابہ اور اخلاق محمدی ہیں۔دوسرے یہ کہ غصہ کی حالت میں فیصلہ کرنا حضور کے لیے جائز تھا ہمارے واسطے منع کیونکہ آپ غصہ میں بھی حق ہی فرماتے تھے۔تیسرے یہ کہ جنگل اور سیلاب کا پانی کسی کی ملک نہیں ہر شخص ان سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔چوتھے یہ کہ پانی دینے میں ترتیب یہ ہے کہ اوپر والا پہلے پانی دے نیچے والا بعد میں۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بچا ہوا پانی نہ روکو تاکہ اس سے بچی گھاس روکو ۱؎(مسلم،بخاری)

۱؎ اس کی شرح باب ممنوع بیع کی پہلی فصل میں گزر چکی کہ رفاہ عام کی چھوٹی ہوئی زمین کی گھاس جو کاٹی نہ گئی ہوہر ایک کا حصہ ہے یونہی ایسے جنگلوں کے پانی کسی شخص کو جائز نہیں کہ ان پر قبضہ جمائے اور دوسروں کو اس سے روکے،ہاں کاٹی ہوئی گھاس اور اپنے برتنوں میں بھرا ہوا پانی اپنی ملک ہے۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین شخص وہ ہیں جن سے قیامت کے دن اللہ نہ کلام فرمائے گا اور نہ انہیں نظر رحمت سے دیکھے ۱؎ایک وہ شخص جو کسی سامان پر قسم کھائے کہ مجھے پہلے اس سے زیادہ قیمت ملتی رہی حالانکہ ہو وہ جھوٹا ۲؎اور ایک وہ شخص جو عصر کے بعد جھوٹی قسم کھائے تاکہ اس قسم سے مسلمان آدمی کا مال مارے ۳؎اور ایک وہ شخص جو بچا ہوا پانی روکے ۴؎ اللہ تعالٰی فرمائے گا کہ آج میں تجھ سے اپنا فضل روکتا ہوں جیسے تو نے بچا ہوا پانی روکا تھاجسے تیرے ہاتھوں نے نہ بنایا تھا ۵؎(مسلم،بخاری) اور حضرت جابر کی حدیث ممنوع تجارتوں کے باب میں ذکر کردی گئی ہے۔

۱؎ کلام سے کلام محبت مراد ہے اور نظر سے نظر رحمت ورنہ غضب کاکلام اور قہر کی نظر تو کفار پر بھی ہوگی۔

۲؎یہ بیماری عام دکانداروں کو ہےکہ جب کوئی خریدار ان کے مال کی قیمت لگاتا ہے تو کہتے ہیں رب کی قسم ابھی تم سے پہلے ایک گاہک اس سے زیادہ پیسے دیتا رہا میں نے نہ دی اور سچے ایسے ہوتے ہیں کہ جب گاہک چل دیتا ہے تو پکارتے ہیں اچھا اتنے میں ہی لے جا۔خیال رہے کہ جھوٹ بولنے سے تقدیر نہیں بدل جاتی بلکہ تجربہ یہ ہے کہ سچا دکاندار خوب کماتا ہے۔

۳؎اس کی صورت یہ ہے کہ حاکم کے ہاں ایک دعویٰ دائر ہوا،مدعی کے پاس گواہ نہ تھے مگر تھا وہ سچامدعی علیہ سے بعد عصر قسم کھانے کے لیے کہا گیا،یہ جھوٹی قسم کھا گیا اور اس کا حق مار لیا۔بعد عصر کی قید اس لیے لگائی کہ وہ وقت دن رات کے فرشتوں کے اجتماع کا ہے،دن کے جانے اوررات کے آنے کی گھڑیاں ہیں،اس وقت کفار عرب بھی جھوٹی قسم نہ کھاتے تھے،یہ بے غیرت مسلمان ہوکر اس گناہ پر دلیری کرلیتا ہے۔

۴؎یعنی گزرگاہ عام پر غیرمملوک پانی اس کی حاجت سے زائد ہو،پھر وہ مسافروں اور جانوروں کو نہ پینے دےلہذا اس حکم سے وہ لوگ خارج ہیں جو پانی بیچ کر اپنا گزارہ کرتے ہیں کہ وہ پانی ان کے اپنے کنوئیں کا ہوتا ہے یا دور سے لایا ہوا جیساکہ عرب کی منزلوں میں دیکھا جاتا ہے۔

۵؎اس جملہ میں بھی اشارہ اس طرف ہے کہ اپنا کھودا ہوا کنواں یا اپنا جمع کیا ہوا پانی اپنی ملکیت ہے جسے فروخت کرنا بلاکراہت جائز ہے۔ید سے مراد کوشش اور محنت ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت حسن سے وہ حضرت سمرہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں فرمایا جو کسی زمین پر احاطہ بنائے تو وہ زمین اسی کی ہوگی ۱؎ (ابوداؤد)	

۱؎یہاں ارض سے مراد ہےزمین موات ہے جو نہ کسی کی ملک ہو نہ رفاہ عام کی ہو۔احاطہ سے مراد اپنے یا اپنے جانوروں کے رہنے کے مکان کےلیے احاطہ ہےیعنی جو شخص غیر مملوک زمین میں اپنے مکان یا اصطبل کے لیے دیوار کھینچ لے وہ زمین اس کی ہوگی،یہ ہی مذہب امام احمد کا ہے کہ ان کے ہاں صرف دیوار کھینچ لینا ملکیت کے لیے کافی ہے،دیگر اماموں کے ہاں صرف دیوار کھینچ لینا کافی نہیں احیاء یعنی آباد کرنا ضروری ہےاس لیے وہ حضرات دیوار سے مکان کی دیوار مراد لیتے ہیں اور لہٗ سے مراد عارضی ملکیت ہے کہ ایسی زمین میں مکان بنالینے والا جب تک رہے گا زمین حکومت کی ہوگی۔(لمعات،اشعہ،مرقات)

روایت ہے حضرت اسماء بنت ابی بکر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر کو کھجور کے درخت بطور جاگیر بخشے ۱؎(ابوداؤد)	

۱؎ اقطاع کے معنی ہیں کسی کو قطعہ زمین بخشنا یا تو بالکل مالک کرکے یا وہاں رہنے سہنے کی اجازت دینا یہاں پہلے معنی مراد ہیں اور نخیل سے مراد نخلستان ہےیعنی درخت کھجور وغیرہ زمین بطور جاگیر عطا فرمائے،یہ باغ یاتو اس خمس سے تھا جو حضور انور کی ملک تھا یا زمین موات تھی حضرت زبیر نے اسے آباد کیا۔(لمعات،مرقات)

روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر کو ان کے گھوڑے کی حد دوڑ تک جاگیر بخشی ا زبیر نے اپنا گھوڑا چھوڑا حتی کہ ٹھہر گیا پھر اپنا کوڑا پھینکا حضور نے فرمایا جہاں کوڑا پہنچا وہاں تک کی زمین انہیں دے دو ۲ (ابوداؤد)	

ا حضر ح کے پیش ضاد کے سکون سے بمعنی دوڑ،یہاں قدر پوشیدہ ہے یعنی گھوڑے کی دوڑ کی بقدر کو گھوڑا چھوڑو جہاں رک جائے وہاں تک کی زمین تمہاری۔

۲ یعنی پہلے گھوڑا چھوڑا جہاں وہ رکا وہاں سے کوڑا پھینکوایا،جہاں کوڑا پہنچا وہاں تک کی یہ مجموعہ زمین حضرت زبیر کو بخش دی۔ظاہر یہ ہے کہ بالکل ہی بخش دی،مالک بنادیا کہ نسلاً بعد نسل ان کی ہی ہو،صرف رہنے کے لیے عارضی طور پر نہ دی،امام شافعی فرماتے ہیں کہ جیسے بادشاہ بیت المال کا روپیہ کسی کو دے سکتا ہے ایسے ہی بیت المال کی زمین بھی کسی کو بخش سکتاہے،یہ زمین بیت المال کی ملکیت تھی جو حضور انور نے حضرت زبیر کو بخش دی۔امام اعظم فرماتے ہیں کہ زمین موات تھی جو حضرت زبیر کو احیاء یعنی آباد کرنے کے لیے عطا ہوئی اسی لیے صاحب مشکوۃ یہ حدیث **احیاءموات** کے باب میں لائے۔بادشاہ اعلان بھی کرسکتا ہے کہ جو جس زمین کو آباد کرے وہ اسی کی ہے اور اس طرح بخش بھی سکتا ہے ہر طرح سے اختیار ہے۔

روایت ہے حضرت علقمہ ابن وائل سے وہ اپنے والد سے راوی ا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حضر موت میں کچھ زمین جاگیر بخشی فرماتے ہیں میرے ساتھ حضرت معاویہ کو بھیجا فرمایا وہ زمین انہیں دے آؤ ۲ (ترمذی،ابوداؤد)	

ا علقمہ تابعی ہیں،ان کے والد حضرت وائل ابن حجر حضری صحابی ہیں،یہ یمن کے شاہزادے تھے،ان کے دوسرے صاحبزادے عبدالجبار ہیں،دونوں تابعی ہیں،حضرت وائل ابن حجر کو حضور انور نے یہ عطیہ دیا۔

۲ حضر موت یمن کا مشہور شہر ہے،اہلِ یمن کے مورث اعلیٰ عامر کا یہ لقب تھا کیونکہ وہ جس جنگ میں پہنچ جاتے وہاں کشتوں کے پشتے لگ جاتے اس لیے انہیں حضر موت کہتے تھے انہوں نے یہ شہر آباد کیا تو شہر کا نام حضر موت ہوااور بھی کئی وجہ تسمیہ بیان کی گئی ہیں اور یہ معاویہ ابن ابو سفیان نہیں بلکہ معاویہ ابن حکم سلمی ہیں کیونکہ معاویہ ابن ابوسفیان کا اسلام تو فتح مکہ میں ظاہر ہوااور یہ واقعہ فتح مکہ سے بہت پہلے کا ہے۔(مرقات)اس سے معلوم ہوا کہ کسی کو قبضہ دینے اور لینے کا وکیل کرسکتے ہیں۔

روایت ہے حضرت ابیض ابن حمال مار بی سے ا کہ وہ بطور نمائندہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے حضور سے مارب کے نمک کی کان کی جاگیر مانگی ۲ حضور نے انہیں وہ جاگیر عطا فرمادی جب وہ چلے گئے تو	

	کسی شخص نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے تو انہیں پانی کا چشمہ جاگیر دے دیا ۳؎ فرماتے ہیں تب حضور نے وہ ان سے واپس لے لیا ۴؎ راوی فرماتے ہیں کہ انہوں نے حضور سے پوچھا کہ کس قدر پیلو چراگاہ بنائے جاسکتے ہیں فرمایا جہاں تک اونٹوں کے سم نہ پہنچیں ۵؎ (ترمذی،ابن ماجہ،دارمی)

۱؎ ان کا نام پہلے اسود تھا،نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابیض رکھا،مارب یمن کے علاقہ صنعا کا مشہور شہر ہے جہاں نمک کثرت سے پیدا ہوتا ہے۔

۲؎ یعنی عرض کیا کہ مجھے وہاں کا نمک عنایت فرمادیجئے کہ میں اس کی تجارت کرکے گزر اوقات کروں۔

۳؎ یہ عرض کرنے والے اقرع ابن حابس تمیمی ہیں یا عباس ابن مرداس،آپ نے سمجھا تھا کہ وہاں نمک پہاڑی ہوگا جو بصد دشواری کھودکر نکالا جاتا ہوگا اس لیے وہ بطور جاگیر عنایت فرمادیا،ان صاحب نے عرض کیا کہ وہ تو جھیل ہے جس سے بغیر مشقت نمک بنتا ہے،وہاں پانی کا چشمہ ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتا۔عدّ ع کے کسرہ سے بمعنی مہیا یعنی نفع کے لیے تیار کی ہوئی چیز۔مطلب یہ تھا کہ یہ نمک کا ذخیرہ رفاہ عام کی چیز ہے،ایک کی ملکیت بن جانے سے سب کو تکلیف ہوجائے گی۔

۴؎ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ بادشاہ اندرونی کانوں کو بطور جاگیر دے سکتا ہے جیسے پہاڑی نمک کا تیل فیروزہ اور گندھک وغیرہ کی کانیں،ظاہری کانیں جیسے پانی کا نمک وغیرہ کسی کو بطور جاگیر نہیں دے سکتا کہ یہ پانی، گھاس وغیرہ کی طرح رفاہ عام کی چیزیں ہیں کہ ایک کی ملکیت میں جانے سے سب کو تکلیف ہوجائے گی۔دوسرے یہ کہ حاکم اپنے فیصلہ کو ردّ بھی کرسکتا ہے اور اس میں ترمیم بھی اور حاکم کے فیصلہ کی اپیل بھی کی جاسکتی ہیں۔

۵؎ یعنی بستی کے آس پاس کی وہ زمینیں جن کی بستی والوں کو ضرورت رہتی ہے اور جہاں تک ان کے جانور چرنے پھرنے آتے ہیں وہاں تک کی زمین موات نہیں اور نہ اسے کوئی آباد کرکے مالک ہوسکتا ہے کہ اس سے سب کو تکلیف ہوجائے گی۔وہ زمینیں جو شہر سے دور ہوں،کسی کی مملوک نہ ہوں،رفاہ عام کی نہ ہوں وہ موات ہیں اور اس کی آباد کاری جائز ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مسلمان تین چیزوں میں شریک ہیں پانی،گھاس اور آگ میں ۱؎ (ابوداؤد،ابن ماجہ)

۱؎ یہاں پانی سے وہ پانی مراد ہے جو نہ کسی کی محنت سے حاصل ہوا ہو،نہ کسی کے برتن میں بھرا ہو جیسے جنگل، بارش،سیلاب کا پانی مگر اپنے نہر گھڑے،اپنی نالی کا پانی اس سے خارج ہے۔ایسے ہی گھاس سے وہ گھاس مراد ہے جو غیر مملوک زمین میں کھڑی ہو اپنی مملوک زمین کی گھاس،ایسے ہی وہ گھاس جو کاٹ کر اپنے گھر میں رکھ لی مملوک ہے۔آگ سے مراد یہ ہے کہ کسی شخص کو اپنے چراغ کی روشنی میں بیٹھنے آگ تاپنے سے نہیں روک سکتے،یوں ہی اپنے شمع سے دوسرے کو شمع جلانے سے منع نہیں کرسکتے،بعض نے فرمایا کہ آگ سے مراد چقماق پتھر ہے لہذا ہر شخص اپنی آگ سے چنگاری لینے سے منع کرسکتا ہے کہ یہ اسی کی ملک ہے اور اس سے آگ کم بھی ہوجاتی ہے۔(مرقات،اشعہ)

روایت ہے حضرت اسمر ابن مضرس سے فرماتے ہیں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے حضور سے بیعت کی آپ نے فرمایا جو ایسے پانی پر قبضہ کرے جس تک کسی مسلمان کا قبضہ نہ پہنچا ہو تو وہ اسی کا ہے ۱؎(ابوداؤد)	

۱؎ یہ حدیث گزشتہ حدیث کی شرح ہے اس نے بتایا کہ غیر مملوک چیز پر اگر کوئی قبضہ کرے تو وہ قابض اس کا مالک ہوگا جیسے شکار کا جانور،خودرو جنگلی درختوں کے پھل،جنگل کا پانی،غیر مملوک زمین میں اُگی ہوئی گھاس،بن کی لکڑی وغیرہ مگر ان میں سے جو کسی کی مملوک بن چکی ہواس پر ملکیت نہیں آسکتی۔

روایت ہے حضرت طاؤس سے ۱؎ارسالًا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بنجر غیر آباد زمین کو آباد کرے تو وہ زمین اسی کی ہے ۲؎اور پرانی غیر مملوکہ زمینیں اللہ اور رسول کی ہیں ۳؎پھر میری طرف سے وہ تمہاری ہیں ۴؎(شافعی)اور شرح سنہ میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ ابن مسعود کو مدینہ منورہ میں مکانات بطور جاگیر بخششیں فرمائے جو انصار کی آبادی مکانات اور باغ کے درمیان تھے ۵؎تو عبداللہ ابن زہرہ کے خاندان نے کہا ۶؎حضور ہم سے ام عبد کے بیٹے کو دور فرمائیں ۷؎انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ پھر مجھے اللہ تعالٰی نے بھیجا کیوں ہے ۸؎اللہ اس جماعت کو پاک نہیں فرماتا جس میں کمزور کا حق نہ لیا جائے ۹؎	

۱؎ آپ طاؤس ابن کیسان خولانی ہمدانی ہیں،اہلِ فارس سے ہیں،علم و عمل میں بہت ہی کامل ہیں،تابعی ہیں،ثقہ ہیں، ۱۰۵ھ؁ میں مکہ مکرمہ میں وفات پائی،آپ نے جماعت صحابہ رضی اللہ عنھم سے احادیث لیں اور آپ سے امام زہری جیسے بزرگوں نے احادیث قبول کیں،عمرو ابن دینار فرماتے ہیں کہ میں نے طاؤس جیسا عالم و عامل نہ دیکھا۔(مرقات)

۲؎ اس کی شرح گزرگئی۔رفاہ عام اور مملوک زمین کے علاوہ دوسری زمینیں اگر بادشاہ اسلام کی اجازت سے آباد کرلی جائیں تو وہ آباد کرنے والے کی ہوں گی۔

۳؎ عادی عاد سے بنا،جو ایک قوم کا نام ہے عاد،ثمود۔عادی کے معنی ہیں عاد والی زمین،مراد ہے پرانی زمین جو کسی کے قبضہ میں نہ ہو،عاد بہت پرانی قوم ہے،یہ زمین اللہ رسول کی ملک ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسے چاہیں اس میں تصرف فرمائیں،جسے چاہیں بخششیں،اللہ کا ذکر برکت کے لیے ہے،درحقیقت حضور انور کی ملک ہیں۔(مرقات)

۴؎ اس میں اشارۃً مذہب حنفی کی تائید ہے کہ ایسی زمینیں سلطان کی ملک ہوتی ہیں جو کوئی سلطان کی اجازت سے ان کو آباد کرے وہ ان کا مالک ہوگا بغیر اجازت نہیں،یہ ہی امام اعظم کا قول ہے۔

۵؎ دور سے مراد سفید زمین ہے جس پر مکانات بن سکیں،چونکہ آئندہ اس پر دار یعنی عمارت بننے والی تھی اس لیے اسے دور فرمایا گیا،بعض شارحین نے فرمایا کہ حضور انور نے یہ زمین حضرت ابن مسعود کو عاریۃً مرحمت فرمائی تھی مگر یہ غلط ہے کیونکہ آپ کے بعد آپ کی بیوی یعنی زوجہ ابن مسعود اس مکان کی وارث ہوئیں،عاریت میں وراثت جاری نہیں ہوتی۔اس سے معلوم ہوا کہ شہر کی متروکہ اور غیر مملوکہ زمین بھی سلطان بطور جاگیر کسی کو دے سکتا ہے،اس سے بہت مسائل حاصل ہوسکتے ہیں۔(مرقات و لمعات)

۶؎ بنو عبداللہ ابن زہرہ قریش کا ایک خاندان ہے،اسی خاندان سے حضرت خاتون والدہ جناب مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہیں،یہ لوگ مدینہ میں مہاجر تھے۔

۷؎ نکّب تنکیب کا امر ہے جس کی اصل نکوب ہے بمعنی علیحدگی و یکسوئی،ام عبد حضرت ابن مسعود کی والدہ کا نام شریف ہے یعنی ہم کو حضرت ابن مسعود کا قرب منظور نہیں ہے،حضور انور یہ جاگیر ان سے واپس فرمالیں اور کسی دوسری جگہ زمین عطا فرمادیں۔

۸؎ یعنی اگر تم دینے نہ دینے کسی کو پاس بسانے نہ بسانے میں مختار عام ہو تو میری بعثت بیکار ہے،نہیں،بلکہ جو ہم فرمائیں گے اس پر عمل کرنا ہوگا۔

۹؎ یعنی جس قوم کمزور کا حق زور آوروں سے نہ لیا جائے وہ قوم بربادی کے لائق ہے،حضرت ابن مسعود مسکین ضعیف ہیں تمہاری جماعت قوی ہے،اگر تمہارے جتھا کی رعایت کرکے ایک کمزور کو وہاں سے بے دخل کردیا جائے تو یہ ظلم ہے۔

	روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہزور کے پانی کے متعلق یہ فیصلہ فرمایا ۱؎ کہ یہاں تک پانی آنے دیا جائے کہ ٹخنوں کو پہنچ جائے پھر اوپر والا نیچے پر چھوڑ دے ۲؎(ابوداؤد،ابن ماجہ)

۱؎ مہزور مدینہ منورہ کے ایک جنگل کا نام ہے جس کے پانی سے وہاں کی زمین کاشت کی جاتی ہے،مہزول لام سے وہ بھی ایک وادی ہی کا نام ہے مگر وہ وادی جبل یثرب کے دامن میں ہے،یہ اور وادی ہے وہ اور وادی مہزور ہے،ر سے مہزور علم ہے اس لیے اس پر الف لام نہ آنا چاہیے تھا مگر یہاں وصفی معنے میں ہے اسی لیے الف لام آگیا،مشکوۃ شریف کے بعض نسخوں میں بغیر الف لام ہے۔

۲؎ یعنی اس پانی سے تمام کھیت والے اپنی زمین سیراب کریں،ترتیب یہ ہوگی اوپر والا پہلے پانی سے لے اور نیچے والا بعد میں اور اوپر والا اتنا پانی لے کہ ٹخنوں ٹخنوں پانی کھڑا ہوجائے،پھر نیچے والے کی طرف چھوڑ دے،یہ ترتیب و پیمائش نہایت موزوں ہے جسے کاشتکار لوگ بخوبی سمجھتے ہیں۔

	روایت ہے حضرت سمرہ ابن جندب سے کہ ایک انصاری کے باغ میں ان کا ایک کھجور کا دستہ تھا ۱؎ مالک باغ کے ساتھ اس کے گھر والے بھی تھے جب حضرت سمرہ باغ میں جاتے تو

مالک کو تکلیف ہوتی ۲؎ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ ماجرا حضور سے عرض کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سمرہ سے مطالبہ فرمایا کہ سمرہ وہ بیچ دیں ۳؎ انہوں نے انکار کیا تو فرمایا تبادلہ کرلیں وہ انکاری ہوئے فرمایا اسے ہبہ کردو تو تمہیں ایسا ثواب ہوگا اس کی انہیں رغبت دی مگر انہوں نے انکار کیا ۴؎ تب فرمایا درپے ایذا ہو انصاری کو حکم دیا جاؤ ان کا درخت کاٹ دو ۵؎(ابوداؤد) حضرت جابر کی حدیث کہ جو زمین آباد کرے باب غصب میں سعید ابن زید کی روایت سے ذکر کردی گئی اور ابو صرمہ کی حدیث کہ جو نقصان دے اللہ اسے نقصان دے گا اس باب میں ذکر ہوگی کہ تعلق ممنوع ہے ۶؎	

۱؎ **عضد** ضاد اور دال کے فتح سے یا ضاد کے پیش سے،کھجور کی وہ شاخ یہاں تک ہاتھ پہنچ جائے اور اس کے پھل ہاتھ سے توڑے جاسکیں یعنی انکے کھجور کی ایک نچلی شاخ ان کے پڑوسی انصاری کے باغ میں پہنچ گئی تھی جس کے سبب انہیں اس باغ میں جانا ہوتا تھا۔

۲؎ یعنی حضرت سمرہ اپنے اس شاخ کے پھل لینے اس کے باغ میں جاتے تو صاحب باغ کو بے پردگی وغیرہ کی وجہ سے اذیت ہوتی ہے۔

۳؎ طلب کے بعد الی سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور انور نے حضرت سمرہ کو انکے گھر سے اپنی بارگاہ عالی میں بلایا۔ **لیبیعہ** میں لام بلانے کی علت ہے یعنی اس لیے بلایا کہ حضرت سمرہ وہ درخت کھجور یا اس کی وہ شاخ جو انصاری کے باغ میں تھی اس انصاری کے ہاتھ فروخت کردیں تاکہ وہ انصاری یہ شاخ کاٹ دیں اور ان کا آنا جانا بند ہوجائے،اس لیے نہ فروخت کیں کہ انصاری اس شاخ کے پھل کھایا کریں کہ یہ ممنوع ہے۔اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ بغیر مدعی علیہ کا بیان لیے ہوئے فیصلہ نہ کرنا چاہیے۔دوسرے یہ کہ مدعی علیہ کے پاس سمّن بھیجنا،اس کی تعمیل کرانا سنت سے ثابت ہے اس کی اصل یہ ہی حدیث ہے۔

۴؎ یعنی اولًا تو حضور انور نے ان سے فرمایا کہ اپنے پڑوسی انصاری سے قیمت لے کر وہ شاخ اس کے ہاتھ فروخت کردواور انکار کرنے پر فرمایا کہ جنت لے لواور یہ شاخ اسے ویسے ہی بغیر قیمت دے دو۔اس سے دومسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ حضور انور کے مشورہ پر عمل کرنا بہتر ہے نہ کرنا بھی جائز ہے مگر حکم مصطفوی کی اطاعت بہرحال لازم ہے،یہ حکم نہ تھا مشورہ تھا۔دوسرے یہ کہ حضور انور جنت کے مالک ہیں،باذن پروردگار جسے چاہیں بخشیں،دیکھو حضرت سمرہ کو صرف ایک شاخ خرما کے عوض جنت کا باغ عطا فرمارہے ہیں،یہ ہے سلطنت مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم۔اس کی تحقیق ہماری کتاب "سلطنت مصطفٰی"میں دیکھئے۔

۵؎اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ حاکم کو رعیت کے مال میں تصرف کرنے کا حق ہے عدل قائم کرنے کے لیے،دیکھو حضرت سمرہ کے درخت کی شاخ اس انصاری پر زیادتی و ظلم کا باعث تھی تو حضور انور نے بغیر ان کی رضا کے اس کے کاٹنے کا حکم دے دیا مگر انصاری کو صرف کاٹ دینے کا حکم دے دیا،اس شاخ کی لکڑی و پھل حضرت سمرہ کے ہی ہوں گے وہ انصاری نہ لے سکیں گے۔دوسرے یہ کہ حضرات صحابہ کرام نے اخلاق و مروت آہستہ آہستہ سیکھے بچہ اسکول میں پہنچتے ہی بی۔اے نہیں پاس کرلیتا،ابھی حضرت سمرہ نئے نئے حاضری بارگاہ سے مشرف ہوئے تھے،آداب سے پورے پورے واقف نہ تھے پھر یہ ہی صحابہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ پر جان نثار کرتے تھے لہذا اس حدیث سے صحابہ کی سرتابی ثابت نہیں ہوسکتی۔

٦؎یعنی مصابیح میں یہ دونوں حدیثیں اس جگہ تھیں،ہم نے مناسبت کا لحاظ رکھتے ہوئے ایک حدیث تو پیچھے بیان کردی اور دوسری حدیث آگے بیان کریں گے۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت عائشہ سے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ کون سی چیز ہے جس کا منع کرنا حلال نہیں ۱؎فرمایا پانی نمک اور آگ ۲؎فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ پانی کو تو ہم سمجھ گئے مگر نمک اور آگ کا یہ حکم کیوں ہے ۳؎ فرمایا اے حمیراء ۴؎جس نے کسی کو آگ دی اس نے گویا اس آگ سے پکا ہوا سارا کھانا خیرات کیا اور جس نے کسی کو نمک دیا اس نے گویا سارا وہ کھانا خیرات کیا جسے اس نمک نے لذیذ بنایا ۵؎اور جس نے کسی مسلمان کو ایک گھونٹ پانی وہاں پلایا جہاں پانی عام ملتا ہو اس نے گویا غلام آزاد کیا اور جس نے مسلمان کو وہاں ایک گھو نٹ پانی پلایا جہاں پانی نہ ملتا ہو اس نے گویا اسے زندگی بخشی ٦؎(ابن ماجہ)

۱؎شاید ام المؤمنین اس آیت کریمہ کی تفسیر پوچھ رہی ہیں کہ "وَیَمۡنَعُوۡنَ الۡمَاعُوۡنَ"اور عرض کررہی ہیں کہ ماعون کیا چیز یں ہیں جن کا منع کرنا برا ہے۔

۲؎پانی سے مراد دو ایک گلاس پانی ہے جس سے پیاسے کی پیاس بجھ سکے اور اپنی ضرورت سے زائد ہو،نمک سے بھی یہ ہی مراد ہے کہ ایک آدھ ہانڈی کا نمک کسی کو دے دینا جب کہ اپنے پاس ضرورت سے زیادہ ہو،آگ سے مراد بھی وہ آگ ہے جو ایک آدھ چنگاری کسی کو دے دی جائے جس سے وہ اپنے ہاں آگ روشن کرے،ان چیزوں کے دینے میں اپنا کچھ نقصان نہیں ہوتا،دوسرے کا بھلا ہوجاتا ہے،اس کی ضرورت پوری ہوجاتی ہے،دینے والے کو اجر بے حساب مل جاتا ہے۔

۳؎ یعنی پانی ایک بے قیمت چیز ہے مگر اس سے دوسرے کی جان بچ جاتی ہے اس لیے اس کا منع کرنا واقعی برا ہے مگر نمک و آگ کا تو یہ حال نہیں،نمک و آگ پر پیسے خرچ ہوتے ہیں اور اس سے دوسرے کی زندگی وابستہ نہیں۔

۴؎ **حمیرا احمر** کا مؤنث ہے جس کا مادہ **حمرۃ** ہے،بعض شارحین نے فرمایا کہ جن احادیث میں **یاحمراء** ہے وہ اکثر موضوع ہیں۔

۵؎ یعنی ان مسائل میں اپنی قیاس آرائی نہ کرو کہ نمک و آگ قیمتی چیز ہے اور اس پر دوسرے کی زندگی کا دارو مدار نہیں بلکہ اس اجر کو دیکھو جو رب تعالٰی اس معمولی خیرات پر عطا فرماتا ہے،اس معمولی خیرات سے باز رہ کر اتنے بڑے اجر سے محروم رہ جانا عقلمندی نہیں،رب تعالٰی کی عطائیں ہمارے خیال وہم و سمجھ سے وراء ہیں۔

۶؎ اس فرمان عالی کا تجربہ اسے ہوگا جس نے کبھی عراق و نجد کے ریگستان کا نظارہ کیا ہو وہاں ایک گلاس پانی کی قیمت ایک جان ہے۔بعض موقعہ فقیر نے ایسے دیکھے جہاں فقیر و سائل کو پانچ روپیہ خیرات دینے کی وہ خوشی نہیں ہوتی جو ایک پیالہ پانی دینے کی خوشی ہوتی ہے،واقعی ایک پیالہ پانی ایک جان بچالیتا ہے۔اس کی تفصیل ہماری کتاب "سفرنامہ" میں ملاحظہ کیجئے۔

باب العطایا

بخششوں کا باب[1]

الفصل الاول

پہلی فصل

[1] کسی بڑے کا اپنے چھوٹے کو بغیر عوض کچھ دینا عطیہ کہلاتا ہے اور چھوٹے کا بڑے کو کچھ دینا نذرانہ اور برابر والے کا برابر والے کو دینا ہبہ۔چونکہ عطیے بہت قسم کے ہیں:عمری، رقبی،جائزہ ،انعام،سلطانی بخششیں،ماں باپ کا اپنی اولاد کو کچھ دینا وغیرہ اس لیے عطایا جمع ارشاد ہوا۔ علماء فرماتے ہیں کہ سلطانی عطیے قبول کرنا عالم،جاہل،فقیر،غنی ہر ایک کو جائز ہے کہ اگرچہ سلطانی اموال عموماً حرام و حلال سے مخلوط ہوتے ہیں مگر مخلوط مال کا قبول کرنا،دعوت کا کھانا درست ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہ اسکندریہ مقوقس وغیرہ کے ہدیے تحفے قبول فرمائے،یہود مدینہ سے قرض لیاحالانکہ ان کے متعلق رب تعالٰی فرماتاہے:"اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ"یہ لوگ حرام خور ہیں۔(مرقات وغیرہ)

روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ جناب عمر نے خیبر میں کچھ زمین پائی[1] تو آپ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے خیبر میں ایسی زمین پائی ہے کہ میرے خیال میں ایسا نفیس مال میں نے کبھی نہ پایا [2] حضور والا مجھے اس کے متعلق کیا حکم فرماتے ہیں [3] فرمایا اگر تم چاہو تو اصل زمین محفوظ کردو اور اسے صدقہ کردو [4] چنانچہ حضرت عمر نے صدقہ کردی کہ اصل زمین نہ بیچی جائے اور نہ ہبہ کی جائے نہ موروثی ہو اور فقیر،قرابتداروں،اللہ کی راہ،مسافروں،مہمانوں میں صدقہ کردی [5] اس زمین کے متولی پر اس میں مضائقہ نہیں کہ اس میں سے بطریق احسن کچھ کھالے یا کھلائے [6] ہاں اسے مال نہ بنائے۔ابن سیرین نے فرمایا غیر متاثل مالا ہے[7] (مسلم،بخاری)	

[1] جس میں بہترین باغ تھے،اولًا تو زمین خیبر خود ہی بہت سبزہ زار ہے،پھر اس میں باغات بھی تھے جن کی آمدنی بہت تھی اس لیے آپ کو یہ زمین بہت ہی پسند آئی،یہ واقعہ غزوہ خیبر کے بعد کا ہے۔

۲؎ کیونکہ اولا تو مال غیر منقول ویسے بھی اعلیٰ ہوتا ہے،خصوصًا خیبر کی زمین زرخیز وسبزہ زار جو پشتہا پشت تک کام آئے،ایسا اعلیٰ مال میرے پاس کبھی نہ آیا تھا۔

۳؎ یعنی اس مال کو راہ خدا میں خیرات کرنا چاہتا ہوں مگر خبر نہیں کہ کیسی خیرات بہتر ہوگی۔یہ عمل تھا اس آیت پر کہ "**لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰی تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ**"اپنی پیاری چیز خیرات کرنا افضل ہے۔

۴؎ یعنی بہتر یہ ہوگا کہ یہ باغ فقراء پر وقف کردو کہ مالک کوئی نہ ہوں،فروخت وغیرہ کا کسی کو حق نہ ہواور اس سے نفع سارے فقراء اٹھائیں،یہ وقف صدقہ جاریہ ہوگا۔

۵؎ قرابتداروں سے مراد یا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابتدار مراد ہیں یا اپنے یا دونوں۔فقراء سے مراد عام مدینہ کے فقراء خصوصًا اہل صفہ،رقاب سے مراد مکاتب غلاموں کا بدل کتابت ادا کرکے انہیں آزاد کرنا یا مقروض کے قرض ادا کرنا،مہمانوں سے مراد غرباء اہلِ مدینہ کے گھر آنے والے مہمان جن کی وہ خاطر تواضع مہمان نوازی نہ کرسکیں،ان مہمانوں کو اس باغ کی آمدنی سے دیا جائے،اللہ کی راہ سے مراد غازی،مسافر وغیرہ ہیں۔

۶؎ یعنی اس باغ کے منتظم و متولی کو بھی اجازت ہوگی کہ اپنی اجرت اس باغ سے لے لے کہ اسی میں سے کھائے،اپنے بچوں،دوستوں کو کھلائے مگر فساد کی نیت سے نہ ہو بلکہ اجرت وصول کرنے کی نیت سے۔

۷؎ یعنی دفع ضرورت کے لیے خرچ کرے،مال جمع نہ کرے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زمین یا باغ کا وقف درست ہے اور مال وقف کی نہ بیع درست ہے،نہ ہبہ،نہ تملیک،یہ بھی معلوم ہوا وقف کرنا بہت اعلیٰ عبادت ہے کہ یہ صدقہ جاریہ ہے،یہ بھی معلو م ہوا کہ حضرات صحابہ کیسے مخلص مؤمن تھے کہ ہمیشہ اعلیٰ کاموں میں سبقت فرماتے تھے،یہ بھی معلوم ہوا کہ خیبر صلح سے حاصل نہ ہوابلکہ جنگ سے فتح کیا گیااسی لیے وہاں کی زمین غازیوں میں تقسیم کردی گئی،یہ بھی معلوم ہوا کہ صحت وقف کے لیے متولی مقرر کرنا لازم نہیں،دیکھو حضرت عمر نے کسی کو متولی نہ بنایا بلکہ قاعدہ مقرر فرمادیا کہ متولی کو یہ حقوق ہوں گے، یہ بھی معلوم ہوا کہ متولی وقف سے خرچ کرسکتا ہے کھا کھلا سکتا ہے۔خیال رہے کہ واقف خود بھی ایسے وقف سے فائدہ اٹھا سکتا ہے،حضرت عثمان غنی نے بیر رومہ وقف کیا مگر خود بھی اس کا پانی پیتے تھے لہذاواقف اپنے وقف کردہ قبرستان میں دفن ہوسکتا ہے،اپنی مسجد میں نماز،اپنے کنوئیں سے پانی حاصل کرسکتا ہے۔یہ حدیث بہت سے مسائل وقف کی اصل ہے۔اس کی تفصیل کتب فقہ میں ملاحظہ فرمائیے۔**وقف علی الاولاد** بھی درست ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ حضور نے فرمایا عمر بھر کو دینا جائز ہے ۱؎(مسلم،بخاری)	

۱؎ عمرہ حج اور ہے عمرہ عطاء کچھ اور یہاں عمرہ عطاء مراد ہے۔اس کی تین صورتیں ہیں:ایک یہ کہ کوئی شخص کسی کو زمین وغیرہ اس کی عمر بھر کے لیے دے اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ دے کہ تیرے بعد تیرے وارثوں کی یہ بالاتفاق جائز ہے کہ موہوب لہ کے مرنے کے بعد اس کے وارثوں کو ملے گی،وارث نہ ہوں تو بیت المال کو واہب کو نہ لوٹے گی۔دوسرے یہ کہ اس کے وارثوں کا ذکر نہ کرے،یہ عمرہ ہمارے ہاں جائز ہے اور حق یہ ہے کہ امام شافعی کے ہاں بھی درست ہے،اس کا

حکم پہلے عمری کا سا ہے کہ یہ بھی کسی صورت میں واہب کو نہ لوٹے گی۔تیسرے یہ کہ لوٹنے کی شرط لگادے کہ کہہ دے تیری حین حیات تک تیرے بعد میں میری،اس میں ہمارے ہاں اختلاف ہے،فتویٰ اس پر ہے کہ یہ بھی جائز ہے اور لوٹنے کی شرط باطل کہ یہ ہبہ بالشرط ہے اور ہبہ بالشرط جائز ہوتا ہے،شرط باطل ہوتی ہے،لہٰذا اس صورت میں بھی یہ شے موہوب لہ کی ہوگی،واہب کو نہ لوٹے گی،امام احمد کے ہاں مطلق عمرہ درست ہے مؤقت باطل،امام مالک کے ہاں عمریٰ میں منافع کی ملکیت ہوتی ہے اصل شے کی نہیں یعنی موہوب لہ اس کو برت سکتا ہے اس کا مالک نہیں مگر مذہب حنفی قوی ہے کہ اس کی تائید بہت سی احادیث سے ہے۔

	روایت ہے حضرت جابر سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں کہ عمری عمرے والے کے گھر والوں کی میراث ہے[1](مسلم)

[1] یہ حدیث احناف کی قول دلیل ہے کہ عمری خواہ کیسا ہی ہو مطلق یا وقتی،مشروط یا غیر مشروط واہب کو نہ لوٹے گا بلکہ موہوب لہ کی موت کے بعد خود اس کے ورثاء کو ملے گا۔خیال رہے کہ عمری عمر سے بنا عمر زندگی کی مدت کو کہتے ہیں،چونکہ اس ہبہ میں موہوب کی زندگی کا ذکر ہوتا ہےاس لیے اسے عمرہ کہا جاتا ہے۔

	روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس شخص کو کچھ چیز بطور عمری دی گئی اسے اور اس کے پسماندگان کو[1] تو وہ عمری اس کا ہوگا جسے دیا گیا دینے والے کو واپس نہ ملے گا[2] کیونکہ وہ ایسا عطیہ دے چکا ہے جس میں وراثتیں واقع ہوگئیں[3](مسلم،بخاری)

[1] اس طرح کہ اس سے کہا گیا یہ چیز تاحین حیات تیری ہے اور تیرے بعد تیرے وارثوں کی،یہ پہلی قسم کا عمریٰ ہے۔
عقب قاف کے کسرہ سے ہے بمعنی پیچھے رہنے والے لوگ یعنی ورثاء خواہ اولاد ہوں یا دوسرے وارث بعض نے کہا **عقب** قاف کے سکون سے ہے۔

[2] امام مالک کے ہاں تو صرف یہ عمریٰ جس میں وارثوں کا بھی ذکر ہو واپس نہ ہوگا،جمہور علماء جیسے امام ابوحنیفہ و شافعی وغیرہم کے ہاں ہر عمریٰ کا یہ ہی حکم ہےخواہ یہ شرط لگائے یا نہ لگائے جیساکہ پہلے عرض کیا گیا۔

[3] خلاصہ یہ ہے کہ عمریٰ ہبہ کی قسم ہےاور ہبہ کا حکم یہ ہے کہ موہوب لہ کے بعد واہب کو واپس نہیں ہوسکتا،موت مانع رد ہے مانع رد کل سات چیزیں ہیں جو **دمع خزقه** میں جمع ہیں،زیادۃ،موت،عوض خروج عن الملک،زوجیت،قرابت،ہلاکت۔

	روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں وہ عمری جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جائز کیا[1] وہ یہ ہے کہ کہے یہ تیرا اور تیرے پسماندگان کا ہے[2] لیکن اگر یوں کہے کہ تیرے جیتے جی تیری ہے تو وہ اپنے مالک کو لوٹ جائے گی[3](مسلم،بخاری)

۱؎ جائز کہا سے مراد ہے کہ موہوب لہٗ کو اس کا مالک بنایا،دوسرا عمریٰ بھی جائز تو ہے مگر موہوب لہ اس کا مالک نہیں بنتا صرف نفع حاصل کرسکتا ہے،بعدموت واہب کو لوٹ جائے گا۔

۲؎ یعنی عمرے کی پہلی قسم تو بالاتفاق درست ہے۔

۳؎ یہ حدیث امام مالک و امام زہری کی دلیل ہے کہ اگر عمرے میں وراثت کا ذکر نہ ہو تو دینے والے کی طرف لوٹ جاتا ہے،ان کی دلیل وہ حدیث جابر ہے جو مرفوعًا فرمائی **اَلعمری میراثٌ لِاَھلِھَا** عمری معمرلہ کی میراث ہے،یہاں العمری مطلق ہے جو تینوں قسموں کو شامل ہے،رہی یہ حدیث یہ حضرت جابر کا اپنا اجتہاد ہے نہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عالی لہٰذا وہ ہی حدیث قابل عمل ہے یہ مرجوح ہے۔(اشعہ و مرقات)

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت جابر سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا نہ کسی کو کچھ بطور رقبی دو نہ بطور عمری ۱؎ جسے کچھ رقبی یا عمری دیا گیا تو وہ اس کا اور اس کے وارثوں کا ہے ۲؎(ابوداؤد)	

۱؎ رقبی ارقاب سے ہے جو **مراقبۃ** سے بنا،رقب گردن کو کہتے ہیں،سوچنا،انتظار کرنا رقبی کہلاتا ہے کہ وہ بھی گردن ڈال کر ہی ہوتا ہے،رقبے یہ ہے کہ کہے یہ چیز تجھے دیتا ہوں لیکن اگر تو پہلے مرجائے تو میری ہوگی اور اگر میں پہلے مرجاؤں تو مستقل تیری ہوگی،چونکہ اس صورت میں ہر ایک دوسرے کی موت کا انتظار کرتا ہے اس لیے اسے رقبی کہتے ہیں،**عمریٰ** کے معنی پہلے عرض ہوچکے۔**لاترقبوا** کی نہی بطور مشورہ ہے نہ کہ حرمت کے لیے یا یہ مطلب ہے کہ واپسی کی نیت سے رقبی عمری نہ کرو۔

۲؎ یعنی رقبیٰ ہو یا عمریٰ چونکہ یہ ہبہ بالشرط ہے لہٰذا ہبہ درست ہے اور شرط باطل اور وہ شے کبھی بھی واہب کو نہ واپس ہوگی یہ حدیث جمہور علماء کی دلیل ہے کہ رقبیٰ اور ہر طرح کا عمرہ موہوب لہ کہ مستقل مالک کردیتا ہے،چونکہ حدیث مرفوع ہے لہٰذا موقوف کے مقابل یہ ہی راجح ہے۔

روایت ہے انہی سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا عمری جائز ہے عمری والے کے لیے ہے اور رقبی جائز رقبی والے کے لیے ۱؎(احمد،ترمذی،ابوداؤد)	

۱؎ زمانہ جاہلیت میں عمریٰ،رقبیٰ،موہوب لہ کے مرنے پر واہب کو واپس ہوجاتا تھا،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ قاعدہ توڑ دیا،اس توڑنے کے لیے یہ ارشاد فرمایا۔**لاھلھا** میں ضمیر رقبیٰ یا عمریٰ کی طرف راجع ہے اور اہلِ عمری سے عمریٰ لہ مراد ہے جسے ہبہ دی گئی۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مال اپنے پاس محفوظ رکھو انہیں بگاڑو مت ۱؎ جسے کچھ عمری کے طورپر دیا گیا تو مرے جئے اس کا ہے اوراس کے پسماندگان کا ۲؎ (مسلم)

۱؎ مطلب یہ ہے کہ تم جو مال اپنے پاس رکھنا چاہتے ہو اسے کسی کو بطور عمری یا رقبیٰ نہ دو کہ اس سے تمہارا مال بگڑ جائے گا کہ تمہیں واپس نہ ملے گا اور تمہارا مدعا پورا نہ ہوگا،یہ مطلب نہیں کہ عمری یا رقبیٰ کرنا اپنا مال بگاڑنا ہے کہ یہ تو مخلوق پر مہربانی ہے جس پر ثواب کی امید ہے لہٰذا مطلب واضح ہے۔

۲؎ لِلَّذِی کا لام ملکیت کا ہے یعنی عمریٰ معمرلہ کی ملکیت میں تام ہوگا کہ وہ اس کے فروخت کرنے کا بھی مجاز ہوگا اور اس کے مرنے پر وہ چیز اس کے ورثاء کو ملے گی،یہ حدیث بھی جمہور علماء کی دلیل ہے کہ عمری عاریت نہیں ہوتا بلکہ ملکیت ہوتا ہے۔حضرت امام مالک وغیرہ اسے عاریت مانتے ہیں،یہ حدیث ان کے خلاف ہے۔

باب

باب۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ چونکہ یہ باب متفرق احادیث پر مشتمل ہےاس لیے اس کا ترجمہ مقرر نہ کیا،اس باب میں گزشتہ باب کے متممات احادیث مذکور ہیں۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس پر خوشبو تحفۃً پیش کیا جائے ۱؎ وہ اسے واپس نہ کرے کہ اس کا بوجھ ہلکا ہے خوشبو اچھی ہے ۲؎ (مسلم)

۱؎ ہم نے تحفہ کی قید اس لیے لگائی کہ تجارت کی نوعیت نکل جائے،بعض عطر فروش کسی کو قیمتاً عطر پیش کرتے ہیں،اگر اسے خریدنا نہ ہو اور وہ انکارکرے تو حدیث پڑھ کر اسے خریدنے پر مجبور کرتے ہیں،وہ اس حدیث کی منشاء سے یا تو واقف نہیں یا واقف ہیں مگر اس کے ذریعہ اپنا بیوپار چلانا چاہتے ہیں۔ریحان ریحٌ سے بنا بمعنی خوشبو اس سے ہر خوشبو مراد ہے،پھول ہوں یا عطر چنبیلی وغیرہ کا تیل۔

۲؎ یعنی اگرچہ دوسرے ہدیے بھی واپس کرنا خلاف اخلاق ہے مگر خوشبو واپس کرنا تو بہت ہی خشک مزاجی کی دلیل ہے کہ اس میں وزن ہلکا قیمت معمولی خوشبو اعلیٰ ہے۔مرقات نے فرمایا کہ خوشبو جنت سے آئی ہے اور وہاں کا ہی پتہ دیتی ہے۔مبسوط سرخسی باب اللمس میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فاطمہ زہرا کو سونگھا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ ان سے جنت کی مہک آتی ہےاسی لیے آپ کو زہراء کہتے ہیں یعنی جنت کی کلی۔

	روایت ہے حضرت انس سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خوشبو واپس نہ کرتے تھے ۱؎ (بخاری)

۱؎ اس کا مطلب بھی وہی ہے جو ابھی عرض کیا گیا کہ اگر کوئی بارگاہ عالی میں ہدیۃً خوشبو پیش کرتا تو آپ اسے کبھی واپس نہ فرماتے لہٰذا حدیث واضح ہے۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دے کر واپس لینے والا اس کتے کی طرح ہے جو قے کرکے چاٹ لے ۱؎ اس سے بدتر ہمارے پاس کوئی مثال نہیں ۲؎ (بخاری)

۱؎اس حدیث کی بناء پر امام شافعی و مالک و احمد فرماتے ہیں کہ ہبہ دی ہوئی چیز واپس لینا مطلقًا حرام ہے کیونکہ حضور انور نے اسے قے کھانے سے تشبیہ دی ہے،قے حرام چیز ہے۔امام اعظم فرماتے ہیں کہ جب تک سات مانع چیزوں میں سے کوئی چیز نہ پائی جائے تب تک ہبہ کی واپسی درست ہے اگرچہ بے مروتی اور بد خلقی ہے،امام صاحب کی دلیل وہ حدیث ہے "الواھب احقّ بھبتہٖ مالم یصب منہ" یعنی ہبہ کرنے والا اپنے ہبہ کا حقدار ہے جب تک کہ اس کا عوض نہ لے لےاور یہ حدیث تو حرمت رجوع پر دلالت نہیں کرتی کیونکہ قے کتے پر حرام نہیں،یہ تشبیہ صرف نفرت دلانے کے لیے ہے۔بشیر نے اپنے بیٹے نعمان کو باغ ہبہ کیاحضور نے فرمایا واپس لے لوجیسا کہ آگے آرہا ہے،حضرت عبداللہ ابن عمر نے کسی کو گھوڑا ہبہ دیا تھا پھر اس سے واپس خریدنا چاہا،حضور نے فرمایا مت خریدو،وہاں بھی یہی کتے والی مثال دی،حالانکہ اپنا ہبہ خریدنا سب کے ہاں جائز ہے،اگر یہ حدیث حرمت کی ہوتو ان احادیث کے مخالف ہوگی لہذا امام اعظم کا فرمان نہایت قوی ہے اور یہ حدیث نہ انکے خلاف ہے نہ دیگر آئمہ کی مؤید۔

۲؎اس جملہ کے دو معنی ہوسکتے ہیں:ایک تو وہ جو ترجمے سے ظاہر ہوئے کہ اگر اس سے بدتر کوئی مثال ہمارے پاس ہوتی تو ہم وہ پیش فرماتے مگر ہے نہیں کیونکہ کوئی جانور اپنی قے نہیں کھاتا۔اس صورت میں لنا سے مراد خود اپنی ذات کریم ہے۔دوسرے یہ کہ بدترین مثال ہم لوگوں کے لیے نہیں ہونی چاہیے یعنی کوشش کرو کہ یہ کہاوت ہم پر چسپاں نہ ہو۔اس صورت میں لَنَا سے مراد عام مسلمان ہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے کوئی تعلق نہیں۔

روایت ہے حضرت نعمان ابن بشیر سے ۱؎کہ ان کے والد انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدمت میں لائے عرض کیا میں نے اپنے اس بیٹے کو ایک غلام دیا ہے حضور نے فرمایا کیا تم نے اپنی ساری اولاد کو اسی طرح دیا ہے ۲؎عرض کیا نہیں فرمایا تو اسے لوٹا لو۳؎اور ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ نے فرمایا کیا تمہیں یہ پسند ہے کہ وہ ساری اولاد تمہاری خدمت میں برابر ہو عرض کیا ہاں فرمایا تو نہیں ۴؎اور ایک روایت میں یوں ہے کہ فرماتے ہیں مجھے میرے باپ نے کچھ عطیہ دیا تو عمرہ بنت رواحہ بولیں ۵؎میں تو راضی نہیں حتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ کر لو ۶؎تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر آئے عرض کیا میں نے اپنے اس بیٹے کو جو عمرہ بنت رواحہ سے ہے ۷؎ایک عطیہ دیا ہے وہ کہتی ہیں میں یارسول اللہ آپ کو گواہ بنالوں فرمایا کیا تم نے اپنے سارے بچوں کو اسی طرح دیا ہے عرض کیا نہیں فرمایا اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد میں انصاف کرو ۸؎فرماتے ہیں میرے والد لوٹ گئے پھر اپنا عطیہ واپس کرلیا اور ایک	

	روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں ظلم پر گواہ نہیں ہوتا ۹؎(مسلم،بخاری)

۱؎آپ خود بھی صحابی ہیں آپ کے والدین بھی صحابی،آپ کی کنیت ابو عبداللہ ہے،انصاری ہیں،اسلام میں سب سے پہلے بچے ہیں جو انصار میں پیدا ہوئے،ہجرت کے چودھویں مہینے پیدا ہوئے،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت آپ کی عمر آٹھ سال سات ماہ تھی،کوفہ میں قیام رہا،امیر معاویہ کی طرف سے حمص کے حاکم تھے،۶۴ھ میں قتل کیے گئے۔(اکمال،اشعہ،مرقات)

۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ اولاد کو برابر عطیے دے،بعض کو بعض پر ترجیح نہ دے کہ کسی کو کچھ نہ دے یا کسی کو زیادہ دے۔بعض علماء فرماتے ہیں کہ زندگی میں لڑکی لڑکے کو برابر دے،لڑکے کا دوگنا حصہ میراث میں ہے نہ کہ عطیہ میں،بعض نے فرمایا کہ زندگی میں بھی لڑکے کو دوگنا دے اور لڑکی کو ایک حصہ۔(درمختار،شامی،وغیرہ)بعض بزرگ لڑکیوں کو دوگنا دیتے ہیں کہتے ہیں کہ لڑکیاں ماں باپ کے گھر مہمان ہیں،لڑکے مقیم۔

۳؎ اس سے معلوم ہوا کہ باپ اولاد کو دے کر واپس لے سکتا ہے دوسرے اہل قرابت نہیں لے سکتے۔قرابت اسے مانع ہے یعنی تب تم بھی اپنے عطیہ میں فرق نہ کرو برابر دو۔

۵؎عمرہ عین کے فتح سے،نعمان کی والدہ ہیں،بشیر کی بیوی،عبداللہ ابن رواحہ کی بہن ہیں۔

۶؎ تاکہ عطیہ پختہ ہوجائے تمہارے بعد اولاد کا آپس میں جھگڑا نہ ہو،آج کل جو غیر منقول جائیداد کے بیع نامہ رجسٹری کرائے جاتے ہیں اسی کی اصل یہ حدیث ہے،رجسٹری میں حکومت کو گواہ بنایا جاتا ہے۔

۷؎معلوم ہواکہ نعمان تو عمرہ بنت رواحہ سے تھے باقی اور اولاد دوسری بیویوں سے جن کی مائیں فوت ہوچکی ہوں گی اس لیے یہ واقعہ ہوا۔

۸؎ اس حدیث کی بنا پر علماء فرماتے ہیں کہ باپ اپنی زندگی میں بیٹا بیٹی ساری اولاد میں برابری کرے،بیٹے کے لیے دوگنا حصہ بعد وفات ہے حتی کہ پیار محبت بلکہ چومنے میں بھی برابری کرے۔(مرقات)اگرچہ قدرتی طور پر چھوٹے بچے سے زیادہ محبت ہوتی ہے،نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فاطمہ زہرا بہت پیاری تھیں کہ سب سے چھوٹی تھیں۔

۹؎ اس حدیث کی بنا پر امام احمد ثوری و اسحاق نے فرمایا کہ اولاد کے عطیوں میں کمی بیشی کرنا حرام ہے کیونکہ حضور انور نے اسے ظلم فرمایا ہے اور ظلم حرام ہے،ان بزرگوں کے ہاں اس صورت میں ہبہ درست ہی نہ ہوگا مگر امام ابوحنیفہ،شافعی و مالک و جمہور علماء رحمہم اللہ کے ہاں یہ زیادتی مکروہ ہے جب کہ بلاوجہ ہو،اس میں ہبہ درست ہی ہوگا۔اس حدیث سے معلوم ہورہا ہے کہ ہبہ درست ہوگیا تھا ورنہ رجوع کے کیا معنی،نیز دوسری روایات میں ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس عطیہ پر کسی اور کو گواہ بنالو،اگر یہ حرام قطعی ہوتا تو کسی اور کو گواہ بنانے کے کیا معنی۔ حضرت ابوبکر صدیق نے حضرت عائشہ صدیقہ کو اکیس وسق کھجوریں دیں جو اور اولاد کو نہ دیں،حضرت عمر نے اپنے بیٹے عاصم کو ایک دفعہ ایک خاص عطیہ دیا جو اور اولاد کو نہ دیا،عبدالرحمٰن ابن عوف نے اپنی بیٹی ام کلثوم کی اولاد کو خاص عطیہ دیا جو اور اولاد کو نہ دیا،تمام صحابہ نے یہ واقعات دیکھے اور کسی نے انکار نہ کیا لہذا اس کے جواز پر صحابہ کا اجماع ہوگیا۔(مرقات)خیال رہے کہ متقی بیٹے کو فاسق بیٹے سے زیادہ دینا یا غریب معذور بے دست وپا اولاد کو دوسری امیر اولاد سے کچھ زیادہ دینا بلاکراہت درست ہے۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کوئی شخص اپنا دیا ہوا ہبہ واپس نہ لے سوائے باپ کے اپنے بیٹے سے [1] (نسائی،ابن ماجہ)

[1] اسی حدیث کی بنا پر امام شافعی فرماتے ہیں کہ والد اولاد کو عطیہ دے کر واپس لے سکتا ہے،دیگر اہل قرابت سے واپس نہیں لے سکتے،امام اعظم کے ہاں باپ بھی بیٹے کو دیا ہوا عطیہ واپس نہیں لے سکتا،اس کی دلیل حضور عالی کا وہ فرمان ہے کہ جب ذی رحم محرم کو ہبہ دیا جائے تو واپس نہ ہوگا اور فاروق اعظم کا یہ فرمان ہے کہ اہل قرابت کا ہبہ جائز ہے اوراجنبی کا ہبہ واپس ہو سکتا ہے جب تک کہ اس کا عوض نہ دیا گیا ہو۔اس حدیث کا مطلب امام اعظم کے ہاں یہ ہے کہ بوقت ضرورت باپ بیٹے کا عطیہ واپس لے سکتا ہے کیونکہ یہ مال بیٹے کا تھا اور باپ بیٹے کا مال ضرورۃً بغیر اجازت خرچ کرسکتاہے۔(لمعات،مرقات)یا یہ کہ دوسرا عطیہ والا اگر ہدیہ واپس لےتو قاضی کے فیصلہ کی ضرورت ہے لیکن والد بوقت ضرورت بغیر قضاء قاضی واپس لے سکتا ہے۔(اشعہ و لمعات و مرقات)

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے و ابن عباس سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی شخص کو یہ جائز نہیں کہ کوئی عطیہ دے پھر واپس لے لے [1] سوائے باپ کے جو اپنے بیٹے کو دے [2] اور اس کی مثال جو عطیہ دے پھر واپس لے لے اس کتے کی سی ہے جو کھاتا رہے حتی کہ سیر ہوجائے تو قے کردے پھر اپنی قے دوبارہ کھائے [3] (ابوداؤد،ترمذی،نسائی،ابن ماجہ)اسے ترمذی نے صحیح کہا ہے۔

[1] یہاں جائز بمعنی مناسب ہے یعنی عطیہ دے کر واپس لینا مناسب نہیں جیسے کہ حدیث پاک میں ارشاد ہوا کہ مؤمن کے لیے یہ حلال نہیں کہ خود سیر ہو کر کھائے اور اس کا پڑوسی بھوکا ہو،وہاں بھی **لایحل** ہے بمعنی غیر مناسب لہذا یہ حدیث رجوع ہبہ کی احادیث کے خلاف نہیں۔

[2] **ولد** میں بیٹا بیٹی سب ہی شامل ہیں اس کی شرح ابھی گزرگئی کہ ہمارے ہاں باپ بھی بلا ضرورت رجوع نہیں کرسکتا،شوافع کے ہاں کرسکتا ہے لہذا بیٹی کو دیا ہوا جہیز واپس لے سکتا نہیں۔خیال رہے کہ خاوند بیوی ایک دوسرے کو عطیہ دے کر واپس نہیں کرسکتے،یوں ہی اہلِ قرابت،عزیز۔فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے"**اذا کانت الھبۃ لذی رحم محرم لم یرجع فیھا**"حضرت عمر فرماتے ہیں کہ اہل قرابت کا عطیہ لازم ہے دوسرے کا عطیہ لازم نہیں جب تک کہ وہ عوض نہ دیں۔(لمعات)

۳؎ یعنی کتے کا قے کرکے چاٹ لینا ہر طبیعت پر باعث نفرت ہے،یوں ہی عطیہ دے کر واپس لینا ہر شخص کو برا معلوم ہونا چاہیے۔خیال رہے کہ ہبہ کا حکم اور ہے صدقہ کا حکم کچھ اور،ہبہ تو بعض صورتوں میں واپس ہوسکتا ہے مگر دیا ہوا صدقہ و خیرات واپس نہیں لے سکتے کہ وہاں منشاء صدقہ رضاء الٰہی ہے جو بفضلہٖ تعالٰی حاصل ہوگئی،جب عوض مل گیا تو رجوع کیسا؟

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ ایک بدوی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جوان اونٹنی ہدیۃً پیش کی ۱؎ تو حضور نے اس کے عوض چھ اونٹنیاں عطا فرمائیں پھر بھی وہ ناراض ہی رہا ۲؎ یہ خبر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ نے اللہ کی حمدوثناء کی ۳؎ پھر فرمایا کہ فلاں شخص نے ہم کو ایک اونٹنی دی تھی ہم نے اسے اس کے بدلے چھ اونٹنیاں دیں پھر بھی وہ ناراض ہی رہا میں نے تو ارادہ کرلیا ہے کہ اب سواء قریش یا انصاری یا ثقفی یا دوسی کا ہدیہ قبول نہ کروں ۴؎ (ترمذی،ابوداؤد،نسائی)

۱؎ بکر کے لغوی معنی ہیں پہلی حالت اسی لیے کنواری لڑکی کو باکرہ،صبح کو بکرہ اور شروع پھل کو باکورہ کہتے ہیں،یہاں بکرہ سے مراد ہے نئی اونٹنی جو ابھی نوجوان ہو،حضرت صدیق اکبر کا نام ہے ابوبکر یعنی اولیت والے،آپ ہر صفت میں اول رہے لہذا ابوبکر ہوئے،ابو کا معنے والا جیسے ابوہریرہ بلی والا۔

۲؎ وہ حضور انور سے بہت کچھ امید وابستہ کرکے یہ اونٹنی لایا تھا اس لیے چھ گناہ ملنے پر بھی راضی نہ ہوا یا تو زبان سے ناراضی ظاہر کی یا اس کے چہرے مہرے سے ناراضی کا ظہور ہوا یا اس کے خوش نہ ہونے سے ناراضی ظاہر ہوئی۔مؤمن کو چاہیے کہ چیز لے کر خوش ہو کہ یہ خوشی دینے والے کو بھی خوش کردیتی ہے جس سے وہ اور زیادہ دیتا ہے۔رب کی نعمتوں پر بھی خوب خوش ہوا کرے،رب تعالٰی فرماتا ہے:"فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا"۔

۳؎ یعنی بطور وعظ یہ کلام فرمایا اور وعظ کے اول خطبہ میں رب کی حمدوثناء سنت ہے۔

۴؎ کیونکہ یہ چار قبیلہ والے حضرات کریم النفس ہوتے ہیں وہ اپنے ہدایا و عطیوں کا عوض چاہتے ہی نہیں اور تھوڑے عوض پر راضی ہوجاتے ہیں۔خیال رہے کہ عوض یا زیادہ عوض کے لیے ہدیہ دینا ہم لوگوں کو بہتر نہیں،حضور انور کو یہ حرام تھا کہ حضور تو دینے ہی کے لیے دنیا میں تشریف لائے ہیں،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَ لَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ" زیادہ وصول کرنے کے لیے کسی کو عطیے نہ دو۔اس میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے اور نہی تحریم کی ہے۔بڑا آدمی جب چھوٹوں کو کچھ دے وہ عطیہ،انعام،اکرام ہے اور جو برابر والا اپنے برابر والے کو دے تو وہ ہدیہ،سوغات ہے اور جب چھوٹا اپنے بڑے کو کچھ دے تو وہ نذرانہ ہے،بڑے کو چاہیے کہ چھوٹوں کو نذرانہ کا عوض ضرور دیا کریں کہ وہ اسی لالچ سے تو لاتے ہیں،دیکھو حضور انور ایک کے چھ عطا فرماتے تھے۔شادی بیاہ یا عید بقر عید پر نوابوں کے نوکر چاکر نذرانہ پیش کرتے ہیں،کیوں؟کچھ

لینے کے لیے انہیں ضرور دیا جائے۔(مرقات)مروجہ نیوتے نیوتے(نذرانے)جائز ہیں،جب کہ ان سے لڑائی جھگڑے فساد نہ ہوں۔نیوتے کا مسئلہ شامی باب الھبۃ میں ملاحظہ فرمائیے۔

	روایت ہے حضرت جابر سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جسے کوئی عطیہ دیا جائے اگر ہوسکے تو اس کا بدلہ دے دے اور جو کچھ نہ پائے وہ اس کی تعریف کردے[1] کہ جس نے تعریف کردی اس نے شکریہ ادا کیا جس نے چھپایا اس نے ناشکری کی[2] اور جو ایسی چیز سے ٹیپ ٹاپ کرے جو اسے نہ دی گئی وہ فریب کے کپڑے بننے والے کی طرح ہے[3](ترمذی،ابوداؤد)

[1] سبحان اللہ! کیسی پیاری واعلیٰ تعلیم ہے کہ برابر والا برابر والے کو عوض دے،فقیر امیر کو دعائیں دیں،ہم لوگ دن رات حضور انور پر درود شریف کیوں پڑھتے ہیں؟ اس لیے کہ ان داتا کریم کی نعمتوں میں پل رہے ہیں کہ کروڑوں حصہ بھی عوض نہیں دے سکتے تو دعائیں دیں کہ اللہ ان کا بھلا کرے،ان کا خانہ آباد،انکے بال بچوں،صحابہ کو شاد رکھے،یہ درود بھی اسی حدیث پر عمل ہے،مولانا فرماتے ہیں۔شعر

چونکہ ذاتش ہست محتاج الیہ　　　زاں سبب فرمود حق صلوا علیہ

[2] یعنی حمد و ثناء شکر کی ایک قسم ہے،شکر دلی بھی ہوتا ہے زبانی بھی،ارکانی بھی۔حمد وثناء زبانی شکریہ ہے جس سے اور زیادہ نعمتیں ملتی ہیں،رب تعالٰی فرماتاہے:"لَئِنۡ شَکَرْتُمْ لَاَزِیۡدَنَّکُمْ"اگر شکر کرو گے اور زیادہ دوں گا۔

[3] یہ فرمان عالی اس عورت سے فرمایا گیا تھا جس نے عرض کیا تھا کہ میری سوکن ہے میں چاہتی ہوں کہ اسے جلانے کے لیے اعلیٰ لباس،عمدہ زیور پہنا کروں تاکہ وہ سمجھے کہ مجھے یہ سب کچھ میرے خاوند نے دیا ہے اور وہ مجھ سے زیادہ محبت کرتا ہے اس پر یہ ارشاد ہوا۔فریب کے کپڑے کی کئی صورتیں ہیں:غریب آدمی غرور و تکبر کے طور پر امیروں کے کپڑے پہنے،جاہل شخص ریا کے طور پر علماء و صوفیاء کا لباس پہنے،فاسق آدمی دھوکے دینے کے لیے متقیوں کا سا لباس رکھے تاکہ اس کی جھوٹی گواہی حکام مان لیا کریں،یہ سب کچھ دھوکے فریب کے لیے ہو،(مرقات)ایسا آدمی بہروپیا ہے اور اس کی یہ حرکت بری ہے،اگر اچھی نیت سے علماء کا لباس پہنے تو اچھاکہ اچھوں کی نقل بھی اچھی ہے۔

	روایت ہے حضرت اسامہ ابن زید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس کے ساتھ کوئی بھلائی کی جائے وہ بھلائی کرنے والے سے کہہ دے اللہ تجھے جزائے خیر دے تو اس نے تعریف حد تک پہنچادی[1](ترمذی)

[1] کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں توبدلہ سے عاجز ہوں،رب تعالٰی تجھے دین و دنیا میں اس سلوک کی جزاء خیر دے،اس مختصر سے جملہ میں اسکی نعمت کا اقرار بھی ہوگیا،اپنے عجز کا اظہار بھی اور اس کے حق میں دعائے خیر بھی۔شکریہ کا مقصد

بھی یہ ہی ہوتا ہے،اس کا مقصد یہ بھی ہے کہ دینے والے کی جھوٹی تعریف اور خوشامدانہ گفتگو نہ کرے،فاسق کو ولی نہ کہے،جاہل کو عالم نہ بتائے،فقیر کو شہنشاہ نہ کہے کہ جھوٹ بولنا گناہ بھی ہے اور بے فائدہ بھی،یوں ہی اگر کوئی تم سے بدسلوکی کرے تو اسے گالیاں نہ دو،برا بھلا نہ کہو بلکہ کہو"**غفر اللہ لك واصلح حالك**" اللہ تجھے بخشے اور تیری اصلاح کرے۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو لوگوں کا شکریہ ادا نہ کرے وہ اللہ کا شکریہ بھی ادا نہ کرے گا[1] (احمد،ترمذی)

[1] **سبحان اللہ!** کتنا عالی مقام ہے،بندوں کا ناشکرا رب کا بھی ناشکرا یقینًا ہوتا ہے،بندہ کا شکریہ ہر طرح کا چاہیے دلی زبانی،عملی یوں ہی رب کا شکریہ بھی ہر قسم کا کرے،بندوں میں ماں باپ کا شکریہ اور ہے،استاد کا شکریہ کچھ اور شیخ بادشاہ کا شکریہ کچھ اور۔

	روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو حضور کی خدمت میں مہاجرین حاضر ہو کر بولے[1] یارسول اللہ ہم جن لوگوں کے مہمان بنے ہیں ان سے بڑھ کر زیادہ مال خرچ کرنے والا اور تھوڑے مال سے مدد کرنے والا کوئی نہ دیکھا[2] ہماری طرف سے محنت مشقت تو خود کرتے ہیں اور آمدنی میں ہمیں شریک کرلیتے ہیں[3] حتی کہ ہم کو خوف ہے کہ سارا ثواب وہ ہی لے جائیں گے[4] حضور نے فرمایا نہیں جب تک تم ان کے لیے اللہ سے دعائیں کرتے رہو اور ان کی تعریف کرتے رہو[5] (ترمذی)ترمذی نے اسے صحیح کہا۔

[1] یہ واقعہ جب ہوا جب کہ انصار نے مہاجرین کو اپنے مالوں میں برابر کا حصہ دار کرلیا حتی کہ اپنے مکان کے دو حصے کرکے ایک مہاجر بھائی کو دے دیا،کھیت،باغ کا بھی اسی طرح بٹوارہ کردیا،اگر کسی انصاری کی دو بیویاں تھیں تو ایک کو طلاق دے کر مہاجر بھائی کے نکاح میں دے دی۔(مرقاۃ)

[2] اس جملہ میں انصار کی تعریف اور ان کی مہمان نوازی کی توصیف ہے۔قوم سے مراد انصار ہیں اور **من کثیر و من قلیل** ابذل کے متعلق ہے اور **من قوم**،**ابذل** اور **احسن** کا صلہ یعنی اس قوم انصار سے بڑھ کر ہم نے کوئی ایسی قوم نہ دیکھی جو مہمان پر تھوڑا اور بہت مال اس قدر خرچ کرتی ہو،ان میں مالدار تو اپنے بہت مال سے خرچ کرتے ہیں اور غریب اپنے تھوڑے مال سے مدد و معاونت کرتے ہیں۔**مواساۃ** کے معنی ہیں مدد بھلائی نکوئی وغیرہ۔(اشعہ و مرقات)

۳؎ یہ انصار کے دوسرے کمال کا ذکر ہے کہ ہم کو انہوں نے اپنے مالوں میں برابر شریک کرلیاتو چاہیے تھا کہ محنت میں بھی ہم برابر کے ہی شریک ہوتے مگر انہوں نے ایسا نہ کیا بلکہ محنت وہ کرتے ہیں اور نفع میں ہم کو برابر کا شریک کرتے ہیں،عربی میں مھنا بے مشقت حاصل شدہ مال کو کہتے ہیں۔

۴؎ یعنی انصار ان مہربانیوں کی وجہ سے ہماری ہجرت اور ہماری ساری عبادتوں کا ثواب لے لیں گے،کیونکہ وہ ہمارے ہر نیکی میں معاون و مددگار ہیں۔

۵؎ یعنی ایسا نہ ہوگا بلکہ تمہاری دعا و ثناء کی وجہ سے اللہ تعالٰی ان کو ثواب احسان علیحدہ عطا کرے گا اور تم کو ثواب ہجرت و عبادات علیحدہ دے گا۔اس سے اشارۃً معلوم ہورہا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے محسن کو دعائے خیروشکریہ سے یاد نہ کرے تو اندیشہ ہے کہ اس کے اعمال کا ثواب اس کے محسن و مددگار کو مل جائےاس لیے اپنے محسن کو ضرور دعائیں دو اور اس کے شکر گزار رہو۔

روایت ہے حضرت عائشہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا ہدیہ کا لین دین کرو ہدیہ عداوتوں کو مٹا دیتا ہے ۱؎	

۱؎ ضغائن ضغینة کی جمع ہے بمعنی دشمنی،یعنی ایک دوسرے کو ہدیے تحفے دیتے رہو کہ اس کی برکت سے دشمنی دوستی میں تبدیل ہوجاتی ہے،یہ عمل بہت ہی مجرب ہے۔ہدیہ کی برکت سے دوستوں کی دوستی میں زیادتی ہوجاتی ہے اور دشمن کی دشمنی ختم ہوجاتی ہے۔لہذا حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ صرف دشمنوں کو ہدیہ دے بلکہ مطلب یہ ہے کہ دوستوں کو ہدیہ دو کہ اس سے دشمنی دور رہتی ہے،قریب نہیں آتی،دشمنوں کو ہدیہ دو کہ اس سے دشمنی دور ہوجاتی ہے۔تذھب کے معنی عام کرنے چاہئیں یہاں رواہ کے بعد جگہ چھوٹی ہوئی ہے کہ مصنف کو مخرج حدیث نہ ملامگر یہ حدیث ترمذی کی ہے جیساکہ مرقات وغیرہ میں ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا آپس میں ہدیے لو دو کہ ہدیہ سینہ کا کینہ دور کرتا ہے ۱؎ کوئی پڑوسن اپنی پڑوسن کو حقیر نہ جانے اگرچہ بکری کی کھری کا ٹکڑا ہی ہو ۲؎ (ترمذی)	

۱؎ وحر کے معنی گرمی،تیزی،عدوات،کینہ،غصہ وغیرہ ہیں،یہاں سب معنی بن سکتے ہیں کہ ہدیہ ان سب کو دور کرتاہے۔

۲؎ یعنی اگر تم امیر کبیر ہو اور تمہارا پڑوسی غریب و مسکین اور وہ تمہیں محبت سے کوئی معمولی چیز ہدیہ بھیجے تو اسے نہ حقیر سمجھ کر واپس کردو نہ اسے بے قدری سے رکھو بلکہ شکریہ قبول کرواور اپنی شان کے لائق اسے اچھا بدلہ دو تاکہ اس کا دل بڑھے،اللہ تو غنی ہے مگر ہم فقیروں کے معمولی صدقات کو بخوشی قبول فرماتا ہے اور ان شاءاللہ اپنی شان کے لائق بدلہ دے گا۔

روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ	

	صلی اللہ علیہ وسلم نے تین چیزیں واپس نہ کی جائیں: تکیے،تیل اور دودھ ۱؎(ترمذی)اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے،کہا گیا ہے تیل سے مراد خوشبو ہے ۲؎

۱؎یعنی اگر میزبان اپنے مہمانوں کو آرام کے لیے تکیہ پیش کرے اور سر میں ملنے کے لیے تیل،پینے کے لیے دودھ یا لسّی تو مہمان اسے رد نہ کرے بلکہ بخوشی قبول کرے،عرب شریف میں تیل بھی مہمان کی خاطر پیش ہوتا تھا جیسے بہار میں اب بھی تیل،عطر، پان سے ہر آنے والے کی خاطر کی جاتی ہے۔

۲؎یعنی خوشبو دار تیل مگر حق یہ ہے کہ ہر تیل مراد ہے،خوشبودار ہو یا نہ ہو،حدیث کے مطلق کو اپنے اطلاق پر رکھنا بہتر ہے۔

	روایت ہے حضرت ابو عثمان مہدی سے ۱؎فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کسی کو خوشبو دی جائے تو اسے رد نہ کرے کہ خوشبو جنت سے آئی ہے ۲؎(ترمذی،ارسالًا)

۱؎آپ بصری ہیں،حضور انور کے زمانہ میں اسلام لائے مگر دیدار نہ کرسکے اس لیے تابعی ہیں،ایک سوتیس ۱۳۰ سال عمر ہوئی،ساٹھ سال سے زیادہ کفر میں گزاری،باقی اسلام میں ۹۵ھ میں وفات پائی۔

۲؎حدیث اپنے ظاہر پر ہے،بہت چیزیں دنیا میں جنت سے آئی ہیں جن میں سے ایک خوشبو بھی ہے،اسے رد کرنا رب تعالٰی کی اعلٰی نعمت کی ناقدری ہے،مراد وہ ہی ہے جو پہلے عرض کی گئی کہ خوشبو کا ہدیہ واپس نہ کرو،یہ مطلب نہیں کہ خوشبو کا سودا ردّ نہ کرو ضرور خرید لو جیساکہ عام عطر فروش کہتے ہیں۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ بشیر کی بیوی نے کہا کہ میرے بیٹے کو اپنا غلام دو ۱؎اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میرا گواہ بنالو ۲؎چنانچہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر بولے کہ فلاں کی لڑکی نے مجھ سے مطالبہ کیا ہے کہ میں اس کے لڑکے کو اپنا غلام دے دوں اور کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میرا گواہ بنالو ۳؎ ارشاد ہوا کہ اس کے اور بھی بھائی ہیں بولے ہاں فرمایا کیا تم نے ان سب کو اس جیسا ہی عطیہ کیا ہے جو اسے دے رہے ہو عرض کیا نہیں فرمایا یہ درست نہیں ۴؎اور میں صرف

	حق پر گواہ بنتا ہوں ۵؎(مسلم)

۱؎ بشیر کی بیوی کا نام عمرہ بنت رواحہ ہےاور ان کے بیٹے کا نام جو عمرہ کے بطن سے تھا نعمان ہے جیساکہ ابھی کچھ پہلے گزرا،بشیر کے اور اولاد دوسری بیوی سے تھی۔

۲؎ تاکہ آئندہ کوئی جھگڑا نہ ہو،پہلے عرض کیا گیا کہ یہ حدیث آج کل کی مروجہ رجسٹری کی اصل ہے کہ اہم چیزوں کی بیع کی رجسٹری کرائی جاتی ہے۔

۳؎ معلوم ہواکہ ہر جگہ دو گواہوں کی ضرورت نہیں کبھی ایک گواہ بھی کافی ہوتا ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"**وَشَہِدَ شَاہِدٌ مِّنۡ اَہۡلِہَا**"زلیخا والوں میں سے ایک گواہ نے گواہی دی۔

۴؎ یعنی ان بیوی صاحبہ کا یہ کہنا یا تمہارا صرف ایک بیٹے کو عطیہ دینا یا میرا اس عطیہ پر گواہ بننا بہتر نہیں۔غرضکہ **ھذا** میں چند احتمال ہیں اور **یصلح** بمعنی بہتر و مناسب ہےنہ کہ بمعنی جائز و درست جیساکہ پہلے عرض کیا جاچکا کہ والدین اپنی زندگی میں جس بچہ کو جو چاہیں دیں مگر برابر کرنا بہترہے۔

۵؎ یہ حق باطل کا مقابل نہیں بلکہ غیر مناسب کا مقابل ہے یعنی ہم اس پر گواہ بنتے ہیں جو غیر مناسب یا مکروہ بھی نہ ہو۔

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپ کے پاس نیا پھل لایا جاتا تو اسے آپ اپنی آنکھوں اور لبوں پر رکھتے ۱؎ اور عرض کرتے الٰہی جیسے تو نے ہم کو اس کی ابتداء دکھائی ہم کو اس کی انتہاء بھی دکھا ۲؎ پھر وہ پھل کسی اس بچے کو عطا فرمادیتے جو آپ کے پاس ہوتا ۳؎(بیہقی دعوات کبیر)۴؎

۱؎ یعنی چوم کر آنکھوں سے لگاتے نعمت الٰہیہ کا احترام فرماتے ہوئے جیسے کہ پہلی بارش کے قطرے اپنے منہ و سینہ شریف پر لیتے تھے اس میں رب تعالٰی کی نعمت کی قدر دانی ہے اور اس کا شکریہ۔

۲؎ پھل کی انتہا سے مراد یا تو آخری موسم کے پھل ہیں یعنی ہماری زندگی اتنی دراز فرما کہ ہم بہار کا آخر بھی دیکھ لیں یا جنت کے پھل ہیں کہ دنیا کے پھل وہاں کا نمونہ ہیں،یعنی ہم کو ایمان و تقویٰ نصیب فرما کہ ہم آخرت میں جنت میں جائیں اور وہاں کے پھل دیکھیں اور کھائیں۔(مرقات)

۳؎ چونکہ بچوں کو پھل وغیرہ سے بہت رغبت ہوتی ہے،نیز وہ بھی انسان کا پہلا پھل ہے اس مناسبت سے پہلا پھل پہلے پھلوں کو عطا فرماتے تھے۔اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ اللہ تعالٰی کی نعمت کو چومنا،آنکھوں سے لگانا سنت ہے لہذا قرآن شریف،حدیث شریف،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے تبرکات چومنا سنت سے ثابت ہے،بعض روٹی چو متے ہیں،ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔دوسرے یہ کہ کھانا ہاتھ میں لے کر یا سامنے رکھ کر اللہ کا ذکر یا دعا کرنا سنت ہے لہذا مروجہ ختم فاتحہ بھی جائز،سنت سے ثابت ہے،اس کا ماخذ یہ حدیث بھی ہے۔سرکار عالی قربانی فرما کر جانور سامنے رکھ کر دعا کرتے تھے۔تیسرے یہ کہ ختم شریف کا پھل وغیرہ کھانا،بچوں میں تقسیم کرنا سنت سے ثابت ہے جس کی اصل یہ حدیث

ہے۔چوتھے یہ کہ نئے پھل پر فاتحہ پڑھ کر بچوں میں بانٹ دینا،حضورانور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل شریف سے ثابت ہے جیساکہ آج بزرگوں کا طریقہ ہے۔

۴؎علامہ جزری نے حصن حصین شریف میں یوں روایت فرمائی کہ جب حضور انور پہلا پھل ملاحظہ فرماتے توفرماتے "اللّٰھم بارك لنا فی ثمرنا وبارك لنا فی مناتبنا وبارك لنا فی صاعنا وبارك لنا فی مدنا"اور جب آپ کی خدمت میں وہ پھل لایا جاتا تو کسی بچہ کو عطا فرمادیتے۔(مسلم،ترمذی،نسائی،ابن ماجہ،عن ابی ہریرۃ از مرقات)

باب اللقطة

پائی ہوئی چیز کا باب ا

الفصل الاول

پہلی فصل

ا؎ لقط اور التقاط پڑی چیز کا اٹھالینااور لقط لام کے پیش قاف کے سکون سے پڑی ہوئی چیز اٹھائی جائے،بعض نے فرمایا لُقَطه لام کے پیش قاف کے فتح سے اٹھانے والے لوگ،جیسےھمزہ اور لمزہ،جمع ھامزاور لامز کی ایسے ہی لقط جمع لاقط کی۔

	روایت ہے حضرت زید ابن خالد سے ۱؎فرماتے ہیں ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ سے لقطہ کے بارے میں پوچھا فرمایا اس کے برتن اس کے بندھن کا اعلان کرو ۲؎پھر ایک سال تک مشہور کرتے رہو۳؎ پھر اگر اس کا مالک آجائے فبہا ورنہ تم اس سے نفع لو عرض کیا۴؎گمی ہوئی بکری فرمایا وہ یا تیری ہے یا تیرے بھائی کی یا بھیڑیے کی ۵؎عرض کیا گما ہوا اونٹ فرمایا تمہیں اس سے کیا اس کے ساتھ اس کی مشک اس کا بچاؤ ہےپانی پر جائے گا درخت کھائے گا حتی کہ اسے مالک پالے گا ۶؎(بخاری)مسلم کی روایت میں یوں ہے کہ فرمایا اسے مشہور کرو ایک سال پھر اس کا بندھن اس کا برتن مشہور کرو پھر اس کو خود خرچ کرلو ۷؎پھر اگر اس کا مالک آئے تو اسے ادا کردو ۸؎

۱؎آپ مشہور صحابی ہیں،پچھتّر ۷۵سال عمر پائی، ۷۸ھ میں کوفہ میں وفات پائی،امیر معاویہ یا عبدالملک کے زمانہ میں،آخری بات صحیح ہے کیونکہ امیر معاویہ ۶۰ھ میں وفات پاچکے تھے۔(ازاشعہ)

۲؎یعنی یہ کہو کہ جس کی یہ چیز ہو وہ اس کا تھیلہ برتن اور بندھن مال کی تعداد وغیرہ بیان کرے اور ہم سے لے لے، یہ مطلب نہیں کہ تم خود ہی بتادو کہ اس مال کی مقدار یہ ہے برتن وغیرہ ایسا کہ اس صورت میں تو جھوٹے لوگ دعویٰ کریں گے کہ ہمارا مال ہے۔(مرقات واشعہ)

۳؎یہ اعلان مساجد اور بازاروں مجمعوں میں وقتًا فوقتًا کیا جائے روزانہ مسلسل کرنا واجب نہیں،امام محمد و شافعی و احمد کے نزدیک ہر قسم کے لقطہ کا اعلان ایک سال کرےان کی دلیل یہ حدیث ہے،امام اعظم و مالک کے ہاں معمولی لقطہ کا اعلان کچھ روز

کرے،درمیانی کا ایک سال،اعلیٰ قیمتی چیز کا تین سال،یہ فرمان عالی درمیان کے لیے ہے،ورنہ حضرت ابی ابن کعب کو تین سال اعلان کا حکم دیا گیا کہ وہاں لقطہ بہت قیمتی تھا لہذا مذہب احناف قوی ہے۔

۴؎جو شخص لقطہ کا برتن بندھن مال کی مقدار دیگر علامات درست بیان کردے تو امام مالک و احمد کے ہاں اسے دے دینا واجب ہے مگر امام اعظم و شافعی کے ہاں اگر پانے والے کا دل گواہی دے کہ یہ سچا ہے تو دے دے،ورنہ اس مدعی سے گواہ طلب کرے گواہی لے کر دے کہ ہوسکتا ہے اس شخص نے مالک مال سے یہ اوصاف سنے ہوں اور سن کر بیان کررہا ہو اگر لقطہ پانے والا فقیر ہو تو بعد مایوسی خود استعمال کرے ورنہ خیرات کردےلیکن اگر بعد میں مالک مل گیا تو اسے چیز کی قیمت دینا ہوگی۔بعض کے نزدیک غنی بھی استعمال کرسکتا ہے۔

۵؎یعنی گمی بکری ضرور پکڑلوورنہ بھیڑیا کھائے گا نہ تمہیں ملے گی نہ مالک کو۔

۶؎خلاصہ یہ ہےگم شدہ اونٹ نہ پکڑو کہ اس کے ضائع ہونے کا خطرہ نہیں،پانی کا تھیلہ اس کے پیٹ میں ہے۔پاؤں اس کے مضبوط ہیں،درندے سے بھاگ کر جان بچاسکتا ہے،لمبا سفر طے کرسکتا ہے۔علماء فرماتے ہیں کہ جنگل میں گمے ہوئے اونٹ کو نہ پکڑےلیکن بستی میں گمے ہوئے کوپکڑے کہ وہاں اسے لوگ چرالیں گےاور اب تو جنگل و بستی میں جہاں بھی چوری کا خطرہ ہو پکڑے،یہ حکم عرب کے لیے تھاجہاں چوری بالکل ختم ہوچکی تھی۔(ازمرقات)

۷؎بعض شارحین نے فرمایا کہ یہاں ثم محض عطف کے لیے ہے جیسے رب تعالٰی فرماتاہے:"ثُمَّ اٰتَیۡنَا مُوۡسَی الْکِتٰبَ"لہذا دو سال تک مشہور کرنا ضروری ہے۔خلاصہ یہ ہے کہ ثم اعرف الخ پہلے جملہ عَرِّفْھَاسَنَةً کا بیان ہے اور بعض شارحین فرماتے ہیں کہ ثُمَّ ترتیب کے لیے ہے۔لقطہ پانے والے کو مناسب یہ ہے کہ پہلے ایک سال تک مشہور کرے،پھر جب اپنے استعمال میں لانے لگے پھر اعلان کرے،یہاں بیان استحباب کے لیے ہے۔

۸؎خرچ کرنے کا حکم اباحت کے لیے ہے اور فادّھا وجوب کے لیےیعنی ایک سال گزرنے پر تمہیں لقطہ خود خرچ کرلینا جائز ہے،پھر اگر خرچ کرلینے کے بعد مالک لے تو اس کی مثل یا قیمت مالک کو ادا کرنا ضروری ہےاور اگر خیرات کردیاپھر بعد کو مالک آیاتو اسے اختیار ہے جو لقطہ پانے والے سے قیمت لے یا فقیر سے جسے خیرات دی گئی۔(مرقات)

روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے جو گمی چیز کو اپنے پاس جگہ دے ۱؎وہ گمراہ ہے جب تک کہ اس کا اعلان نہ کرے ۲؎(مسلم)	

۱؎ غالب یہ ہے کہ گمی چیز سے مراد گما ہوا جانور ہے کیونکہ ضال اکثر جاندار گمے ہوئے کو کہا جاتا ہے اور لقطہ عام ہے،جان دار بیجان گمشدہ سب کو لقطہ کہتے ہیں مگر اکثر بے جان چیز پر بولا جاتاہے۔(مرقات)

۲؎یعنی جو گمشدہ چیز اٹھاکر اعلان نہ کرے وہ بدنیت اور خائن ہے بہتر ہے کہ اٹھاتے وقت ہی اعلان کردے کہ میں یہ چیز مالک تک پہنچانے کے لیے اٹھا رہا ہوں،پھر چیز کا اعلان شروع کرے کہ اس میں اپنے کو تہمت سے بچانا ہے۔

روایت ہے حضرت عبدالرحمان ابن عثمان تیمی سے ۱؎کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاجیوں کے لقطہ سے منع فرمایا	

	۲؎(مسلم)

۱؎ آپ حضرت طلحہ ابن عبید اللہ کے بھتیجے ہیں،صحابی ہیں اور عبداللہ ابن زبیر کے ساتھ ایمان لائے مگر آپ نے براہ راست حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی روایت نہ کی لہذا یہ حدیث مرسل صحابی ہے کہ کسی سننے والے صحابی کا نام رہ گیا ہے۔خیال رہے کہ مرسل صحابی تمام کے نزدیک حجت ہے،غیر صحابی کے مرسل میں اختلاف ہے،ہمارے احناف کے ہاں مقبول ہے امام شافعی کے ہاں غیر مقبول۔(مرقات)

۲؎ اس جملہ کے کئی معنی ہوسکتے ہیں:ایک یہ کہ حاجی کی گمی چیز کے مالک کبھی نہ ہو بلکہ اس تک پہنچا ہی دو۔دوسرے یہ کہ زمانہ حج میں حجاج کی گری چیز نہ اٹھاؤ بلکہ جہاں چیز پڑی ہو وہاں ہی اعلان کرو کیونکہ بعد میں اعلان کرنا مفید نہیں کہ حجاج بہت جلد متفرق ہوجاتے ہیں۔تیسرے یہ کہ حرم شریف میں حجاج کے لقطے کے مالک کبھی نہ ہواسے ہمیشہ امانت رہنے دو،جب کبھی حاجی آئے دے دو ورنہ پڑی رہے،یہ تیسرا قول امام شافعی کا ہے،ہمارے ہاں حرم وغیرہ کے لقطہ میں کوئی فرق نہیں اب امام شافعی کے ہاں بھی حرم کا لقطہ ضرور اٹھایا جائے اور مالک نہ ملنے پر خیرات کردیا جائے کہ اب حرم شریف میں بھی چوریاں ہونے لگیں اگر نہ اٹھایا گیا تو چوری ہوجائیگا۔(مرقات)

الفصل الثانی

دوسری فصل

	روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے ۱؎ وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ آپ سے لٹکے ہوئے پھل کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا جو ضرورت مند ان میں سے کچھ لے لے کہ اسے ذخیرہ نہ کرے تو اس پر حرج نہیں ۲؎ اور جو ان میں سے کچھ لے کر نکل جائے اس پر ڈبل تاوان بھی ہے اور سزا بھی ۳؎ اور جو ان میں سے خرمن میں پہنچنے کے بعد چرالے پھر وہ ڈھال کی قیمت کو پہنچ جائے تو اس پر ہاتھ کٹنا ہے ۴؎ اور گمے ہوئے اونٹ اور بکری کے بارے میں وہ ہی ذکر کیا جو دوسروں نے بیان کیا ۵؎ اور آپ سے لقطہ کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا جو آباد راستہ اور بڑی بستی میں ملے تو ایک سال تک اس کا اعلان کرو ۶؎ اگر اس کا مالک آجائے تو اسے دے دو اور اگر نہ آئے تو وہ تمہاری ہے ۷؎ اور جو پرانے ویرانے میں ہو تو اس میں اور دفینہ میں پانچواں حصہ ہے ۸؎ (نسائی)اور ابوداؤد نے انہی عمرو ابن شعیب سے روایت یہاں سے آخر

تک کی وسئل عن اللقطۃ۔	

۱؎ عمرو بن شعیب کے دادا کا نام عبداللہ عمرو ابن عاص ہے، یہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ عمرو ابن شعیب کی تمام روایات میں تدلیس ہے خبر نہیں کہ جدّہٖ کی ضمیر کدھر لوٹتی ہے عمرو کی طرف یا ابیہ کی طرف اسلئے ان کی احادیث سے مسائل شرعیہ بغیر تائید دوسری حدیث ثابت نہیں ہوتے۔

۲؎ اسکی شرح باب الغصب میں گزر گئی کہ بھوکا آدمی جو بُھوک سے مر رہا ہو وہ مالک باغ سے بغیر پوچھے پھل توڑ کر بقدر ضرورت کھاسکتا ہے اور پیسہ ملنے پر اس کی قیمت ادا کردے لہذا لاشیئ سے مراد لا اثم ہے یعنی اس پر گناہ نہیں کہ ایسی مجبوری کی حالت میں مردار کھانا بھی درست ہے، رب تعالٰی فرماتا ہے: "فَمَنِ اضۡطُرَّ فِیۡ مَخۡمَصَۃٍ"۔

۳؎ یعنی جو شخص یہ پھل لیکر باغ سے نکلے وہ خائن غاصب ہے،اس پر دو سزائیں ہیں: ڈبل قیمت، قاضی جو چاہے سزا دے۔امام احمد کے ہاں اسی پر عمل ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اپنے زمانہ خلافت میں یہ ہی حکم دیتے تھے، ہمارے ہاں یہ حدیث منسوخ ہے اول اسلام میں تھی کیونکہ مالی جرمانہ اب حرام ہوگیا، رب تعالٰی فرماتا ہے: "لَا تَاۡکُلُوۡۤا اَمۡوٰلَکُمۡ بَیۡنَکُمۡ بِالۡبٰطِلِ" ایک دوسرے کے مال ناجائز طریقوں سے کھاؤ اور جرمانہ بھی ناجائز طریقہ ہی ہے کہ ناحق کسی کا مال لینا حرام ہے۔

۴؎ چونکہ اس زمانہ میں مدینہ منورہ کے باغات دیواروں سے گھرے ہوئے نہ تھے ویسے ہی کُھلے تھے اس لیے درخت سے پھل توڑنے کو چوری قرار نہ دیا کیونکہ غیر محفوظ مال کا لینا چوری نہیں بلکہ جب پھل خرمن میں پہنچ کر محفوظ ہوجائیں انہیں لینے کا نام چوری ہوا، اگر باغ کے آس پاس چہار دیواری ہو تو پھل توڑنا بھی چوری ہوگا۔ ڈھال کی قیمت احناف کے ہاں دس درہم یعنی پونے تین روپے ہے اس سے کم قیمت مال کی چوری پر ہاتھ نہ کٹے گا۔ دوسرے اماموں کے ہاں اس سے کم پر بھی کٹے گا۔اس کی تحقیق ان شاءاللہ کتاب الحدود میں ہوگی۔

۵؎ یعنی عمرو ابن شعیب کے دادا نے بھی اونٹ و بکری کے لقطہ کے متعلق وہ ہی حدیث بیان کی جو دوسرے راویوں نے کی ہے یعنی گمی بکری کو پکڑلو گما اونٹ نہ پکڑو۔

۶؎ میتاء اتو یا ابتان سے ہے، اصل میں مئتا ہمزہ سے تھا، ہمزہ ی ہوگیا یعنی کثرت سے آنے جانے کا راستہ، چوراہے کو بھی میتاء کہتے ہیں اور جادہ یعنی شاہراہ کو بھی۔

۷؎ خلاصہ یہ ہے کہ عام آبادی اور عام راستہ کی پڑی چیز لقطہ ہے کہ غالبًا کسی مسلمان کی ہے اس پر لقطے کے احکام جاری ہوں گے۔

۸؎ یعنی پرانا غیر آباد راستہ یا پرانی غیر آباد بستی جو کسی مسلمان کی ملک نہ ہو اور وہاں اسلامی آبادی نہ رہی ہو وہاں کی پڑی چیز۔ غالب یہ ہے کہ پرانے زمانے کے کفار کی ہے تو یہ دفینہ کے حکم میں ہے اور اس پر دفینہ کے احکام جاری ہوں گے کہ پانچواں حصہ حکومت اسلامیہ کا باقی پانے والے کا۔

روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے کہ جناب علی ابن ابی طالب نے ایک اشرفی پڑی پائی تو اسے حضرت فاطمہ کے پاس لائے پھر اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ اللہ کا دیا رزق ہے ۱؎ چنانچہ اس میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کھایا اور حضرت علی و فاطمہ زہرا نے بھی کھایا ۲؎ پھر جب کچھ عرصہ گزرا تو ایک عورت اشرفی ڈھونڈتی آئی تب	

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے علی اشرفی ادا کردو ۳؎(ابوداؤد)	

۱؎لہذا تم اپنے خرچ میں لاؤ۔اس حدیث کی بنا پر بعض علماء نے فرمایا کہ تھوڑے لقطہ کا اعلان کرنا واجب نہیں کیونکہ حضرت علی کو حضور انور نے فورًا خرچ کرلینے کی اجازت دے دی،اعلان کا حکم نہ دیا۔فَاَتٰی اورفَسَاَلَ سے معلوم ہوا کہ لقطہ پاتے ہی بغیر تاخیر خرچ کرلینے کی اجازت دے دی مگر اس استدلال میں دو طرح گفتگو ہے: ایک یہ کہ دینار تھوڑا مال نہیں بلکہ مال کثیر ہے۔دوسرے یہ کہ ف کبھی تراخی پر بھی استعمال ہوتی ہے لہذا کہا جاتا ہے نَکَحتُ فَوُلِدَ میں نے نکاح کیا تواللہ نے مجھے بچہ دیا،دیکھو بچہ نکاح سے نو ماہ بعد ہوتا ہے مگر یہاں ف بولا گیا،رب تعالٰی فرماتاہے:"اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً"اللہ تعالٰی آسمان سے پانی اتارتا ہے تو زمین ہری بھری ہوجاتی ہے،دیکھو بارش کے کچھ عرصہ بعد زمین ہری بھری ہوتی ہے نہ کہ فورًا مگر یہاں ف ارشاد ہوا۔معلوم ہوا کہ ف کبھی تراخی کے لیے بھی آجاتی ہےایسے ہی یہاں حضرت علی کو اعلان وغیرہ کے بعد لقطہ استعمال کرنے کی اجازت دی گئی لہذا حق یہی ہے کہ لقطہ کا اعلان ضروری ہے۔

۲؎اس سے معلوم ہوا کہ لقطہ وہ بھی کھاسکتا ہے جو صدقہ نہیں کھا سکتا یعنی بنی ہاشم۔بعض حضرات نے اس حدیث کی بنا پر فرمایا کہ لقطہ غنی بھی کھاسکتا ہے،دیکھو حضرت علی بھی غنی تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو غنی گر مگر ان دونوں بزرگوں نے لقطہ کھایا لیکن یہ استدلال ضعیف ہے کیونکہ لقطے کے بارے میں غنی سے مراد وہ ہے جو چاندی سونے وغیرہ کا صاحب نصاب ہو،یہ غنا یعنی چاندی سونے کا اجتماع ان دونوں گھروں میں اس وقت تو کیا کبھی بھی نہ ہوا۔حضرت علی مرتضٰی نے اپنے زمانہ خلافت میں اپنی تلوار گروی رکھی اور فرمایا کہ اگر میرے گھر میں ایک وقت کا بھی کھانا ہوتا تو میں تلوار کبھی گروی نہ رکھتا،یہ حضرات انسانی لباس میں فرشتے تھے۔شعر

شیر نر در پوستین برہ　　　　آفتابے در لباس ذرہ

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دنیا سے پردہ فرمایا تو آپ کی زرہ گروی تھی۔شعر

سلام اس پر کہ جس کے گھرمیں چاندی تھی نہ سونا تھا
سلام اس پر کہ ٹوٹا بوریا جس کا بچھونا تھا

لہذا یہ حدیث احناف کے خلاف نہیں،حق یہی ہے کہ غنی لقطہ نہیں کھاسکتا۔(ازمرقات)

۳؎غالبًا اس عورت کی صداقت وحی یا دیگر دلائل سے معلوم ہوگئی ہوگی،ورنہ بغیر تحقیقات کسی کو لقطہ کا مالک نہیں مانا جاتا جیساکہ گزشتہ احادیث سے معلوم ہوا لہذا یہ حدیث نہ گزشتہ احادیث کے خلاف ہے نہ حکم فقہی کے مخالف۔

روایت ہے حضرت جارود سے ۱؎فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان کی گم شدہ چیز آگ کی چنگاری ہے ۲؎(دارمی)۳؎	

۱؎آپ کا نام جارود ابن معلٰی ہے، ۹ھ میں وفد عبدالقیس کے ساتھ آپ حاضر بارگاہ ہوئے،پھر اولًا بصرہ میں بعد میں فارس میں مقیم رہے،بزمانہ فاروق ۲۱ھ میں وفات پائی۔(اشعہ)

۲؎ یعنی جو مسلمان کی گمی چیز بدنیتی سے اٹھائے کہ مالک کو پہنچانے کاارادہ نہ ہو خیانت کی نیت ہو وہ دوزخی ہے اگرچہ ذمی کافر کا لقطہ بھی کھانا جائز نہیں مگر مسلمان کے لقطہ میں ڈبل عذاب ہے اس لیے خصوصیت سے اس کا ذکر ہوا۔
۳؎ یہ حدیث،احمد،ترمذی،نسائی،ابن حبان نے انہی جارود سے بروایت عبداللہ ابن شخیر نقل کی اور طبرانی نے عصمہ ابن مالک سے۔

	روایت ہے حضرت عیاض ابن حمار سے ۱؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو پڑی چیز پائے تو ایک یا دو عادلوں کو گواہ بنائے ۲؎ نہ اسے چھپائے نہ غائب کرے ۳؎ پھر اگر اس کا مالک ملے تو اسے لوٹا دے ورنہ وہ اللہ کا مال ہے جسے چاہے دے ۴؎ (احمد) (ابوداؤد،دارمی)

۱؎ آپ عیاض ابن حمار ابن ناجیہ ابن عقال ہیں،تمیمی نجاشی ہیں،بصرہ کے رہنے والے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے پرانے محبوب ساتھی تھے جو ہمیشہ حضور کو خوش کیا کرتے تھے،آپ سے خواجہ حسن بصری وغیرہ نے روایات لیں۔
۲؎ یعنی اٹھاتے وقت ہی کہہ دے کہ گواہ رہنا میں یہ چیز اس لیے اٹھا رہا ہوں کہ مالک کو پہنچادوں یہ حکم استحبابی ہے،بعض کے نزدیک وجوبی،اس میں بڑی حکمتیں ہیں۔اس اعلان کے بعد نفس میں خیانت کا خیال نہ پیدا ہوگا،اگر یہ اچانک فوت ہوجائیں تواس کے ورثاء اسے میراث نہ بناسکیں گے،مالک کچھ زیادتی کمی کا دعوی نہ کرسکے گا کہ میری چیز زیادہ تھی یا اچھی تھی تم نے کم یا خراب کردی۔(لمعات)
۳؎ یعنی نہ تو اٹھاتے وقت ہی جیب میں ڈالنے کی کوشش کرے اور نہ اس کے بعد اسے لاپتہ کردے،بعض نے فرمایا کہ کتم سے مراد لقطہ کا چھپانا اور غائب کرنے سے مراد ہے ملے ہوئے جانور کو بدنیتی سے اور جگہ بھیج دینا۔
۴؎ یعنی اگر تلاش کرنے پر بھی مالک نہ ملے تو سمجھ لے کہ یہ روزی مجھے رب نے دی ہے۔غریب ہو تو استعمال کرے امیر ہو تو خیرات کردے۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو لاٹھی،کوڑا،رسی اور ان جیسی چیزوں میں اجازت دی کہ کوئی پڑی ہوئی اٹھالے اس سے نفع اٹھائے ۱؎ (ابوداؤد)اور حضرت مقدام ابن معدیکرب کی حدیث کہ الا لا یحل باب الاعتصام میں ذکر کردی گئی ہے۔

۱؎ اس حدیث کی بنا پر علماء فرماتے ہیں کہ معمولی حقیر چیز جو پڑی ہوئی مل جائیں اور مالک انکی پرواہ بھی نہ کرتے ہوں اسے بغیر اعلان بھی استعمال کرنا جائز ہے۔ایک بار حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کھجور پڑی ہوئی دیکھی تو فرمایا کہ اگر اس کے صدقہ ہونے کا اندیشہ نہ ہوتا تو ہم کھالیتے،کھیت اٹھاتے وقت بالیاں رہ جاتی ہیں یا گر جاتی ہیں ایسے ہی ترکاریاں،ایک آدھ گرا ہوا پھل وغیرہ جس کو مالک تلاش بھی نہیں کرتا یہ سب اسی میں داخل ہیں،لیکن اگر بعد میں ان چیزوں کا مالک آکر

مطالبہ کرے تو اسے قیمت یا مثل دینا پڑے گا۔حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ لقطہ کو پانے کا خوب استعمال کرتا رہےاور جب مالک مل جائے تو خراب کیا ہوا لقطہ اسے دیدے کہ یہ تو سخت ممنوع ہے۔لقطہ امانت ہوتا ہے اور امانت کا استعمال جائز نہیں۔

باب الفرائض

باب میراث کے حصّے۱

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎فرائض فریضه کی جمع ہے جو فرض سے بنا بمعنی قطع و کاٹنا،اصطلاح میں میت کے متروکہ مال کے معین حصہ کو فریضہ کہتے ہیں کہ وہ بھی مال سے کاٹ کردیا جاتا ہے۔مسائل میراث کے علم کو علم الفرائض کہتے ہیں،اور میراث جاننے والے کو بھی فرضی یا فارض کہتے ہیں۔حدیث شریف میں افرضکم زید تم میں زیادہ علم میراث جاننے والے حضرت زید ابن ثابت ہیں۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا میں مسلمانوں کا ان کی جانوں سے زیادہ والی ہوں۱؎جو مرجائے اور اس پر قرض ہوجس کی اداکا ذریعہ نہ چھوڑے اس کی ادائیگی مجھ پر ہے۲؎اورجو مال چھوڑے تو وہ اس کے وارثوں کا ہے۳؎اور ایک روایت میں یوں ہے کہ جو قرض یا بال بچے چھوڑے تو میرے پاس آئے ۴؎تو میں اس کا والی ہوں ایک روایت میں یوں ہے کہ جو مال چھوڑے تو اس کے وارثوں کا ہے اور جو بوجھ چھوڑ دے وہ ہمارے ذمہ ہے۵؎(مسلم،بخاری)

۱؎اس فرمان عالی میں اس آیت کریمہ کی طرف اشارہ ہے"اَلنَّبِیُّ اَوۡلٰی بِالْمُؤْمِنِیۡنَ مِنْ اَنۡفُسِہِمْ"اور اولی کے معنی ہیں زیادہ قریب،زیادہ والی وارث،زیادہ خیرخواہ،زیادہ مالک،یہاں شیخ نے اولیٰ کے معنی زیادہ خیر خواہ کئے یعنی جس قدر مسلمان اپنے خیرخواہ ہیں اس سے زیادہ میں ان کا خیرخواہ ہوں،میں نہیں چاہتا کہ میرا کوئی امتی بعد موت قرض میں گرفتار رہے۔

۲؎یعنی سارے مقروض نادار مسلمانوں کا قرض ان کی موت کے بعد ہم ادا کریں گےخواہ مدینہ کے مسلمان ہوں یا کسی اور جگہ کے تاکہ میری امت بارگاہ الٰہی میں گرفتار نہ رہے۔

۳؎یعنی اگر مال چھوڑے اور اس پر قرض نہ ہوتو مال وارثوں اور اگر قرض بھی ہو تو ادائے قرض کے بعد سب مال وارثوں کا لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ قرض کا ذکر کیوں نہ فرمایا،میراث بعد ادائے قرض تقسیم ہوتی ہے کیونکہ قرض کا ذکر تو پہلے ہوچکا۔

۴؎ میت کا وصی یا اس کا وکیل میت کے بال بچوں کی ہم کو خبر دے ہم قرض ادا فرمائیں گے اس کے بال بچوں کو پالیں گے۔ضیاع جمع ضائع کی ہے جیسے جائع کی جمع جیاع،ضائع کے معنی ہیں برباد ہوجانے والی چیز جس کے برباد ہونے کا خطرہ ہو جیسے چھوٹے بچے یا بیوہ عورت جو دوسرا نکاح نہ کرسکے ان سب کو حضور پالتے ہیں،بیوگان اور یتیموں کے والی وارث حضور ہی تھے اور ہیں۔

۵؎ کلّ یعنی بوجھ سے مراد قرض اور چھوٹے بچے بیوہ بیوی ہے اس کی شرح پہلی حدیث میں گزری،رب تعالٰی فرماتاہے:"بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ"حضور انور مسلمانوں پر بڑے مہربان رحمت والے ہیں،یہ اس ہی کی رحمت کا ظہور ہے۔خیال رہے کہ حضور انور کی رحمت عامہ تمام جہاں پر ہے،اس لحاظ سے فرمایا کیا رحمۃ للعالمین اور رحمت خاصہ صرف مسلمانوں پر ہے اس لحاظ سے ارشاد ہوا"بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ"۔

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مقرر شدہ میراثی حصے ان کے حقداروں کو دو پھر جو بچ رہے وہ قریب ترین مرد کو دو ۱؎(مسلم،بخاری)

۱؎ یعنی تقسیم میراث میں پہلے تو ذی فرض وارثوں کو ان کے مقررکردہ حصے دو،یہ حضرات کل بارہ ہیں:چار مرد،آٹھ عورتیں،ان کے حصوں سے جو باقی بچے وہ عصبہ بنفسہ کو دو خواہ بالغ ہوں یا نابالغ۔عصبہ بنفسہ وہ مرد ہے جس کا رشتہ میت سے بغیر عورت کے واسطے کے ہوں جیسے بیٹا،باپ،بھائی وغیرہ۔تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ میراث اوّلًا ذی فرض کو دی جائے،ان سے بچے تو عصبات میں تقسیم ہو،اولٰی بمعنی اقرب ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ قریبی وارث کے ہوتے ہوئے دور والے وارث کو میراث نہ ملے گی لہذا باپ کے ہوتے دادا محروم ہے،بیٹے کے ہوتے پوتا محروم،بھائی کے ہوتے بھتیجہ محروم،چچا کے ہوتے چچا زاد اولاد محروم،یہ شریعت کا قاعدہ کلیہ ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"مِمَّا تَرَكَ الْوٰلِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ"۔اس کے مال سے حصے بانٹو جو ماں باپ یا قریب ترین رشتہ داروں نے چھوڑاہے۔اقربون اسم تفضیل ہے۔معلوم ہوا کہ قریبی کے ہوتے بعید کا رشتہ دار محروم ہے،آج بعض جہلانے یہ شوشہ چھوڑا ہے کہ بیٹے کے ہوتے پوتے کو بھی میراث دو مگر وہ یہ نہیں کہتے کہ باپ کے ہوتے دادا وارث ہو،بیٹی کے ہوتے یتیم نواسہ وارث ہواور بھائی چچا کے ہوتے ان کی یتیم اولاد بھی وارث ہو،یہ حضرات کہتے ہیں کہ مِمَّا تَرَكَ الْوٰلِدٰنِ میں ماں باپ دادا دادی سب شامل ہیں مگر تعجب ہے کہ نانا،نانی کو اس میں شامل نہیں کرتے،غرضکہ مسئلہ آج تک کسی زمانہ میں کسی مسلمان نے نہ کہا،اب چودہ سو برس کے بعد ان کو سوجھا۔

	روایت ہے حضرت اسامہ ابن زید سے فرماتے ہیں فرمایارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہ مسلمان کافر کا وارث نہ کافر مسلمان کا ۱؎(مسلم،بخاری)

۱؎یعنی کفرو اسلام کا فرق میراث سے مانع ہے لہذا مؤمن باپ کی میراث کافر بیٹا نہ پائے گا اور کافر بیٹے کی میراث سے مؤمن باپ کو کچھ نہ ملے گا مگر کفر ایک ہی ملت ہے لہذا یہودی باپ کی میراث عیسائی بیٹے کو مل جائے گی۔سعید ابن مسیب،امیر معاویہ،معاذ بن جبل وغیرہم فرماتے ہیں کہ مؤمن وارث تو کافر کی میراث حاصل کرے گا مگر کافر وارث مؤمن کی میراث نہ پائے گا،الاسلام یعلو ولا یعلی مگر جمہور صحابہ و فقہاء کا قول ہے جو ہم نے عرض کیا کہ دو طرفہ میراث نہ ملے گی،مرتد کسی کا وارث نہیں،ہمارے ہاں زمانہ ارتداد کی کمائی بیت المال کی ہے اور زمانہ اسلام کی کمائی وارثوں کی،امام شافعی کے ہاں مرتد کسی کا وارث نہیں۔

روایت ہے حضرت انس سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا قوم کا آزاد کردہ غلام ان ہی سے ہے ۱؎(بخاری)	

۱؎یعنی آزاد کردہ غلام بھی عصبہ سببی ہونے کی وجہ سے وارث ہے کہ اگر اوپر کے وارث نہ ہوں تو اسے میراث ملے گی۔

روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قوم کا بھانجہ ان ہی سے ہے ۱؎ (مسلم،بخاری)اور حضرت عائشہ کی حدیث "انما الولاء" باب السلم سے پہلے والے باب میں ذکر کردی گئی اور حضرت براء کی حدیث کہ خالہ ماں کے درجے میں ہے ان شاءاللہ بچے کے بلوغ اور ان کی پرورش کے باب میں ذکر کی جائے گی ۲؎	

۱؎یعنی بھانجہ بھی ذی رحم ہونے کی وجہ سے وارث ہے کہ اگر ذی فرض و عصبہ وارث نہ ہو تو اسے میراث مل سکتی ہے،یہ ہی قول امام اعظم و احمد کا ہے،دوسرے اماموں کے ہاں ذی رحم وارث نہیں،یہ حدیث امام اعظم کی دلیل ہے۔خیال رہے کہ ذی رحم دس قسم کے ہیں:(۱)نواسے(۲)بھانجے(۳) بھتیجی(۴)چچا کی بیٹی(۵)پھوپھی کی بیٹی (۶)ماموں(۷)خالہ(۸)نانا(۹)ماں کا چچا(۱۰)پھوپھی،اخیافی بھائی کی اولاد۔(مرقات)پوری تفصیل ہماری کتاب"علم المیراث"میں ملاحظہ فرمایئے۔

۲؎یعنی یہ دو حدیثیں مصابیح میں یہاں تھیں ہم نے مناسبت کی وجہ سے ان مقامات میں درج کیں۔

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دو مختلف دین والے ایک دوسرے کے وارث نہیں ۱؎(ابوداؤد،ابن ماجہ اور ترمذی نے حضرت جابر سے روایت کی)	

۱؎ شتّٰی شتیت سے بنا بمعنی متفرق،حق یہ ہے کہ شتّٰی ملّتین کی صفت ہے نہ کہ اھل کی۔مختلف دین سے مراد کفر و اسلام ہے اس کی شرح ابھی گزری ہوئی پہلی حدیث ہے جس میں ارشاد ہوا کہ کافر مؤمن کا وارث نہیں،یہ امام اعظم کا قول ہے مگر امام شافعی کے ہاں یہ حدیث بالکل ظاہر پر ہے،وہ اس حدیث کی بنا پر فرماتے ہیں کہ یہودی عیسائی کا وارث نہیں اور عیسائی یہودی کا وارث نہیں،یوں ہی مشرک مجوسی اور مجوسی مشرک کا وارث نہیں،بعض علماء نے فرمایا کہ اہل کتاب تو ایک دوسرے کے وارث ہیں مگر مشرک مجوسی اوراہل کتاب ایک دوسرے کے وارث نہیں لہذا عیسائی،یہودی کی میراث مجوسی یا بت پرست نہیں پائے گا،وہ حضرات ملتین کے معنی آسمانی اور غیر آسمانی دین کرتے ہیں مگر مذہب احناف قوی ہے،اولًا تو اس لیے کہ اس حدیث کی شرح خود حضور انور نے فرمادی کہ کافر مؤمن کا اور مؤمن کافر کا وارث نہیں،خود صاحب حدیث کی شرح دوسری شرحوں سے اعلٰی ہے۔دوسرے یہ کہ حضور نے فرمادیا الکفر ملّة واحدة کفر ایک ہی دین ہے،تو دنیا میں دو ہی دین ہوئے کفر یا اسلام،انہیں ملّتین فرمانا بالکل درست ہوا۔خیال رہے کہ مانعِ میراث چار چیزیں ہیں:اختلاف دین،اختلاف ملک(مگر کفار کے لیے)قتل عبدیت۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قاتل وارث نہیں ہوتا ۱؎ (ترمذی،ابن ماجہ)	

۱؎ یعنی اگر کوئی رشتہ دار اپنے عزیز کو قتل کردے تو قاتل اس عزیز کی میراث نہ پائے گا مگر اس قتل میں کچھ شرطیں ہیں:ایک یہ کہ قاتل عاقل بالغ ہو،بچہ یا مجنون دیوانگی میں قتل کردے تو وارث ہے۔دوسرے یہ کہ قتل ظلمًا ہو اپنی جان بچانے کے لیے یا قصاصًا یا حسدًا قتل کیا تو میراث سے محروم نہیں۔تیسرے یہ کہ قتل موجب قصاص یا کفارہ ہو،اگر ایسا قتل ہے جس میں نہ قصاص ہے نہ کفارہ تو وہ میراث سے محروم نہ کرے گا۔اس کی تفصیل ہماری کتاب "علم المیراث"میں ملاحظہ فرمایئے۔(از مرقات)

روایت ہے حضرت بریدہ سے ۱؎ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دادی کے لیے چھٹا حصہ مقرر فرمایاجب کہ اس کے اوپر ماں موجود نہ ہو ۲؎(ابوداؤد)	

۱؎ آپ بریدہ ابن حُصَیب اسلمی ہیں،غزوہ بدر سے پہلے اسلام لائے مگر بدر میں شریک نہ ہوسکے،بیعۃ الرضوان میں شریک تھے،مدینہ منورہ میں رہے،آخر میں بصرہ میں قیام رہا،پھر جہاد کرتے ہوئے خراسان پہنچے،وہاں ہی یزید ابن معاویہ کے زمانہ میں ۶۲ھ مقام مرو میں وفات پائی،آپ سے بہت صحابہ نے روایات لی ہیں۔(مرقات)

۲؎ یعنی دادی،نانی کی میراث چھٹا حصہ ہے لیکن اگر میت کی ماں موجود ہے تو دادی بھی محروم اور نانی بھی کیونکہ ان دونوں کے لیے حاجب ہے۔حجب اور منع میں فرق یہ ہے کہ کسی عزیز کا دوسرے عزیز کو محروم کردینا حجب حرمان کہلاتا ہے اور اس کا حصہ کم کردینا حجب نقصان ہے،مگر خود وارث کی اپنی حالت کا اسے میراث سے محروم کردینا منع ہے۔جیسے کفر و غلام ہونا،قتل،مال دونوں قسم کی دادی نانی کے لیے حاجب حرمان ہے۔خیال رہے کہ دادی کا کل حصہ سدس یعنی چھٹا ہے،لہذا اگر میت کی دادی بھی ہے نانی بھی تو ان دونوں کو چھٹا حصہ ملے گا جسے وہ آپس میں تقسیم کرلیں گی۔چنانچہ حاکم نے حضرت

عبادہ ابن صامت سے روایۃً فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چھٹا حصہ دادی نانی میں تقسیم فرمایااور دادی باپ سے بھی محروم ہوجاتی ہے مگر نانی صرف ماں سے محروم ہوگی۔اس کی تفصیل ہماری کتاب"علم المیراث"اور سراجی و شریفی میں ملاحظہ فرمایئے۔

	روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بچہ چیخے تو اس پر نماز پڑھی جائے اور اسے وارث بنایا جائے گا[1] (ابن ماجہ،دارمی)

[1]یعنی اگر بچہ زندہ پیدا ہو اور اس کی زندگی اس کے رونے یا چھینکنے یا حرکت کرنے سے معلوم ہوجائے پھر مرجائے تو اس کی تجہیز و تکفین بھی ہوگی،جنازہ بھی اور وہ وارث بھی ہوگا،مورث بھی۔اگر مرا ہوا پیدا ہو تو ان میں سے کوئی کام نہ ہوگا،اگر میت کی بیوی حاملہ ہے تو تقسیم میراث کے وقت حمل کا حصہ محفوظ رکھا جائے گا۔اگر بچہ زندہ پیدا ہوا تو یہ حصہ اس ہی کا ہوگا اور اگر مردہ پیدا ہوا تو یہ موقوف رکھا ہوا حصہ انہیں وارثوں میں تقسیم کردیا جائے گاجن کے حصے سے کاٹ لی گئی تھی۔میراث حمل کی تفصیل بحث "علم المیراث"میں ملاحظہ فرمایئے۔بعض آئمہ صرف بچہ کے چیخنے پر تو اسے میراث دیتے ہیں دوسری علامات حیات پر نہیں دیتے۔وہ اس حدیث کے ظاہر پر عمل کرتے ہیں مگر امام اعظم، شافعی،اوزاعی،سفیان ثوری وغیرہم کا وہ ہی فرمان ہے جو ہم نے عرض کیا وہ فرماتے ہیں کہ یہاں چیخنے سے مراد علامت حیات ہے،چونکہ اکثر بچے چیختے ہوئے پیدا ہوتے ہیں اس لیے چیخنے کا ذکر ہوا۔

	روایت ہے حضرت کثیر ابن عبداللہ سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی[1] فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے قوم کا آزاد کردہ غلام ان ہی میں سے ہے اور قوم کا حلیف ان ہی میں سے ہے[2] اور قوم کا بھانجہ ان ہی میں سے ہے[3] (دارمی)

[1]آپ کثیر ابن عبداللہ ابن عمرو ابن عوف مزنی مدنی ہیں،تبع تابعین میں سے ہیں مگر کثیر کو اشعہ میں ضعیف متروک الحدیث فرمایا،کثیر کے والد عبداللہ تابعی ہیں اور دادا عمرو ابن عوف صحابی۔

[2]غلام کی وراثت کا ذکر تو پہلے ہوچکا۔حلیف سے مراد مولی موالات ہے جس سے میت نے زندگی میں معاہدہ کیا ہو کہ تو میرا وارث اور میں تیرا وارث جو پہلے مرے اس کا مال دوسرا لے،اسے بھی بعض صورتوں میں میراث مل جاتی ہے جب کہ اس کے اوپر وارثین موجود نہ ہوں۔اس کی مکمل بحث"علم المیراث"میں ملاحظہ فرمایئے۔

[3]بھانجہ ذی رحم وارث ہے اور ذی رحم کو بھی میراث مل جاتی ہے جب کہ ذی عصبہ وغیرہ اوپر کے وارث نہ ہوں،ہم ذی رحم کی تعداد پہلے بیان کرچکے ہیں۔

	روایت ہے حضرت مقدام سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میں ہر مسلمان کا اس کی جان سے زیادہ والی ہوں جو قرض یا بال بچے چھوڑے وہ ہماری سپرد ہے[1]

	اور جو مال چھوڑے تو وہ اس کے وارثوں کا ہے ۲؎ میں اس کا والی ہوں جس کا کوئی والی نہیں میں اس کے مال کا وارث ہوں گا ۳؎ اور اس کے قیدی کو چھوڑاؤں گا اور ماموں اس کا وارث ہے جس کا کوئی وارث نہیں کہ اس کے مال کا وارث ہوگا ۴؎ اور اس کا قیدی چھوڑائے گا ۵؎ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ میں وارث ہوں اس کا جس کا کوئی وارث نہیں کہ اس کی دیت بھی دوں گا اور اس کا وارث بھی ہوں گا ۶؎ اور ماموں وارث ہے اس کا جس کا کوئی وارث نہ ہو کہ اس کی دیت دے گا اور میراث لے گا۔(ابوداؤد)

۱؎ کہ اس کا قرض بھی ہم ادا کریں گے اور اس کے یتیم بچوں کو بھی ہم پالیں گے اس کی شرح ابھی کچھ پہلے گزرگئی۔

۲؎ ہم اس مال سے کچھ نہ لیں گے بلکہ تجہیز و تکفین،ادائے قرض،اجرائے وصیت کے بعد اس کے وارثوں کا ہوگا۔

۳؎ یعنی اگر میت کا کوئی وارث نہ ہو تو اس کا مال بیت المال میں جائے گا کہ بیت المال اللہ رسول کا ہے لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ حضرات انبیاءکرام نہ کسی کے وارث ہوں نہ مورث۔

۴؎ یعنی جس میت کا ذی فرض و عصبہ نہ ہو اس کے وارث ماموں،خالہ وغیرہ تمام ذی رحم بالترتیب ہیں اور اگر غیر ذی فرض ہے جیسے بیوی یا خاوند تو بھی ذی رحم وارثوں کو میراث ملے گی۔خیال رہے کہ ذی رحم کی وراثت کے امام شافعی و امام مالک منکر ہیں،ان کے ہاں ذی فرض و عصبہ کے نہ ہونے پر مال بیت المال میں جائے گا مگر ہمارے ہاں ذی رحم بھی وارث ہیں،رب تعالٰی فرماتا ہے:"وَاُولُوا الۡاَرۡحَامِ بَعۡضُهُمۡ اَوۡلٰى بِبَعۡضٍ فِىۡ كِتٰبِ اللّٰهِ"اس آیت نے عقد مواخات کی میراث کو منسوخ فرما کر رشتہ داروں کو وارث بنایا اور ان میں ذی رحم وارثوں کو لے لیا،نیز سہل ابن حنیف جب قتل کئے گئے تو ان کا ایک ماموں ہی تھا اور کوئی عزیز نہ تھا،حضرت ابو عبیدہ ابن جراح کا انتقال ہوا تو حضور انور نے حضرت قیس ابن عاصم سے فرمایا کیا تم میں کوئی ان کا عزیز قریبی بھی ہے،انہوں نے عرض کیا وہ مسافر تھے،ان کا عزیز سوائے ابولبابہ ابن عبدالمنذر کے جوان کے بھانجے ہیں اور کوئی نہیں،حضور انور نے انہیں کو وارث بنایا۔جن روایات میں ہے کہ پھوپھی خالہ وارث نہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ ذی فرض یا عصبہ کے ہوتے ہوئے یہ لوگ وارث نہیں لہذا مذہب حنفی بہت قوی ہے۔(مرقات)

۵؎ یعنی بھانجہ کی دیت ماموں دے گا اور اگر بھانجہ قید ہوجائے تو ماموں فدیہ دے کر چھڑائے گا۔

۶؎ یعنی لاوارث کی دیت بیت المال سے دی جائے گی اور اس کا متروکہ مال بیت المال میں داخل ہوگا جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا۔دیت اور فدیہ کے مسائل کتب فقہ میں ملاحظہ فرمایئے اور ہم ان شاءاللہ باب الدیت میں عرض کریں گے۔

	روایت ہے حضرت واثلہ ابن اسقع سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت تین میراثیں سمیٹتی ہے ۱؎

	اپنے آزاد کردہ غلام کی اپنے پڑے پائے بچہ کی اور اپنے اس بچے کی جس پر اس نے لعان کیا ۲ (ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ)

۱؎ اس طرح کہ یہ میراثیں مرد کو نہیں ملتیں صرف عورت کو ملتی ہیں۔

۲؎ عورت کے آزاد کردہ غلام کی دیت یا وراثت صرف عورت ہی کو ملے گی نہ کہ اس کے خاوند کو،پڑے ہوئے بچے کی میراث عورت کو ملنا منسوخ ہے یا یہ مطلب ہے کہ اگر اس بچہ کا اور کوئی وارث نہ ہو تو اجنبی لوگوں کے مقابل اس عورت کو اس کا مال دے دینا بہتر ہے۔حرام کا بچہ یوں ہی وہ بچہ جس کا باپ نے انکار کرکے اس پر لعان کرلیاان دونوں کی میراث صرف ماں کو ملے گی کہ ان کا باپ توکوئی ہے ہی نہیں۔ خیال رہے کہ اسحاق ابن راھویہ فرماتے ہیں کہ لقلیط یعنی پڑے ہوئے بچہ کا مال پانے والے کو ملے گا۔اس حدیث کی بنا پر مگر باقی تمام آئمہ اس کے انکاری ہیں،ان کے ہاں یہ جزء منسوخ ہے یا اس کا وہ مطلب ہے جو ابھی عرض کیا گیا۔(لمعات و مرقات)یہ حدیث قوی نہیں۔

	روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص آزاد عورت یا لونڈی سے زنا کرے تو بچہ حرام کا ہے کہ نہ وہ اس کا وارث ہو اور نہ یہ اس کا وارث ۱(ترمذی)

۱؎ یعنی حرامی بچے کی وارث صرف ماں اور ماں کے قرابت دار ہوں گے،نانی،خالہ،ماموں وغیرہ اور وہ بچہ ان لوگوں کا وارث ہوگا مگر یہ زانی باپ اور اس کے عزیز نہ تو حرامی بچے کے وارث نہ وہ بچہ ان کا وارث کہ یہ بچہ نسبًا اس باپ سے ہے ہی نہیں صرف ماں سے ہے،یہاں باپ اور باپ کے عزیزوں کی میراث کی نفی ہے اور ماں کی میراث کا ثبوت پچھلی حدیث میں گزر گیا کہ لعان والے بچہ کی وارث ماں ہے،لعان اور زنا کے بچوں کا ایک ہی حکم ہے کہ ان کا نسب صرف ماں سے ہے۔

	روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک غلام فوت ہوگیا اس نے کچھ مال چھوڑا ۱ اور نہ کوئی قرابت دار چھوڑا نہ اولاد تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کی میراث اس کے کسی بستی والے کو دے دو ۲ (ابوداؤد،ترمذی)

۱؎ اس غلام کا نام معلوم نہ ہوسکا کہ کون صاحب تھے۔

۲؎ حضور انور نے اس مرحوم غلام کا مال خود نہ لیاحالانکہ ایسے موقعہ پر آزاد کرنے والا مولیٰ میراث پاتا ہے کیونکہ حضور انور نبی ہیں اور حضرات انبیاء نہ کسی کے وارث ہوں نہ ان کا کوئی وارث ہو جیسا کہ دوسری احادیث میں صراحۃً ارشاد ہے۔اس فرمان عالی کا مقصد یہ ہے کہ اس کا مال بیت المال کا ہےاور بیت المال تمام مسلمانوں کا سلطان اسلام کا حق ہوتا ہے کہ بیت المال کا مال جس مسلمان پر چاہے خرچ کرے۔اس حیثیت سے حکم دیتے ہیں کہ اس کے کسی بستی والے کو دے دو کہ وہ بھی تو مسلمان ہی ہوگا جس کا بیت المال میں حق ہے۔لہذااس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ایسے لاوارث کا متروکہ مال اس کے کسی بستی والے کو دے دیا جائے بلکہ مطلب وہ ہی ہے جو عرض کیا گیا۔(ازلمعات و مرقات)

روایت ہے حضرت بریدہ سے فرماتے ہیں کہ بنی خزاعہ۱کا ایک شخص فوت ہوگیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس کی میراث لائی گئی تو فرمایا اس کا کوئی وارث یا ذی رحم ڈھونڈو تو نہ اس کا کوئی وارث پایا اور نہ ذی رحم ۲تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ میراث خزاعہ کے کسی قریبی کو دے دو ۳(ابوداؤد)اور اس کی ایک روایت میں یوں ہے فرمایا خزاعہ کے کسی بڑے آدمی کو دیکھو ۴	

۱خزاعہ ازد کا بڑا مشہور قبیلہ ہے۔

۲یہاں وارث سے مراد ذی فرض یا عصبہ وارث ہے جیساکہ ذی رحم کے مقابلہ سے معلوم ہورہا ہے،اس سے بھی ثابت ہوتا ہےکہ ذی رحم کو میراث مل سکتی ہے۔

۳شیخ نےاشعہ فرمایا کہ کُبرا کاف کے پیش ب کے جزم سے،وہ شخص جو قوم کے مورث میں میت سے ملتا ہوایسے شخص کو میراث سے کچھ نہیں ملتا،حضور انور کا یہ دلوانا بطور میراث نہ تھابلکہ بیت المال کے مصرف ہونے کی حیثیت سے تھا کہ یہ مال ہے تو بیت المال کااور چونکہ بیت المال کا مال مسلمانوں پر خرچ ہوتا ہے اور یہ شخص بھی مسلمان ہے لہذا ہم سلطان اسلام کی حیثیت سے حکم دیتے ہیں کہ اسے دے دو۔علامہ شامی نے فرمایا کہ دادا کے چچا اور اس چچا کی اولاد تک توارث ہوتا ہے جو اس سے اوپر میت سے ملے وہ وارث نہیں ورنہ سارے ہی انسان آدم علیہ السلام میں مل جاتے ہیں،سب ایک دوسرے کے وارث ہونا چاہئیں،انہی شامی نے یہ بھی فرمایا کہ اب فی زمانہ حتی الامکان بیت المال میں کسی کا ترکہ نہ بھیجو کہ وہ عموًما ظالموں کے قبضہ میں ہوتا ہےبلکہ اب جس کا کوئی وارث نہ ہو اس کے بستی والوں کو دے دو،مسلمانوں میں تقسیم کردو حتی کہ غیر روی وارثوں پر رد کردو مگر بیت المال سے مسلمانوں کا متروکہ مال بچاؤ۔

۴یہاں بھی اکبر رجل میں دو احتمال ہیں:یا اکبر سے مراد بڑے قرب والا یا گاؤں کا بڑا آدمی چودھری نمبردار یعنی اس بستی میں جو اس مرنے والے سے بڑی قرب کی قرابت رکھتاہو اسے دو یا جو بڑا ہواسے میراث دو کہ وہ اپنے انتظام سے لوگوں میں تقسیم کرے خود بھی لے دوسروں کو بھی دے کھائے بھی کھلائے بھی۔

روایت ہے حضرت علی سے فرمایا تم یہ آیت پڑھتے ہو کہ تمہاری کی ہوئی وصیت کے یا قرض کے بعد،حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرض کا وصیت سے پہلے حکم دیا ہے ۱اور حکم دیا ہے کہ ماں والی اولاد وارث ہوگی نہ کہ علاتی اولاد ۲آدمی اپنے حقیقی بھائی کا وارث ہوگا نہ کہ علاتی بھائی گا۳(ترمذی،ابن ماجہ)اور دارمی کی روایت میں یوں ہے کہ ماں جائے بھائی بہن آپس میں وارث ہوں گے نہ کہ علاتی بھائی،الخ ۴	

۱؎خلاصہ یہ ہے کہ آیت کریمہ میں **وصیۃ** کا ذکر قرض سے پہلے فرمایا گیا کہ ارشاد باری میں پہلے وصیت ہے پھر قرض مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ادائے قرض کو وصیت پر مقدم فرمایا کہ تجہیز و تکفین کے بعد میت کا قرض ادا کرو پھر بعد ادائے قرض تہائی مال سے وصیت جاری کرو،پھر میراث تقسیم کرو،حضور انور کا یہ عمل قرآن کریم کے مخالف نہیں بلکہ اس کی تفسیر ہے جس سے بتادیا گیا کہ قرض ذکر میں پیچھے ہے مگر عمل میں پہلے،چونکہ وارثوں پر وصیت پوری کرنا شاق گزرتا ہے،قرض شوق سے ادا کر دیتے ہیں اس لیے اہتمامًا پہلے وصیت کا ذکر فرمایا۔

۲؎**اعیان** جمع **عین** کی ہے بمعنی ذات اور بنی ام سے مراد اخیافی اولاد نہیں بلکہ حقیقی بھائی مراد ہیں یعنی جو مال میں بھی شریک ہوں۔مطلب یہ ہے کہ جس میت سے سگے بھائی بھی ہوں اور باپ شریکے بھی تو سگے بھائی میراث پائیں گے،باپ شریکے نہ پائیں گے کہ سگوں کو قوت قرابت حاصل ہے اسی لیے آپ نے اخیافی نہ فرمایا بلکہ اعیان بنی ام فرمایا اتنی دراز عبارت۔(مرقات و لمعات و اشعہ وغیرہ)لہذا قرآن شریف میں جو لفظ **اخوۃ** ارشاد ہوا اس سے دھوکا نہ کھایئے اور اس سے سارے بھائی نہ سمجھ لیجئے سگے ہوں یا سوتیلے۔

۳؎یہ جملہ گزشتہ کلام کی شرح ہے۔**لِاَبِیْہِ وَاُمِّہٖ** فرماکر بتادیا کہ وہاں **بنی الام** سے مراد ماں میں بھی شریک تھے نہ کہ ماں میں ہی شریک،دیکھو حضرت ہارون نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا **اِبْنَ اُمِّ** اے میرے ماں جائے حالانکہ آپ حضرت ہارون کے سگے بھائی تھے۔

۴؎اس کا مطلب بھی وہ ہی ہے کہ سگے بھائی بہن سوتیلوں پر مقدم ہیں۔

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ سعد ابن ربیع کی بیوی اپنی دو لڑکیاں جو سعد ابن ربیع سے تھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائیں۱؎ بولیں یا رسول اللہ سعد ابن ربیع کی لڑکیاں ہیں جن کے باپ آپ کے ساتھ احد کے دن شہید ہوکر قتل کردیئے گئے اور انکے چچا نے ان کا مال لے لیا ۲؎ کہ ان کے لیے کچھ مال نہ چھوڑا اور بغیر مال ان کا نکاح نہیں کیا جاسکتا ہے ۳؎حضور نے فرمایا اللہ اس بارے میں فیصلہ فرمائے گا ۴؎تب میراث کی آیت نازل ہوئی ۵؎تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لڑکیوں کے چچا کو بلا بھیجا فرمایا سعد کی بیٹیوں کو دو تہائی دے دو اور ان بچیوں کی ماں کو آٹھواں حصہ جو باقی بچے وہ تمہارا۶؎(احمد،ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ)اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے غریب ہے۔	

۱؎سعد ابن ربیع بروزن فعیل،ر کے فتح سے ب کے کسرہ سے،یہ سعد ابن ربیع انصاری ہیں،خزرجی ہیں،بدری ہیں،عقبہ اولیٰ کی بیعت میں شریک رہے،حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے آپ کا عقد مواخات کرایا گیا،جنگ اُحد میں شہید ہوئے اور حضرت خارجہ ابن زید کے ساتھ ایک قبر میں داخل کئے گئے۔(اشعہ،مرقات)

۲؎جیساکہ عرب میں دستور تھا کہ کسی کے فوت ہونے کے بعد اس کا بھائی ساری میراث پر قبضہ کرلیتا تھااور اس کی یتیم بچیوں کو محروم کردیتا تھا۔غرضکہ مرحوم کی لڑکیاں میراث نہ پاتی تھیں یا بھائی میراث سمیٹتا تھا یا چچا،بچیاں محروم ہی رہتی تھیں۔

۳؎کیونکہ بچیوں کی شادی میں جہیز وغیرہ دینا ہوتا ہے اور جہیز بغیر مال تیار نہیں ہوتا،غریب یتیم بچیوں سے کوئی نکاح کرنا پسند نہیں کرتا،مالدار لڑکیاں جلد ٹھکانے لگ جاتی ہیں جیساکہ آج بھی دیکھا جارہا ہے،یہ قدرتی چیز ہے حسن اور مال پر رجحان ہے۔

۴؎ابھی تک میراث کی آیات نہ اتری تھیں اس لیے حضور انور نے خود کچھ فیصلہ نہ فرمایا۔خیال رہے کہ میراث کے احکام اکثر قرآن کریم میں وارد ہیں رب تعالٰی نے خود براہ راست میراث کے احکام جاری کئے تاکہ لوگ میراث میں خوف خدا سے کام لیں۔

۵؎یعنی یہ آیت "یُوۡصِیۡکُمُ اللہُ فِیۡۤ اَوْلٰدِکُمْ لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الۡاُنۡثَیَیۡنِ"جس میں بیٹے بیٹیوں کے حصے مقرر فرمادیئے گئے۔

۶؎خلاصہ یہ ہے کہ سعد کے مال کے کل چوبیس حصے کرو جن میں سے تین تو ان کی بیوی کے ہیں،سولہ ان کی لڑکیوں کے اور پانچ بقیہ تمہارے،کہ اولاد کے ہوتے بیوی کا آٹھواں حصہ ہوتا ہے،بیوی اور لڑکیاں ذی فرض ہیں اور چچاعصبہ۔ مابقی سے معلوم ہوتا ہے کہ بھائی عصبہ ہے کہ اس کا حصہ مقرر نہیں،مرقات نے فرمایا کہ اسلام میں یہ پہلی میراث تقسیم ہوئی۔خیال رہے کہ رب تعالٰی نے لڑکیوں کے بارے میں فرمایا:"فَاِنۡ کُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَیۡنِ" اگر لڑکیاں دو سے زیادہ ہوں تو دو تہائی کی وارث ہیں۔اس آیت کی بنا پر حضرت عبداللہ ابن عباس نے فرمایا کہ دو لڑکیاں بھی ایک لڑکے کی طرح آدھا مال ہی پائیں گی،دو سے زیادہ ہوتو دو تہائی مگر باقی تمام صحابہ اور علمائے اسلام کا فرمان ہے کہ دو لڑکیاں بھی دو تہائی پائیں گی یعنی میراث میں دو کی تعداد جمع ہے اور یہ حدیث اس آیت کریمہ کی شرح ہے،قرآن کریم نے اتنی بڑی عبارت فرمائی،یہ نہ فرمادیا کہ اگر لڑکیاں دو ہوں تاکہ کوئی یہ وہم نہ کرے کہ دو لڑکیوں کو تہائی اور زیادہ کو تہائی اور زیادہ کو اس سے زیادہ۔غالبًا ابن عباس کو یہ حدیث پہنچی نہیں جب ایک بیٹی میت کے بیٹے کے ساتھ تہائی پاتی ہے تو بیٹی کے ساتھ بدرجہ اولیٰ تہائی پائے گی۔(مرقات)

	روایت ہے حضرت ہزیل ابن شرحبیل سے فرماتے ہیں کہ جناب ابو موسیٰ سے ایک بیٹی پوتی اور بہن کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا بیٹی کا آدھا اور بہن کا آدھا ہے ۱؎ اور تم حضرت ابن مسعود کے پاس جاؤ وہ بھی ہماری ہی مطابقت

کریں گے۲؎ چنانچہ حضرت ابن مسعود سے مسئلہ پوچھا گیا اور حضرت موسیٰ کی بات کی خبر دی گئی وہ بولے تب تو بہک جاؤں گا اور راہ پانے والوں سے نہ ہوں گا ۳؎ میں تو اس میں وہ فیصلہ کروں گا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا،بیٹی کا آدھا ہے اور پوتی کا چھٹا حصہ دو تہائی پوری کرنے والے کو اور جو باقی بچے وہ بہن کا ۴؎ پھر ہم ابو موسیٰ کے پاس آئے تو ہم نے انہیں حضرت ابن مسعود کے فیصلہ کی خبر دی تو آپ بولے جب تک یہ علّامہ تم میں رہے مجھ سے نہ پوچھو ۵؎(بخاری)	

۱؎ سوال یہ تھا کہ ایک شخص فوت ہوااس نے ایک بیٹی،ایک پوتی،ایک بہن چھوڑی تو کسے کتنا ملے گا ؟ آپ نے فرمایابیٹی کو آدھا،بہن کو آدھا اور پوتی محروم ہے،آپ نے ان دو آیتوں پر نظر فرمائی کہ بیٹی کے متعلق ارشاد ہوا"وَاِنۡ كَانَتۡ وٰحِدَةً فَلَهَا النِّصۡفُ"اگر بیٹی اکیلی ہو تو اس کے لیے آدھا ہے اور بہن کے متعلق ارشاد ہوا ہے"اِنِ امۡرُؤٌا هَلَكَ لَيۡسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗۤ اُخۡتٌ فَلَهَا نِصۡفُ مَا تَرَكَ" کہ اگر کوئی مرگیا اور اس کے اولاد نہیں ہے بہن ہے تو بہن کو آدھا ملے گا۔آپ نے ولد سے مراد صلبی اولادلی،حالانکہ ولد میں پوتی بھی داخل ہے اگر بیٹا بیٹی،پوتا پوتی نہ ہو تو بہن کو آدھا ملتا ہے،یہ ہوئی اجتہادی غلطی یا انہوں نے خیال کیا کہ وہاں آیت میں ولد سے مراد مذکر اولاد ہے۔

۲؎ یعنی میرے بتائے ہوئے مسئلہ کی تصدیق حضرت ابن مسعود سے بھی کرالوان شاءاللہ وہ بھی یہ ہی فتویٰ دیں گے،یہ حدیث فتویٰ کی تصدیق کرانے کی اصل ہے۔

۳؎ یعنی ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے مسئلہ غلط بتایاوہ تو اجتہادی غلطی کی وجہ سے معاف کردیئے جائیں گے،مجھے اصل مسئلہ معلوم ہے اگر میں جانتے ہوئے غلط مسئلہ میں ان کی تائید کردوں تو گمراہ ہوجاؤں گالہٰذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ پھر تو حضرت ابو موسیٰ اشعری گمراہ ہوگئے ہوں گے کہ انہوں نے مسئلہ غلط بتایا کیونکہ وہ خطاء اجتہادی کی بنا پر مسئلہ غلط بتاگئے،خطاء اجتہادی پر پکڑ نہیں جیسا کہ قرآن کریم نے حضرت داؤد علیہ السلام کی ایک غلطی اجتہادی کا ذکر تو فرمایا مگر عتاب نہ فرمایا۔

۴؎ خلاصہ جواب یہ ہے کہ ازروئے قرآن کریم بیٹوں کا حصہ دو تہائی ہے،یہاں لڑکی نے آدھا لے لیا کہ اس کی قرابت میت سے بمقابلہ پوتی کے قوی ہے،اب چھٹا حصہ بچا کیونکہ آدھا چھٹے سے مل کر دو تہائی ہوجاتا ہے وہ پوتی کو دے دیا،یہ دونوں ذی فرض تھیں،بہن عصبہ ہے اس کے لیے تہائی بچا ہےوہ اسے دے دو۔مال کے چھ حصے کرکے تین بیٹی کو دو،ایک پوتی کو،باقی دو بچے وہ عصبۃً بہن کو دے دو۔حضور فرماتے ہیں"**اجعلو الاخوات مع البنات عصبةً**" بیٹیوں کے ساتھ بہنوں کو عصبہ بناؤ،یہ ہی جمہور علماء کا قول ہے مگر حضرت ابن عباس بیٹی کی موجودگی میں بہن کو محروم کرتے ہیں،وہ فرماتے ہیں کہ

رب تعالٰی نے مذکورہ آیت میں بہن کی میراث کے لیے ولد نہ ہونے کی قید لگائی،ولد سے مراد مطلقًا اولاد ہے بیٹا ہو یا بیٹی،حالانکہ وہاں ولد سے مراد صرف بیٹا ہے اس لیے حضرت عمر سے آپ کا مشہور مناظرہ ہوااور حضرت عمر نے یہ ہی جواب دیا۔(مرقات)

۵؎ یعنی آئندہ جب تک حضرت عبداللہ ابن مسعود زندہ ہیں مجھ سے مسئلہ نہ پوچھو،وہ مجھ سے بڑے عالم ہیں ان سے ہی پوچھا کرو۔اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ عالم کو چاہیے کہ اپنی غلطی معلوم ہونے پر ضد نہ کرے فورًا رجوع کرلے،رجوع میں اپنی توہین نہ جانے۔دوسرے یہ کہ بڑے عالم کے ہوتے ماتحتوں کی تقلید نہ کرے،یہ حدیث تقلید شخصی کی اصل ہے کہ ایک عالم مجتہد کا ہوکر رہے ہر جگہ نہ بھٹکے۔

	روایت ہے حضرت عمران ابن حصین سے فرماتے ہیں ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا بولا میرا بیٹا مرگیا ہے تو اس کی میراث میں میرا کتنا ہے ۱؎ فرمایا تیرا چھٹا حصہ ہے جب اس نے پیٹھ پھیری تو اسے بلایا فرمایا تیرے لیے دوسرا چھٹا بھی ہے ۲؎ پھر جب پیٹھ پھیری تو اس نے بتایا فرمایا دوسرا چھٹا عصبۃً ہے ۳؎ (احمد،ترمذی،ابوداؤد)ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے صحیح ہے۔

۱؎ اس مرحوم کی دو بیٹیاں تھیں،ایک باپ دونوں بیٹیوں کا دو تہائی جو سائل کو معلوم نہ تھا باپ کے حصے کی خبر نہ تھی اس لیے اس نے صرف باپ کا حصہ پوچھا۔

۲؎ خلاصہ یہ ہے کہ تیرے بیٹے کے متروکہ مال کے چھ حصے ہوں گے،چار تو دو بیٹیوں کے یعنی دو تہائی اور ایک تیرا یعنی چھٹا حصہ تو ذی فرض ہے،تیرا حق چھٹا حصہ ہے،باقی بچا ایک وہ بھی تجھے ہی ملے گا مگر عصبۃً۔معلوم ہوا کہ بیٹیوں کے ہوتے باپ ذی فرض بھی ہے اور عصبہ بھی،یہ ہی تمام علماء کا مذہب ہے۔

۳؎ یعنی ذی فرض ہونے کی حیثیت سے ہے تو تیرا حصہ چھٹا حصہ ہی تھا،اب جو دوبارہ تجھے چھٹا حصہ اور دیا گیا وہ عصبہ ہونے کی حیثیت سے ہے کہ تو عصبہ بھی ہے کہ بچا ہوا بھی تو ہی پائے گا۔

	روایت ہے حضرت قبیصہ ابن ذویب سے ۱؎ فرماتے ہیں حضرت ابوبکر کی خدمت میں نانی حاضر ہوئیں آپ سے اپنی میراث مانگتی تھیں ۲؎ تو فرمایا نہ اللہ کی کتاب میں تیرے لیے کچھ ہے اور نہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تجھے کچھ ملے گا ۳؎ ابھی تو لوٹ جا حتی کہ میں لوگوں سے پوچھ گچھ کرلوں ۴؎ چنانچہ آپ نے پوچھا تو حضرت مغیرہ ابن شعبہ نے عرض کیا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر تھا آپ نے

دادی کو چھٹا حصہ دیا تھا ابوبکر صدیق نے فرمایا کیا تمہارے پاس کوئی گواہ ہے ۵؎ تب محمد ابن مسلمہ نے ویسا ہی کہا جو مغیرہ نے کہا تھا چنانچہ جناب صدیق نے دادی کے لیے چھٹا حصہ جاری کردیا ۶؎ پھر دوسری جانب کی دادی حضرت عمر کی خدمت میں حاضر ہوئیں ۷؎ اپنی میراث آپ سے مانگتی تھیں تو فرمایا دادی کی میراث یہ ہی چھٹا حصہ ہے ۸؎ اگر تم دونوں(دادی،نانی) جمع ہوجاؤ تو وہ تم دونوں میں ہوگا اور تم میں سے جو اکیلی ہو تو وہ اس کا ہوگا ۹؎(مالک،احمد، ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ)	

۱؎ قبیصہ بروزن کریمہ ہے،اور ذویب ذال کے پیش واؤ کے کسرہ سے،آپ کو ابن عبدالبر نے تو صحابی مانا ہے اور ۱ ھ میں پیدائش ثابت کی ہے،دوسرے محدثین انہیں تابعی مانتے ہیں،آپ فقہاء مدینہ سے ہیں۔چنانچہ سعید ابن مسیب،عروہ ابن زبیر،عبدالملک ابن مروان،قبیصہ ابن ذویب یہ چار حضرات فقہاء مدینہ سے مانے جاتے تھے، ۸۶ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔(اشعہ،مرقات،اکمال)

۲؎ اس نے عرض کیا کہ میرا ولد بنت یعنی نواسا فوت ہوگیا ہے،میرا حصہ میراث کا مجھے دلوایا جائے،یہاں جدۃ بمعنی نانی ہے جیساکہ دوسری روایات سے ثابت ہے۔(مرقات)

۳؎ یعنی جہاں تک میرا علم ہے۔حدیث شریف میں بھی دادی نانی کا حصہ کچھ نہیں،یہاں نفی اپنے علم کے اعتبار سے ہے۔

۴؎ اس زمانہ میں کسی کو مسئلہ بتانا آسان نہ تھا،ایک مسئلہ کے لیے مہینوں حدیث تلاش کرنا پڑتی ہے۔اللہ تعالٰی فقہاء کرام کا بھلا کرے کہ وہ حضرات ہمارے لیے علم فقہ کو پانی بنا گئے کہ کوئی مسئلہ ہو کتاب،باب،فصل نکالو اور بتادو،اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے نبیوں کی طرح ہوں گے،جتنی خدمت علماء اسلام نے کی اتنی خدمت کسی دین کے عالموں نے اپنے دین کی نہ کی۔

۵؎ گواہ مانگنا احتیاطًا تھا تاکہ لوگ حدیث بیان کرنے پر دلیر نہ ہو جائیں،نیز اس حدیث سے حقوق العباد متعلق تھے،اس وجہ سے یہ احتیاط برتی ورنہ صحابہ سارے عادل ہیں ہر ایک کی روایت معتبر ہے۔

۶؎ یعنی ورثاء کو حکم دے دیا کہ دادی کو چھٹا حصہ دیں،چونکہ حکم فرمانے والے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تھے اس پر عمل کرانے والے ابوبکر صدیق اس لیے یہ عبارت استعمال ہوئی،یوں ہی بادشادہ اسلام حضور انور کے احکام جاری کرنے والا ہے،حاکم اللہ رسول ہیں۔

۷؎ یا تو پہلے نانی آئی تھی اب دادی آئی یا اس کے برعکس،اول معنی زیادہ قوی ہیں جیساکہ بعض روایات میں ہے کہ پھر میت کے باپ کی ماں آئی اور اس نے حضرت عمر کی خدمت میں عرض کیا کہ بمقابلہ نانی کے میرا حق میراث میں زیادہ ہے کہ اگر میں مرجاتی تو میرا یہ پوتا وارث ہوتا،اگر نانی مرتی تو اس کا یہ نواسہ وارث نہ ہوتا۔جب وہ مرحوم میرا وارث ہوتا ہے نہ کہ نانی کا تو چاہیے کہ میں ہی اس کی وارث ہوں نہ کہ نانی لہذا مجھے میراث واپس دلوائی جائے۔(مرقات)

۸؎ یعنی اس چھٹے حصے میں تو بھی شریک ہے کہ آدھا تیرا آدھا نانی کا۔

۹؎ یہ جملہ گزشتہ مضمون کا بیان ہے،جمہور صحابہ اور قریبًا تمام فقہاء و علماء کا یہ ہی مذہب ہے کہ اگر نانی یا دادی اکیلی ہو تو پورا چھٹا حصہ اسے ملے گااور اگر دونوں ہوں تو یہ ہی چھٹا حصہ دونوں میں آدھا آدھا مگر حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ ماں کے نہ ہونے پر نانی ماں کی جگہ ہوگی کہ اگر میت کے اولاد بھائی بہن نہ ہوں تو نانی کو تہائی اور اگر ہوں تو پورا چھٹا حصہ،شاید یہ حدیث انہیں پہنچی نہیں۔

	روایت ہے حضرت ابن مسعود سے وہ دادی کے متعلق جو اپنے بیٹے کے ساتھ ہو فرماتے ہیں کہ یہ پہلی وہ دادی ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بیٹے کے ساتھ جب کہ بیٹا زندہ ہو چھٹا حصہ دیا۱؎ (ترمذی،دارمی)ترمذی نے اس حدیث کو ضعیف بتایا۔

۱؎ اس سے معلوم ہوا کہ دادی باپ کے ہوتے بھی میراث پائے گی باپ کی وجہ سے محروم نہ ہوگی،یہ ہی چند صحابہ اور بعض فقہاء کا مذہب ہے۔عام صحابہ وعلماء فرماتے ہیں کہ باپ کے ہوتے دادی محروم ہے،یہ حدیث اولًا تو ضعیف ہے،اگر صحیح بھی ہو تو حضور انور کا یہ فرمان و عطیہ بطورمیراث نہ تھا بلکہ بغیر توارث ویسے ہی عطا فرمایاجیسا کہ حکم قرآن ہے کہ اگر تقسیم میراث کے وقت بعض محروم قرابت دار موجود ہوں تو انہیں کو دے دو،فرمایا:"وَ اِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰی وَ الْیَتٰمٰی وَ الْمَسٰکِیْنُ فَارْزُقُوْھُمْ"یا میت کا باپ کافر تھا یا غلام کہ میراث کا مستحق نہ تھا اور محروم وارث دوسرے کو محروم نہیں کرتا۔(مرقات ولمعات واشعہ)

	روایت ہے حضرت ضحاک ابن سفیان سے ۱؎ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تحریر فرمایا کہ اشیم ضبابی کی بیوی کو ان کے خاوند کی دیت سے ورثہ دو۲؎(ترمذی، ابوداؤد)ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے صحیح ہے۔

۱؎ آپ ضحاک ابن سفیان عامری کلابی ہیں،بڑے بہادر شجاع تھے،آپ اکیلے کو سو"۱۰۰" پہلوانوں کے برابر سمجھا جاتا تھا،حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لیے آپ سے قریب تلوار لیے کھڑے رہتے تھے،آپ کو حضورا نور نے اپنی قوم بنی کلاب کا والی بنایا تھا۔

۲؎ اشیم ضبابی صحابی تھے،ضباب ایک قلعہ کا نام ہے ادھر آپ کی نسبت ہے یہ خطاءً قتل کئے گئے تھے،قاتل پر دیت یعنی خون بہا واجب ہوا تھا،حضور انور نے حضرت ضحاک کو جو وہاں کے والی تھے یہ لکھا کہ ان کی دیت وارثوں میں تقسیم کرو،چونکہ زوجہ بھی وارث ہے اس لیے اسے بھی بقدر میراث دیت سے حصہ دو۔اس حدیث کی بناء پر جمہور علماء فرماتے ہیں کہ دیت کا مال پہلے تو مقتول کی ملک بنتا ہے،پھر مقتول کے دیگر مالوں کی طرح اس کے وارثوں کو بقدر حصہ ملتا ہے مگر حضرت علی کا قول یہ ہے کہ دیت سے اخیافی بھائی بہن،خاوند اور کسی عورت کو حصہ نہیں مل سکتا،غالبًا آپ کو یہ حدیث پہنچی نہیں۔

	روایت ہے حضرت تمیم دارمی سے ۱؎ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اس مشرک آدمی کے متعلق شرعی طریقہ کیا ہے جو مسلمانوں میں سے کسی کے ہاتھ پر ایمان لائے ۲؎ فرمایا وہ مسلمان اس مشرک کا زندگی اور موت میں والی ہے ۳؎(ترمذی،ابن ماجہ،دارمی)

۱؎ آپ مشہور صحابی ہیں،پہلے عیسائی تھے، ۹ھ میں اسلام لائے،بڑے عابد و زاہد تھے،رات کو ایک رکعت میں پورا قرآن ختم کرتے تھے کبھی تہجد کی نماز میں ایک ہی آیت بار بار پڑھتے رہتے حتی کہ سویرا ہوجاتا،محمد ابن منکدر فرماتے ہیں کہ ایک رات تمیم دارمی کی آنکھ نہ کھلی اور تہجد قضاء ہوگئی تو اس کے کفارہ میں سال بھر رات کو سوئے ہی نہیں،آپ نے نماز میں پہننے کے لیے ایک ہزار درہم کا جوڑا خریدا تھا،آپ نے ہی سب سے پہلے مسجد نبوی میں چراغ جلایا،آپ ہی سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال اور جساسہ کی روایت اپنے خطبہ میں بیان فرمائی،آپ مدینہ منورہ میں رہے،شہادت حضرت عثمان کے بعد شام چلے گئے،وہاں ہی وفات پائی،دارابن ہانی کی اولاد میں ہیں اسی لیے آپ کو داری کہا جاتا ہے۔(اکمال،اشعہ،مرقات)

۲؎ آیا وہ مسلمان کرنے والا اس نو مسلم کا مولیٰ ہوگا یا نہیں اور اس کے مال کی میراث پائے گا یا نہیں۔

۳؎ یعنی وارث ہے کہ اگر اس نو مسلم کا کوئی عزیز رشتہ دار نہ ہو تو اس کی میراث اسے ملے گی۔اس حدیث کی بنا پر حضرت عمر ابن عبدالعزیز،سعید ابن مسیب وغیرہم مسلمان کرنے والے کو نو مسلم کا آخری وارث مانتے ہیں جیسے غلام کا وارث آزاد کرنے والا مولیٰ،مگر باقی تمام علماء اسے وارث نہیں مانتے،وہ فرماتے ہیں کہ حدیث اس وقت کی ہے جب اسلام اور نصرت و مدد کی بناء پر میراث ملتی تھی کہ مہاجر کا وارث انصاری ہوتا تھا اور انصاری کا مہاجر،پھر آیات میراث سے یہ وارثت منسوخ ہوگئی۔یا یہاں اَوْلیٰ کے معنی وارث نہیں بلکہ مددگار ہیں کہ مسلمان کرنے والا اس نو مسلم کی زندگی میں ہر طرح مدد کرے اور بعد موت اس کی نماز اور دفن وغیرہ کا انتظام کرے،اس صورت میں یہ حدیث محکم ہے۔(لمعات و مرقات و اشعہ)

	روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ ایک شخص مر گیا اور اس نے سوا اس غلام کے جسے آزاد کیا تھا اور کوئی وارث نہ چھوڑا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کا کوئی ہے لوگوں نے کہا نہیں سوا ایک غلام کے جسے اس نے آزاد کیا تھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی میراث اس کے غلام کے لیے مخصوص کردی ۱؎ (ابوداؤد،ترمذی،ابن ماجہ)

۱؎ اس حدیث کی بناء پر حضرت شریح،طاؤس وغیرہم نے فرمایا کہ جیسے آزادکردہ غلام کا وارث مولیٰ ہوتا ہے اگر اس کا اوپر کا وارث نہ ہو ایسے ہی مولیٰ کا وارث یہ غلام ہوگا،مگر جمہور علماء فرماتے ہیں کہ غلام مولیٰ کا وارث نہیں اور یہ حدیث ایسی ہی ہے جیسے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے گاؤں کے آدمیوں کو لاوارث کی میراث عطا فرمائی تھی کیونکہ یہ مال بیت المال کا تھا اور اس کا بھی بیت المال میں حق ہے،اس بناء پر اسے یہ مال دیا گیا۔(مرقاۃ،لمعات)

	روایت ہے حضرت عمرو بن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ

	اپنے دادا سے راوی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ولاء کا وارث وہ ہی عصبہ ہوگا جو مال کا وارث ہوگا ۱؎ (ترمذی)اور ترمذی نے فرمایا اس حدیث کی اسناد قوی نہیں۔

۱؎ ولا واؤ کے فتح سے بمعنی قرب،یہاں قرب عبدیت مراد ہے جس سے مولیٰ کو غلام کے متروکہ مال کے وارث ہونے کا حق حاصل ہوتا ہے۔حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جس غلام کو مولیٰ نے آزاد کیا تو غلام کے فوت ہونے پر اگر مولیٰ زندہ ہو تو وہ میراث لے گا ورنہ اس کے عصبہ بنفسہ وارثین میراث لیں گے،مولیٰ کی زوجہ کو ولاء نہیں ملتی،عورت صرف اپنے آزاد کردہ غلام یا اس غلام کے آزاد کردہ غلام ہی کی میراث پائے گی،عصبۃً ولاء نہ پائے گی کہ زوجہ عصبہ ہوتی ہی نہیں،ولاء بیت المال کو نہیں ملا کرتی۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

	روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو میراث زمانہ جاہلیت میں بانٹی جاچکی تو وہ جاہلیت ہی کے بٹوارے پر رہے گی اور جس میراث کو اسلام نے پالیا تو وہ اسلام کی بانٹ پر ہوگی ۱؎ (ابن ماجہ)

۱؎اس کا مطلب بالکل واضح ہے کہ جن کفار نے اپنے دین کے مطابق میراثیں تقسیم کرلی تھیں پھر وہ مسلمان ہوگئے یا ان میں سے ایک مسلمان ہوگیاتو اب اسے تقسیم شدہ مال دوبارہ تقسیم کرنے کا حکم نہ دیا جائے گا بلکہ اس تقسیم کو باقی رکھا جائے گا یا یہ مطلب ہے کہ وارثت کے اسلامی احکام آنے سے پہلے جو تقسیم میراث ہوچکی ہیں اگرچہ مسلمانوں ہی نے کی ہوں وہ اسلامی قانون وراثت آنے پر توڑی نہ جائیں گی بلکہ باقی رکھی جائیں گی،ہاں اب اس کے بعد جو تقسیم ہوگی وہ اسلامی قانون کے مطابق ہوگی،دیکھو آج اگر کافر جوڑا اسلام لائے تو انہیں دوبارہ نکاح کرنے کا حکم نہیں دیا جاتا کہ چونکہ تمہارا کفر کا نکاح اسلامی قانون کے مطابق نہ ہوا تھا لہذا اب پھر دوبارہ ایجاب و قبول کرو بلکہ وہ ہی باقی رکھا جاتا ہے ایسے ہی یہ حکم ہے۔

	روایت ہے حضرت محمد ابن ابوبکر ابن حزم سے ۱؎ کہ انہوں نے اپنے والد کو بہت بار یہ کہتے سنا کہ حضرت عمر ابن خطاب فرماتے تھے تعجب ہے پھوپھی پر کہ وارث تو کردیتی ہے مگر خود وارث نہیں ہوتی ۲؎(مالک)

۱؎ محمد تبع تابعین سے ہیں،ان کے والد ابوبکر ابن حزم تابعین سے ہیں۔(اشعۃ اللمعات)

۲؎ یعنی ازروئے قیاس یا تو پھوپھی بھی بھتیجہ کی وراثت عصبۃً پاتی یا بھتیجہ بھی پھوپھی کا وارث نہ ہوتا بلکہ ذی رحم ہوتا مگر حکم شرعی کے آگے سرخم ہے،بھتیجہ پھوپھی کا عصبہ ہے مگر پھوپھی بھتیجہ کی ذی رحم۔خیال رہے بھتیجہ تو عصبہ ہے مگر بھتیجی ذی رحم ہے اور یہاں وراثت سے مراد عصبۃً ہے ورنہ پھوپھی بھی بھتیجے کی ذی رحم وارث تو ہے۔اس حدیث سے ان لوگوں نے دلیل پکڑی ہے جو ذی رحم کو وارث نہیں مانتے،وہ حضرات اس جملہ کے معنی یہ کرتے ہیں کہ پھوپھی بالکل وارث نہیں ہوتی کیونکہ وہ ذی رحم ہے مگر وہ ہی مطلب قوی ہے جو ابھی عرض کیا گیا۔

روایت ہے حضرت عمر سے فرماتے ہیں علم فرائض سیکھو حضرت ابن مسعود نے یہ زیادتی کی کہ طلاق و حج بھی سیکھو ان دونوں نے فرمایا یہ تمہارے دین سے ہے ۱؎ (دارمی)	

۱؎ یعنی علم میراث،حج و طلاق کے مسائل اہم دینی مسائل ہیں انہیں سیکھواور سکھاؤ۔آج علم فرائض جاننے کے علماء کم رہ گئے ہیں اور اب تو مسلمانوں کو فرائض میں ترمیم بھی سوجھی ہے کوشش کررہے ہیں کہ چچا کی موجودگی میں دادا کی میراث سے پوتہ کو دلوایا جائے اور نہ معلوم کیا کیا ہونے والاہے۔مگر ان شاءاللہ دین بدلنے والے خود مٹ جائیں گےدین نہ بدلاجائے گا۔مروان ابن حکم نے خطبہ عید نماز سے پہلے پڑھا مگر وہ مٹ گیا،خطبہ نماز کے بعد ہی رہا،اللہ اپنے دین کا حافظ ہے۔

باب الوصایا

وصیتوں کا باب ۱؎

الفصل الاول

پہلی فصل

۱؎ وصایا وصیت کی جمع ہے جیسے خطایا خطیت کی،لغت میں وصیت کے معنی ہیں عہد،مگر اصطلاح میں اس وعدہ اور عہد کو وصیت کہا جاتا ہے جس کا تعلق موت کے بعد سے ہو.شروع اسلام میں مالدار پر وصیت کرنا فرض تھا کہ اس زمانہ میں وصیت سے ہی متروکہ مال تقسیم ہوتا تھا،لیکن میراث کے احکام آنے پر یہ حکم منسوخ ہوگیا۔استحباب اب بھی باقی ہے ۔یہ خیال رہے کہ وارث کو وصیت جائز نہیں جسے میراث سے ایک پائی ملے گی اس کے لیے وصیت نہیں ہوسکتی،اگر کی گئی ہے تو معتبر نہیں۔قرآن شریف میں تاکیدی حکموں کو بھی وصیت فرمایا گیا ہے،رب تعالٰی فرماتاہے:"وَلَقَدۡ وَصَّیۡنَا الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ"اور فرماتاہے:"وَوَصّٰی بِهَاۤ اِبۡرٰهٖمُ بَنِیۡهِ"۔

	روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس مسلمان کے پاس کوئی چیز لائق وصیت ہو ۱؎ اسے یہ مناسب نہیں کہ دوراتیں بھی اس کے بغیر گزارے کہ اس کے پاس اس کی وصیت لکھی ہو ۲؎(مسلم،بخاری)

۱؎ یوصی معروف بھی ہوسکتا ہے مجہول بھی،شیخ نے مجہول پڑھا ہے اور مرقات نے دونوں طرح لائق وصیت کی قید اس لیے لگائی کہ جس مال کی وصیت ہی نہیں ہوسکتی اس کا حکم یہ نہیں،قابل میراث مال کی وصیت ہوسکتی ہے دوسرے کی نہیں،قرض،امانت،وقف مالوں میں میراث جاری نہیں ہوتی لہذا ان کی وصیت بھی نہیں ہوتی،نبی کا مال قابل میراث نہیں تو قابل وصیت بھی نہیں۔جو لوگ حضرت علی کو وصی رسول مانتے ہیں بایں معنی کہ حضور انور نے آپ کو اپنے مال یا خلافت کی وصیت فرمائی وہ بہت ہی نادان ہیں،ہر مسلمان وصی رسول ہے،سرکار نے ہر شخص کو تقویٰ اور پرہیزگاری کی وصیت فرمائی ہے کہ فرمایا:"اُوۡصِیۡکُمۡ بِتَقۡوَی اللہِ"۔

۲؎ اگر یہ حکم وجوبی ہے تو منسوخ ہے کہ اب میراث کے احکام آچکے اور اگر استحبابی ہے تو اب بھی باقی ہے،واقعی جو وصیت کرنا چاہے وہ بغیر وصیت کیے ایک رات بھی نہ گزارے،کیا خبر موت کہاں اور کب آئے،نیز وصیت لکھ کر کرے بلکہ آج کل رجسٹری کرادے کہ زبانی وصیتیں بدل جاتی ہیں،ہاں ادائے قرض اور ادائے امانات کی وصیت اب بھی واجب ہے جب کہ ان قرضوں اور امانتوں کی کسی کو خبر نہ ہو۔

روایت ہے حضرت سعد ابن ابی وقاص سے فرماتے ہیں میں فتح کے سال ایسا بیمار ہوا کہ موت کے قریب ہوگیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار پرسی کرنے تشریف لائے ۱؎ میں نے عرض کیا یارسول اللہ میرے پاس مال بہت ہے اور سوا میری بیٹی کے میرا وارث کوئی نہیں ۲؎ تو کیا میں اپنے کل مال کی وصیت کرجاؤں ۳؎ فرمایا نہیں میں نے عرض کیا دو تہائی مال کی فرمایا نہیں میں نے عرض کیا تو آدھے کی فرمایا نہیں میں نے عرض کیا تہائی کی فرمایا تہائی کی کرو اور تہائی بھی زیادہ ہے ۴؎ اگر تم اپنے وارثوں کو غنی بنا کر چھوڑو تو اس سے اچھا ہے کہ تم انہیں فقیر کرکے جاؤ ۵؎ کہ لوگوں سے مانگتے پھریں ۶؎ اور تم کوئی خرچہ ایسا نہ کرو گے جس سے اللہ کی رضا چاہو مگر تمہیں اس پر ثواب دیا جائے گا حتی کہ وہ نوالہ جسے تم اپنی بیوی کے منہ میں دو ۷؎ (مسلم،بخاری)	

۱؎ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہر بیمار کی مزاج پرسی فرماتے تھے،اس سلسلہ میں آپ کے پاس بھی تشریف لے گئے۔ اَشْفَیْتُ شِفَاءٌ سے بنا بمعنی کنارہ،رب تعالیٰ فرماتاہے:"وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ"۔اس کا استعمال اکثر مصیبت و تکلیف کے موقعہ پر ہوتا ہے۔اَشْفَیْتُ کے معنی ہوئے میں کنارۂ موت پر پہنچ گیا۔

۲؎ یہاں وارث سے مراد ذی فرض وارث ہے یعنی سوائے میری بیٹی کے اور کوئی ذی فرض وارث نہیں عصبہ وارث بہت ہیں۔بعض شارحین نے فرمایا کہ وارث سے مراد کمزور وارث ہیں جن کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہوکیونکہ آپ کے ذی فرض وارث بھی کئی تھے۔(مرقات و اشعہ)

۳؎ کہ سارا مال فقراء و مساکین میں تقسیم کردیاجائے یا کسی کار خیر میں لگادیا جائے بیٹی وغیرہ کسی وارث کو کچھ نہ ملے کیونکہ یہ سب اللہ کے حکم سے غنی ہیں۔

۴؎ پہلا اَلثُّلُثُ یا منصوب ہے یا مرفوع کہ وہ یا فاعل ہے یا مبتداء جس کا فعل یا خبر محذوف ہے یا مفعول ہےاور دوسرا اَلثُّلُثُ مرفوع ہی ہے کہ وہ مبتداء ہے جس کی خبر کثیر۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مرنے والا مرتے وقت صرف تہائی کی وصیت کرسکتا ہےزیادہ کی نہیں اور اگر زیادہ کی کر بھی گیا تو جاری نہ ہوگی،یہ بھی معلوم ہواکہ تہائی سے بھی کم کی وصیت کرنا بہتر ہے کہ حضور انور نے تہائی کو بھی زیادہ فرمایا۔

۵؎ اس سے بھی معلوم ہورہا ہے کہ حضرت سعد کے بہت وارث تھے ذی فرض صرف بیٹی تھی اور بعض وارث فقراء بھی تھے مالدار نہ تھے،یہ بھی معلوم ہورہا ہے کہ اپنے عزیزوں سے سلوک کرنا غیروں سے سلوک کرنے سے افضل ہے کہ وصیت

میں غیروں سے سلوک ہے میراث میں اپنوں سے سلوک۔خیال رہے کہ اِن تذر میں اِنْ شرطیہ ہے اور خبر سے پہلے **فھو** پوشیدہ ہے،خیر اس **فھو** کی خبرہے۔

۶؎ اس سے معلوم ہورہا ہے کہ اپنی موت کے بعد وارثین کا بھیک مانگتے پھرنا اپنی ذلت کا باعث ہےاور قبر میں روحانی تکلیف کا بھی ذریعہ۔

۷؎ یعنی تم وصیت کیوں کرتے ہو حصول ثواب کے لیےاور میراث جو وارثوں کو پہنچے گی اگر اس میں تم رضائے الٰہی کی نیت کرلو کہ اپنے عزیزوں کو اپنا مال پہنچانا رب تعالٰی کی رضا کا ذریعہ ہےتب بھی تم کو ثواب ملے گابلکہ زیادہ ملے گا،لہذا وصیت تہائی سے بھی کم کی کرو۔اس حدیث سے بہت مسائل معلوم ہوئے:مال جمع کرنا درست ہے اور مرتے وقت تک اسے پاس رکھنا مباح،تہائی مال سے زیادہ کی وصیت نافذ نہیں ہوتی،اللہ کی راہ میں خرچ کرنا باعث ثواب ہے۔جب مباح میں نیت خیر کرلی جائے تو مستحب بن جاتا ہے،مؤمن کی نیت عمل سے افضل ہے،دیکھو بیوی کے منہ میں لقمہ دینا خوشی و محبت کے وقت ہوتا ہے جس میں عبادت کا احتمال بھی نہیں مگر اس پر بھی رب کا وعدہ ہے اپنے وارثوں سے عدل و انصاف کرناضروری ہے۔(مرقات)

الفصل الثانی

دوسری فصل

روایت ہے حضرت سعد ابن ابی وقاص سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری بیمار پرسی فرمائی جب کہ میں بیمار تھا،فرمایا تم نے کچھ وصیت کردی ہے میں نے عرض کیا ہاں فرمایا کتنے کی ۱؎میں نے عرض کیا اپنے سارے مال کی اللہ کی راہ میں ۲؎فرمایا تو نے اپنے اولاد کے لیے کیا چھوڑا میں نے عرض کیا وہ بہت مال سے غنی ہیں۳؎تب فرمایا دسویں حصہ کی وصیت کرو ۴؎میں کم کراتا رہا ۵؎حتّٰی کہ فرمایا تہائی کی وصیت کرو اور تہائی بھی بہت ہے ۶؎(ترمذی)	

۱؎ معلوم ہوتا ہے کہ مرض سخت تھااس لیے ان سے وصیت کا سوال کیا گیا۔خیال رہے کہ حضور انور کو خبر تھی کہ حضرت سعد کی وفات اس مرض میں نہیں ہے جیساکہ دیگر روایات میں آتا ہے کہ آپ نے فرمایا تم ابھی جیو گے اور تم سے کچھ نفع پائیں گے کچھ نقصان۔

۲؎ اللہ کی راہ سے مراد سارے کار خیر ہیں،فقراء مساکین پر خرچ،مسجد،مسافر خانہ کی تعمیر وغیرہ وغیرہ۔

۳؎ **ولد** سے مراد بیٹی ہے کہ آپ کے صرف ایک بیٹی ہی تھی،**ولد** مطلقًا اولاد پر بولا جاتا ہے بیٹا ہو یا بیٹی مگر ابن صرف بیٹے کو کہتے ہیں۔آپ کا **ھم اغنیاء** فرمانا عصبہ وارثوں کو شامل کرکے ہے اور اغنیاء فرمانا تغلیبًا ہے کہ بعض ان میں غنی تھے اور بعض فقراء جیساکہ گزشتہ حدیث سے معلوم ہوچکا ہے۔

۴؎ اس سے پتہ لگا کہ تہائی سے زیادہ کی وصیت جاری نہ ہوگی،دیکھو حضرت سعد نے کل مال کی وصیت کردی مگر جاری نہ ہوئی۔امام اعظم و اسحاق و احمد فرماتے ہیں کہ جس کا کوئی وارث نہ ہو وہ کل مال کی وصیت کرسکتا ہے اور اس کی وصیت جاری بھی ہوگی کیونکہ اس کل وصیت کا جاری نہ ہونا وارثوں کے حق کی وجہ سے ہے جب وہ موجود ہی نہیں تو اب مانع کیا چیز ہے۔

۵؎ مشکوۃ شریف کے بعد نسخوں میں اناقضہٗ نقطہ والی ضاد سے ہے بمعنی جوابًا عرض کرتا رہا مگر عام نسخوں میں اناقصہٗ صاد مہملہ سے ہے،معنی یہ ہے کہ میں اس وصیت کو کم سمجھتا رہا اور زیادہ وصیت کی اجازت چاہتارہا۔(مرقات)یا یہ معنی ہیں کہ میراث کو کم کراتا رہا،میراث کم ہوگی تو وصیت زیادہ ہوگی۔

۶؎ یعنی تمہاری پہلی وصیت تو بالکل باطل ہوچکی ہے،اب نئے سرے سے وصیت کرو جو تہائی سے زیادہ نہ ہو یا یہ مطلب ہے کہ اپنی پہلی وصیت کو خود باطل کردواور اب نئی وصیت کرو۔خیال رہے کہ وصیت کرنے والا اپنی وصیت باطل بھی کرسکتا ہے،اس میں ترمیم بھی کرسکتا ہے کیونکہ وصیت ایک قسم کا ہبہ ہے اور ہبہ میں تبدیلی یا فسخ قبل از قبضہ جائز ہے۔

	روایت حضرت ابو امامہ سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے خطبہ میں حجتہ الوداع کے سال فرماتے سنا ۱؎ کہ اللہ نے ہر حقدار کو اس کا حق دیا ہے لہذا وارث کے لیے وصیت نہیں ۲؎ (ابوداؤد،ابن ماجہ)اور ترمذی نے یہ بڑھایا کہ بچہ بستر والے کا ہے اور زنانی کے لیے پتھر ہیں ۳؎ ان کا حساب اللہ کا ذمہ ہے ۴؎ اور حضرت ابن عباس سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یوں راوی کہ فرمایا وارث کے لیے وصیت نہیں مگر یہ کہ وارث راضی ہوں یہ منقطع ہے ۵؎ یہ مصابیح کے الفاظ ہیں اور دار قطنی کی روایت میں ہے کہ فرمایا وارث کے لیے وصیت جائز نہیں مگر جب کہ وارث راضی ہوں ۶؎

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ اس خطبہ سے مراد حج کا خطبہ ہے جو آپ نے عرفات میں دیااور ہوسکتا ہے کہ کوئی اور خطبہ مراد ہو۔

۲؎ آیات میراث آنے سے پہلے اہل قرابت کے لیے وصیت کرنا ازروئے قرآن فرض تھی کہ رب نے فرمایا:"كُتِبَ عَلَيۡكُمۡ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الۡمَوۡتُ اِنۡ تَرَكَ خَيۡرَا ۖۚ اۨلۡوَصِيَّةُ لِلۡوٰلِدَيۡنِ وَالۡاَقۡرَبِيۡنَ"۔آیات میراث سے یہ فرضیت منسوخ ہوگئی مگر جواز وصیت کا نسخ اس حدیث سے ہوا کہ اب جسے ایک پائی میراث ملے اس کے لیے وصیت نہیں ہوسکتی۔معلوم ہوا کہ قرآن کا نسخ حدیث سے جائز بلکہ واقع ہے۔

۳؎ بیوی اور لونڈی کو فراش کہا جاتا ہے کیونکہ اسے اپنے خاوند اور مولیٰ کے بستر پر لیٹنے کا حق ہے۔مطلب یہ ہے کہ اگرکسی کی لونڈی یا بیوی کے بچے کے متعلق کوئی اجنبی شخص کہے کہ یہ بچہ میرا ہے تو اس کی بات نہ مانی جائے گی بچہ اس

عورت کے خاوند یا مالک کا ہوگا،ہاں اس کہنے والے کو زنا کی سزا دی جائے گی کہ اس نے زنا کا اقرار کرلیا۔حجر سے مراد رجم ہےاور اگر یہ شخص اس قول سے توبہ کرلے تب بھی اسے حد قذف لگے گی یعنی پاکدامن عورت کو تہمت لگانے کی سزا۔

۴؎ اس جملہ کے کئی معنے ہوسکتے ہیں:ایک یہ کہ اگر اس نے زنا کا جھوٹا اقرار کیا ہے اور ہم نے سزا دے دی تو ہم مجرم نہیں۔دوسرے یہ کہ زنا کی سزا دینے کے بعد بھی زانی کی بخشش یقینی نہیں،رب چاہے تو معاف کرے۔تیسرے یہ کہ جن گناہوں کی شریعت میں سزا نہیں ہے ان کا حساب اللہ کے ہاں ہے۔(مرقات،لمعات)

۵؎ منقطع وہ روایت ہے جس میں تابعی سے پہلے کوئی راوی رہ گیا ہو یا راوی کا نام نہ مذکور ہو بلکہ رجلٌ یا شیخٌ کہہ دیا گیا ہو کیونکہ مجہول مثل معدوم کے ہے۔(مرقات)

۶؎ یعنی وارث کے لیے وصیت جائز نہ ہونا دوسرے وارثوں کے حق کی وجہ سے تھا اگر وہی اس کو جائز کردیں تو جائز ہے،یہی مسئلہ تمام آئمہ کے ہاں ہے اگرچہ اس کی ایک اسناد منقطع ہےمگر چونکہ دوسری اسنادیں متصل بھی ہیں اس لیے یہ حدیث صحیح ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی حضور انور نے فرمایا کہ ایک مردو عورت ساٹھ سال اللہ کی اطاعت کے کام کرتے رہتے ہیں پھر انہیں موت آتی ہے ۱؎ تو وصیت میں کسی کو نقصان پہنچا جاتے ہیں ۲؎ ان کے لیے آگ واجب ہوجاتی ہے ۳؎ پھر حضرت ابوہریرہ نے یہ آیت تلاوت کی بعد ادائے قرض وصیت کے جو وہ کر گیا ہے جب کہ کسی کو نہ نقصان دیا ہو باری تعالٰی کے فرمان تک یہ بڑی کامیابی ہے ۴؎(احمد،ترمذی،ابوداؤد،ابن ماجہ)	

۱؎ یہاں ساٹھ سال سے مراد بڑی مدت ہے خواہ اس سے زیادہ ہو یا کم۔ساٹھ تحدید کے لیے بلکہ تکثیر کے لیے ہےاور موت آنے سے مراد موت کے علامات نمودار ہونا ہیں ورنہ خاص موت آجانے پر بولنا مشکل ہوجاتا ہے،وصیت کرنا یا وصیت میں نقصان پہنچانا کیسا۔

۲؎ وصیت میں نقصان پہنچانے کی چند صورتیں ہیں:ایک یہ کہ اپنے وارثوں کو نقصان پہنچانے کی نیت سے وصیت کر جائے کہ تہائی مال وصیت میں نکل جائے تو وارثوں کے حصے کم ہوجائیں۔دوسرے یہ کہ نالائق اور برے لوگوں کو وصیت کرجائے،اپنا تہائی مال کسی بدمعاش کو دے جائے تاکہ وہ وارثوں کے ساتھ رہ کر انہیں تنگ کرے۔تیسرے یہ کہ پہلے وصیت کی تھی پھر مرتے وقت وصیت سے رجوع کرے یا اس میں کچھ ترمیم کرے تاکہ وصیت والے کو نقصان ہو۔غرضکہ فی الوصیة کی فی یا بمعنی ب ہے یا اپنے ہی معنی میں ہے۔

۳؎ یعنی دوزخ کا مستحق ہوجاتا ہے،رہا دوزخ میں جانایہ رب تعالٰی کی مرضی پر ہے یہاں وجوب استحقاق کا ہے نہ کہ دخول کا۔(مرقات)

۴؎ حضرت ابوہریرہ نے اس میں جو لفظ غیر مضار ہے اس سے دلیل پکڑی،یہاں آیت میں مضار اسم فاعل ہے یعنی مرنے والے نے وصیت میں کسی کو نقصان نہ پہنچایا ہو۔

الفصل الثالث

تیسری فصل

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اچھی وصیت پر مرا ۱؎ وہ دین کے راستے اور سنت پر مرا اور تقویٰ وشہادت کی موت مرا اور بخشا ہوا مرا ۲؎ (ابن ماجہ)	

۱؎ اس طرح کہ مرتے وقت اپنے مال کا کچھ حصہ فقراء پر یا کسی کار خیر میں لگانے کی وصیت کر گیا،یاکسی دینی ادارہ میں لگانے کی وصیت کر گیا۔

۲؎ سبیل سے مراد رضائے الٰہی کا راستہ ہے اور سنت سے مراد اچھا طریقہ ہے یا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ حضور انور کا مال بعد وفات راہِ خدا میں خرچ ہوا اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مال کی وصیت نہ فرمائی،پہلے فرمادیا تھا کہ ہمارا مال بعد وفات صدقہ ہے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بعض نیک عمل بظاہر معمولی تر ہیں مگر ان کا ثواب بہت زیادہ ہوتا ہے،دیکھو بعد موت مال راہ خدا میں خرچ کرنا معمولی کام ہے کہ وہ انسان اب مال سے بے نیاز ہوچکا مگر اس پر بھی اتنا بڑا ثواب ملا ،ایسے درجے کا مستحق ہوا اس لیے صوفیاء فرماتے ہیں کہ معمولی نیکی کو بھی ہلکا نہ جانو،کبھی ایک گھونٹ پانی جان بچالیتا ہے اور معمولی گناہ کرنہ لوکہ کبھی چھوٹی چنگاری گھر جلادیتی ہے۔خیال رہے کہ یہاں شہادت سے مراد حکمی شہات ہے۔

روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے باپ سے وہ اپنے دادا سے راوی کہ عاص ابن وائل نے وصیت کی تھی کہ اس کی طرف سے سو غلام آزاد کردیئے جائیں ۱؎ تو اس کے بیٹے ہشام نے پچاس غلام آزاد کردیئے ۲؎ پھر اس کے بیٹے عمرو نے چاہا کہ باقی پچاس اس کی طرف سے وہ آزاد کردیں ۳؎ بولے میں تو آزاد نہ کروں گا تاآنکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لوں ۴؎ چنانچہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے باپ نے وصیت کی تھی کہ اس کی طرف سے سو غلام آزاد کردیئے جائیں اور ہشام نے اس کی طرف سے پچاس آزاد کردیئے ہیں اور اس پر پچاس غلام باقی ہیں تو کیا اس کی طرف سے میں آزاد کردوں ۵؎ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ	

	وسلم نے فرمایا کہ اگر وہ مسلمان ہوتا پھر تم اسکی طرف سے آزاد کرتے اس کی طرف سے خیرات یا حج کرتے یہ سب کچھ اسے پہنچ جاتا ۶؎(ابوداؤد)

۱؎ پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ عمرو ابن شعیب کے دادا عبداللہ ابن عمروابن عاص ہیں،وہ خود اپنا واقعہ بیان کررہے ہیں کہ میرے باپ عاص ابن وائل نے مرتے وقت سو غلام لونڈیاں آزاد کرنے کی وصیت کی تھی،عاص ابن وائل قرشی سہمی ہے،حضور انور کا زمانہ پایا مگر اسلام نہ لایا،اس کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی"اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ"آپ کا بدگو ابتر یعنی بے اولادا ہے کہ اللہ نے اس کی اولاد کو اسلام کی توفیق دے کر اسے حکمًا لاولد کردیا،اس کی ساری اولاد ایمان لے آئی۔

۲؎ ہشام قدیم الاسلام صحابی ہیں،پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے تھے پھر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر سن کر مکہ معظّمہ یہ پتہ کرنے آئے کہ حضور نے ہجرت کہاں کی ہے باپ نے پکڑ لیا،پھر غزوہ خندق کے بعد مدینہ منورہ پہنچے،بڑے فقیہ عالم تھے ۱۳ھ میں غزوہ یرموک میں شہید ہوئے۔(مرقات)انہوں نے حضور انور سے بغیر پوچھے پچاس غلام آزاد کردیئے یہ سمجھ کر کہ اسلام والدین کے ساتھ احسان کرنے سے منع نہیں فرماتا۔

۳؎ حضرت ابن عمرو ابن عاص اپنے بھائی ہشام سے عمر میں بڑے ہیں،آپ ۵ھ یا ۸ھ میں حضرت خالد ابن ولید اور عثمان ابن طلحہ کے ساتھ ایمان لائے،حضور انور نے آپ کو تمان کا حاکم بنایا،پھر حضرت عمر کے زمانہ میں آپ نے ہی مصر فتح کیا،حضرت عمرعثمان،معاویہ کے زمانہ میں عامل رہے امیر معاویہ نے آپ کو اپنے زمانہ میں مصر میں جاگیر بخشی،آپ وہاں ہی رہے، ۴۳ھ میں ننانوے سال کی عمر میں مصر ہی میں وفات پائی،پھر ان کے بیٹے عبداللہ ابن عمرو مصر کے حاکم رہے جنہیں بعد میں امیر معاویہ نے معزول کردیا۔

۴؎ یعنی اگرچہ عاص میرا باپ تھا مگر کافر بھی تھا اس لیے اس کی وصیت حضور انور سے پوچھ کر پوری کروں گا،یہ اجتہاد سے تھا مگر پہلے اجتہاد سے اعلیٰ یا تو آپ نے اپنے بھائی ہشام سے یہ فرمایایا دل میں سوچا۔

۵؎ اس سوال سے معلوم ہوا کہ نیکی بھی بزرگوں کے مشورہ اور ان کی اجازت سے کرنا چاہیے،دیکھو غلام آزاد کرنا بہرحال ثواب تھا اگر عاص کو اس کا ثواب نہ بھی ملے تب بھی خود حضرت عمرو ابن عاص کو تو ثواب ملنا ہی تھا مگر پھر بھی حضور انور سے اجازت مانگ کر آزاد کرنا چاہتے ہیں۔صوفیاء کے نزدیک ورد،وظیفے شیخ کی اجازت سے کیے جاتے ہیں کہ اجازت کی برکت سے ان میں الفاظ کی تاثیر کے ساتھ زبان کی تاثیر بھی جمع ہوجاتی ہے،گولی بارود کی مدد سے مار کرتی ہے،تلوار کی دھار بغیر درست وار کے نہیں کاٹتی۔

۶؎ مگر چونکہ عاص کافر ہوکر مرا اس لیے اسے تمہاری کسی نیکی کا ثواب نہیں پہنچ سکتا،نہ وہ عذاب الٰہی سے بچ سکتاہے۔ اس فرمان عالی سے چند مسئلے معلوم ہوئے:ایک یہ کہ کافر کو ثواب بخشنا منع ہے کہ حضور انور نے اس کی اجازت نہ دی۔دوسرے یہ کہ اگر اسے ایصال ثواب کیا بھی جائے تو ثواب پہنچتا نہیں،جب اسے اپنی نیکیوں کا ثواب نہیں ملتا تو دوسرے کی نیکیوں کا بخشا ہوا ثواب کیسے ملے گا۔مردہ کو کوئی دوا فائدہ نہیں پہنچاتی،کافر کو کوئی دعا عذاب سے نہیں بچاتی۔تیسرے یہ کہ مسلمانوں کو ہرقسم کی عبادات کا ثواب بخشنا جائز ہے اور انہیں پہنچتا بھی ہے،دیکھو غلام آزاد کرنا،صدقہ و خیرات،حج مختلف

قسم کی عبادتیں ہیں مگر سب کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ اگر وہ مسلمان ہوتا تو ثواب پہنچ جاتا۔خیال رہے کہ کافر کو بعض نیکیوں کی بدولت عذاب ہلکا ہوجاتا ہے مگر عذاب سے رہائی نہیں ہوتی نہ وہ جنت کی کسی نعمت کا مستحق ہوتا ہے، دیکھو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے باعث ابو طالب کا عذاب ہلکا ہے،ولادت پاک کی خوشی منانے کے سبب ابولہب کو سوموار کے دن عذاب میں تخفیف ہوتی ہے۔(بخاری شریف)لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں۔آج بعض لوگ ایصال ثواب کے انکاری ہیں وہ ان احادیث میں غور کریں۔

روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو اپنے وارث کو اس کی میراث سے محروم کرے ۱؎ تو اللہ اس کو قیامت کے دن جنت کی میراث سے محروم کردے گا۲؎(ابن ماجہ)اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا۔	

۱؎ اپنے وارث کو میراث سے محروم کرنے کی بہت صورتیں ہیں:کسی کو وصیت کرنا تاکہ ورثہ کا حصہ کم ہوجائے،کسی کے لیے قرض کا جھوٹا اقرار کرلینا تاکہ وارث کے حصے کم ہوں، بیوی کو طلاق دے دینا تاکہ وہ وارث نہ ہوسکے،اپنا کل مال کسی کو دے جانا تاکہ وارثوں کو کچھ نہ ملے،کسی وارث کو قتل کرادینا تاکہ میراث نہ پاسکے یا اپنے بچہ کا انکار کردینا کہ یہ بچہ میرا ہے ہی نہیں تاکہ میراث نہ پاسکے،اپنی زندگی میں سارا مال برباد کردینا تاکہ وارثوں کے لیے کچھ نہ بچے وغیرہ،بعض اپنے کسی بیٹے کو عاق کر دیتے ہیں یا کہہ دیتے ہیں کہ ہماری میراث سے اسے کچھ نہ دیا جائے یہ محض بے کار ہے اس سے وہ وارث محروم نہ ہوگا۔میراث سے محروم کرنے والی چیز مسلمان کے لیے صرف تین ہیں: غلام ہونا،قتل،اختلاف دین،ان کے سوا کسی اور وجہ سے محرومی نہیں ہو سکتی۔

۲؎ جو چیز بغیر عقد اور بغیر مشقت کے ملے اسے میراث کہہ دیتے ہیں،یہاں یہ ہی مراد ہے۔نیز ہر جنتی جنت میں اپنا حصہ بھی لے گا اور کافر کے جنتی حصہ پر قبضہ کرلے گا،اس لحاظ سے بھی اسے میراث کہہ دیتے ہیں۔مطلب یہ ہے کہ رب تعالٰی ایسے ظالم کو جنت سے محروم کردے گا۔محرومی سے مراد ہے اولًا داخلہ سے محروم کردے گا ورنہ ہر مسلمان خواہ کتنا ہی گنہگار ہوگا آخرکار جنت میں داخل ہوگا جیسے اس شخص نے اپنے منتظر وارث کو محروم کردیا ایسے ہی اسے جنت کا انتظار کرنے کے بعد جب قیامت میں اسے جنت کا سخت انتظار ہوگا اسے محروم کردیا جائے گا،بہرحال یہ جرم بدترین ہے رب تعالٰی ظلم سے بچنے کی توفیق دے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تعالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِهٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمَ

الحمدللہ کہ جلد چہارم مرآت شرح مشکوٰۃ یکم اکتوبر ۱۹۶۰ء کو شروع ہوکر آج ۳جولائی ۱۹۶۱ء مطابق ۲۰محرم الحرام ۱۳۸۱ھ یوم دوشنبہ کل ۹ماہ تین دن میں ختم ہوئی،رب تعالٰی اسے قبول فرمائے اور صدقہ جاریہ بنائے۔

احمد یار خان نعیمی غفرلہٗ ولوالدیہ